پسند فرمودہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کے شاگرد رشید

حضرت العلامہ مولانا الحاج محمد عثمان غنی صاحب

شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم وقف سہارنپور

مصنف

حضرت مولانا مفتی عبد الرزاق صاحب امروہوی

استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ یوپی

باب: ۸۵-۱۶۹	حدیث: ۲۱۴-۴۹۷	جلد دوم

کتاب الطہارۃ ، کتاب الصلوٰۃ

نام کتاب	السمح المحمود في حلّ سنن أبي داؤد (جلد دوم)
مُصنّف	حضرت مولانا مفتی عبد الرزاق صاحب قاسمی امروہوی
کمپیوٹر کتابت	حذیفہ کمپیوٹر سینٹر، دیوبند
تصحیح کنندہ	مولانا عمیر احمد قاسمی دیوبند
طبع اوّل	۲۰۰۸ء
باہتمام	ذوالفقار علی
مطبوعہ	زکریا آفسیٹ پریس، دیوبند
ناشر	

فون دوکان: ۰۱۳۳۶-۲۲۳۲۲۳ مکان: ۰۱۳۳۶-۲۲۵۲۲۳ فیکس: ۰۱۳۳۶-۲۲۵۲۲۳

مالک زکریا بکڈپو دیوبند، سہارنپور یوپی ۲۴۷۵۵۴ ذوالفقار علی

ZAKARIA BOOK DEPOT
DEOBAND, SAHARANPUR (U.P.)
Ph.:(01336) 223223 (O) 225223 ®
Fax : (01336) 225223

فہرست ابواب
''السمح المحمود في حلّ سنن أبي داؤد''
جلد ثانی

مضمون **صفحه**

أول كتاب الصلاة ٢٧٨

تَمّ الجزء الثاني من السمح المحمود

عرضِ مؤلف

الحمدلله رب العالمین، والصلاة والسلام علی سید الأنبیاء والمرسلین، وعلی آله وأصحابه أجمعین وبعد!

اللہ تبارک وتعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر اور احسان ہے کہ "السمح المحمود فی حل سنن أبي داؤد" کی جلد ثانی ہدیۂ ناظرین ہے۔ اس جلد میں سنن ابوداؤد کی ۲۱۴ سے ۴۹۷ تک کی احادیث کی مکمل تشریح ہو چکی ہے، اس کے انتظار میں طلبۂ عزیز کو کافی کوفت اٹھانی پڑی ہے، اس تاخیر پر احقر ان سے معذرت خواہ ہے، تاخیر کا سبب جہاں اس کام کی مشکلات ہیں وہیں احقر کی علمی تہی دامنی بھی ہے۔ خداوند قدوس اپنے فضل سے بہ حسن وخوبی اس کی تکمیل کو آسان فرمائے۔

"السمح المحمود" کی یہ جلد ثانی اس حیثیت سے جلد اوّل کے مقابلہ میں ممتاز ہے کہ اس میں متعدد نسخوں کو سامنے رکھ کر متن کی تصحیح کا اہتمام کیا گیا ہے، تمام احادیث پر عالمی نسخے کے مطابق نمبر لگائے گئے ہیں، متن کی تمام احادیث کی تخریج کا اہتمام کیا گیا ہے، اس تخریج کو بھی اولاً کتب ستہ سے کیا گیا ہے اگر کتب ستہ میں یہ روایت نہیں ہے تو پھر دیگر مسانید اور معاجم کی طرف رجوع کیا گیا ہے۔ تخریج کے دوران تحفۃ الاشراف کی حدیث نمبر کو اہتمام کے ساتھ لکھ دیا گیا ہے تاکہ مراجعت میں آسانی ہو۔ حاشیہ میں شارح سنن ابوداؤد امام خطابیؒ کے اقوال کو ذکر کیا گیا ہے، نیز مسائل اور تشریح کے دوران احادیث وآثار اور مذاہب فقہاء کے مکمل حوالے دینے کا زیادہ التزام کیا گیا ہے، جو ان شاء اللہ مفید ثابت ہوں گے۔

قارئین کرام سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ مطالعہ کے دوران کسی غلطی پر متنبہ ہوں تو مطلع فرما کر ممنون فرمائیں اور دعاء فرمائیں کہ اللہ رب العزت پوری کتاب "سنن ابوداؤد" کی تشریح کے کام کو آسان فرمائے اور اپنے خاص فضل سے اس کی تکمیل فرمائے، **وما ذلك علی الله بعزیز.**

آخر میں اپنے قابل احترام رفقاء اور عزیز طلبہ سے عاجزانہ درخواست ہے کہ وہ احقر، اس کے والدین، اساتذہ کرام اور متعلقین کو اپنی مقبول دعاؤں میں یاد رکھیں۔ **وما توفیقي إلا بالله، علیه توکلت وإلیه أنیب.**

محمد عبدالرزاق قاسمی امروہی
خادم حدیث جامعہ اسلامیہ عربیہ/ جامع مسجد، امروہہ
۶ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿بابٌ في الإكسال﴾

بغیر انزال کے جماع کرنے کا بیان

۲۱۴ ﴿حَدَّثَنَا أحمد بنُ صَالِحٍ قال : ثَنَا ابنُ وَهْبٍ قال : أَخْبَرَنِي عَمْرٌو – يعني ابنَ الحَارِثِ – عن ابنِ شِهَابٍ، قال : حَدَّثَنِي بَعْضُ مَنْ أَرْضَى أَنَّ سَهْلَ بنَ سَعْدٍ السَّاعِدِيَّ أَخْبَرَهُ أَنَّ أُبَيَّ بنَ كَعْبٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا جَعَلَ ذٰلِكَ رُخْصَةً لِلنَّاسِ فِي أَوَّلِ الإِسْلَامِ لِقِلَّةِ الثِّيَابِ ، ثُمَّ أَمَرَ بِالغُسْلِ ونَهٰى عَنْ ذٰلِكَ.

قَالَ أَبوداؤد : يَعْنِي المآءَ مِنَ المآءِ.﴾

اخرجه الترمذی فی "جامعه" في الطهارة، باب: ما جاء أن الماء من الماء (۱۱۰) وقال: هذا حديث حسن صحيح، وابن ماجه في "سننه" في الطهارة، باب: ما جاء في وجوب الغسل إذا التقى الختانان(۶۰۹). انظر"تحفة الأشراف" (۲۷).

ترجمہ : حضرت ابی بن کعب ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابتدا اسلام میں کپڑوں کی کمی کی وجہ سے اس میں (کہ اگر کوئی دخول کرے اور انزال نہ ہو تو غسل نہ کرنے کی) رخصت دے رکھی تھی، پھر آپ ﷺ نے غسل کا حکم دیا اور غسل نہ کرنے سے منع کر دیا۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ "ذلك" سے مراد حدیث "الماء من الماء" ہے۔

تشریح مع تحقیق : "الإكسال" امام جوہری فرماتے ہیں "أَكْسَلَ الرَّجُلُ فِي الجِمَاعِ أي خَالَطَ أَهْلَهُ ولم يُنْزِل، یعنی آدمی اپنی بیوی سے جماع کرے اور انزال نہ ہو۔

ماقبل میں مصنفؒ نے نواقض وضو کو مفصلاً بیان کیا اب یہاں سے موجبات غسل کو بیان فرمارہے ہیں، موجبات غسل میں پہلی چیز بیان فرمائی کہ آدمی اپنی بیوی سے جماع بغیر انزال کرے، جماع بغیر انزال جمہور علماء کے نزدیک موجب غسل ہے، اس کی تفصیل حدیث کی تشریح کے بعد بیان کی جائے گی۔

قوله : بعض من أرضى : مرقاۃ الصعود شرح ابوداؤد میں لکھا ہے کہ بعض من ارضی سے مراد ابو حازم سلمہ بن دینار ہو سکتے ہیں، ابن حبان کی رائے بھی یہی ہے۔

قوله : إنما جعل ذلك رخصة للناس الخ : ذلك کا مشار الیہ اکسال ہے، یعنی ابتدار اسلام میں حضور ﷺ نے دخول بغیر انزال سے غسل کے واجب نہ ہونے کی اجازت دے دی تھی، اور یہ رخصت قلت ثیاب کی وجہ سے دی گئی تھی، کیوں کہ بار بار غسل کرنے کی صورت میں جب ایک ہی کپڑے میں جسم کی تری بار بار لگے گی تو وہ کپڑا جلد ہی کمزور اور پرانا ہو جائے گا، اور وہ زمانہ غربت کا زمانہ تھا، ابن رسلان نے قلت ثیاب کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ کپڑوں کی کمی کی وجہ سے زوجین کو جب رات میں ایک ہی بستر میں سونا ہوگا تو اس میں مقارنت کی نوبت زیادہ آئے گی، جس میں کبھی انزال ہوگا اور کبھی نہیں، تو اس مجبوری کی وجہ سے بغیر انزال کے ترک غسل کی رخصت اور اجازت دے دی گئی تھی۔

کشف الغمہ کے حوالے سے صاحب عون المعبود نے لکھا ہے کہ عام نسخوں میں تو یہ لفظ "لقلة الثياب" ہی ہے، لیکن ایک نسخے میں بجائے ثیاب کے ثبات ہے، جس سے مراد پختگی ہے، اس صورت میں مطلب ہوگا کہ ابتدار اسلام میں ثبات فی الدین کی کمی اور کمزوری کی وجہ سے یہ سہولت دے دی گئی تھی، بعد میں جب دین میں پختگی آگئی تو اس رخصت کو ختم کر دیا گیا۔

قال أبو داؤد : "يعني الماء من الماء" : اس کلام سے مصنفؒ کی غرض یہ بیان کرنا ہے کہ حدیث میں جو "ذلك" لفظ آیا ہے اس سے مراد حدیث "الماء من الماء" ہے، اس حدیث میں مار اول سے مراد مار غسل ہے اور مار ثانی سے مراد مار منی ہے، اور مطلب یہ ہے کہ غسل کا وجوب انزال پر موقوف ہے، صرف ایلاج سے غسل واجب نہ ہوگا، لیکن یہ حدیث "الماء من الماء" اب منسوخ ہے۔

۲۱۵ ﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ مِهْرَانَ الْبَزَّارُ الرَّازِيُّ قَالَ : ثَنَا مُبَشِّرٌ الحَلَبِيُّ عن محمدٍ أَبِي غَسَّانَ عن أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بنِ سَعْدٍ قال : ثَنِي أُبَيُّ بنُ كَعْبٍ أَنَّ الْفُتْيَا التي كانُوا يَفْتُونَ أَنَّ المَآءَ مِنَ المَآءِ كانَت رخصةً رَخَّصَهَا رسولُ اللّٰه صلى الله عليه وسلم فِي بَدْءِ الإِسْلَامِ ثُمَّ أَمَرَ بالإِغْتِسَالِ بَعْدُ، قال أَبو داؤد : أَبو غَسَّانَ محمد بنُ مُطَرِّف﴾

تقدم تخريجه.

ترجمه : حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ جو فتویٰ دیا کرتے تھے کہ نہانا منی کے نکلنے سے واجب ہوتا ہے یہ ابتدار اسلام میں حضور ﷺ کی دی ہوئی رخصت تھی، بعد میں آپ ﷺ نے اس سے بھی غسل کرنے کا حکم دیدیا تھا۔

ابوداؤد نے کہا کہ ابو غسان سے مراد محمد بن مطرف ہیں۔

تشریح مع تحقیق : الفتیا : بضم الفاء وسکون التاء بمعنی شرعی سوال کا شرعی فیصلہ اسی معنی میں فتویٰ بھی استعمال ہوتا ہے اس کی جمع فَتَاوِ اور فتاویٰ آتی ہے۔

نسخ سے پہلے صحابہ کرام یہی فتویٰ دیا کرتے تھے کہ جب تک انزال نہ ہو تب تک غسل واجب نہ ہوگا، لیکن بعد میں اس سے رجوع کر لیا تھا، ابی بن کعب ﷺ کی یہ حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حدیث "إنما الماء من المآء" منسوخ ہے۔

ان کے علاوہ اور صحابہ کی احادیث میں بھی اس کے نسخ کی صراحت ملتی ہے۔

قال أبوداؤد : أبو غسان محمد بن مطرف : اس کلام سے مصنفؒ کی غرض ابوغسان کا تعارف کرانا ہے کہ یہاں پر ابوغسان سے مراد محمد بن مطرف راوی ہیں جو ثقہ ہیں اور صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں، اور اس تعارف کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ اس کنیت کے سات راوی ہیں جن میں کچھ متکلم فیہ بھی ہیں، یہاں متکلم فیہ راوی مراد نہیں ہیں۔

۲۱۶ ﴿حَدَّثَنَا مسلم بنُ إبْرَاهِيْمَ الفَرَاهِيْدِيُّ قَال : ثَنَا هشَامٌ وَشُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الحَسَنِ عَنْ أَبِي رَافِعٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النبيِّ صلى اللّٰه عليه وسلم قال : "إِذَا قَعَدَ بَيْنَ شُعَبِهَا الأَرْبَعِ وَ أَلْزَقَ الخِتَانَ بالخِتَانِ فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ.﴾

أخرجه البخاري في "صحيحه" في الغسل، باب إذا التقى الختانان (۲۹۱) ومسلم في "صحيحه" في الحيض، باب : نسخ "الماء من الماء" ووجوب الغسل بالتقاء الختانين (۸۷/۷۸۱) والنسائي في "المجتبى من السنن" في الطهارة، باب: وجوب الغسل إذا التقى الختانان (۱۹۱). وابن ماجه في "سننه" في الطهارة وسننها، باب: ما جاء في وجوب الغسل إذا التقى الختانان (۶۱۰). انظر "تحفة الأشراف" (۱۴۶۵۹).

ترجمہ : حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب مرد عورت کی چاروں شاخوں (دونوں پنڈلیوں اور دونوں رانوں) کے درمیان بیٹھ جائے اور مرد کی شرمگاہ عورت کی شرمگاہ سے مل جائے (حشفہ فرج کے اندر چلا جائے) تو غسل واجب ہوگا۔

تشریح مع تحقیق : "الفراهيذيّ : بفتح الفاء وتخفيف الراء وكسر الهاء وسكون الياء وكسر الذال : یہ فراہیذ کی طرف نسبت ہے اور یہ فراہیذ قبیلہ ازد کے تھے، بعض نسخوں میں ذال کے بجائے دال سے لکھا ہوا ہے۔

قوله : "إذا قَعَدَ بين شعبها الأربع": شُعَب تو شعبة کی جمع ہے بمعنی حصہ اور اربع اس کی صفت ہے، اب عورت کے چار حصوں سے مراد کیا ہے؟ اس سلسلے میں شراح حدیث نے مختلف اقوال لکھے ہیں، حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ: ابن دقیق العید کے قول کے مطابق اس سے مراد عورت کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر ہیں، اور کہا گیا ہے کہ

رجلین اور فخذین مراد ہیں، اور کہا گیا ہے کہ دونوں پنڈلیاں اور فخذین مراد ہیں اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اس سے مراد شرمگاہ (فرج) کے چاروں کنارے ہیں، ان میں سے کوئی بھی معنی مراد لیا جائے اصل مقصد جماع سے کنایہ کرنا ہے کہ جب آدمی اس طرح جماع کرے کہ مرد کا ذکر عورت کی فرج میں داخل ہو جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔

قوله : ألزق الختان بالختان : ختان سے مراد موضع ختان ہے، اس لئے کہ ختان کے معنی تو ختنہ کے ہیں، اور اس لفظ کا استعمال مرد و عورت دونوں کے لئے ہوتا ہے، شراح لکھتے ہیں کہ اس جملے سے بھی ایلاج حشفہ کی طرف اشارہ ہے، اس لئے کہ محض التقار ختانین سے دخول کا تحقق نہیں ہوتا۔

چنانچہ سنن ابن ماجہ کی روایت ہے کہ: "إذا التقى الختانان وتوارت الحشفة فقد وجب الغسل" لہذا بغیر غیبوبۃ حشفہ نہ جماع کا تحقق ہوگا اور نہ ہی غسل واجب ہوگا، چنانچہ اگر کسی مرد نے اپنے ذکر کو عورت کی موضع ختان پر رکھ دیا اور اندر داخل نہیں کیا تو نہ مرد پر غسل واجب ہوگا اور نہ عورت پر۔

۲۱۷ ﴿حَدَّثَنَا أحمد بنُ صالحٍ قال : ثَنَا ابنُ وَهْبٍ قال : أَخْبَرَنِي عَمْرٌو عَنْ ابنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عن أَبِي سعِيدٍ الخُدْرِيِّ أَنَّ رسولَ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال : "المآءُ مِنَ المآءِ" وكَانَ أبو سَلَمَةَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ.﴾

أخرجه مسلم في "صحيحه" في الحيض، باب: إنما الماء من الماء (٧٧٤/٨١). انظر "تحفة الأشراف" (٤٤٢٤).

ترجمہ : حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پانی تو پانی سے ہے (غسل واجب ہوتا ہے منی کا پانی نکلنے سے) اور ابوسلمہ ایسا ہی کرتے تھے۔

تشریح مع تحقیق : ابوسلمہ تابعین میں سے ہیں ان کا عمل یہ تھا کہ وہ "الماء من الماء" والی حدیث پر عمل کیا کرتے تھے، اور اس آدمی پر غسل کو واجب نہیں سمجھتے تھے جس نے اپنے ذکر کو عورت کی فرج میں داخل کر لیا اور انزال نہیں کیا، لیکن ان کا یہ عمل نسخ کے علم ہونے سے پہلے زمانے پر محمول ہے جب ان کو بھی نسخ کا علم ہو گیا تو انہوں نے بھی غسل کے وجوب کا فتویٰ دے دیا۔

باب کی تمام احادیث کی تشریح کے بعد یہاں یہ ذکر کر دینا مناسب ہے کہ دور صحابہ میں اس مسئلے میں کیا اختلاف رہا ہے اور پھر اجماع کس طرح منعقد ہوا ہے۔

فرضیت پر اجماع

صدر اول میں صحابہ کرام کی ایک جماعت اس بات کی قائل تھی کہ جب تک انزال نہ ہو محض اکسال سے غسل واجب

نہیں ہوتا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ازواج مطہرات سے رجوع کے بعد تمام صحابہ کرام کا اس پر اجماع منعقد ہو گیا کہ ایلاج بغیر انزال بھی موجب غسل ہے۔

اختلاف کے وقت قائلین عدم غسل کا استدلال صحیح مسلم میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے تھا فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قبا جا رہا تھا، راستہ میں ہم محلّہ بنو سالم میں پہنچے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پہنچ کر عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کے دروازے پر ٹھہرے اور دستک دی، وہ اس وقت اپنی بیوی کے ساتھ مشغول تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سن کر اسی حال میں حاضر ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرنے کے بعد انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ معلوم کیا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے صحبت کرے اور انزال نہ ہو تو کیا اس پر غسل واجب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "الماۤء من الماۤء"۔ (صحیح مسلم ۱/۱۵۵)

اب اس حدیث سے صراحۃً یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ بغیر انزال کے غسل واجب نہیں ہوتا۔

اسی طرح صحیح مسلم ہی میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ: جو شخص اپنی بیوی کے پاس آئے اور اس کو انزال نہ ہو تو وہ اپنے ذکر کو دھولے اور وضو کرلے۔ (مسلم ۱/۱۵۵)۔

لیکن ان تمام استدلالات کا جواب ماقبل میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں موجود ہے کہ یہ "الماۤء من الماۤء" والی روایات منسوخ ہیں، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے بھی نسخ کی تصریح کی ہے، فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اپنی بیوی کے اوپر لیٹا ہوا تھا کہ اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دی، میں فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور مجھے ابھی انزال نہیں ہوا تھا، میں نے پہلے تو غسل کیا اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تاخیر سے آنے کی وجہ پوچھی تو میں نے بتادیا کہ میں اپنی بیوی کے ساتھ اس طرح مشغول تھا اور مجھے انزال نہیں ہوا تھا لیکن میں نے غسل کیا اس لئے دیر ہوگئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پر غسل کرنا ضروری نہ تھا، اس لئے کہ غسل تو جب واجب ہوتا ہے کہ جب پانی نکل جائے، رافع کہتے ہیں کہ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے (ایلاج بغیر انزال سے) بھی غسل کا حکم فرمادیا۔ (مجمع الزوائد ۱/۲۶۶)۔

اسی طرح ایک روایت حضرت عائشہؓ سے بھی مروی ہے فرماتی ہیں کہ فتح مکہ سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح کرتے تھے اور غسل نہ کرتے تھے لیکن بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی غسل کرنا شروع کردیا تھا۔

البتہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما "الماء من الماء" والی حدیث کو منسوخ نہیں مانتے تھے، بلکہ اس میں تاویل کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ حدیث احتلام پر محمول ہے یعنی جماع کی دو قسمیں ہیں ایک جماع فی الیقظہ اور دوسرے جماع فی المنام، جس کو احتلام کہتے ہیں اول صورت میں "إذا جاوز الختان الختان" پر عمل ہوگا کہ حالت یقظہ میں تو التقاء ختانین سے غسل واجب ہو جائے گا، اور دوسری صورت میں الماء من الماء پر عمل ہوگا چنانچہ احتلام میں بلا انزال

کے بالاتفاق غسل واجب نہیں ہوتا۔

لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس تاویل پر اعتراض یہ پڑتا ہے کہ "الماء من الماء" تو حالت یقظہ کے بارے میں ہے جیسا کہ عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث سے پتہ چلا پھر اس کو حالت نوم پر کیسے محمول کیا جا سکتا ہے؟

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مراد یہ نہیں کہ یہ حدیث شروع ہی سے احتلام پر محمول ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں نسخ ہونے کے بعد اب یہ حکم صرف احتلام میں باقی رہ گیا ہے، اور ایسا بکثرت ہوتا ہے کہ ایک حدیث منسوخ بعض جزئیات میں واجب العمل باقی رہے۔ (معارف السنن ۱/۳۷۷)۔

نوٹ: بعض حضرات کا خیال ہے کہ امام بخاریؒ اس مسئلے میں جمہور سے اختلاف رکھتے ہیں، لیکن صحیح یہ ہے کہ امام بخاریؒ کا مذہب جمہور سے مختلف نہیں ہے بلکہ جمہور کے موافق ہے وہ ایلاج بلا انزال سے وجوب غسل ہی کے قائل تھے۔ واللہ اعلم

﴿بابٌ فِي الْجُنُبِ يَعُودُ﴾

جنبی کے غسل سے پہلے دوسرا جماع کرنے کا بیان

۲۱۸ ﴿حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قال : ثَنَا إسمعيلُ قال : ثَنَا حُمَيدٌ الطَّوِيْلُ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم طَافَ ذَاتَ يَوْمٍ عَلٰى نِسَائِه في غُسْلٍ واحِدٍ.

قال أَبو داؤدَ : هٰكَذا رواهُ هشَامُ بنُ زيدٍ عَنْ أَنَسٍ، وَمَعْمَرٌ عن قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ، وصَالِحُ بنُ أَبِي الأَخْضَرِ عَنِ الزُّهْرِيِّ، كُلُّهُمْ عَنْ أَنَسٍ عن النبي صلى الله عليه وسلم.﴾

أخرجه النسائي في "المجتبى من السنن" في الطهارة، باب: إتيان النساء قبل إحداث الغسل (٢٦٣). انظر "تحفة الأشراف" (٥٦٨).

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام عورتوں کے پاس ہو کر آئے ایک ہی غسل سے۔

ابوداؤد نے کہا کہ ہشام بن زید نے انس رضی اللہ عنہ سے اور معمر نے بواسطۂ قتادہ انس رضی اللہ عنہ سے اور صالح بن ابی الاخضر نے بواسطۂ زہری حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

تشریح مع تحقیق : باب کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اگر ایک مرتبہ جماع کرنے کے بعد دوبارہ جماع کرنا چاہے تو اس کے لئے درمیان میں غسل کرنا واجب اور ضروری ہے یا نہیں؟ روایت الباب سے معلوم ہوا کہ ضروری نہیں۔

چنانچہ تمام فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ دو جماعوں کے درمیان غسل ضروری نہیں، اسی بیان جواز کے لئے حضور ﷺ کا یہ عمل تھا کہ آپ ﷺ نے ایک ہی رات میں تمام ازواج مطہرات سے جماع فرمایا، اگرچہ آپ ﷺ کا عام معمول یہ نہیں تھا، آپ ﷺ کا عام معمول وہ ہے جس کو مصنفؒ اگلے باب میں بیان فرمائیں گے، آپ ﷺ کے عام معمول کے مطابق ہر بار غسل کرنا افضل ہے۔

پھر یہاں پر ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ ایک ہی رات میں تمام ازواج مطہرات کے پاس جانا بظاہر تقسیم بین الزوجات کے خلاف ہے؟

اس کے جواب میں بعض حضرات نے تو یہ فرمایا ہے کہ آپ ﷺ پر تقسیم واجب نہیں تھی، جیسا کہ آیت قرآنی "تُرْجِيْ مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِيْ إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ" سے معلوم ہوتا ہے، لیکن یہ جواب اس لئے کمزور معلوم ہوتا ہے کہ اگر آپ ﷺ پر تقسیم کا عدم وجوب تسلیم بھی کرلیا جائے تو یہ بات مسلم ہے کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ تقسیم کا لحاظ رکھا ہے اور کبھی اس رخصت سے فائدہ نہیں اٹھایا۔

بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ طواف علی النساء، صاحبة النوبة کی اجازت سے تھا، یعنی جس زوجہ مطہرہ کی باری تھی اس کی رضامندی سے آپ ﷺ نے ایسا کیا، ملا علی القاری کی یہی رائے ہے۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ واقعہ سفر کے متصل بعد کا ہے جب کہ نوبت شروع ہی نہیں ہوئی تھی۔

بعض کا کہنا ہے کہ یہ قسمت کے وجوب سے پہلے کا واقعہ ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی کئی جواب دئے گئے ہیں لیکن سب سے بہتر توجیہ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمائی ہے اور وہ یہ کہ یہ واقعہ صرف دوبار پیش آیا، ایک حجۃ الوداع کے موقع پر احرام باندھنے سے پہلے اور ایک طواف زیارت کے بعد احلال کے وقت، احرام باندھنے سے پہلے زوجین کا وظیفۂ زوجیت سے فارغ ہونا سنت ہے اور سفر میں چوں کہ تمام ازواج مطہرات ساتھ تھیں اس لئے آپ ﷺ نے سب کو اس سنت پر عمل پیرا کرنے کی غرض سے ایسا کیا اور حالت سفر کی تھی اس لئے تقسیم واجب نہیں تھا، اسی طرح طواف زیارت کے بعد احلال کامل وطی سے ہوتا ہے اور وہاں آپ ﷺ نے اسی غرض سے ایسا کیا۔ واللہ اعلم

نوٹ: آپ ﷺ کی تمام ازواج مطہرات کے اسماء گرامی بھی شراح حدیث نے اس جگہ لکھے ہیں، ہم بھی فائدہ کی غرض سے ان کو یہاں لکھ دیتے ہیں، حسب ترتیب نکاح تمام ازواج مطہرات کے نام یہ ہیں:

۱- حضرت خدیجہؓ۔

۲- حضرت سودہؓ بنت زمعہ ﷞۔

۳- حضرت عائشہؓ بنت ابی بکر ﷞۔

۴- حضرت حفصہؓ بنت عمر ﷞۔

۵- حضرت زینب بنت خزیمہ ﷞۔

۶- حضرت ام سلمہ بنت ابوامیہ ﷞۔

۷- حضرت زینب بنت جحش ﷞۔

۸- حضرت جویریہ بنت حارث ﷞۔

۹- حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان ﷞۔

۱۰- حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب ﷞۔

۱۱- حضرت میمونہ بنت الحارث ﷞۔

یہ کل گیارہ ہوئیں، جن سے آپ ﷺ کا استمتاع ثابت ہے، ان میں سے حضرت خدیجہؓ اور زینب بنت خزیمہ ﷞ نے آپ ﷺ کی حیات میں وفات پائی، اور باقی نو آپ ﷺ کی وفات کے وقت میں موجود تھیں، ان کے علاوہ آپ ﷺ کی دو کنیزیں بھی تھیں، ایک ماریہ قبطیہ اور دوسری ریحانہ۔ واللہ اعلم

قال أبو داؤد : هكذا رواه هشام الخ : مصنفؒ حدیث مذکور کی تقویت کے لئے چند طرق اور ذکر فرمارہے ہیں، باب کے تحت جو روایت مذکور ہے اس کو حضرت انس ﷜ سے روایت کرنے والے حمید الطویل ہیں، مصنفؒ فرماتے ہیں کہ حمید کی طرح ہشام بن زید، قتادہ اور زہری بھی اس روایت کو اسی طرح بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک ہی غسل سے تمام ازواج مطہرات سے مقارنت فرمائی اور مصنفؒ نے ہشام، قتادہ اور زہری کے طرق کو مکمل سند سے نہیں بیان کیا اس لئے یہ تعلیقات میں شمار ہوں گے، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے بذل المجہود (۱۴۴/۱) میں لکھا ہے کہ ہشام کی روایت مسلم شریف میں اور قتادہ و زہری کی روایت سنن ابن ماجہ میں موجود ہے۔

❁ ❁ ❁

﴿بابُ الْوُضُوءِ لِمَنْ أرَادَ أن يَعُوْدَ﴾

دوبارہ جماع کرنے والے کے لئے وضو کرنے کا بیان

۲۱۹ ﴿حَدَّثَنَا موسىٰ بنُ إسْمَاعِيلَ قال : ثَنا حَمَّادٌ عَنْ عَبْدِ الرحمنِ بنِ أبي رَافِعٍ عَنْ عَمَّتِهِ سَلْمٰى عَنْ أبي رافِعٍ أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم طَافَ ذَاتَ يَوْمٍ عَلٰى نِسَائِهِ يَغْتَسِلُ عِنْدَ هٰذِه وَعِنْدَ هٰذِه ، قال : فَقُلْتُ له : يا رسولَ الله ! ألَا تَجْعَلُهُ غُسْلًا وَاحِدًا؟ قال : "هٰذَا أَزْكى وَأَطْيَبُ وأَطْهَرُ".﴾

قال أبو داؤدَ : حديثُ أنَسٍ أَصَحُّ مِنْ هٰذَا.

أخرجه ابن ماجه في "سننه" في الطهارة، باب: فيمن يغتسل عند كل واحدة غسلا (٥٩٠). والنسائي في "الكبرى". انظر "تحفة الأشراف" (١٢٠٣٢).

ترجمہ : حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام عورتوں کے پاس گئے اور ہر ایک کے پاس غسل کیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ سب سے فارغ ہو کر ایک بار غسل کیوں نہیں کر لیتے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ پاکیزہ ہے، بہتر ہے اور نہایت پاک ہے۔

ابوداؤد نے کہا کہ حضرت انس کی حدیث اس حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔

تشریح مع تحقیق : پہلے باب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث تھی جس میں صرف ایک ہی غسل پر اکتفاء کا بیان تھا، جو بیان جواز پر محمول ہے، اور اس باب میں متعدد بار غسل کرنے کا بیان ہے جو افضلیت پر محمول ہے، جیسا کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "ازکی واطیب واطہر" سے اشارہ فرمادیا ہے۔

یہاں پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کو اس خاص واقعہ اور ہر ایک زوجہ کے پاس غسل کرنے کی اطلاع کیسے ہوگئی؟ جواب یہ ہے کہ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام میں سے ہیں، ہوسکتا ہے کہ ابورافع رضی اللہ عنہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے پانی کا انتظام کر رہے ہوں۔

قال أبو داؤد : حديث أنس أصح من هذا : ہم نے بتایا کہ باب سابق میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی غسل میں تمام ازواج مطہرات سے مقارنت فرمائی اور اس باب میں ابورافع رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بیوی سے مقارنت کے بعد الگ الگ غسل فرمایا، بظاہر یہ دونوں حدیثیں متعارض ہوئیں لیکن حقیقۃً

کوئی تعارض نہیں، اس لئے کہ حدیث انس رضی اللہ عنہ بیان جواز پر محمول ہے اور حدیث ابورافع رضی اللہ عنہ افضلیت پر۔

لیکن ہمارے مصنفؒ دونوں میں تعارض سمجھ رہے ہیں تو انہوں نے ترجیح کا طریقہ اختیار کیا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے رواۃ زیادہ ثقہ ہیں اس لئے وہ اصح روایت ہے اور ابورافع رضی اللہ عنہ کی حدیث کے رواۃ ثقہ تو ہیں لیکن کم درجہ کے ہیں اس لئے ان کی روایت صحیح تو ہے لیکن حدیث انس رضی اللہ عنہ سے کم درجہ رکھتی ہے، نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت متعدد اسانید سے مروی ہونے کی وجہ سے بھی راجح ہے، مصنفؒ کی اصحیت کی نفی سے حدیث ابورافع رضی اللہ عنہ کا ضعف ثابت نہ ہوگا۔

ترجمۃ الباب سے مناسبت

اس حدیث کا ترجمۃ الباب سے کیا تعلق ہے؟ بظاہر باب اور حدیث میں مناسبت معلوم نہیں ہوتی، اس لئے کہ ترجمۃ الباب ہے کہ دو جماعوں کے درمیان وضور کیا جائے، اور حدیث میں بجائے وضور کے غسل کا ذکر ہے؟ اس کا جواب صاحب عون المعبودؒ نے یہ بیان کیا ہے کہ مناسبت فی الجملہ ثابت ہے اس لئے کہ جب غسل کیا جائے گا تو وضور اس میں خود بخود آجائے گا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوبارہ جماع کرنے سے پہلے غسل کا ثبوت ہوگیا تو وضور کا ثبوت بدرجہ اولیٰ ثابت ہوجائے گا۔

۲۲۰ ﴿حَدَّثَنَا عَمْرُو بنُ عَوْنٍ أَخْبَرَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنْ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ عَنْ أَبِي الْمُتَوَكِّلِ عن أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال : "إِذَا أَتَى أَحَدُكُمْ أَهْلَهُ ثُمَّ بَدَا لَهُ أَنْ يُعَاوِدَ فَلْيَتَوَضَّأْ بَيْنَهُمَا وُضُوءًا".﴾

أخرجه مسلم في "صحيحه" في الحيض، باب: جواز نوم الجنب ، واستحباب الوضوء له وغسل الفرج إذا أراد أن يأكل أو يشرب أو ينام أو يجامع (٢١/٧٠٥). والترمذي في "جامعه" في الطهارة، باب: ما جاء في الجنب إذا أراد أن يعود توضأ (١٤١). والنسائي في "المجتبى من السنن" في الطهارة، باب: في الجنب إذا أراد أن يعود (٢٦٢). وفى عشرة النساء من "الكبرىٰ" (١٥٢و١٥٣). وابن ماجه في "سننه" في الطهارة وسننها، باب: في الجنب إذا أراد العود توضأ (٥٨٧). انظر "تحفة الأشراف" (٤٢٥٠).

ترجمہ : حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی سے صحبت کرے پھر دوبارہ صحبت کرنا چاہے تو وضور کرلے۔

تشریح مع تحقیق : صحیح ابن حبان میں یہ روایت ہے اس میں اتنا اضافہ اور ہے: "فَإِنَّهُ أَنْشَطُ لِلْعَوْدِ" کہ دو جماعوں کے درمیان وضور کرنا جماع ثانی کیلئے طبیعت میں نشاط اور چستی پیدا کرتا ہے، اور وضور سے مراد وضور شرعی ہے وضور لغوی نہیں، اس لئے سنن بیہقی کی روایت میں ہے: "فليتوضأ وضوءه للصلاة" کہ ایسا وضور کہ جیسا

نماز کے لئے کیا جاتا ہے اور اسی کا نام وضوء شرعی ہے۔

یہ امر جمہور کے نزدیک استحباب پر محمول ہے، البتہ بعض اہل ظاہر اسے وجوب پر محمول کرتے ہیں، جمہور کی دلیل صحیح ابن حبان اور صحیح ابن خزیمہ کی روایت ہے جس میں ہے: "فإنه أنشط له في العود" اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ وضوء نشاط پیدا کرنے کے لئے ہے لہٰذا یہ امر استحباب کے لئے ہوگا نہ کہ وجوب کے لئے۔

نیز امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار (۶۲/۱) میں حضرت عائشہؓ کی حدیث کی تخریج کی ہے: "قالت : كانَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم يُجَامِعُ ثُمَّ يَعُوْدُ ولا يَتَوَضَّأ" اس سے بھی حدیث باب کا امر استحبابی معلوم ہوتا ہے۔

﴿بابٌ في الجُنُب ينام﴾

جنبی آدمی کے سونے کا بیان

۲۲۱ ﴿حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰه بنُ مَسْلَمةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ دِيْنارٍ عن عَبْدِ اللّٰه بنِ عُمَرَ أَنَّهُ قَال : ذَكَـرَ عُمَرُ بنُ الخَطَّاب لرسولِ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أَنَّه تُصِيْبُهُ الجَنَابَةُ مِنَ اللَّيْلِ ، فَقَالَ رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم : "تَوَضَّأْ وَاغْسِلْ ذَكَرَكَ ثُمَّ نَمْ".﴾

أخرجه البخاري في "صحيحه" في الغسل، باب: الجنب يتوضأ ثم ينام (۲۹۰)، ومسلم في "صحيحـه" في الحيض، باب: جواز نوم الجنب واستحباب الوضوء له وغسل الفرج إذا أراد أن يأكل أو يشرب أو ينام أو يجامع (۲۵/۷۰۲) والنسائي في "المجتبى من السنن" في الطهارة، باب: وضوء الجنب وغسل ذكره إذا أراد أن ينام (۲۶۰) وفي "الكبرى" في عشرة النساء (۱۷۰). انظر "تحفة الأشراف" (۷۲۲۴).

ترجمه : حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عمر بن الخطاب ﷺ نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے رات میں حالت جنابت پیش آجاتی ہے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ وضوء کرلو اور اپنی شرمگاہ کو دھو کر سو جاؤ۔

تشریح مع تحقیق : اس بات پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ جنبی کے لئے سونے سے قبل غسل واجب نہیں اور بغیر غسل کے سو جانا جائز ہے، البتہ وضوء کے بارے میں اختلاف ہے، داؤد ظاہری اور ابن حبیب مالکی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ وضوء قبل النوم واجب ہے، ان کا استدلال حدیث باب سے ہے کہ اس میں صیغۂ امر استعمال ہوا ہے جو وجوب کے لئے ہے۔

سعید بن المسیب اور امام ابو یوسفؒ وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ جنبی کے لئے وضوء قبل النوم صرف مباح ہے اس کا کرنا

اور نہ کرنا دونوں برابر ہیں، ان کی دلیل ترمذی شریف میں حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے: قالت : کان النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم یَنَامُ وھُوَ جُنُبٌ ولَا یَمَسُّ ماءً" اس حدیث میں "ماءً" نکرہ تحت النفی ہے، جو وضوء اور غسل دونوں کو شامل ہے، لہٰذا اس سے صرف وضوء کی اباحت ثابت ہوگی۔

ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء کے نزدیک جنبی کے لئے وضوء قبل النوم مستحب ہے، کیوں کہ حضرت عمرؓ کی جس حدیث سے داؤد ظاہری نے استدلال کیا ہے وہ صحیح ابن خزیمہ (۱۰۶/۱) میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس طرح مروی ہے "عن ابنَ عمر أنه سَأَلَ النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم أینام أحدنا وھو جنب؟ قال : نعم ویتوضأ إن شاء" اس سے معلوم ہوا کہ جہاں وضوء کا حکم ہے وہ استحباب کے لئے ہے، یہ حدیث جہاں جمہور کے مسلک کی دلیل ہے وہاں داؤد ظاہری کے استدلال کا جواب بھی ہے، پھر استحباب وضوء پر جمہور کا استدلال ترمذی میں حضرت عائشہؓ کی دوسری حدیث سے بھی ہے "عن عائشةؓ عن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم أنه کان یتوضأ قبل أن ینام".

اور امام ابو یوسفؒ کے استدلال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس حدیث میں "ولا یمس ماء" کا جملہ صرف ابو اسحٰق نے روایت کیا ہے اس لئے محدثین نے اس کو ابو اسحٰق کا وہم قرار دیا ہے۔

ابراہیم نخعی، شعبہ اور سفیان ثوری جیسے جلیل القدر محدثین یہ جملہ روایت نہیں کرتے، امام ترمذی نے صراحت کی ہے:
"ویرون أن ھذا غلط من أبي إسحق".

قوله : أنه تصیبه الجنابة : شراح کے درمیان اس میں اختلاف ہوا ہے کہ "أنّه" کی ضمیر کس طرف راجع ہے، بذل میں یہ ضمیر ابن عمر کی طرف راجع ہے، لیکن اس صورت میں مرجع اقرب نہ ہوگا بلکہ ابعد ہو جائے گا، البتہ دلیل اس کی موجود ہے اس لئے کہ نسائی میں یہ روایت ہے اس میں اس طرح وارد ہوا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو جنابت لاحق ہوئی تو وہ اپنے والد حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور ان سے اس کا ذکر کیا انہوں نے حضور ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا، نسائیؒ کی اس روایت کا تقاضہ یہی ہے کہ مرجع ابن عمر رضی اللہ عنہما ہو۔

اور باب کی روایت کا بظاہر تقاضہ یہ ہے کہ مرجع عمرؓ ہوں اسی کے مطابق ہم نے ترجمہ بھی کیا ہے۔

صاحب منہل کا رجحان اس طرف ہے کہ یہ واقعہ متعدد بار پیش آیا ہوگا، ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے اپنے بارے میں سوال کیا ہوگا اور دوسری مرتبہ اپنے بیٹے کے لئے، صاحب منہل کے اس رجحان کو استاذ الاستاذ حضرت مولانا محمد عاقل صاحب نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ تعدد خلاف اصل ہے، ایک ہی مسئلہ کو دوبارہ معلوم کرنے کی کوئی حاجت نہیں، حضرت کی رائے نسائی کی روایت کے مطابق ہے۔ واللہ اعلم

❁ ❁ ❁

﴿بابُ الجُنُب يأكل﴾

جنبی کے لئے کھانے پینے کا بیان

۲۲۲ ﴿حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ وَقُتَيْبَةُ بنُ سعيدٍ قالا : ثَنَا سُفْيَانُ عن الزُّهْرِيِّ عن أبي سَلَمَةَ عن عائشةَ قالت : إنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم كانَ إذَا أَرَادَ أَنْ يَنَامَ وَهُوَ جُنُبٌ تَوَضَّأَ وُضُوءَه لِلصَّلَاةِ.﴾

أخرجه مسلم في "صحيحه" في الحيض، باب: جواز نوم الجنب، استحباب الوضوء له وغسل الفرج إذا أراد أن يأكل أو يشرب أو ينام أو يجامع (٢١) والنسائي في "المجتبى من السنن" في الطهارة، باب: اقتصار الجنب على غسل يديه إذا أراد أن يأكل (٢٥٦) وفي باب: اقتصار الجنب على غسل يديه إذا أراد أن يأكل (٢٥٧). وفي عشرة النساء من "الكبرىٰ" ما عليه إذا أراد أن ينام وذكر اختلاف الناقلين لخبر عائشة في ذلك (١٥٧ و١٥٨) وابن ماجه في "سننه" في الطهارة وسننها، باب من قال: لا ينام الجنب حتى يتوضأ وضوءه للصلاة (٥٨٤). انظر "تحفة الأشراف" (١٧٧٦٩).

ترجمہ : حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حالت جنابت میں آپ ﷺ جب سونے کا قصد کرتے تو وضور کر لیتے تھے۔

تشریح مع تحقیق : جنبی کے لئے اکل وشرب سے پہلے وضور کرنا بالاجماع واجب نہیں، بلکہ اولیٰ اور افضل ہے، آپ ﷺ سے دونوں عمل ثابت ہیں وضور کرنا بھی اور نہ کرنا بھی۔

اس حدیث کے ذیل میں ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اس حدیث کا ترجمۃ الباب سے کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا، اس لئے کہ ترجمۃ الباب کا مقصد جنبی آدمی کے لئے کھانے اور پینے کے حکم کو قبل الوضور بیان کرنا ہے اور اس حدیث میں وضور عند الاکل کا ذکر ہی نہیں نہ نفیاً نہ اثباتاً؟

جواب یہ ہے کہ اس باب کی پہلی اور دوسری حدیث ایک ہی ہیں، یہ دو مستقل حدیثیں نہیں اور حدیث ثانی میں آرہا ہے "وإذا أراد أن يأكل وهو جنب غسل يديه" لہٰذا اس حدیث ثانی میں جو زیادتی وارد ہے اس کی وجہ سے حدیث ترجمۃ الباب کے مطابق ہوگئی۔

۲۲۳ ﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ الصَّبَّاحِ البَزَّارُ قال : ثَنَا ابنُ المبارَكِ عن يُونُسَ عن الزُّهْرِيِّ بإسْنَادِهِ ومعناهُ زَادَ "وإِذَا أَرَادَ أَنْ يَأْكُلَ وهُوَ جُنُبٌ غَسَلَ يَدَيْهِ".

قال أبو داوٗد : ورَوَاهُ ابنُ وَهْبٍ عن يُونُسَ فَجَعَلَ قِصَّةَ الأَكْلِ مَقْصُورًا.

وروَاه صَالِحُ بنُ أبي الأَخْضَرِ عن الزُّهْرِيِّ كَمَا قال ابنُ المُبَارَكِ ، إلّا أنّه قال : عَنْ عُرْوَةَ أو أبي سَلَمَةَ.

وروَاه الأَوْزَاعِيُّ عن يُوْنُسَ عن الزُّهْرِيِّ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم كما قال ابنُ المبارَكِ.

تقدم تخريجه في الحديث السابق.

ترجمہ : یونس بواسطۂ زہری سفیان کی روایت کے ہم معنی روایت کرتے ہیں، یونس کی روایت میں یہ زیادتی ہے کہ جب آپ ﷺ کھانا کھانے کا ارادہ فرماتے درانحالانکہ آپ ﷺ جنبی ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھ دھو لیتے۔

ابوداؤد نے کہا کہ ابن وہب نے یونس سے جب اس روایت کو نقل کیا تو انہوں نے قصۂ اکل کو حضرت عائشہؓ کا قول موقوف قرار دیا۔

اور صالح بن ابی الاخضر نے بھی زہری سے ابن المبارک کی طرح نقل کیا، لیکن انہوں نے (حضرت سے روایت کرنے والے راوی کے نام میں شک کرتے ہوئے) عن عروة أو أبي سلمة کہا۔

اور اوزاعی نے بواسطۂ یونس، زہری نبی ﷺ سے اسی طرح روایت کیا جس طرح ابن المبارک نے بیان کیا۔

تشریح مع تحقیق : قوله : زاد "وإذَا أَرَادَ" الخ زاد کی ضمیر یونس کی طرف راجع ہے، پہلی سند میں زہری کے شاگرد سفیان تھے اور اس میں یونس ہیں، مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کو زہری سے جب سفیان نے روایت کیا تو صرف وضوء عند النوم کو ذکر کیا، اور جب یونس نے نقل کیا تو انہوں نے تو اکل کا بھی ذکر کیا۔

قوله : غسل يديه : پہلی روایت سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے وضوء کیا اور اس روایت سے صرف ہاتھ دھونا معلوم ہو رہا ہے بظاہر دونوں میں تعارض ہے؟ ہمارے محشی نے جواب یہ لکھا ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں اس طرح تطبیق دی جاسکتی ہے کہ جنبی کے لئے کھانا کھانے سے قبل وضوء کرنا مستحب ہے اور اگر وضوء نہ کرے بلکہ صرف غسل یدین پر اکتفار کرلے تو بھی کوئی حرج اور گناہ نہیں۔

قال أبو داؤد : ورواه ابن وهب الخ یہاں سے مصنفؒ یونس کے تلامذہ کا اختلاف بیان فرما رہے ہیں، پہلی سند میں یونس کے شاگرد ابن المبارک تھے، اس دوسری سند میں ابن وہب ہیں، دونوں کی روایت میں فرق یہ ہے کہ ابن المبارک نے یونس سے مسئلہ اکل ونوم دونوں کو مرفوعاً نقل کیا، اور ابن وہب نے مسئلہ نوم کو تو مرفوعاً ہی ذکر کیا اور مسئلہ اکل کو موقوف علی عائشہؓ قرار دیا۔

ورواه صالح بن أبي الأخضر الخ یہ ابن المبارک کی روایت کی تائید ہے کہ صالح بن ابی الاخضر نے بھی زہری

سے قصہ اکل کو ابن مبارک کی طرح مرفوعاً نقل کیا ہے، البتہ صالح بن ابی الاخضر اور ابن مبارک کی روایت میں ایک فرق ہے وہ یہ کہ ابن مبارک تو حضرت عائشہؓ سے نقل کرنے والے کا نام بغیر شک کے ابوسلمہ کہتے ہیں، اور صالح شک کے ساتھ کہتے ہیں عن عُروۃ أو أبي سلمۃ یعنی ان کو شک ہے کہ حضرت عائشہؓ سے اس حدیث کو روایت کرنے والے عروہ ہیں یا ابوسلمہ ہیں۔

ورواه الأوزاعي عن يونس الخ : اس کلام سے بھی ابن مبارک کی روایت کی ہی تائید ہے کہ اوزاعی بھی یونس سے ابن مبارک کی طرح قصہ اکل کو مرفوعاً ذکر کرتے ہیں، مصنفؒ کے الفاظ سے یہ نہ سمجھا جائے کہ زہری براہ راست حضور اکرم ﷺ سے روایت کررہے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ زہری اس کو بسندہ حضور ﷺ سے روایت کررہے ہیں۔

﴿بابُ مَنْ قَالَ : الجُنُبُ يَتَوَضَّأُ﴾

جنبی کے لئے وضوء کے قائلین کا بیان

۲۲۴ ﴿حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ : ثَنَا يَحْيَى ثَنَا شُعْبَةُ عن الحَكَمِ عَنْ إبراهيمَ عن الأَسْوَدِ عن عَائِشَةَ "أَنَّ النَّبِيّ صلى الله عليه وسلم إِذَا أَرَادَ أَنْ يأكُلَ أو يَنَامَ تَوَضَّأَ ، تَعْنِي وَهُوَ جُنُبٌ﴾

أخرجه مسلم في "صحيحه" في الحيض، باب: جواز نوم الجنب، واستحباب الوضوء له وغسل الفرج إذا أراد أن يأكل أو يشرب أو ينام أو يجامع (٦٩٨/٢٢) والنسائي في "المجتبى من السنن" في الطهارة، باب: وضوء الجنب إذا أراد أن يأكل (٢٥٥). وابن ماجه في "سننه" في الطهارة وسننها، باب: في الجنب يأكل ويشرب (٥٩١)، وأخرجه أيضًا في الكتاب نفسه، باب: المنديل بعد الوضوء وبعد الغسل (٤٦٧). انظر "تحفة الأشراف" (١٥٩٢٦).

ترجمہ : حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حالت جنابت میں جب آپ ﷺ کھانا کھانے یا سونے کا ارادہ فرماتے تو وضوء کرتے۔

تشریح مع تحقیق : یہ ایک ہی سلسلے کے تین باب ہیں، جن میں یہ تیسرا باب ہے، پہلے باب سے مصنفؒ نے وضوء الجنب عند النوم کو ثابت کیا، اس کے بعد دو باب وضوء عند الاکل سے متعلق ہیں، جن میں اول سے یہ ثابت کیا کہ آپ ﷺ نے عند الاکل غسل یدین پر اکتفاء فرمایا اور اس دوسرے باب سے یہ ثابت کررہے ہیں کہ آپ ﷺ نے عند الاکل مکمل وضوء فرمایا۔

قولہ : "تعني وهو جنب" یہ راوی کی طرف سے تفسیر ہے مطلب یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب آپ ﷺ کھانے پینے کا ارادہ فرماتے تو وضوء کرتے، راوی کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کی مراد حالت جنابت میں وضوء کرنے کو

بیان کرنا ہے۔
یہ حدیث صحیح مسلم، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں بھی ہے۔

۲۲۵ ﴿حَدَّثَنَا موسىٰ يَعْنِي ابنَ إِسْمَاعِيلَ قال : ثَنا حَمَّادٌ قال : أَخْبَرَنَا عَطَاءٌ الخُرَاسَانِيُّ عَنْ يَحْيَى بنِ يَعْمُرَ عَنْ عَمَّارِ بنِ يَاسِرٍ أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم رَخَّصَ لِلْجُنُبِ إِذَا أَكَلَ أَو شَرِبَ أَو نَامَ أَنْ يَتَوَضَّأَ.
قال أبو داوٗد : بَيْنَ يحيى بنِ يَعْمُرَ وعَمَّارِ بنِ يَاسِرٍ في هٰذَا الحديثِ رَجُلٌ.
وقال عَلِيُّ بنُ أبي طَالِبٍ وعَبْدُ اللهِ بنُ عَمْرٍو : "الْجُنُبُ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَأْكُلَ تَوَضَّأَ.﴾

أخرجه الترمذي في "جامعه" في الصلاة، بابا: ما ذكر في الرخصة للجنب في الأكل والنوم إذا توضأ (٦١٢). وقال: هذا حديث حسن صحيح. انظر "تحفة الأشراف" (١٠٣٧٢).

ترجمہ : حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنبی کو کھاتے یا پیتے یا سوتے وقت وضوء کرنے کی رخصت دی۔

ابوداوٗد نے کہا کہ اس حدیث میں یحییٰ بن یعمر رضی اللہ عنہ اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے درمیان ایک آدمی کا واسطہ ہے۔
اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جنبی جب کھانا کھانے کا ارادہ کرے تو وضوء کرے۔

تشریح مع تحقیق : حدیث کی شرح تو واضح ہے کہ کھانے پینے اور سونے سے قبل وضوء کر لینا مستحب ہے، لیکن مصنفؒ اس حدیث کی سند پر کلام فرما رہے ہیں کہ یہ سند منقطع ہے اور انقطاع کی وجہ یہ ہے کہ یحییٰ بن یعمر رضی اللہ عنہ کا سماع حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے، حافظ ابن حجرؒ نے بھی تہذیب التہذیب (۸۸۵۵/۱۹۲/۶) میں اس کی صراحت کی ہے۔

قولہ : وقال علي الخ یہاں سے مصنفؒ نے باب کی تائید میں دو صحابیوں کے فتاویٰ کو نقل کیا ہے، حضرت شیخ رحمہ اللہ نے بذل میں لکھا ہے کہ مجھے یہ فتاویٰ نہ مل سکے کس کتاب میں ہیں۔ (بذل ۱۳۶/۱)۔

❁ ❁ ❁

﴿بابٌ فِي الْجُنُبِ يُؤَخِّرُ الغُسْلَ﴾

جنبی کے لئے غسل کرنے میں تاخیر کرنے کا بیان

۲۲۶ ﴿حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قال : ثَنَا مُعْتَمِرٌ ح وَحَدَّثَنَا احمد بنُ حَنْبَلٍ قال : ثَنا إسماعيلُ بنُ إبراهيمَ قالَا : ثَنَا بُرْدُ بنُ سِنَانٍ عَنْ عُبَادَةَ بنِ نُسَيٍّ عَنْ غُضَيْفِ بنِ الحارِثِ قال : "قُلْتُ لِعَائِشَةَ اَرَأَيْتِ رسولَ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كَانَ يَغْتَسِلُ من الجَنَابَةِ فِي أَوَّلِ اللَّيْلِ أَوْ فِي آخِرِهِ ؟ قَالَتْ : رُبَّمَا اغْتَسَلَ فِي أَوَّلِ اللَّيْلِ ورُبَّمَا اغْتَسَلَ فِي آخِرِه، قُلْتُ : اللّٰه أَكْبَرُ، الحمدُ لِلّٰهِ الذِّي جَعَلَ فِي الأَمْرِ سَعَةً ، قلتُ : أ رَأَيْتِ رسولَ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كَانَ يُوْتِرُ أَوَّلَ اللَّيْلِ أَمْ فِي آخِرِهِ ، قَالَتْ : رُبَّمَا أَوْتَرَ فِي أَوَّلِ اللَّيْلِ ورُبَّمَا أَوْتَرَ فِي آخِرِه ، قُلْتُ : اللّٰه أَكْبَرُ ، الحمد للّٰه الذِي جَعَلَ فِي الْأَمْرِ سَعَةً، قُلْتُ : أ رَأَيْتِ رسولَ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كَانَ يَجْهَرُ بالقُرآنِ أَوْ يُخَافِتُ بِه؟ قَالَتْ : رُبَّمَا جَهَرَ بِه ورُبَّمَا خَفَتَ، قُلْتُ : اللّٰه أَكْبَرُ ، الحمد للّٰه الذِي جَعَلَ فِي الأَمْرِ سَعَةً.﴾

أخرجه النسائي فِي "المجتبى من السنن" فِي الطهارة، باب: ذكر الاغتسال أول الليل (۲۲۲) و (۲۲۳) وفي الغسل والتيمم، باب: الاغتسال أول الليل (٤٠٣) وابن ماجه في "سننه" فِي إقامة الصلاة والسنة فيها، باب: ما جاء فِي القراءة فِي صلاة الليل (١٣٥٤). انظر "تحفة الأشراف" (١٧٤٢٩).

ترجمہ : حضرت غضیف بن حارث کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے عرض کیا کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کو جنابت کا غسل کرتے ہوئے اول شب میں دیکھا ہے یا آخر شب میں؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ کبھی آپ ﷺ غسل کرتے تھے اول شب میں اور کبھی غسل کرتے تھے آخر شب میں، میں نے کہا اللہ اکبر، شکر ہے اس خدا کا جس نے کام آسان کردیا، پھر میں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ اول شب میں وتر پڑھتے تھے یا آخر شب میں؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ کبھی آپ ﷺ اول شب میں وتر پڑھتے تھے اور کبھی آخر شب میں، میں نے کہا اللہ اکبر، شکر ہے اس خدا کا جس نے کام آسان کردیا، میں نے کہا کیا رسول اللہ ﷺ قرآن بلند آواز سے پڑھتے تھے یا آہستہ آواز سے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ کبھی زور سے قرآن پڑھتے تھے اور کبھی آہستہ، میں نے کہا اللہ اکبر، شکر ہے اس خدا کا جس نے کام آسان کردیا۔

تشریح مع تحقیق : مصنفؒ اس باب کے تحت یہ بیان فرمار ہے ہیں کہ غسل جنابت میں تاخیر کی جاسکتی ہے، اگر کسی کو اول شب میں حالت جنابت لاحق ہو جائے تو آخر شب تک غسل کو مؤخر کر سکتا ہے، چنانچہ حضرت عائشہؓ حضور ﷺ کے اسی عمل کو بیان فرمارہی ہیں کہ جب آپ ﷺ کو اول شب میں جنابت لاحق ہو جاتی تو آپ ﷺ کبھی علی الفور غسل فرما لیتے اور کبھی اخیر شب میں غسل فرماتے۔

قلت : اللّٰہ اکبر الخ عربوں کے یہاں یہ جملہ تعجب کے وقت میں بولا جاتا تھا، حضرت غضیف بن حارث کو اس پر تعجب ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے شریعت اسلامی میں تنگی نہیں رکھی بلکہ وسعت رکھی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وسعت احسان ہے لہٰذا اس کا شکر ادا کیا جائے چنانچہ انہوں نے فوراً شکریہ کلمات اپنی زبان سے کہے۔

اس کے بعد سائل نے حضرت عائشہؓ سے دو سوال کئے ایک وتر کی نماز کے بارے میں کہ حضور ﷺ وتر کی نماز کب پڑھتے تھے، حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ کبھی اول شب میں پڑھتے تھے اور کبھی آخر شب میں، اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے وسعت رکھی ہے، یاد رہے کہ آپ ﷺ سے رات کے مختلف حصوں میں وتر پڑھنا ثابت ہے، صحاح ستہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے کل لیل میں وتر پڑھا ہے یعنی کبھی اول لیل میں، کبھی درمیان لیل میں اور کبھی آخر لیل میں۔

مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کو اس بات کا خوف ہو کہ وہ آخر شب میں بیدار نہ ہو سکے گا تو اس کو چاہئے کہ وہ اول شب میں وتر پڑھ کر سو جائے، اور جو اس کا وثوق رکھتا ہو کہ آخر لیل میں بیدار ہو جائے گا تو وہ آخر لیل میں وتر پڑھے اس لئے کہ آخر شب میں قرآن پڑھنا افضل ہے۔

قوله : "يجهر بالقرآن أو يخافت به": المصباح میں لکھا ہے "خافت بالقراء ة مخافتةً": آہستہ پڑھنا، آواز کو پست کرنا، مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ جب آخر لیل میں قرآن پڑھتے تو کبھی بلند آواز سے پڑھ لیتے اور کبھی آہستہ آواز سے۔

۲۲۷ ﴿حَدَّثَنَا حَفْصُ بنُ عُمَرَ قَال : ثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَلِيٍّ بنِ مُدْرِكٍ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ بنِ عَمْرِو بنِ جَرِيْرٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰه بنِ نُجَيٍّ عَنْ أبيه عَنْ عَلِيٍّ بنِ أَبِي طَالِبٍ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال : "لَا تَدْخُلُ المَلَآئكَةُ بَيْتًا فِيْهِ صُوْرَةٌ وَلَا كَلْبٌ وَلَا جُنُبٌ.﴾

أخرجه أبو داود في "سننه" في اللباس، باب: في الصور (٤١٥٢) والنسائي في "المجتبیٰ من السنن" في الصيد والذبائح، امتناع الملائكة (٤٢٩٢) وفي الطهارة، باب: في الجنب إذا لم يتوضأ (٢٦١) وابن ماجه في "سننه" في اللباس، باب: الصور في البيت (٣١٥٠). انظر "تحفة الأشراف" (١٠٢٩١).

ترجمه : حضرت علی بن ابی طالب حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس گھر میں تصویر ہو یا کتا ہو یا جنبی تو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

تشریح مع تحقیق : یہ حدیث باب کی پہلی حدیث کے خلاف ہے کیوں کہ پہلی حدیث سے تاخیر غسل کا جواز ثابت ہو رہا تھا، اور اس سے معلوم یہ ہو رہا ہے کہ جس گھر میں جنبی ہوتا ہے اس میں ملائکہ رحمت داخل نہیں ہوتے -اگر چہ محافظ ملائکہ تو ہر وقت ساتھ رہتے ہیں-، اب بظاہر دونوں حدیثوں میں تعارض ہوا؟

اس کا جواب علامہ خطابی رحمہ اللہ نے معالم السنن میں دیا ہے وہ یہ کہ اس حدیث میں جنبی سے مراد وہ جنبی نہیں جو غسل کو نماز کے وقت تک مؤخر کرے، اور نماز کا وقت آنے پر غسل کرلے، بلکہ اس سے وہ جنبی مراد ہے جو غسل کے بارے میں ہمیشہ تہاون اور تکاسل برتتا ہو، ورنہ آپ ﷺ سے تاخیر غسل ثابت ہی ہے۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جواب دیا ہے کہ اس سے مراد وہ جنبی ہے جو رات میں جنابت پیش آنے پر بغیر وضو کے سو جائے، اس لئے کہ آپ ﷺ کا معمول یہی تھا کہ آپ ﷺ حالت جنابت میں وضو کر کے ہی سوتے تھے۔

کتاب الترجل ، باب الخلوق للرجال کے تحت مصنفؒ ایک حدیث لائے ہیں جس سے امام نسائی رحمۃ اللہ کے جواب کی مکمل تائید ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ثَلَاثَةٌ لَا تَقْرَبُهُمُ الملائكةُ : جِيفَةُ الْكَافِرِ، وَالْمُتَضَمِّخُ بِالخَلُوقِ، وَالجُنُبُ إِلَّا أَنْ يَتَوَضَّأَ" معلوم ہوا کہ وضو کر لینے کے بعد حالت جنابت قرب ملائکہ سے مانع نہیں۔

اس کے بعد یاد رکھنا چاہئے کہ جمہور علماء کے نزدیک تصویر سے مراد ذی روح کی تصویر ہے، خواہ مجسم اور سایہ دار ہو یا غیر مجسم اور غیر سایہ دار ہو، نیز وہ صورت ایسی ہو جس کو زینت کے لئے آویزاں کیا گیا ہو یا ثوب ملبوس میں ہو، اور جو تصویر ایسی ہو جس کو پیروں میں روندا جائے مثلاً جوتے میں ہو یا پائیدان میں ہو تو اس کا جواز حدیث سے ثابت ہے، لیکن بنانا اس قسم کی تصویر کا بھی جائز نہیں ہے۔

تو گویا دو چیزیں ہوئیں ایک تصویر بنانا اور دوسرا استعمال کرنا، عمل تصویر ذی روح کی مطلقاً ناجائز ہے اور استعمال تصویر بعض صورتوں میں حرام اور بعض میں مباح۔

تیسری چیز جو حدیث میں مذکور ہے وہ کلب ہے اور کلب کی دو قسمیں ہیں، ایک ماذون اور دوسرے غیر ماذون، شکار اور گھر وغیرہ کی حفاظت کے لئے جس کلب کو پالا جاتا ہے وہ ماذون ہے اور بے ضرورت جس کلب کو پالا جائے وہ غیر ماذون ہے۔

امام خطابی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ دخول ملائکہ سے مانع صرف وہ کلاب ہیں جو ممنوع الاقتناء ہیں، جب کہ امام نوویؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ حکم عام ہے دونوں قسموں کو شامل ہے، حضرت سہارنپوریؒ کی رائے امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے سے متفق ہے۔

ترجمۃ الباب سے مناسبت

یہ حدیث بظاہر ترجمۃ الباب کے خلاف ہے اس لئے کہ ترجمۃ الباب کا مقصد جنبی کے لئے غسل میں تاخیر کرنے کے جواز کو بیان کرنا ہے، اور اس حدیث سے بجائے جواز کے عدم جواز ثابت ہو رہا ہے؟

اس کا جواب بعض شراح نے یہ دیا ہے کہ مصنفؒ کی عادت ہے کہ وہ بعض مرتبہ ترجمۃ الباب کے موافق حدیث لانے کے بعد کوئی حدیث ایسی بھی لے آتے ہیں جو بظاہر ترجمۃ الباب کے خلاف ہوتی ہے اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ طالب علم متوجہ ہو کر اس کا جواب سوچے اور ہر حدیث کا محل متعین کرے۔ (الدر المنضود ۱/۳۵۲)۔

۲۲۸ ﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ كثيرٍ قال : أَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ : كَانَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَنَامُ وَهُوَ جُنُبٌ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَمَسَّ مَاءً.

قال أبو دَاوُدَ : حَدَّثَنَا الحَسَنُ بنُ عليٍّ الوَاسِطِيُّ قال : سَمِعْتُ يَزِيدَ بنَ هَارُونَ يقولُ: هٰذَا الحَدِيثُ وَهْمٌ ، يَعْنِي حَدِيثَ أَبِي إِسْحٰقَ.﴾

أخرجه الترمذي في "جامعه" في الطهارة، باب: ما جاء في الجنب ينام قبل أن يغتسل (۱۱۸). وابن ماجه في "سننه" في الطهارة وسننها، باب: في الجنب ينام كهيئة لا يمس ماءً (۵۸۳). انظر "تحفة الأشراف" (۱۶۰۲۳).

ترجمہ : حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بغیر نہائے ہوئے حالت جنابت میں ہی سو جاتے تھے۔

ابوداؤد نے کہا کہ مجھ سے حسن بن علی نے بیان کیا کہ میں نے یزید بن ہارون کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ابو اسحٰق کی یہ حدیث وہم ہے۔

تشریح مع تحقیق : اس حدیث کو لا کر مصنفؒ تاخیر غسل کے جواز کو ہی ثابت فرما رہے ہیں، وہ اس طرح کہ جب آپ ﷺ پانی کو ہاتھ لگائے بغیر سو گئے تو غسل نہیں ہوا بلکہ تاخیر سے غسل ہوا ہوگا۔

اس کے ذیل میں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت عائشہؓ جو یہ نفی فرما رہی ہیں کہ آپ ﷺ **پانی کو ہاتھ لگائے بغیر ہی** سو جاتے تھے یہ غسل کے پانی کی نفی کر رہی ہیں کہ غسل کا پانی استعمال کئے بغیر سو جاتے تھے ورنہ وضو کر کے سونا تو بہر حال ثابت ہے۔

قولہ : هذا الحديث وهم : مصنفؒ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ حدیث وہم ہے، اس میں ابو اسحٰق سبیعی سے غلطی ہوئی ہے، غلطی یہ ہوئی کہ دراصل یہ حدیث طویل تھی، ابو اسحٰق نے اس میں اختصار کیا اور اختصار کرنے میں خطاء ہوگئی۔

صورت حال یہ ہے کہ اصل روایت اس طرح تھی کہ حضرت عائشہؓ حضور اکرم ﷺ کے بارے میں فرماتی ہیں

"كَانَ يَنَامُ أَوَّلَ اللَّيْلِ وَيُحْيِي آخِرَهُ، ثُمَّ إِنْ كَانَتْ له حَاجَةٌ قَضَى حَاجَتَهُ ثُمَّ يَنَامُ قَبْلَ أَنْ يَمَسَّ مَاءً" جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کا معمول تھا کہ شروع شب میں آرام فرماتے اور آخر میں بیدار رہتے، پھر اگر آپ ﷺ کو حاجت ہوتی تو اس کو پورا فرمالیتے پھر پانی کو استعمال کئے بغیر سو جاتے، ابن العربی کہتے ہیں کہ یہاں قضائے حاجت سے مراد بول و براز کی حاجت ہے، ابو اسحٰق سے غلطی یہ ہوگئی کہ انہوں نے حاجت سے مراد وطی لے لی، حالانکہ یہ غلط ہے اس لئے کہ اسی حدیث کے آخر میں "وإن نام جنبًا توضأ" کے الفاظ ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حالت جنابت میں آپ ﷺ بغیر وضو کے نہ سوتے تھے۔

امام ابوداودؒ کے اس دعوے کی تائید امام ترمذی اور امام احمد بن حنبل وغیرہ نے بھی کی ہے۔

لیکن امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اگر حدیث میں ماء سے ماء اغتسال لیا جائے تو کوئی اشکال ہی لازم نہیں آئیگا جس کی وجہ سے ابو اسحٰق کی تغلیط کی جائے۔ (شرح مسلم ۱۴۴/۱)۔

﴿بَابٌ فِي الْجُنُبِ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ﴾

جنبی کے قرآن پاک پڑھنے کا بیان

۲۲۹ ﴿حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: ثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلِمَةَ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى عَلِيٍّ أَنَا وَرَجُلَانِ، رَجُلٌ مِنَّا وَرَجُلٌ مِنْ بَنِي أَسَدٍ أَحْسَبُ فَبَعَثَهُمَا عَلِيٌّ وَجْهًا، وَقَالَ: إِنَّكُمَا عِلْجَانِ فَعَالِجَا عَنْ دِينِكُمَا، ثُمَّ قَامَ فَدَخَلَ الْمَخْرَجَ، ثُمَّ خَرَجَ فَدَعَا بِمَاءٍ فَأَخَذَ مِنْهُ حَفْنَةً فَتَمَسَّحَ بِهَا، ثُمَّ جَعَلَ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ فَأَنْكَرُوا ذٰلِكَ، فَقَالَ: إِنَّ رسولَ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كَانَ يَخْرُجُ مِنَ الْخَلَاءِ فَيُقْرِئُنَا الْقُرْآنَ، وَيَأْكُلُ مَعَنَا اللَّحْمَ، وَلَمْ يَكُنْ يَحْجُبُهُ -أو قال يَحْجِزُهُ- عَنِ الْقُرْآنِ شَيْءٌ لَيْسَ الْجَنَابَةَ.﴾

أخرجه الترمذي في "جامعه" في الطهارة، باب: ما جاء في الرجل يقرأ القرآن على كل حال مالم يكن جنبًا (١٤٦) والنسائي في "المجتبى من السنن" في الطهارة، باب: حجب الجنب عن قراءة القرآن (٢٦٥ و ٢٩٦). وابن ماجه في "سننه" في الطهارة وسننها، باب: ما جاء في قراءة القرآن على غير طهارة (٥٩٤). انظر "تحفة الأشراف" (١٠١٨٦).

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سلمہؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت علی ؓ کے پاس گیا، میرے ساتھ دو آدمی اور

تھے، ایک ہمارے خاندان کا اور ایک بنو اسد میں سے، حضرت علی ﷺ نے ان دونوں آدمیوں کو ایک طرف بھیجا اور فرمایا کہ تم قوی اور زور آور ہو تو اپنے دین کے لئے مجاہدہ کرو، پھر حضرت علی ﷺ کھڑے ہوئے اور بیت الخلاء گئے، پھر وہاں سے نکل آیا اور ایک چلو پانی سے (دونوں ہاتھوں کو) دھویا اور پھر قرآن پاک پڑھنے لگے، لوگوں نے اس کو برا سمجھا، انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ بیت الخلاء سے نکلتے اور ہم کو قرآن پڑھاتے اور ہمارے ساتھ گوشت کھاتے اور جنابت کے علاوہ کوئی امر آپ ﷺ کو قرآن سے نہیں روکتا تھا۔

تشریح مع تحقیق : حدیث کی تشریح یہ ہے کہ عبد اللہ بن سلمہؒ (بکسر اللام) کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اور دو شخص جن میں ایک شخص ہمارے قبیلہ کا اور دوسرا قبیلۂ بنو اسد کا تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے میرے ساتھ والے دونوں آدمیوں کو کسی جگہ بھیجنے کا قصد فرمایا اور یوں کہا کہ تم مضبوط اور قوی آدمی ہو لہٰذا دین کی خدمت کرو، یہ بات تو راوی حدیث نے تمہیدی طور پر بیان کر دی اس کے بعد اصل مضمون کی طرف لوٹتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اٹھے اور بیت الخلاء تشریف لے گئے، فراغت کے بعد باہر آ کر پانی طلب کیا اور ایک چلو پانی لے کر (دارقطنی کی روایت کے مطابق) اپنے دونوں ہاتھوں کو دھویا، اور قرآن پاک کی تلاوت کرنے لگے بلا وضوء تلاوت کرنے پر لوگوں نے اعتراض کیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات بیت الخلاء سے آنے کے بعد ہم کو قرآن شریف پڑھاتے تھے اور کھاتے پیتے بھی تھے، اور جنابت کے سوا کوئی چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاوت قرآن سے مانع نہیں ہوتی تھی، معلوم ہوا کہ جنابت کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن نہیں پڑھتے تھے۔

قوله : أَحْسَبُ : أي أحسب كون رجلٍ مِنَّا و الآخرَ مِنْ بني أسدٍ ولا أتيقن به یعنی میرا گمان یہ ہے کہ آنے والے دو آدمیوں میں ایک ہمارے قبیلہ کا تھا اور دوسرا بنو اسد قبیلہ کا تھا، یہ میرا خیال ہے یقین نہیں ہے۔

قوله : وَجُهٌ : بمعنی جہت، مطلب یہ ہے کہ ان دونوں کو کسی شہر کا عامل بنا کر یا کسی اور اہم کام کی وجہ سے کسی شہر کی طرف بھیجا۔

قوله : "عَلْجَان" یہ عَلْجٌ (بفتح العين وسكون اللام، و كسر العين وسكون اللام) کا تثنیہ ہے۔ طاقتور آدمی کو علج کہا جاتا ہے۔

قوله : فَعَالِجَا : یہ امر کا صیغہ ہے، علامہ خطابی رحمہ اللہ نے معالم السنن میں اس کے معنی "جَاهِدَا" کے لکھے ہیں کہ دین کے لئے جہاد کرو۔

قوله: "فَتَمَسَّحَ" از باب تفعل، غَسَلَ کے معنی میں ہے دارقطنی کی روایت میں "فَغَسَلَ كَفَّيْهِ" کے الفاظ ہیں۔

فقہ الحدیث

مصنفؒ نے یہاں صرف جنبی سے متعلق باب قائم کیا ہے اگرچہ حائضہ بھی اسی حکم میں شامل ہے اسی وجہ سے امام ترمذیؒ نے جنبی کے ساتھ حائضہ کا لفظ بھی ترجمۃ الباب میں بڑھایا ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ حائضہ اور جنبی کے لئے تسبیح اور تہلیل وغیرہ کے جواز پر اجماع ہے، البتہ تلاوت قرآن کے بارے میں کچھ اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ اور جمہور صحابہ وتابعین کے نزدیک تلاوت ناجائز ہے، امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ "يَقْرَأُ الْجُنُبُ الآيَاتِ الْيَسِيْرَةَ لِلتَّعَوُّذِ" جب کہ حائضہ کے بارے میں امام مالکؒ کی دو روایتیں ہیں، ایک جواز کی اور دوسری عدم جواز کی، شرح مہذب میں امام مالکؒ سے مطلقاً جواز مروی ہے، امام بخاریؒ اور داؤد ظاہریؒ کے نزدیک بھی جنبی اور حائضہ کے لئے تلاوت مطلقاً جائز ہے۔

مجوزینِ تلاوت کا استدلال

جو حضرات جنبی اور حائضہ کے لئے تلاوت قرآن کو جائز قرار دیتے ہیں ان کا استدلال "صحیح مسلم (۱۶۲/۱) باب ذكر الله في حال الجنابة وغيرها" کے تحت حضرت عائشہؓ کی معروف و مشہور حدیث سے ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: "كَانَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلَى كُلِّ أَحْيَانِهِ" لیکن جمہور نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اول تو اس سے ذکر قلبی مراد ہے، اور اگر ذکر لسانی ہی مراد ہے تو اذکارِ متواردہ پر محمول ہے۔

عدم جواز کے قائلین کی دلیل

جمہور نے حائضہ اور جنبی کے لئے تلاوت قرآن کے عدم جواز پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت علی ﷺ کی حدیث سے استدلال کیا ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث "ترمذی باب ماجاء في الجنب والحائض أنهما لا يقرءان القرآن" میں ہے: عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تقرأ الحائض ولا الجنب شيئًا من القرآن" یہ حدیث اگرچہ متکلم فیہ ہے لیکن حدیث کے متابعات اور شواہد موجود ہیں، اور حضرت علی ﷺ کی حدیث باب کے تحت موجود ہے۔

پھر جمہور کے نزدیک اس میں اختلاف ہوا ہے کہ جنبی اور حائضہ کے لئے کتنی مقدار کی تلاوت ناجائز ہے۔

ایک آیت یا اس سے زیادہ کے ممنوع ہونے پر تو جمہور علماء کا اتفاق ہے، اور ما دون الآیۃ میں احناف سے دو روایتیں

ہیں، امام کرخیؒ کی روایت کے مطابق یہ بھی جائز نہیں ہے، اسی کو صاحب ہدایہؒ نے بھی اختیار کیا ہے، علامہ نسفیؒ نے کنز اور الکافی میں اور ابن نجیمؒ نے البحر الرائق میں بھی اسی کی طرف اپنا رجحان ظاہر کیا ہے، صاحب بدائع فرماتے ہیں: "وعلیہ عامۃ المشائخ" دوسری روایت امام طحاویؒ کی ہے انہوں نے مادون الآیۃ کی تلاوت کو جائز قرار دیا ہے، فخر الاسلام بزدویؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے، اور صاحب خلاصہؒ نے فرمایا ہے: وَعَلَیْهِ الْفَتْوٰی۔

علامہ شامیؒ کی رائے بالکل مختلف ہے وہ فرماتے ہیں کہ جنبی کے لئے عدم جواز ہے اور حائضہ کے لئے قراءۃ مقطعاً جائز ہے۔

﴿بابٌ في الجنب يُصَافِح﴾

جنبی کے مصافحہ کرنے کا بیان

۲۳۰ ﴿حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قال : ثَنَا يَحْيٰى عَنْ مِسْعَرٍ عَنْ وَاصِلٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ أَنَّ النبيَّ ﷺ لَقِيَهُ فَأَهْوىٰ إِلَيْهِ ، فَقَالَ : إِنِّي جُنُبٌ فقال : إِنَّ الْمُسْلِمَ لَيْسَ بِنَجَسٍ.﴾

أخرجه مسلم في "صحيحه" في الحيض، باب: الدليل على أن المسلم لا ينجس (١١٦). وابن ماجه في "سننه" في الطهارة وسننها، باب: مصافحة الجنب (٥٣٥). انظر "تحفة الأشراف" (٣٣٣٩).

ترجمہ : حضرت حذیفہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان سے ملے، یعنی مصافحہ کرنے کو، حضرت حذیفہ ؓ نے کہا کہ میں جنبی ہوں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان نجس نہیں ہوتا۔

تشریح مع تحقیق : جنبی کا جسم طاہر اور پاک ہے اور جنابت ایک معنوی نجاست ہے، لہٰذا جنبی کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور مصافحہ کرنا سب جائز ہے۔

مضمون حدیث بالکل واضح ہے کہ حضرت حذیفہ ؓ کی ملاقات حضور اکرم ﷺ سے ہوئی، حضور ﷺ حذیفہ ؓ کی طرف مصافحہ کرنے کے لئے مائل ہوئے، انہوں نے عرض کیا کہ میں جنبی ہوں، البتہ یہاں ایک طالبعلمانہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت حذیفہ ؓ نے لقاء کی نسبت حضور ﷺ کی طرف کی یہ ادب کے خلاف ہے، ملاقات تو چھوٹے کیا کرتے ہیں نہ کہ بڑے چھوٹوں سے، لیکن اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ حضرت حذیفہ ؓ نے یہ قصداً کہا اس لئے کہ وہ اپنے نزدیک اس حال میں نہیں تھے کہ حضور ﷺ سے ملاقات کریں، وہ تو اپنے کو ایسا ناپاک سمجھ رہے تھے کہ مصافحہ بھی نہ کر سکے۔

حدیث سے اور باب سے متعلق باقی تشریح حدیث ثانی کے بعد آئے گی۔

٢٣١ ﴿حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قال : ثَنَا يَحْيٰى وبِشْرٌ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ بَكْرٍ عَنْ أبِي رَافِعٍ عَنْ أبِي هُرَيْرَةَ قَالَ : لَقِيَنِي رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم في طَرِيقٍ مِنْ طُرُقِ الْمَدِيْنَةِ و أنَا جُنُبٌ فَاخْتَنَسْتُ فَذَهَبْتُ فَاغْتَسَلْتُ ثُمَّ جِئْتُ فَقَالَ : أيْنَ كُنْتَ يَا أبَا هُرَيْرَةَ؟ قَال : قُلْتُ : إنِّي كُنْتُ جُنُبًا فَكَرِهْتُ أنْ اُجَالِسَكَ عَلٰى غَيْرِ طَهَارَةٍ ، فقَالَ : سُبْحَانَ اللّٰه! إنَّ الْمُسْلِمَ لا يَنْجَسُ.

قال : وفي حَدِيث بِشْرٍ "قال : ثَنَا حُمَيْدٌ قال : ثَنِي بَكْرٌ".﴾

أخرجه البخاري في "صحيحه" في الغسل، باب: عرق الجنب وأن المسلم لا ينجس (٢٨٣). وباب: الجنب يخرج ويمشي في السوق وغيره (٢٨٥). مختصرًا ومسلم في "صحيحه" في الحيض، باب: الدليل على أن المسلم لا ينجس (٣٧١). والترمذي في "جامعه" في الطهارة، باب: ما جاء في مصافحة الجنب (١٢١). والنسائي في "المجتبى من السنن" في الطهارة، باب: مماسة الجنب ومجالسته (٢٦٩). وابن ماجه في "سننه" في الطهارة وسننها، باب: مصافحة الجنب (٥٣٤). انظر "تحفة الأشراف" (١٤٦٤٨).

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہ ﷛ فرماتے ہیں کہ مدینہ کے راستوں میں سے کسی راستے میں مجھے رسول اللہ ﷺ ملے، میں جنبی تھا، میں پیچھے ہٹا اور چلا گیا پھر غسل کرنے کے بعد آیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے ابو ہریرہ! کہاں تھے؟ ابو ہریرہ ﷛ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ میں جنبی تھا مجھے یہ پسند نہ تھا کہ میں بغیر طہارت کے آپ کے پاس بیٹھوں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سبحان اللہ! مسلمان نجس نہیں ہوتا۔

ابوداوٗدؒ نے کہا کہ بشر کی حدیث میں "حدثنا حميد قال ثني بكر" ہے۔

تشریح مع تحقیق : مضمون حدیث تو یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ ﷛ ارشاد فرماتے ہیں کہ مدینہ کے راستے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی میں اس وقت جنبی تھا، نہانے کے لئے جارہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ راستہ میں اگر کوئی ملتا تو اس سے ملاقات فرماتے اور کبھی کبھی ہاتھ پکڑ کر ساتھ لے جاتے، ابو ہریرہ ﷛ کو خیال ہوا کہ میں گندا ہوں ایسا نہ ہو کہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام ہاتھ پکڑ کر ساتھ لے جائیں اس لئے میں وہاں سے الگ ہوا اور غسل کیا پھر حاضر خدمت ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کہاں چلے گئے تھے، یعنی تمہیں راستہ میں دیکھا تھا پھر نہ معلوم تم کہاں چلے گئے، ابو ہریرہ ﷛ نے عرض کیا کہ مجھے نہانے کی ضرورت تھی اور مجھے یہ گوارہ نہ تھا کہ ایسی حالت میں آپ کے پاس بیٹھوں۔

آپ ﷺ نے فرمایا ابو ہریرہ تعجب ہے، تم ابھی تک اس بات سے بھی واقف نہیں ہو، کہیں مسلمان بھی ناپاک ہوتا ہے، یعنی جنابت مسلمان میں اس قسم کی نجاست پیدا نہیں کرتی جس کی وجہ سے سلام کلام اور نشست و برخاست ممنوع قرار دی جائے جنابت ایک حکمی چیز ہے، اس کا تعلق خاص خاص معاملات سے ہے، ناپاکی تو دراصل کفر کے اندر ہے لہٰذا وہاں

اگر ایسی صورت پیدا ہو تو ناپاکی آسکتی ہے، کیوں کہ کافر کا دل اور ضمیر ناپاک ہے، اس کے اندر کفر ہے لیکن مسلمان کی ناپاکی بالا ہی بالا ہے، اس کا اثر قلب تک نہیں پہنچتا، جب تک ایک شخص مؤمن ہے تو پاک ہے اور جنابت سے ایمان پر اثر نہیں پڑتا، سبحان اللہ! تم اتنا بھی نہ سمجھے۔

کافر کی نجاست کا مسئلہ

آپ ﷺ نے مسلمان کے بارے میں یہ فرمایا کہ وہ کسی صورت میں نجس نہیں ہوتا، اب اس سے بطور مفہوم مخالف یہ سمجھ میں آتا ہے کہ کافر ناپاک ہو جاتا ہے اور اسی بنا پر بعض صحابہؓ کا عمل کفار کی ملاقات کے ساتھ یہ رہا کہ اگر ضرورۃً مس بھی ہو گیا تو انہوں اس کے اثر کو دور کرنے کے لئے ہاتھ دھولئے یا وضو کر لیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ عمل منقول ہے بعض فقہاء اور تابعین سے بھی کافر کی ناپاکی کے اقوال منقول ہیں، امام مالکؒ اور حسن بصریؒ کی طرف ان اقوال کی نسبت منقول ہے۔

کافر کے ناپاک نہ ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ اگر اس کے ہاتھ کسی چیز سے لگ جائیں تو وہ چیز ناپاک نہیں ہوتی، اور جس طرح ایک مسلمان کا ہاتھ اگر نجاست ظاہری سے متعلق نہ ہو تو وہ پاک ہے اسی طرح اگر کافر کے ہاتھ پر نجاست لگی ہوئی نہیں ہے تو اس کو بھی ناپاک نہیں قرار دیا جائے گا۔

رہ گئی وہ آیت جس کے تحت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مشرکین کی نجاست کا قول منقول ہوا ہے "إنما المشركون نجس" کہ بلاشبہ مشرک ناپاک ہیں تو دراصل یہ آیت مؤمن ہی کے مقابل آئی ہے کہ مؤمن ایمان کی وجہ سے ہر صورت میں پاک ہے اور مشرک شرک کی وجہ سے ہر صورت میں ناپاک ہے، گویا اس آیت میں کافر کی نجاست باطنی کو ذکر کیا گیا ہے، رہا اعضاء ظاہر کا معاملہ تو وہ ناپاک نہیں۔ (ایضاح البخاری ۲/۴۰۲)

حدیث پر شاہ ولی اللہؒ کا ارشاد

حضرت شاہ ولی اللہؒ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: "إن المؤمن لا ينجس" پر شرح تراجم میں لکھتے ہیں:
"يُرَادُ مِنْ مِثْلِ هٰذَا الكَلَامِ فِي عُرْفِ أهلِ اللِّسَانِ أنَّهُ لَا يَتَنَجَّسُ نَجَاسَةً تَمْنَعُ مُصَاحَبَةً ومُلَامَسَةً وَإصَابَةُ العَرَقِ مِنْهُ بِمُجَرَّدِ الجَنَابَةِ مالم يَتَعَلَّقْ بِجَسَدِهٖ شَيئٌ من النَّجَاسَةِ الحَقِيقِيَّةِ" یعنی اہل زبان کے عرف میں اس قسم کے کلام سے مراد یہ ہوگی کہ جنابت سے مؤمن میں اس قسم کی نجاست پیدا نہیں ہوتی جو مصاحبت، مس اور مصافحہ کو ممنوع قرار دے، صرف جنابت کی وجہ سے پسینہ ناپاک نہیں ہوتا جب تک کہ جسم پر نجاست حقیقیہ میں سے

کوئی چیز نہ لگ جائے۔

اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے جنبی سے سلام وکلام، مصافحہ اور ملاقات کرنے میں اجتناب نہیں فرمایا اور عموماً انسان کے بدن پر کچھ نہ کچھ پسینہ باقی رہتا ہے اس سے یہ مسئلہ معلوم ہو گیا کہ جنبی کا پسینہ پاک ہے۔ (فضل الباری ۴۵۶/۲)۔

امام بخاریؒ نے حدیث باب سے یہ دونوں مسئلہ ثابت کئے ہیں کہ ایک تو جنبی کا ظاہری جسم جنابت سے نجس نہیں ہوتا، دوسرے یہ کہ جنبی کا پسینہ پاک ہے۔

بذل وغیرہ شروحات میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے مسلمان کے عدمِ نجاست کی تخصیص چار وجوہات کی بنیاد پر فرمائی ہے:

۱- یہ مقام مسلمان کو خطاب کرنے کا ہی تھا۔

۲- کافر اگرچہ ظاہر کے اعتبار سے مؤمن کی طرح پاک ہے لیکن اس میں باطنی خبث ہے جس کی وجہ سے مسلمان کو چاہئے کہ وہ کافر سے اس طرح اجتناب کرے جیسے نجاست سے اجتناب کیا جاتا ہے۔

۳- حدیث میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ کافر عموماً نجاست سے اجتناب نہیں کرتا وہ عموماً غسل وغیرہ میں صفائی اور ستھرائی کا اہتمام نہیں کرتا، برخلاف مسلمان کے کہ وہ ان تمام باتوں کا لحاظ رکھتا ہے۔

قال: وفي حديث بشر الخ: قال کا فاعل ابوداؤد ہیں، اس قال ابوداؤد کا مطلب یہ ہے کہ اس سند میں مسدد کے دو استاذ ہیں ایک یحییٰ اور دوسرے بشر، یحییٰ جب اس روایت کو بیان کرتے ہیں تو بصیغہ "عن" روایت کرتے ہیں اور بشر جب اس کو روایت کرتے ہیں تو بصیغۂ تحدیث نقل کرتے ہیں.

﴿بابُ فِي الجُنُبِ يَدخُلُ الْمَسْجِدَ﴾

جنبی کے مسجد میں داخل ہونے کا بیان

۲۳۲ ﴿حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَال : ثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بنُ زِيَادٍ قَال : ثَنَا أَفْلَتُ بنُ خَلِيفَةَ قَال : ثَنِي جَسْرَةُ بِنْتُ دِجَاجَةَ قَالَتْ : سَمِعْتُ عَائِشَةَ تَقُوْلُ : "جَاءَ رَسُولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وَ وُجُوْهُ بُيُوْتِ أَصْحَابِه شَارِعَةٌ فِي الْمَسْجِدِ ، فقال : وَجِّهُوا هٰذِه الْبُيُوْتَ عن الْمَسْجِدِ ، ثُمَّ دَخَلَ النبيُّ صلى اللّٰه عليه وسلم وَلَمْ يَصْنَعِ القَوْمُ شَيْئًا رَجَاءَ أَنْ تَنْزِلَ فِيْهِم رُخْصَةٌ فَخَرَجَ إِلَيْهِمْ بَعْدُ ، فقال : وَجِّهُوْا هٰذِه الْبُيُوْتَ عن الْمَسْجِدِ ، فَإِنِّي لَا

أُحِلُّ المَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَلَا جُنُبٍ.
قال أبو داوُدَ : وهُوَ فُلَيْتُ العَامِرِيُّ.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (١٧٨٢٨).

ترجمه : حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ آپ کے اصحاب کے دروازے مسجد میں کو کھلے ہیں، (تا کہ ہر وقت مسجد کو جلدی سے جا سکیں) آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان گھروں کا رخ مسجد سے پھیر دو، پھر رسول اللہ ﷺ آئے اور لوگوں نے ابھی تک کچھ نہیں کیا تھا اس امید سے کہ شاید ان کے بارے میں کچھ رخصت نازل ہو، جب آپ ﷺ دوبارہ آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا ان گھروں کا رخ مسجد کی طرف سے پھیر دو کیوں کہ میں مسجد کو حائضہ اور جنبی کے واسطہ حلال نہیں کرتا۔

ابو داؤد کہتے ہیں کہ افلت فلیت العامری ہیں۔

تشریح مع تحقیق : ابتدار میں جن صحابہ کرام کے حجرات مسجد نبوی ﷺ کے ارد گرد تھے ان کے دروازے مسجد کے صحن کی طرف کھلے ہوئے تھے، ایک روز آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان گھروں کے دروازوں کو مسجد کی طرف سے ہٹا کر دوسری جانب کھول لو، اس لئے کہ اس صورت میں بعض مرتبہ جنب اور حائض کا مرور فی المسجد لازم آئے گا، لیکن صحابہ کرام نے حضور ﷺ کے اس حکم پر اس توقع سے عمل نہیں کیا کہ شاید اس سلسلے میں کوئی رخصت نازل ہو جائے پھر دوسری بار حضور ﷺ کا اس طرف کو گزر ہوا تو آپ نے دوبارہ وہی بات ارشاد فرمائی کہ دروازوں کے رخ پھیر دو، صحابہ کرام نے حکم کی تعمیل فرمائی۔

فقہ الحدیث

اس حدیث سے دو مسئلے ثابت ہوتے ہیں (۱) مرور فی المسجد کا حکم، (۲) مکث فی المسجد کا حکم- دونوں کی وضاحت حسب ذیل ہے:

مرور فی المسجد کا حکم

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک جنبی کے لئے مرور فی المسجد جائز ہے، اسی طرح اگر تلویث مسجد کا خوف نہ ہو تو حائض کے لئے بھی مرور فی المسجد جائز ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک مرور فی المسجد جائز نہیں۔

شافعیہ اور حنابلہ کا استدلال

شوافع اور حنابلہ جو جوازِ مرور کے قائل ہیں ان کا استدلال آیت کریمہ: "لا تقربوا الصلاة وأنتم سكارى حتى تعلموا ما تقولون ولا جنبًا إلا عابري سبيل" سے ہے، یہ حضرات کہتے ہیں کہ صلاۃ سے مراد موضعِ صلاۃ یعنی مسجد ہے، اور "عابري سبيل" سے مراد مرور فی المسجد ہے، لہٰذا اس آیت سے معلوم ہوا کہ جنبی کے لئے مرور فی المسجد جائز ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ کا استدلال

حنفیہ اور مالکیہ کا استدلال حدیث باب سے ہے کہ آپ ﷺ نے جنبی اور حائضہ کے لئے مسجد کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے خواہ مکث ہو یا مرور ہو۔

شوافع کے استدلال کا جواب

آیت کریمہ کا جواب یہ ہے کہ آپ کا استدلال حذفِ مضاف پر مبنی ہے، اور ہمارے نزدیک یہ آیت اپنے ظاہر پر ہے، صلاۃ سے صلاۃ ہی مراد ہے موضعِ صلاۃ مراد نہیں، اور عابری سبیل سے مراد مسافرین ہیں، اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ حالت جنابت میں نماز کے قریب نہیں جانا چاہئے، مگر یہ کہ آدمی مسافر ہو اور پانی دستیاب نہ ہو تو پھر اس کو تیمم کرنا چاہئے، تیمم میں مسافرین کی قید اس لئے لگائی گئی کہ عام طور سے سفر ہی میں عدمِ واجدانِ ماء کی صورت پیش آتی ہے، لہٰذا آیت کریمہ کا مفہوم بغیر حذفِ مضاف بالکل صاف اور واضح ہے۔

حنفیہ کی طرف سے دیئے جانے والے اس جواب پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ عابری سبیل سے اگر مسافر مراد لیا جائے تو پھر آیت میں مسافر کے اعتبار سے تکرار ہو جائے گا کیوں کہ آگے پھر مسافر کا ذکر ہے: "وإن كنتم مرضى أو على سفر"۔

جواب اس کا یہ ہے کہ تکرار کوئی ایسی قبیح چیز نہیں کہ اس سے بچنا ضروری ہو، البتہ اس کے لئے کوئی نکتہ ہونا چاہئے سو یہاں نکتہ یہ ہے کہ چونکہ مریض کا حکم بیان کرنا تھا اور مریض واجد الماء ہونے کے باوجود تیمم کرتا ہے تو اس کے ساتھ مسافر کو دوبارہ اس لئے ذکر کیا گیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ واجد الماء یعنی مریض اور عادم الماء یعنی مسافر دونوں باعتبار حکم کے یکساں ہیں، لہٰذا مریض کو جوازِ تیمم میں وجدانِ ماء کی وجہ سے کوئی تردد نہ ہونا چاہئے۔

مکث في المسجد کا حکم

دوسری چیز مکث فی المسجد ہے، یعنی جنبی کا مسجد میں ٹھہرنا، اٹھنا اور بیٹھنا، ائمہ ثلاثہ: ابوحنیفہؒ، مالکؒ اور شافعیؒ وغیرہ حضرات کے نزدیک ناجائز ہے، اور حنابلہ کے نزدیک جائز ہے، لیکن وضو کرنے کے بعد۔

حنابلہ کی دلیل

حنابلہ کی دلیل صحابہ کرام کا عمل ہے: "رُوي عن الصحابة أنهم يجلسون في المسجد وهم مجنبون إذا توضؤا وُضوء الصلاة" کہ صحابہ کرام جب وضو کر لیتے اور حالت جنابت میں ہوتے تو مسجد میں بیٹھتے تھے۔ (تنظیم الاشتات ا/۱۷۲)۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل

ائمہ ثلاثہ کی پہلی دلیل تو حدیث باب ہے کہ حضور ﷺ نے حائضہ اور جنبی کے لئے مسجد کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے۔

اور دوسری دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وہ روایت ہے جو باب سابق میں گزر چکی ہے: "لا تدخل الملائكة بيتًا فيه صورةٌ ولا كلبٌ ولا جنبٌ" مسجد تو ملائکہ کا مقر ہے وہاں جنبی کا ٹھہرنا کیسے جائز ہوسکتا ہے۔

جواب: حنابلہ نے جو عمل صحابہ کی دلیل پیش کی ہے اس سے استدلال کرنا درست نہیں ہے، اس لئے کہ اس کی سند میں ہشام بن سعد راوی ضعیف ہیں: قال أبو حاتم : لا يحتج به، وقال ابن معين : إنه ضعيف ، نیز اگر سند صحیح بھی ہو تو حدیث مرفوع کے مقابلہ میں عمل صحابہ حجت نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

قال أبوداؤد : وهو فليت العامري : مصنفؒ فرماتے ہیں کہ سند میں جو افلت بن خلیفہ راوی آئے ہیں ان کا نام فلیت عامری ہے، لیکن مشہور افلت کے نام سے ہیں، امام احمد، ابوحاتم اور دارقطنی وغیرہ حضرات نے ان کی توثیق کی ہے، جب کہ خطابی اور ابن حزم وغیرہ رحمہم اللہ نے ان کو مجہول قرار دیا ہے، ابن حبان اور ابن قطان نے بھی ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ (تہذیب التہذیب ا/۲۳۲)۔

❁ ❁ ❁

﴿بابٌ فِي الجُنُبِ يُصلي بِالقومِ وَهُوَ ناسٍ﴾

جنبی کا بھول سے لوگوں کونماز پڑھادینا

۲۳۳ ﴿حَدَّثَنَا موسى بنُ إِسْمَاعِيلَ ثَنا حَمَّادٌ عَنْ زِيَادٍ الأَعْلَمِ عن الحَسَنِ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ أَنَّ رسولَ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم دَخَلَ فِي صَلَاةِ الفَجْرِ فَأَوْمَأَ بِيَدِهِ أَنْ مَكَانَكُمْ ثُمَّ جَاءَ وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ فَصَلّٰى بِهِمْ.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (١١٦٦٥).

ترجمه : حضرت ابوبکرہ ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز شروع کی، پھر ہاتھ سے اشارہ کیا کہ تم اپنی جگہ پر رہو، (اور آپ ﷺ گھر میں چلے گئے) پھر آئے تو آپ ﷺ کے بالوں سے پانی ٹپک رہا تھا، اس کے بعد آپ ﷺ نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔

تشریح مع تحقیق : اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ حالت جنابت میں نماز شروع کرا چکے تھے، بعد میں یاد آنے پر غسل فرما کر نماز پڑھائی، یہ بات صحیحین کی روایت کے خلاف ہے اس لئے کہ صحیحین کی روایت میں تصریح ہے کہ آپ ﷺ ابھی تک نماز میں داخل نہیں ہوئے تھے بلکہ صرف مصلے پر کھڑے ہوئے تھے، اسی وقت آپ ﷺ کو یاد آ گیا، آگے خود مصنفؒ نے بھی صحیحین کی روایت کی طرح روایت کی ہے کہ آپ ﷺ ابھی مقامِ صلاۃ ہی میں تھے کہ آپ ﷺ کو جنابت یاد آ گئی۔

یہ بات ہمیں اس لئے لکھنی پڑی کہ حدیث مذکور میں جو صورت بیان ہوئی اس صورت میں تو بالاتفاق نماز باطل ہو جاتی ہے، مزید وضاحت اگلی روایات کے تحت آئے گی۔

۲۳۴ ﴿حَدَّثَنَا عثمانُ بنُ أَبِي شَيْبَةَ قال : ثَنَا يَزِيدُ بنُ هارونَ قال : أَخْبَرَنَا حَمَّاد بنُ سَلَمَةَ بِإِسْنَادِهِ ومَعْنَاهُ، وقالَ في أَوَّلِهِ : "فَكَبَّرَ" وقالَ في آخِرِهِ : "فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ قَالَ : إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ وإِنِّي كُنْتُ جُنُبًا".

قال أبو داؤد : رَوَاهُ الزهريُّ عن أبي سَلَمَةَ بنِ عَبْدِ الرحمنِ عَنْ أبي هُرَيْرَةَ قال : فَلَمَّا قَامَ في مُصَلَّاهُ وانْتَظَرْنَا أَنْ يُكَبِّرَ انْصَرَفَ ، ثُمَّ قال : "كَمَا أَنْتُمْ".

ورَوَاهُ أَيُّوبُ وابنُ عَوْفٍ وهِشَامٌ عَنْ مُحَمَّدٍ عن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم قال :

فَكَبَّرَ ثُمَّ أَوْمَا إِلَى الْقَوْمِ أَنْ اجْلِسُوا ، فَذَهَبَ فَاغْتَسَلَ.

وكذلك رَوَاهُ مَالِكٌ عن إسماعيلَ بنِ أبي حُكَيْمٍ عَنْ عَطَاءِ بنِ يَسَارٍ قال : إن رسولَ الله صلى الله عليه وسلم كَبَّرَ فِي صَلَاةٍ.

قال أبو داوُدَ : وكذلك حَدَّثَنَاهُ مُسْلِمُ بنُ إبْرَاهِيمَ قال : حدثنا أَبَانٌ عَنْ يَحْيٰى عن الرَّبِيعِ بنِ محمدٍ عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم أنَّه كَبَّرَ.

تقدم تخريجه في الحديث السابق.

ترجمہ : حضرت یزید بن ہارون کہتے ہیں کہ حماد بن سلمہ سابقہ سند اور معنی کی طرح حدیث نقل کرتے ہیں، (فرق صرف یہ ہے کہ) اس حدیث کے شروع میں یہ ہے: جب آپ ﷺ تکبیر تحریمہ کہہ چکے تھے، اور آخر میں یہ ہے کہ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا کہ میں بھی آدمی ہوں اور مجھے نہانے کی حاجت تھی۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ اسے زہری نے بواسطۂ سلمہ بن عبد الرحمٰن حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ جب آپ ﷺ مصلے پر کھڑے ہوئے اور ہم آپ ﷺ کی تکبیر کا انتظار کرنے لگے تو آپ ﷺ وہاں سے چلے اور فرمایا کہ تم اپنی جگہ جمے رہو۔

اور ایوب، ابن عوف اور ابن ہشام نے بواسطۂ محمد بن سیرین آپ ﷺ سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ آپ ﷺ نے تکبیر کہہ لی پھر لوگوں کو بیٹھنے کا اشارہ کر کے آپ ﷺ چلے گئے اور غسل کر کے آئے۔

اور امام مالکؒ نے بھی بواسطۂ اسماعیل بن ابی حکیم، عطاء بن یسار سے اسی طرح روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز کی تکبیر کہہ لی تھی۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ مسلم بن ابراہیم نے بواسطہ ابان، یحیٰی، ربیع بن محمد سے ہمارے سامنے اسی طرح روایت کرتے ہوئے کہا کہ نبی ﷺ نے تکبیر کہہ لی۔

تشریح مع تحقیق : یہ کل پانچ روایتیں ہوتی ہیں ایک ابوبکرہ کی، دوسری ابو ہریرہ ؓ کی، تیسری محمد بن سیرین کی، چوتھی عطاء بن یسار کی، اور پانچویں ربیع بن محمد کی، ابوبکرہ کی روایت کی سند تو سابقہ روایت کی سند کی طرح ہے صرف اتنا فرق متن میں ہے کہ سابقہ روایت میں "دخل فی صلاۃ الفجر" تھا اور ان کی اس روایت میں "دخل فی صلاۃ الفجر فکبر" ہے، دوسرا فرق یہ ہے کہ سابقہ روایت میں "فلما قضى الصلاۃ قال : إنما أنا بشر" نہیں تھا اور اس میں ہے۔

قوله : قال أبو داؤد : ورواه الزهري: الخ یہاں مصنفؒ نے یہ روایت تعلیقاً ذکر کی ہے بخاری شریف کتاب

الغسل میں یہ روایت موصولاً مروی ہے، اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کو اپنا جنبی ہونا نماز شروع کرنے سے پہلی ہی یاد آ گیا تھا، جب کہ ابوبکرہ کی روایت اس کے خلاف تھی۔

ورواه أيوب وابن عون الخ : یہ محمد بن سیرین کی مرسل روایت ہے، اس میں ابوبکرہ کی روایت کی طرح تکبیر تحریمہ کہنے کا ذکر ہے، اس میں دوسری بات یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کو بیٹھنے کا حکم دیا تھا، جب کہ پہلی روایات میں صحابہ کو بیٹھنے کے حکم کا ذکر نہیں ہے۔

وكذلك رواه مالك : یہ روایت بھی مرسلاً ہے، مصنفؒ نے اس کو بھی ابوبکرہ کی روایت کی تائید میں ذکر کیا ہے۔

وكذلك حدثناه مسلم بن إبراهيم : یہ تیسری تعلیق ہے اس کو ابوبکرہ کی روایت کی تائید میں لایا گیا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ حضور ﷺ کو حالت جنابت کس وقت یاد آ گئی، اس سلسلے میں روایات میں اختلاف ہو رہا ہے، ابو ہریرہ کی روایت جو صحیحین میں ہے وہ اس بات پر واضح دلالت کرتی ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے ہی آپ ﷺ کو حالت جنابت یاد آ گئی تھی، اس کے برخلاف ابوبکرہ کی روایت باب، اسی طرح محمد بن سیرین، عطار بن یسار اور ربیع بن محمد کی مراسیل اس پر دلالت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے نماز شروع کردی تھی تب آپ کو یاد آیا۔

اب ان متعارض روایات میں تطبیق کیسے ہو، اس سلسلے میں حضرت شیخ الہندؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ مصلے پر تکبیر اور امامت کی نیت سے پہنچے اس وقت جنابت کی حالت کا دھیان نہ تھا تحریمہ کی نیت سے ہاتھ اٹھا کر ابھی "اللّٰہ" کہا تھا کہ جنابت کا خیال آ گیا یعنی ابھی "الله أكبر" پورا نہیں ہوا تھا، اب کسی نے اس لفظ اللّٰہ کو سن کر تکبیر کی روایت کردی کہ آپ ﷺ نے تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کردی تھی، اور کسی نے کہا کہ ہم انتظار میں تھے کہ آپ ﷺ اللہ اکبر کہیں، حافظ ابن حجرؒ نے بھی فتح الباری میں قریب قریب یہی بات کہی ہے۔

اس کے برخلاف امام نوویؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ واقعہ دو مرتبہ پیش آیا، ایک مرتبہ آپ ﷺ نماز شروع کر چکے تھے اس کے بعد حالت جنابت یاد آئی اور ایک مرتبہ نماز شروع کرنے سے پہلے ہی یاد آ گئی تھی، لیکن دوسرے محدثین نے تعدد کی بات کو زیادہ اچھا نہیں سمجھا ہے۔

۲۳۵ ﴿حَدَّثَنَا عَمرو بنُ عثمانَ الحِمْصِيُّ قال : ثَنَا محمد بنُ حَرْبٍ قال : ثَنَا الزُّبَيْدِيُّ ح وحدثنا عَيَّاشُ بنُ الأَزْرَقِ قال : أَخبَرَنَا ابنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ ح وحَدَّثَنَا مَخْلَدُ بنُ خَالِدٍ قال : ثَنَا إبراهيم بنُ خَالِدٍ إمَامُ صَنْعَاءَ قال : ثَنَا رَبَاحٌ عن مَعْمَر ح وثَنَا مُؤَمَّل بنُ الفَضْلِ الحَرَّانِيُّ قال : ثَنَا الوَلِيدُ عَنِ الأَوْزَاعِيِّ كُلُّهم عن الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قال : أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ ، وصَفَّ النَّاسُ صُفُوفَهُمْ فَخَرَجَ رسولُ الله

صلى الله عليه وسلم حتّٰى إذَا قامَ في مَقَامِه ذَكَرَ أنّه لَمْ يَغْتَسِلْ ، فَقَالَ لِلنَّاسِ : مَكَانَكُمْ ، ثُمَّ رَجَعَ إلٰى بَيْتِه فَخَرَجَ عَلَيْنَا يَنْطُفُ رَاسُهُ قَدْ اغْتَسَلَ وَنَحْنُ صُفُوفٌ ، وَهٰذَا لَفظُ ابنِ حَرْبٍ ، وقال عَيَّاشٌ فِي حَدِيثِه : فَلَمْ نَزَلْ قِيَامًا نَنْتَظِرُهُ حتّٰى خَرَجَ عَلَيْنَا وَقَدْ اغْتَسَلَ.﴾

أخرجه البخاري في "صحيحه" في الأذان، باب: هل يخرج من المسجد لعلة (٦٣٩)، وباب: إذا قال الإمام: "مكانكم" حتى رجع انتظروه (٦٤٠). ومسلم في "صحيحه" في المساجد ومواضع الصلاة، متى يقوم الناس للصلاة (١٥٨). وفي باب: متى يقوم الناس للصلاة (١٥٩). وأبو داود في "سننه"، في باب: في الصلاة تقام ولم يأت الإمام (٥٤١). والنسائي في "المجتبى من السنن" في الإمامة، باب: الإمام يذكر بعد قيامه في مصلاه أنه على غير الطهارة (٧٩١). انظر "تحفة الأشراف" (١٥٢٠٠).

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ نماز کھڑی ہوئی اور لوگوں نے صفیں باندھ لیں، اتنے میں رسول اللہ ﷺ نکلے جب اپنے مقام میں کھڑے ہوئے تو آپ ﷺ کو یاد آیا کہ میں نے غسل نہیں کیا ہے، آپ ﷺ نے لوگوں سے کہا تم یہیں جمے رہو، پھر آپ ﷺ گھر میں گئے، جب گھر سے آئے تو نہا کر آئے، آپ کے سر مبارک سے پانی ٹپک رہا تھا اور ہم صف باندھے کھڑے تھے۔

یہ ابن حرب کی روایت ہے، عیاش کی روایت میں یوں ہے: ہم اسی طرح کھڑے کھڑے انتظار کرتے رہے، جب آپ ﷺ نکلے تو غسل کر کے نکلے۔

تشریح مع تحقیق : قوله : فَخَرَجَ رسولُ الله الخ آپ ﷺ اقامت کے دوران مصلے کی طرف نکلے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اقامت ہو جانے کے بعد نکلے ہوں، آپ ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب تک صفیں سیدھی نہ ہو جاتی تھیں اس وقت تک تکبیر تحریمہ نہیں کہتے تھے۔

يَنْطُفُ : یہ باب نصر اور ضرب دونوں سے آتا ہے بمعنی ٹپکنا، یعنی آپ ﷺ غسل کر کے اتنی جلدی واپس آ گئے کہ آپ کے سر کا پانی بھی خشک نہیں ہوا تھا۔

فَلَمْ نَزَلْ قِيَامًا نَنْتَظِرُهُ : اس سے اس روایت مرسلہ کی تردید ہو جاتی ہے جس میں ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کی طرف بیٹھنے کا اشارہ کر دیا تھا۔

جاننا چاہئے کہ حضرت ابو ہریرہ ؓ کی حدیث باب میں چند فائدے ہیں جن کی طرف توجہ ضروری ہے۔

۱- اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کسی کو مسجد میں احتلام ہو جائے تو خروج مسجد کے لئے تیمم ضروری نہیں ہے، یہ مسئلہ امام بخاریؒ نے مستنبط کیا ہے انہوں نے اس حدیث پر یہ باب باندھا ہے: باب إذا ذكر في المسجد أنه جنب يخرج كما هو ولا يتيمم۔

۲- اقامت اور نماز کے درمیان فصل جائز ہے اس لئے کہ یہاں فصل ہوا آپ ﷺ اقامت کے بعد غسل کر کے آئے اور نماز پڑھادی دوبارہ اقامت نہیں کہی گئی۔

۳- ضرورت کے وقت میں مقتدی حضرات کو اپنے امام کے آنے کا انتظار کرنا چاہئے۔ (شرح مسلم للنووی)۔

﴿بَابٌ فِي الرَّجُلِ يَجِدُ الْبَلَّةَ فِي مَنَامِهِ﴾

اس شخص کا بیان جو خواب میں تری کو دیکھے

۲۳۶ ﴿حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بنُ سَعِيدٍ قال : ثَنَا حَمَّادُ بْنُ خَالِدٍ الْخَيَّاطُ قال : ثَنا عَبْدُ اللّٰه العُمَرِيُّ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنِ القَاسِمِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ : سُئِلَ النبيُّ صلى اللّٰه عليه وسلم عَنِ الرَّجُلِ يَجِدُ الْبَلَلَ وَلَا يَذْكُرُ احتلَامًا؟ قال : يَغْتَسِلُ وَعَنِ الرَّجُلِ يَرىٰ أَنْ قَدْ احْتَلَمَ وَلَا يَجِدُ الْبَلَلَ ؟ قال : لَا غُسْلَ عَلَيْهِ.

فَقَالَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ : الْمَرْأَةُ تَرَى ذٰلِكَ أَعَلَيْهَا غُسْلٌ : قال : نعم، إِنَّمَا النِّسَاءُ شقائق الرِّجَالِ.﴾

أخرجه الترمذي في "جامعه" في الطهارة، باب: ما جاء فيمن يستيقظ فيرىٰ بللًا ولا يجد احتلامًا (١١٣). وابن ماجه في "سننه" في الطهارة وسننها، باب: من احتلم ولم ير بللًا (٦١٢). انظر "تحفة الأشراف" (١٧٥٣٩).

(١) قال الخطابي قوله: شقائق الرجال: أي نظائرهم وأمثالهم في الخلق والطباع فكأنهن شققن من الرجال. وفيه من الفقه: إثبات القياس وإلحاق حكم النظير بالنظير وإن الخطاب إذا ورد بلفظ الذكور كان خطابًا للنساء إلا مواضع الخصوص التي قامت أدلة التخصيص فيها، وفيه ما دل على فساد قول من زعم من أهل الظاهر أن من أعتق شركًا له في جارية بينه وبين شريكه وكان موسرًا فإنه لا يقوم عليه نصيب شريكه ولا تعتق الجارية، لأن الحديث إنما ورد في العبد دون الأمة والله أعلم. الخطابي: ٦٨/١.

ترجمہ : حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو اپنے کپڑے میں تری پائے اور اس کو احتلام یاد نہ ہو؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غسل کرے، اور ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو خواب میں احتلام دیکھے لیکن تری نہ پائے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس پر غسل نہیں ہے۔

ام سلیمؓ نے عرض کیا کہ اگر عورت اس کو دیکھے تو کیا اس پر بھی غسل ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! عورت تو

مردوں کا جوڑا ہیں۔

تشریح مع تحقیق : اس حدیث میں دو مسئلے بیان کئے گئے ہیں، ایک تو یہ کہ خواب یاد ہو لیکن کپڑوں پر تری وغیرہ نہ ہو تو وہ موجب غسل نہیں، اس مسئلے میں نہ کوئی اختلاف ہے اور نہ کوئی تفصیل۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ بیدار ہونے کے بعد کپڑوں پر تری نظر آئے تو اس میں تفصیل اور کچھ تھوڑا سا اختلاف بھی ہے، علامہ ابن عابدین شامیؒ نے اس مسئلے کی چودہ صورتیں لکھی ہیں:

۱- تری کے منی ہونے کا یقین ہو۔

۲- مذی ہونے کا یقین ہو۔

۳- ودی ہونے کا یقین ہو۔

۴- اولین میں شک ہو۔

۵- اخیرین میں شک ہو۔

۶، ۷- طرفین میں شک ہو، کہ منی ہے یا مذی ہے یا ودی ہے۔

پھر ان میں سے ہر ایک صورت میں احتلام یاد ہوگا یا نہیں؟ اس طرح کل چودہ صورتیں ہوئیں، ان میں سے مندرجہ ذیل سات صورتوں میں غسل واجب ہے:

(۱) منی ہونے کا یقین ہو اور خواب یاد ہو، (۲) منی ہونے کا یقین ہو اور خواب یاد نہ ہو، (۳) مذی ہونے کا یقین ہو اور خواب یاد ہو، (۴) منی اور مذی ہونے میں شک ہو اور خواب یاد ہو، (۵) مذی اور ودی ہونے میں شک ہو اور خواب یاد ہو، (۶) منی اور ودی میں شک ہو اور خواب یاد ہو، (۷) تینوں میں شک ہو یعنی تری کے بارے میں تینوں خیال ہوں کہ ہوسکتا ہے منی ہو، ہوسکتا ہے مذی ہو اور ہوسکتا ہے ودی ہو لیکن ساتھ ساتھ خواب یاد ہو۔

اور مندرجہ ذیل چار صورتوں میں غسل بالاتفاق واجب نہیں:

۱- ودی ہونے کا یقین ہو اور خواب یاد ہو۔

۲- ودی ہونے کا یقین ہو اور خواب یاد نہ ہو۔

۳- مذی ہونے کا یقین ہو اور خواب یاد نہ ہو۔

۴- مذی اور ودی میں شک ہو اور خواب یاد نہ ہو۔

اور مندرجہ ذیل صورتوں میں اختلاف ہے:

۱- مذی اور منی میں شک ہو اور خواب یاد نہ ہو۔

۲- منی اور ودی میں شک ہو اور خواب یاد نہ ہو۔

۳- تینوں میں شک ہو اور خواب یاد نہ ہو۔

ان صورتوں میں طرفین کے نزدیک احتیاطاً غسل واجب ہے لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک غسل واجب نہیں، طرفینؒ حدیث باب کے عموم سے استدلال کرتے ہیں، اور امام ابو یوسفؒ حدیث کو ان سات صورتوں پر محمول کرتے ہیں جو ان کے نزدیک موجب غسل ہیں۔ (درس ترمذی ۱/۳۴۳)۔

قوله : إِنَّ النِّسَاءَ شَقَائِق الرِّجَالِ : مطلب یہ ہے کہ عورتیں مردوں کے مشابہ ہوتی ہیں، اور ان کو بھی احتلام ہوتا ہے اگرچہ اس کا وقوع کم ہے، لہٰذا مردوں کی طرح اگر عورت بھی تری کو دیکھے اور خواب یاد نہ ہو تو اس پر غسل واجب ہوگا۔

اس حدیث کے تحت کلام کرتے ہوئے خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے قیاس کا اثبات ہوتا ہے، وہ اس طور پر کہ آپ ﷺ نے عورتوں کو مردوں پر قیاس کر کے ان کے حکم کو بیان فرمایا ہے۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاں مذکر کے صیغہ سے خطاب کیا گیا ہو، وہاں حکم میں عورتیں بھی شامل ہوں گی مگر یہ کہ صراحۃً اس حکم سے ان کی تخصیص کر دی گئی ہو تو اس وقت عورتیں حکم میں داخل نہ ہوں گی۔ (عون المعبود ۱/۲۷۵)۔

﴿بَابُ الْمَرْأَةِ ترىٰ ما يرىٰ الرجلُ﴾

اگر خواب میں عورت بھی وہ دیکھے جس کو مرد دیکھتا ہے تو اس کا حکم

۲۳۷ ﴿حَدَّثَنَا أحمد بنُ صَالِحٍ قال : ثنا عَنْبَسَةُ ثَنَا يُونُسُ عَنْ ابنِ شِهَابٍ قال : قال عُرْوَةُ عَنْ عائِشَةَ أَنَّ أُمَّ سُلَيْمٍ الأَنْصَارِيَةَ – وَهِيَ أُمُّ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ – قالت : يا رسولَ الله! إنَّ الله لايَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ أَرَأَيْتَ الْمَرْأَةَ إِذْ رَأَتْ فِي الْمَنَامِ ما يَرَى الرَّجُلُ أتغتسِلُ أَمْ لا؟ قالت عائشةُ : فقال النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم : نَعَمْ ، فَلْتَغْتَسِلْ إِذَا وَجَدَتِ المآءَ ، قالَتْ عائِشَـةُ : فأَقْبَلْتُ عَلَيْهَا فَقُلْتُ : أُفٍّ لَكِ وَهَلْ تَرَى ذٰلكَ المرأةُ؟ فأَقْبَلَ عَلَيَّ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فقالَ : تَرِبَتْ يَمِينُكِ يا عائشةُ ومِنْ أَيْنَ يَكُونُ الشَّبْهُ.

قال أبوداؤد : وكَذَا رَوَى الزُّبَيْدِيُّ وَعُقَيْلٌ ويُونُسُ وابنُ أخي الزهريِّ وابنُ أبي الوَزِيرِ عَنْ مَالِكٍ عن الزهريِّ ، ووَافَقَ الزهرِيَّ مُسَافِعُ الحَجَبِيُّ قال : عن عُرْوَةَ عَنْ

عائشةَ ، وأمَّا هِشَامُ بنُ عُرْوَةَ فقال : عن عُرْوَةَ عن زَيْنَبَ بنتِ أبي سَلَمَةَ عَنْ أمِّ سَلَمَةَ أَنَّ أمَّ سُلَيْمٍ جَاءَتْ إلَى رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم.

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (١٦٧٣٩).

ترجمه : حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انس بن مالک ﷺ کی والدہ حضرت ام سلیمؓ نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ بیشک اللہ تعالیٰ حق سے شرم نہیں کرتا، کیا اگر عورت بھی سوتے میں ایسا دیکھے جیسا کہ مرد دیکھتا ہے وہ غسل کرے یا نہیں؟ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ ہاں ضرور غسل کرے جب پانی موجود ہو، حضرت عائشہؓ نے کہا کہ میں ام سلیمؓ کے پاس آئی اور کہا کہ تم پر افسوس ہے کیا عورت کو بھی مثل مرد کے احتلام ہوتا ہے؟ اتنے میں میرے پاس رسول اللہ ﷺ آئے اور فرمایا: تمہارا ہاتھ خاک آلود ہو، پھر کہاں سے مشابہت ہوتی ہے (بچے کو ماں سے)

ابو داؤد نے کہا کہ زبیدی، عقیل، یونس، زہری کے بھتیجے اور ابن ابی الوزیر نے بواسطہ مالک عن الزہری اسی طرح روایت کیا ہے۔

اور مسافع حجبی نے زہری کے موافق بواسطہ عروہ زینب بنت ابی سلمہ سے روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ ام سلیم نبی ﷺ کے پاس آئیں۔

تشریح مع تحقیق : مضمون حدیث تو یہ ہے کہ حضرت ام سلیمؓ حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ دین کے معاملہ میں حیاء کو مانع قرار نہیں دیتا، یعنی حیاء مسئلہ پوچھنے کی اجازت نہیں دیتی، لیکن کیا کروں؟ حیاء کو آڑ بنا کر علم سے رکنے کی بھی اجازت نہیں ہے، اس تمہید کے بعد پوچھتی ہیں کہ اگر عورت کو احتلام ہو جائے تو کیا اس پر غسل واجب ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نَعَمْ ہاں اگر پانی دیکھے، حضور ﷺ نے بھی صرف نعم فرمایا پوری عبارت کو نہیں دہرایا، یہ آپ ﷺ کی انتہائی حیاء کی بات تھی، خود آپ ﷺ کی حیاء کے بارے میں آتا ہے:

أشدهم حياءً مِنَ العذراء في خدرها — آپ ﷺ ان کنواری لڑکیوں سے زیادہ باحیاء تھے جو پردے میں ہوں

حضرت عائشہؓ نے ام سلیم اور آپ ﷺ کے درمیان اس سوال وجواب کو سنا تو ام سلیمؓ سے کہنے لگیں کیا عورت کو بھی اس کی نوبت آتی ہے؟ حضرت عائشہؓ چوں کہ نوعمر تھیں اس لئے ام سلیمؓ کے سوال پر ان کو تعجب ہوا۔

حضور اکرم ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے اس تعجب کو جب سنا تو حیاء کو تھامتے ہوئے ارشاد فرمایا: "تَرِبَتْ يَمِيْنُكِ" تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں اگر ایسا نہیں ہے تو بچہ عورت کے مشابہ کیوں ہوتا ہے، یہ جملہ بددعا کا ہے لیکن بددعا مراد نہیں ہوتی بلکہ صرف نکیر کرنا مقصود ہوتا ہے۔

لفظ "الشبه" بفتحتين او بكسر الشين وسكون الباء دونوں طرح منقول ہے، بمعنی مشابہت واشتراک،

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کا مطلب یہی ہے کہ بچہ کبھی اپنے والد کے مشابہ ہوتا ہے اور کبھی والدہ کے، جس کا نطفہ بھی غالب آجائے بچہ میں اسی کی مشابہت آجاتی ہے، تو جب عورت کے لئے منی کا ثبوت ہوگیا تو پھر احتلام میں کیا استبعاد ہے۔

مقصد باب

یہ مسئلہ تو متفق علیہ ہے کہ اگر مرد کو احتلام ہو جائے تو اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے لیکن اگر عورت کو احتلام ہو تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ ابراہیم نخعیؒ سے منقول ہے کہ اگر عورت کو احتلام ہو جائے تو اس پر غسل واجب نہیں، امام نوویؒ کو اس انتساب کی صحت میں کلام ہے، مگر علامہ ابن حجرؒ نے بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ اس انتساب کی تصحیح کی ہے، اور ابراہیم نخعیؒ کا یہی مذہب قرار دیا ہے کہ احتلام میں عورت پر غسل نہیں، کہا جاتا ہے کہ امام محمدؒ عورت کے احتلام کے منکر ہیں، اگر یہ نسبت صحیح ہو تو کہا جاسکتا ہے کہ یہ حضرات اپنی تحقیق میں عورت کی رطوبت کو مادہ منویہ نہ قرار دیتے ہوں، چنانچہ بعض قدیم اطباء کا بھی یہی خیال ہے، یا وہ مادۂ منویہ ہی ہو لیکن انکار اس کے خروج سے متعلق ہو، اور مطلب یہ ہو کہ احتلام میں عورت کا مادہ فرج خارج تک نہیں آتا کہ اس پر غسل واجب ہو، اگر ایسا ہو جائے تو یقیناً غسل واجب ہو جائے گا، اس صورت میں ان حضرات کا قول حدیث باب کے خلاف نہ ہوگا۔

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ عورت کی منی ہوتی ہے البتہ وہ باہر نہیں نکلتی، عموماً اس کا انزال رحم ہی میں ہوتا ہے، البتہ بعض غیر معمولی صورتوں میں انزال باہر کی جانب بھی ہو جاتا ہے، حدیث باب میں اسی غیر معمولی صورت کو بیان کیا گیا ہے، اور اطباء نے جو نفی کی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ عورت کی منی مرد کی منی کے مثل نہیں ہوتی، شیخ بوعلی سینا کہتے ہیں کہ میں نے خود عورت کے مستقر میں منی دیکھی ہے۔

بہر کیف دو ایک فقہاء کے علاوہ تمام فقہاء کرام اس بات پر متفق ہیں کہ احتلام کے مسئلے میں عورت اور مرد کا حکم یکساں ہے، جس طرح مرد پر غسل کے وجوب کے لئے خواب سے بیداری کے بعد خارج شدہ مادۂ منویہ یا الفاظ حدیث میں بلل (تری) کا مشاہدہ ضروری ہے، اسی طرح اگر عورت بھی خواب دیکھے کہ اس کا خاوند اس کے پاس آیا ہے اور لذت بھی محسوس کرے مگر خواب کے بعد کپڑے پر کسی قسم کا اثر نہ ہو تو غسل واجب نہ ہوگا، غرض دونوں جگہ وجوب غسل کا انحصار رویتِ ماء پر ہے، اور اس معاملے میں مرد و عورت دونوں برابر ہیں۔

قال أبو داؤد: وكذا روى الزبيدى الخ اوپر کی روایت میں زہری کے تلمیذ یونس تھے، یہاں سے مصنفؒ یونس کے دوسرے ساتھیوں کو بیان کر رہے ہیں کہ جس طرح زہری سے یونس نے روایت کیا ہے اسی طرح زبیدی، عقیل، ابن

اخی الزہری اور ابن ابوالوزیر بواسطۂ مالک بھی زہری سے اس روایت کو بیان کرتے ہیں، ان حضرات کی روایت سے یونس کی روایت کو تقویت حاصل ہوگئی، اس عبارت میں دو باتیں واضح رہنی چاہئیں: ۱۔ یہاں کذا روی الخ کے تحت یونس کا ذکر مکرر ہے اس لئے کہ ان کی روایت تو اوپر آچکی ہے۔

۲۔ عبارت میں عَنْ مَالِكٍ کا تعلق صرف ابن ابی الوزیرؒ سے ہے، اس سے پہلے جو رواۃ مذکور ہیں ان سے نہیں وہ تو بغیر واسطۂ مالک کے براہِ راست زہری سے روایت کرتے ہیں۔

قوله : وَوَافَقَ الزُّهْرِيَّ مُسَافِعٌ الحجبيُّ الخ جاننا چاہئے کہ مصنفؒ یہاں سے ایک اختلاف کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں، وہ یہ کہ جب ام سلیمؓ نے حضور اکرم ﷺ سے عورتوں کے احتلام کے بارے میں سوال کیا تو ان کے اس سوال پر نکیر اور تعجب کرنے والی کون تھیں؟ حضرت عائشہؓ یا ام سلمہؓ؟

زہری کی روایت میں ہے کہ یہ اعتراض کرنے والی حضرت عائشہؓ ہیں، اور ہشام بن عروہ کی روایت میں ہے کہ ام سلمہؓ ہیں، مصنفؒ نے فیصلہ یہ کیا کہ زہری کی روایت راجح ہے ہشام کی روایت پر، وہ اس لئے کہ مسافع حجبی زہری کے متابع ہیں جس سے زہری کی روایت راجح ہوگئی، اس کے برخلاف قاضی عیاض مالکیؒ نے ہشام کی روایت کو زہری کی روایت پر ترجیح دی ہے، جس میں اعتراض کرنے والی حضرت ام سلمہؓ ہیں۔

امام نوویؒ نے دونوں روایتوں میں تطبیق دی ہے وہ فرماتے ہیں کہ دونوں روایتیں صحیح ہیں، گویا ام سلیمؓ کے سوال کے وقت حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ دونوں موجود تھیں، دونوں ہی نے ام سلیمؓ پر نکیر کی اب یہ رواۃ کا اختصار ہے کہ بعض نے ان کو ذکر کیا اور بعض نے نہیں کیا، حافظ ابن حجرؒ کی رائے بھی اسی طرف ہے۔ (عمدۃ القاری شرح بخاری ۶۸/۳)۔

علامہ سندیؒ نے حاشیہ نسائی میں اور توجیہ یہ لکھی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ ام سلیمؓ کو دو مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا ہو، جب پہلی مرتبہ ام سلیمؓ نے حضور ﷺ سے سوال کیا ہوگا تو حضرت عائشہؓ موجود ہوں گی اور انہوں نے نکیر کی ہوگی، اور جب دوسری مرتبہ سوال کیا ہوگا تو حضرت ام سلمہؓ موجود ہوں گی انہوں نے سوال پر نکیر کی ہوگی، اب سوال یہ ہے کہ ام سلیمؓ نے دو مرتبہ سوال کیوں کیا؟ اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ پہلی مرتبہ سوال کیا ہو پھر کچھ روز بعد نسیان ہوگیا ہو جس کی وجہ سے دوبارہ سوال کرنے کی نوبت آگئی ہو۔ (نسائی، كتاب الطهارة، باب غسل المرأة ترى في منامها ۲۳/۱، حاشیہ)۔

یاد رہے کہ یہ روایت کتب ستہ میں موجود ہے، علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری میں اس پر شاندار کلام کیا ہے، ایسے مواقع پر اس کو دیکھنا چاہئے۔

❁ ❁ ❁

﴿بَابٌ مِقدار الماء الذي يَجْزِئُ بِه الغُسْلُ﴾

پانی کی اس مقدار کا بیان جو غسل کے لئے کافی ہو جائے

۲۲۸ ﴿حَدَّثَنَا عبدُ الله بنُ مَسْلَمَةَ القَعْنَبِيُّ عن مَالِكٍ عن ابنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم كَانَ يَغْتَسِلُ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ هُوَ الْفَرَقُ مِنَ الْجَنَابَةِ.

قال أبوداؤد : قَالَ مَعْمَرٌ عَنِ الزهريِّ فِي هذا الحديث قَالَتْ : "كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا ورسولُ الله صلى الله عليه وسلم مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ فِيهِ قَدْرُ الفَرَقِ".

قال أبوداؤد : رَوَى ابنُ عُيَيْنَةَ نَحْوَ حديثِ مَالِكٍ.

قال أبوداؤد : سَمِعْتُ أحمدَ بنَ حَنْبَلٍ يقولُ : الْفَرَقُ ستَّةَ عَشَرَ رِطْلٍ، وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ : صَاعُ ابنِ أَبِي ذِئْبٍ خَمْسَةُ أَرْطَالٍ وثُلُثٌ ، قالَ: فَمَنْ قَالَ ثَمَانِيَةُ أَرْطَالٍ ؟ قال : لَيْسَ ذلكَ بِمَحْفُوظٍ ، قال : وسَمِعْتُ أَحْمَدَ يقولُ : مَنْ أَعْطَى فِي صَدَقَةِ الفِطْرِ بِرِطْلِنَا هٰذَا خَمْسَةَ أَرْطَالٍ وثُلُثًا فَقَدْ أَوْفَى ، قِيلَ : الصَّيْحَانِيُّ ثَقِيلٌ، قال : الصَّيْحَانِيُّ أَطْيَبُ؟ قال : لَا أَدْرِي.﴾

أخرجه مسلم في "صحيحه" في الحيض، باب: القدر المستحب من الماء في غسل الجنابة، وغسل الرجل والمرأة في إناء واحد في حالة واحدة وغسل أحدهما بفضل الآخر (٤١). وأخرجه النسائي في "المجتبى من السنن" في الطهارة، باب: فضل الجنب (٧٢). باب: ذكر القدر الذي يكتفي به الرجل من الماء للغسل (٢٢٨). وفي المياه: باب الرخصة في فضل الجنب (٣٤٣). وابن ماجه في "سننه" في الطهارة وسننها، باب: الرجل والمرأة يغتسلان من إناء وحد (٣٧٦). انظر "تحفة الأشراف" (١٦٥٨٦).

والفَرَق: بفتح الفاء والراء مكيال يسع ستة عشر رطلًا، وهي: اثنا عشر مدًا، وقيل: هو ثلاثة أقساط والقسط: نصف صاع، وقد تسكن الراء وهي لغة مشهورة.

ترجمہ : حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جنابت کا غسل ایک برتن (پانی) سے کرتے تھے، اس برتن کا نام فرق ہے۔

ابوداؤدؒ نے کہا کہ معمر نے زہری سے اس حدیث کو روایت کیا اس میں یہ ہے کہ میں اور رسول اللہ ﷺ مل کر دونوں ایک برتن پانی سے غسل کرتے تھے جو فرق کے برابر تھا۔

ابوداؤدؒ نے کہا کہ ابن عیینہ نے بھی امام مالکؒ کے مثل روایت کیا ہے۔

ابوداوُدؒ نے کہا کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے سناوہ کہتے تھے کہ فرق سولہ رطل ہوتا ہے اور یہ فرماتے تھے کہ ابن ابی ذئب کا صاع پانچ رطل اور تہائی رطل کا تھا، ابوداوُد نے کہا کہ جس نے کہا کہ آٹھ رطل کا ہوتا ہے تو امام احمدؒ نے جواب دیا کہ وہ غیر محفوظ ہے۔

ابوداوُدؒ نے کہا کہ میں نے امام احمدؒ سے سنا فرماتے تھے کہ جس شخص نے صدقہ فطر ہمارے رطلوں سے پانچ رطل اور تہائی دیا اس نے پورا دیا، لوگوں نے کہا کہ صیحانی (ایک قسم کی کھجور) بھاری ہوتی ہے؟ کہا کہ صیحانی بہتر ہے، کہا کہ مجھے معلوم نہیں۔

تشریح مع تحقیق : مصنفؒ یہاں موجبات غسل سے فارغ ہو گئے، اب غسل کا بیان شروع کر رہے ہیں، غسل کے لئے سب سے پہلے پانی کی ضرورت پڑتی ہے تو اس کو بیان فرماتے ہیں کہ غسل کے لئے ایک فرق پانی کافی ہو جاتا ہے، ویسے تو وضو، یا غسل کے لئے پانی کی کوئی حتمی مقدار متعین نہیں ہے بلکہ جتنا پانی پورے بدن کو تر کرنے کے لئے کافی ہو جائے بس وہی مقدار ضروری ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ بہتر یہ ہے کہ آپ ﷺ سے جو مقدار منقول ہے اسی کی اتباع کی جائے۔

روایت میں قدر مشترک یہ بات آئی کہ حضرت عائشہؓ اور حضور ﷺ ایک فرق پانی سے نہالیا کرتے تھے، فَرَق بفتح الراء سولہ رطل کا پیمانہ ہے، شوافع کے نزدیک سولہ رطل کے تین صاع ہوتے ہیں، کیونکہ ان کے یہاں ایک صاع کی مقدار پانچ رطل اور ثلث رطل ہے، مسلم شریف میں سفیان بن عیینہ کا قول "الفَرَقُ ثلاثة أصُعٍ" اسی پر محمول ہے، اور عند الاحناف کیوں کہ ایک صاع آٹھ رطل کا ہوتا ہے لہٰذا سولہ رطل کے دو صاع بنے، اور اس تحقیق پر فرق کی مقدار دو صاع ہوئی، بہر حال فرق تو سولہ رطل ہی کا رہا، سولہ رطل سے دو صاع بنے یا تین، اس میں ہمارا اور شوافع کا اختلاف ہے، ہمارے پاس مقدار صاع سے متعلق مضبوط دلائل ہیں، جن کو ہم ابواب الوضوء کے شروع میں تفصیل سے لکھ چکے ہیں، مراجعت کر لی جائے۔

قوله : قال أبوداؤد : قال معمر عن الزهري الخ : مصنفؒ یہاں سے ایک اختلاف کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں وہ یہ کہ زہری کے یہاں دو شاگرد ہیں ایک مالک اور دوسرے معمر، ان دونوں کی روایت میں فرق ہے وہ یہ کہ مالک کی روایت میں تو یہ ہے کہ حضور ﷺ ایک فرق پانی سے غسل کر لیتے تھے، اور معمر کی روایت میں یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضور ﷺ دونوں مل کر ایک فرق پانی سے غسل کرتے تھے۔

ان دونوں روایتوں میں تطبیق کی دو صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ مالک کی روایت میں حضرت عائشہؓ کے غسل کا ذکر نہیں ہے تو اس کی نفی بھی نہیں ہے، لہٰذا دوسری روایت پر اس کو بھی محمول کر لیا جائے گا، دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں روایتیں

اختلاف اوقات اور احوال پر محمول ہیں، کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنہا ایک فرق سے غسل کیا ہوگا اور کبھی دونوں نے مل کر کیا ہوگا۔

جب آپ ﷺ نے تنہا ایک فرق سے غسل کیا تو حنفیہ کی تحقیق کے مطابق آپ ﷺ نے دو صاع پانی استعمال کیا، اور جب دونوں نے مل کر غسل کیا تو گویا ایک ایک صاع میں غسل کر لیا۔

قال أبوداؤد : وروى ابن عيينة نحو حديث مالك : مصنفؒ اپنے اس کلام سے امام مالکؒ والی روایت کو تقویت دینا چاہتے ہیں، امام مالکؒ کی روایت میں تھا کہ ایک فرق پانی سے صرف حضور ﷺ نے غسل کیا ہے، گویا سفیان بن عیینہ امام مالکؒ کے لئے متابع ہو گئے۔

قال أبوداؤد : سمعت أحمد بن حنبل : یہاں سے مصنفؒ فرق اور صاع کی مقدار کو بیان فرما رہے ہیں، اس مسئلہ میں حنابلہ اور شوافع ساتھ ہیں اس لئے امام احمدؒ نے اپنے مسلک کے مطابق فرق اور صاع کی مقدار بیان کی ہے، اور حنفیہ کے مسلک کی تردید کرتے ہوئے اس کو غیر محفوظ قرار دیا ہے، اس کا مفصل جواب باب الوضوء میں ہم دے چکے ہیں۔

قال : سمعت أحمد يقول : من أعطى صدقة الفطر الخ : امام احمد بن حنبلؒ کے اس قول کا خلاصہ شارحین یہ لکھتے ہیں کہ حدیث میں صدقۃ الفطر کی مقدار ایک صاع تمر بیان کی گئی ہے اور صاع ایک مشہور پیمانے کا نام ہے جس کی مقدار حنفیہ کے نزدیک آٹھ رطل ہے اور شوافع وغیرہ کے نزدیک پانچ رطل اور ثلث ہے۔ (النہایہ فی غریب الحدیث ۳/۶۰)۔

اب اگر کوئی آدمی اس پیمانے کے ذریعہ صدقۂ فطر ادا کرے تب تو کوئی شبہ نہیں، صدقۂ فطر ادا ہو جائے گا، لیکن اگر کوئی بجائے اس پیمانے سے ناپنے کے بذریعۂ وزن پانچ رطل اور ثلث رطل ادا کرے (جو کہ ایک صاع کا وزن ہے عند الشوافع وغیرہ) تو اس سے بھی صدقۃ الفطر ادا ہو جائے گا۔ (بذل ۱/۱۴۷)۔

قيل : الصيحاني ثقيل الخ "صیحانی" ایک خاص قسم کی کھجور کا نام ہے، مدینہ منورہ میں اس کی پیداوار خوب ہوتی تھی علامہ ازہری نے لکھا ہے کہ اس کا رنگ کالا ہوتا ہے، صاحب عون المعبود نے اس کی وجہ تسمیہ کے بارے میں "لسان العرب" سے یہ نقل کیا ہے کہ صیحان ایک مینڈھے کا نام تھا، جو مدینہ میں اس قسم کی کھجور سے باندھا جاتا تھا، لہٰذا اس درخت پر جب پھل آئے تو ان کو صیحانی کہا جانے لگا، بعد میں اتنا عام ہوا کہ اس قسم کے جتنے درخت تھے ان سب کو صیحانی کہا جانے لگا۔ (عون المعبود ۱/۲۸۰)۔

لسان العرب میں ایک ضعیف روایت کے حوالہ سے یہ بات بھی لکھی ہے کہ صیحانی کھجور کو صیحانی اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ صیاح سے ماخوذ ہے، جس کے معنی بولنے اور چیخنے کے آتے ہیں، ہوا یہ تھا کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور

حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک کھجور کے درخت کے نیچے تشریف فرما تھے، تو اس درخت نے دوسرے درخت کو پکار کر کہا "هذا النبي المصطفى وعلي المرتضى" اب اصل مادہ صیاح ہوا نسبت میں تغیر ہوا تو صیحانی کہنے لگے۔ (حاشیہ بذل ۱۴۷/۱)۔

خلاصہ مصنفؒ کے کلام "قيل له : الصيحاني ثقيل الخ" کا یہ ہے کہ جب امام احمدؒ نے یہ مسئلہ بیان کیا کہ اگر وزن کے اعتبار سے صدقۃ الفطر میں پانچ رطل اور ثلث رطل کھجوریں ادا کر دی جائیں تو کافی ہو جائیں گی، حالانکہ صیحانی کھجور تو بھاری اور وزنی ہوتی ہے، اس کے پانچ اور ثلث رطل سے صاع تو بھرے گا نہیں تو واجب کیسے ادا ہوگا؟ اس لئے کہ حدیث میں تو ایک صاع دینے کا حکم ہے اور یہ مقدار صورۃً ایک صاع سے کم ہوتی ہے؟

اس اعتراض پر امام احمدؒ نے سوال کیا کہ کیا صیحانی کھجوریں عمدہ ہوتی ہیں؟ یعنی اگر صیحانی عمدہ کھجوریں ہوتی ہیں تو ان سے یقیناً صدقۃ فطر ادا ہو جائے گا، لیکن امام احمدؒ نے جو سوال کیا وہ اعتراض کے موافق نہ تھا اس لئے اپنی بات پر فوراً غور کیا اور معترض کے اعتراض کو سمجھا کہ معترض کا مقصد عمدہ اور غیر عمدہ میں فرق بیان کرنا نہیں ہے بلکہ یہ پوچھنا ہے کہ صورۃً اگر صاع نہ بھرے تو صدقۂ فطر ادا ہوگا یا نہیں؟ اب امام احمدؒ کو اس اعتراض کا جواب مستحضر نہ ہو سکا اس لئے فرمایا "لا أدري" بھئی میں اس کو نہیں جانتا۔

شروحات میں اس کلام کا دوسرا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا کہ جب امام احمد بن حنبلؒ نے سوال کیا: "الصيحاني أطيب" تو اس پر معترض نے جواب دیا: "لا أدري" کہ حضرت یہ تو میں نہیں جانتا کہ صیحانی عمدہ ہے یا غیر عمدہ پھر اسی پر بات ختم ہو گئی آگے معلوم نہیں کہ امام صاحبؒ نے کیا جواب دیا، گویا "لا أدري" کے قائل میں دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ اس کے قائل امام احمدؒ ہوں دوسرا یہ کہ معترض اس کے قائل ہوں۔

اس مقام کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کیوں کہ مصنفؒ کا پیش کردہ یہ کلام مغلق اور زیادہ مختصر ہے۔

فائدہ: حنفیہ کے نزدیک پانچ رطل اور ثلث رطل کھجوریں تول کر دینے سے صدقۂ فطر ادا نہ ہوگا۔ (بذل ۱۴۷/۱)۔

❁ ❁ ❁

﴿بابٌ في الغُسلِ مِنَ الجَنابَةِ﴾

یہ باب غسل جنابت کے بیان میں ہے

۲۳۹﴿حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بنُ محمدٍ النُّفَيْلِيُّ قَالَ : ثَنَا زُهَيْرٌ قَالَ : ثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ قَالَ : ثَنِي سُلَيْمَانُ بنُ صُرَدٍ عَنْ جُبَيْرِ بنِ مُطْعِمٍ أَنَّهُمْ ذَكَرُوا عِنْدَ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم الغُسْلَ مِنَ الْجَنَابَةِ ، فَقَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم : "أمَّا أنا فأُفِيْضُ عَلَى رَأْسِيْ ثَلَاثًا" وَأَشَارَ بِيَدَيْهِ كِلْتَيْهِمَا.﴾

أخرجه البخاري في الغسل، باب: من أفاض على رأسه ثلاثًا (٢٥٤). ومسلم في "صحيحه" في الحيض، باب: استحباب إفاضة الماء على الرأس وغيره ثلاثًا (٥٤) و(٥٥). والنسائي في "المجتبى" في الطهارة باب: ذكر ما يكفي الجنب من إفاضة الماء على رأسه (٢٥٠) وفي الغسل والتيمم، باب: ما يكفي الجنب من إفاضة الماء على رأسه (٤٢٣). وابن ماجه في "سننه" في الطهارة وسننها باب: في الغسل من الجنابة (٥٧٥). انظر "تحفة الأشراف" (٣١٨٦).

ترجمہ : حضرت جبیر بن مطعم ﷺ سے روایت ہے کہ صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے غسل جنابت کا ذکر کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تو تین مرتبہ اپنے سر پر پانی ڈال لیتا ہوں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھوں سے اشارہ کیا۔

تشریح مع تحقیق : ترجمۃ الباب کا مقصد غسل کے طریقہ کو تفصیلی طور پر بیان کرنا ہے، اسی وجہ سے یہ باب دیگر ابواب کے مقابلہ میں خاصا طویل ہے، مصنفؒ نے کل گیارہ احادیث کو اس باب کے تحت ذکر کیا ہے، جس سے غسل کے تمام اجزاء پر بحث ہو جاتی ہے۔

حدیث شریف کی تشریح یہ ہے کہ حضرت جبیر بن مطعم ﷺ کا بیان ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا دربار رسالت لگا ہوا تھا جس میں صحابۂ کرام ﷺ غسلِ جنابت کا تذکرہ کر رہے تھے، سب نے اپنی اپنی حالتیں بیان کیں، کسی نے کہا کہ میں ایسا عمل کرتا ہوں، کسی نے کہا کہ میں چار مرتبہ بدن پر پانی بہاتا ہوں، کسی نے کچھ اور کسی نے کچھ بیان کیا معجم اسماعیلی کی ایک حدیث میں یہ لکھا ہے کہ قبیلہ ثقیف کے لوگ حاضر خدمت ہوئے اور انہوں نے اپنی حالت بیان کی، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا "أمَّا أنَا فأَفِيْضُ عَلَى رأسِي ثلاثًا" أما چوں کہ تفصیل کو چاہتا ہے اس لئے مراد یہ ہوگی کہ میں تو تین بار پانی بہاتا ہوں، لیکن تم لوگ اس معاملہ میں اسراف سے کام لیتے ہو۔

اس جگہ پر علامہ عینیؒ نے بڑے پتے کی بات فرمائی ہے کہ امّا حرف شرط ہے اسی لئے اس کے بعد فاء کا ہونا لازم ہے، جیسے "امّا الذین آمَنُوا فَیَعْلَمُونَ اَنّهُ الْحَقُّ" اور یہ تفصیل بتانے کے لئے بھی آتا ہے، جیسے "امّا السَّفِینَةُ فَکَانَتْ لِمَسَاکِینَ" اب یہاں اما کی تفصیل موجود نہیں ہے لیکن یہ تفصیل مقام سے سمجھ میں آجاتی ہے وہ یہ ہے: "امّا أنتم فتفعلون کذا و کذا". (عمدۃ القاری ۱۸/۴)۔

ثلاثًا: یعنی تین لپ پانی، جس کی صراحت مسند احمد (۴۴۸/۳) کی روایت میں بدیں الفاظ موجود ہے "فَآخِذُ مِلْیٔ کَفّي ثلاثًا فاصُبُّ عَلى رأسِي" کف کا لفظ اسم جنس ہے جو ملأ کفین پر بھی صادق ہے، چنانچہ اسی روایت کے اخیر میں حضرت جبیر بن مطعم ﷺ نے واضح کردیا کہ پیغمبر علیہ السلام نے دونوں ہاتھوں میں پانی لے کر تین مرتبہ سر پر ڈالا، اور ظاہر ہے کہ ہر مرتبہ پورے سر پر پانی ڈالا ہوگا۔

مسائل مستنبطہ

۱- حدیث بالا سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ غسل میں تثلیث مسنون ہے، اور اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

۲- علماء احناف پورے بدن پر تین مرتبہ پانی کے بہانے کو مستحب کہتے ہیں، البتہ شوافع اس تثلیث کو صرف غسلِ رأس کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔

۲۴۰ ﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ المثنى قال: ثنا أبُو عَاصِمٍ عن حَنْظَلَةَ عن القاسِمِ عن عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إذَا اغْتَسَلَ مِنَ الجَنَابَةِ دَعَا بِشَيْئٍ نَحْوَ الْحِلَابِ فَاخَذَ بِكَفِّهِ فَبَدَأَ بِشِقِّ رَاسِهِ الْأَيْمَنِ ثُمَّ الْأَيْسَرِ ثُمَّ أَخَذَ بِكَفَّيْهِ، فَقَالَ بِهِمَا عَلَى رَأسِهِ.﴾

أخرجه البخاري في "صحيحه" في الغسل، باب: من بدأ بالحلاب أو الطيب عند الغسل (۲۵۸). ومسلم في "صحيحه" في الحيض، باب: صفة غسل الجنابة (۳۹). والنسائي في "المجتبى من السنن" في الغسل، باب: استبراء البشرة في الغسل من الجنابة (۲۴۲). انظر "تحفة الأشراف" (۱۷۴۴۷).

قال الخطابي قوله: "نحو الحِلابِ" بكسر الحاء المهملة وتخفيف اللام وموحدة: إناء يسع قدر حلب ناقة، وقد ذكره البخاري في "كتابه" وتأوله على استعمال الطيب في الطهور، وأحسبه توهم أنه أريد به المحلب الذي يستعمل في غسل الأيدي وليس هذا من الطيب في شيء. انظر "معالم السنن" ۶۹/۱.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ غسلِ جنابت کرتے تو حلاب جیسے ایک برتن میں پانی منگاتے، پھر پانی اپنے ہاتھ میں لے کر سر کے داہنے جانب پر ڈالتے، پھر بائیں جانب، پھر دونوں ہاتھوں سے پانی

لیکر بیچ سر پر ڈالتے۔

تشریح مع تحقیق : حلاب اس برتن کو کہتے ہیں جس میں اونٹنی کا دودھ دوہا جائے اور اس اونٹنی کا ایک مرتبہ کا دودھ سما جائے، اب حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ جب غسل کا ارادہ فرماتے تو حلاب جیسے برتن میں پانی منگاتے تھ، حلاب میں کتنا پانی آتا ہے بظاہر صحابۂ کرامؓ کے نزدیک وہ معروف ومشہور ہوگا، اور جن حضرات کے سامنے حضرت عائشہؓ نے یہ بیان کیا وہ حضور ﷺ کے غسل کے پانی کی مقدار کو سمجھ گئے ہوں گے، اس برتن کی طرف اشارہ کرنے سے بھی حضرت عائشہؓ کا مقصد پانی کی تخمینی مقدار ہی کو بیان کرنا ہوگا۔

فقال بهما علی رأسه : یعنی دونوں ہاتھوں میں پانی لے کر اس کو اپنے سر پر بہاتے، یہاں لفظ "قال" پانی بہانے کے معنی میں آیا ہے، جاننا چاہئے کہ لفظ قال متعدد معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے، جو معنی بھی مقام اور محل کے مناسب ہوتے ہیں وہ مراد لے لئے جاتے ہیں، جیسے "قال بیده" کے معنی ہیں ہاتھ سے پکڑنا، "قال بعینه" کے معنی ہیں آنکھ سے دیکھنا اور "قال برجله" کے معنی ہیں چلنا وغیرہ۔

۲۴۱ ﴿حَدَّثَنَا يعقوبُ بنُ إبْرَاهِيمَ قال : ثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ -يعني ابنَ مَهْدِيٍّ- ، عن زائدةَ بنِ قُدَامَةَ عَنْ صَدَقَةَ قال : ثَنَا جُمَيْعُ بنُ عُمَيرٍ أحَدُ بَنِي تَيْمِ اللّٰهِ بنِ ثَعْلَبَةَ قال : دَخَلْتُ مَعَ أُمِّي وخَالَتِي عَلٰى عَائِشَةَ ، فَسَأَلَتْهَا إحْدَاهُمَا كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُوْنَ عِنْدَ الغُسْلِ؟ فقالَتْ عائشةُ : كَانَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَتَوَضَّأُ وُضُوْءَهُ لِلصَّلَاةِ ثُمَّ يُفِيْضُ عَلٰى رَأسِهِ ثَلَاثَ مِرَارٍ، ونَحْنُ نُفِيْضُ عَلٰى رُؤُوْسِنَا خَمْسًا مِنْ أَجْلِ الضُّفُرِ.﴾

أخرجه النسائي في "السنن الكبرى" في التحفة وابن ماجه في "سننه" في الطهارة، باب: ما جاء في الغسل من الجنابة (٥٧٤). انظر "تحفة الأشراف" (١٦٠٥٣).

الضفر: جمع ضفيرة: مثل سفينة وسفن، والضفر: بفتح الضاد وإسكان الفاء، ويجوز بضم الضاد وسكون الفاء، والضفيرة هنا الخصلة من الشعر المنسوج بعضه على بعض. ويقال: ضفيرة وضفائر. وقال الأزهري: "الضفائر والغدائر والضمائر: هي الذوائب إذا دخل بعضها في بعض نسجًا فإذا لُويت فهي عقائص".

ترجمہ : حضرت جمیع بن عمیر سے روایت ہے کہ میں اپنی والدہ اور خالہ کے ساتھ حضرت عائشہؓ کے پاس گیا، ان میں سے ایک نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ آپ کس طرح غسل کرتی تھیں؟ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ پہلے وضوء کرتے تھے جیسا کہ نماز کے لئے وضوء کرتے ہیں، پھر اپنے سر پر تین بار پانی ڈالتے تھے، اور ہم چوٹیوں کی وجہ سے پانچ بار پانی ڈالتے تھے۔

تشریح مع تحقیق : جُمَیع بن عُمَیر : ان کی کنیت ابوالاسود ہے، کوفہ کے رہنے والے ہیں، اکثر ائمہ جرح وتعدیل نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے، لیکن امام ترمذیؒ نے ان کی حدیثوں پر حسن کا اطلاق کیا ہے، اسی طرح امام عجلیؒ نے بھی ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔(تہذیب التھذیب ۱/۳۹۱)۔

ضُفُر : بضم الضاد والفاء جمع ہے ضفیرۃ کی بمعنی بالوں کو لٹیں، چوٹی۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ کے فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ جب غسل فرماتے تو تین مرتبہ سر پر پانی بہاتے تھے اور جب ہم یعنی آپ ﷺ کی ازواج مطہرات غسل کرتیں تو پانچ مرتبہ پانی بہاتیں، کیونکہ ہمارے بال بٹے ہوئے ہوتے تھے، پانچ مرتبہ پانی ڈالنے سے بالوں کی جڑیں اچھی طرح تر ہو جاتی تھیں۔

بظاہر یہ حدیث اس حدیثِ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مخالف ہے: "إنّما يكفيك أن تحثي على رأسِكِ ثلاث حثيات من ماءٍ ثم تفيضي على سائر جَسَدِكِ" یعنی عورت کے لئے تین مرتبہ سر پر پانی ڈال لینا کافی ہے، لہٰذا اصل تو تثلیث ہی ہوئی؟

لیکن اس تعارض کا حل یہ نکالا جاسکتا ہے کہ وہ احتیاطاً ایسا کرلیتی ہوں گی اور حضور ﷺ کو اس کا علم نہ ہوگا، یہ جواب تو جب ہے جبکہ ہم اس حدیث کو قابل استدلال مانیں ورنہ تو یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ جمیع کو اکثر ائمہ جرح وتعدیل نے ضعیف قرار دیا ہے، خصوصاً اس وقت ان کی روایت قابل استدلال نہ ہوگی جب کسی صحیح حدیث کے معارض ہو اور یہاں ایسا ہی ہے۔

نوٹ: یاد رہے کہ حافظ منذریؒ نے اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ حدیث نسائی میں بھی ہے، لیکن ہمیں نسائی میں یہ حدیث نہ مل سکی، اسی طرح حافظ ابن حجرؒ نے بھی النكت الظراف على تحفة الأشراف میں یہی لکھا ہے کہ نسائی میں یہ حدیث نہیں مل سکی۔ واللہ اعلم

۲۴۲ ﴿حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بنُ حَرْبٍ الْوَاشِحِيُّ ح وحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قالَا : أَخْبَرَنَا حَمَّادٌ عن هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيه عَنْ عَائِشَةَ قالَتْ : كَانَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم إذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ قال سُلَيْمَانُ : يَبْدَأُ فَيُفْرِغُ بِيَمِينِهِ عَلَى شِمَالِهِ ، وقَالَ مسدد : غَسَلَ يَدَيْهِ يَصُبُّ الإِنَاءَ عَلَى يَدِهِ الْيُمْنَى ثم اتَّفَقَا : فَيَغْسِلُ فَرْجَهُ، وقَالَ مسدد : يُفْرِغُ عَلَى شِمَالِهِ، وَرُبَّمَا كَنَتْ عَنِ الفَرَجِ ، ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ ، ثُمَّ يُدْخِلُ يَدَهُ فِي الإِنَاءِ، فَيُخَلِّلُ شَعْرَهُ حَتّٰى إذَا رَأَى أَنَّهُ قَدْ أَصَابَ الْبَشْرَةَ أَو أَنْقَى الْبَشْرَةَ أَفْرَغَ عَلَى رَأْسِهِ ثَلَاثًا، فإذَا فَضَلَ فُضْلَةً صَبَّهَا عَلَيْهِ.﴾

أخرجه البخاري في الطهارة، (٧١٦)، انظر "تحفة الأشراف" (١٦٨٦٠).

ترجمہ : حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ جنابت کا غسل کرتے، یا کہا کہ جب غسل شروع کرتے تو پہلے داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے، پھر شرمگاہ دھوتے، مسددؒ کی روایت میں ہے دونوں ہاتھ دھوتے، برتن کو داہنے ہاتھ پر انڈیلتے، پھر شرمگاہ دھوتے، مسدد کی روایت میں ہے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے، کبھی کبھی حضرت عائشہؓ شرمگاہ کو کنایہ کے طور پر بیان فرماتی تھیں، پھر وضوء کرتے جیسے نماز کے لئے وضوء کرتے ہیں، پھر دونوں ہاتھ برتن میں ڈال کر بالوں کا خلال کرتے، جب آپ ﷺ کو معلوم ہو جاتا کہ پانی تمام بدن پر پہنچ گیا یا بدن صاف ہو گیا تو اپنے سر پر تین بار پانی ڈالتے، پھر جس قدر پانی بچا رہتا اس کو اپنے اوپر بہا لیتے۔

تشریح مع تحقیق : حدیث بالا میں حضور اکرم ﷺ کے غسلِ جنابت کا معمول بیان کیا گیا ہے، کہ جب آپ ﷺ غسل کا ارادہ فرماتے تو اولاً دونوں ہاتھ دھوتے، پھر پانی سے استنجاء فرماتے، اور بعض روایات میں آئے گا کہ آپ ﷺ محلِ استنجاء کے اردگرد مثلاً فخذین وغیرہ پر اگر نجاست ہوتی تو اس کو زائل فرماتے، حدیث کے الفاظ ہیں: "فيغسل مذاكيره" پھر ہاتھ دھو کر وضوء فرماتے، اس کے بعد پہلے تین مرتبہ سر پر پانی ڈالتے پھر باقی بدن پر پانی بہاتے تھے۔

شرح السند

جاننا چاہئے کہ سند میں مصنفؒ کے دو استاذ ہیں، ایک سلیمان اور دوسرے مسدد، دونوں استاذوں کے الفاظ میں فرق ہے، مصنفؒ نے اس کو خوب اچھی طرح واضح کیا ہے۔

چنانچہ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ سلیمان کی روایت میں "يبدأ فيفرغ بيمينه" ہے، یعنی آپ ﷺ غسل یدین اس طرح فرماتے کہ پہلے برتن میں سے دائیں ہاتھ سے پانی لے کر بائیں ہاتھ پر ڈالتے اور پھر دونوں ہاتھوں کو دھوتے اسکے برخلاف مسدد نے اولاً تو غسل یدین کو مجملاً ذکر کیا اور "غسل يديه" کہا، اس کے بعد غسل یدین کی جو کیفیت بیان کی وہ سلیمان کی بیان کردہ کیفیت سے مختلف ہے، سلیمان کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے پانی لینے کے لئے إدخال يد في الإناء فرمایا اور مسدد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بجائے ادخال ید کے اصغاء فرمایا، یعنی برتن جھکا کر ہاتھ پر پانی ڈالا۔

قوله : ثم اتفقا فيغسل فرجه : یعنی مسدد اور سلیمان دونوں نے غسل یدین کا ذکر کرنے کے بعد کہا "فيغسل فرجه" جس سے استنجاء بالماء مراد ہے، پھر آگے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ مسدد نے کیفیت استنجاء کو بھی بیان کیا کہ آپ ﷺ بوقت استنجاء دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے تھے۔

قولہ : ربما كَنَتْ عن الفرج : مسدد کہتے ہیں کہ کبھی تو حضرت عائشہؓ فرج کو صراحۃً ذکر فرماتیں اور کبھی کنایۃً، چنانچہ مسلم شریف کی روایت میں ہے: "ثم صبّ الماء على الأذى الذي به".

قولہ : فإذا فضل فضلة : فضل باب نصر سے آتا ہے بمعنی بچنا، باقی رہنا، اور پانی کے باقی حصہ کو فضلہ بفتح الفاء کہتے ہیں۔

اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ وضوء قبل الغسل سنت ہے، جمہور علماء کا یہی مسلک ہے۔

قولہ : فيخلل شعره : علامہ زرقانیؒ لکھتے ہیں کہ غسل میں تخلیل شعر رأس واجب نہیں ہے، مگر اس صورت میں وجوب کا حکم ہوگا جب سر کے بال کسی چکنی چیز میں ملبّد ہوں، جس سے بغیر تخلیل کے پانی اصول شعر تک نہیں پہنچتا۔

قولہ : قد أصاب البشرة : اس کے معنی انسان کے ظاہری جلد کے ہیں، اور یہ بفتح الباء والشین ہے نہ کہ بکسر الباء وسکون الشین جیسا کہ صاحب عون المعبودؒ نے لکھا ہے، اس لئے کہ بکسر الباء تو طلاقۃ الوجہ یعنی خندہ پیشانی کے آتے ہیں اور وہ معنی یہاں مراد نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب آپ ﷺ یہ جان لیتے کہ سر کی کھال تک پانی پہنچ گیا تو پھر از سر نو پورے سر اور بدن پر پانی بہاتے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب

۲۴۳ ﴿حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ الْبَاهِلِيُّ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عَدِيٍّ ثَنَا سَعِيْدٌ عَنْ أَبِي مَعْشَرٍ عَنِ النَّخَعِيِّ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رسولُ اللّٰه صلى الله عليه وسلم إِذَا أَرَادَ أَنْ يَغْتَسِلَ مِنَ الْجَنَابَةِ بَدَأَ بِكَفَّيْهِ فَغَسَلَهُمَا ثُمَّ غَسَلَ مَرَافِغَهُ وَأَفَاضَ عَلَيْهِ الْمَاءَ، فَإِذَا أَنْقَاهُمَا أَهْوَى بِهِمَا إِلَى حَائِطٍ ثُمَّ يَسْتَقْبِلُ الْوُضُوءَ، وَيُفِيْضُ الْمَاءَ عَلَى رَأْسِهِ.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (١٥٩٤٢).

ترجمہ : حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ غسلِ جنابت کا ارادہ فرماتے تو اپنے دونوں ہاتھوں سے شروع کرتے، دونوں ہاتھوں کو دھونے کے بعد جوڑوں کو دھوتے اور ان پر پانی ڈالتے، جب وہ صاف ہوجاتے تو ان کو دیوار پر ملتے، پھر وضوء شروع کرتے اور سر پر پانی ڈالتے۔

تشریح مع تحقیق : مَرَافِغ : یہ رُفْغ کی جمع ہے، بمعنی بدن میں میل کچیل جمع ہونے کی جگہ، ہاتھوں اور رانوں کی جڑیں البتہ ابن الاعرابی کی رائے یہ ہے کہ مرافغ کا کوئی واحد نہیں آتا، صاحب قاموس الوحید نے بھی یہی لکھا ہے، مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ جب غسل فرماتے تو پہلے ہاتھ دھوتے اور اس کے بعد غسل مرافغ فرماتے۔

یاد رہے کہ یہاں روایت میں تقدیم وتاخیر ہے، اصل عبارت یوں ہے: "ثُمَّ غَسَلَ فَرْجَهُ ثُمَّ مرافِغَهُ فإذا أنقاهُما

أي الفَرَج والمرافِغ أو اليَدينِ اهْوَىٰ بِهِمَا اي امَالَ بِيَدَيْهِ نحو حائطٍ لِيَدْلُكَهُمَا تَنْظِيفًا ثم يستقبل الوُضوءَ" یعنی اولاً آپ ﷺ استنجاء فرماتے پھر غسل مرافغ فرماتے، اس کے بعد پھر غسل یدین فرماتے اور غایت تنظیف کے لئے اپنے دونوں ہاتھوں کو دیوار سے رگڑتے، پھر آپ ﷺ وضوء کر کے غسل کرتے یعنی سر اور بدن پر پانی ڈالتے۔

۲۴۴ ﴿حَدَّثَنَا الحَسَنُ بنُ شَوْكَرٍ ثَنَا هُشَيْمٌ عن عُرْوَةَ الهَمْدَانِيِّ ثَنَا الشَّعْبِيّ قالَ : قَالَتْ عائشَةُ : لَئِنْ شِئْتُمْ لَأُرِيَنَّكُمْ اَثَرَ يَدِ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم في الحَائِطِ حَيْثُ كَانَ يَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ.﴾

تفرد به ابو داود. انظر "تحفة الأشراف" (١٦١٦٨).

ترجمه : حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میں دیوار میں حضور اکرم ﷺ کے ہاتھ کے نشان کو دکھاؤں، جس جگہ آپ ﷺ غسل جنابت کیا کرتے تھے۔

تشریح مع تحقیق : یہ روایت مرسل ہے اس لئے کہ شعبیؒ نے حضرت عائشہؓ سے نہیں سنا ہے۔ (تلخیص المنذری ۱/۱۶۳)۔

اس روایت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ آپ ﷺ بسا اوقات اپنے ہاتھوں کو مٹی کے ذریعہ صاف کرلیا کرتے تھے معجم طبرانی میں ایک حدیث ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے مروی ہے: عن ابن مسعود : "السنة في الغسل من الجنابة أن تغسل كفك حتى تنقى ثُمَّ تدخل يدك في الإناء فتغسل فرجك حتى ينقي، ثم تضرب يسارك على الحائط أو الأرض فتدلكها"۔

معلوم ہوا کہ غسل کرتے وقت ہاتھوں کو بذریعہ مٹی صاف کرلینا چاہئے تاکہ نظافت پیدا ہو جائے۔ (بذل ۱/۱۴۹)۔

۲۴۵ ﴿حَدَّثَنَا مسدد بنُ مُسَرْهَدٍ نا عَبْدُ اللّٰه بنُ دَاوُدَ عن الأَعْمَشِ عن سَالِمٍ عن كُرَيْبٍ قال: ثَنَا ابنُ عَبَّاسٍ عَنْ خَالَتِهِ مَيْمُوْنَةَ قالَتْ : وَضَعْتُ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم غُسْلًا يَغْتَسِلُ بِه مِنَ الْجَنَابَةِ ، فَاَكْفَأَ الإِنَاءَ عَلٰى يَدِهِ اليُمْنٰى فَغَسَلَهَا مَرَّتَيْنِ أو ثَلَاثًا، ثُمَّ صَبَّ عَلٰى فَرْجِهِ فَغَسَلَ فَرْجَهُ بِشِمَالِهِ ثم ضَرَبَ بِيَدِهِ الأَرْضَ فَغَسَلَهَا ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ، ثُمَّ صَبَّ عَلٰى رأسِهِ وجَسَدِهِ، ثُمَّ تَنَحّٰى نَاحِيَةً، فَغَسَلَ رِجْلَيْهِ فَنَاوَلْتُهُ الْمِنْدِيْلَ فَلَمْ يَأخُذْهُ وجَعَلَ يَنْقُضُ المآءَ عن جَسَدِهِ، فَذَكَرْتُ ذلك لِإِبْرَاهِيْمَ فقال : كانوا لَا يَرَوْنَ بالمِنْدِيْلِ بأسًا، ولكن كانوا يَكْرهُوْنَ الْعَادَةَ.

قال أبو داوُدَ : "قال مُسَدَّدٌ : قلتُ لعبدالله بنِ داوُد : كانوا يَكْرَهُونَهُ لِلْعَادَةِ، فقال : هٰكَذَا وَلٰكِنْ وَجَدْتُهُ فِي كِتَابِي هٰكَذَا.

أخرجه البخاري في "صحيحه" في الغسل، باب: مسح اليد بالتراب لتكون أنقى (٢٦٠)، وفي باب: الوضوء قبل الغسل (٢٤٩)، وفي باب: الغسل مرة واحدة (٢٥٧)، وفي باب: المضمضة والاستنشاق في الجنابة (٢٥٩)، وفي باب: تفريق الغسل (٢٦٥)، وفي باب: من أفرغ بيمينه على شماله في الغسل (٢٦٦)، وفي باب: من توضأ من الجنابة ثم غسل سائر جسده ولم يعد غسل مواضع الوضوء مرة أخرىٰ (٢٧٤). وفي باب: نفض اليدين من الغسل عن الجنابة (٢٧٦)، وفي باب: التستر في الغسل عند الناس (٢٨١)، ومسلم في "صحيحه" في الحيض. باب: تستر المغتسل بثوب ونحوه (٧٦٥). والترمذي في "جامعه" في الطهارة باب: ما جاء في الغسل من الجنابة، وقال: هذا حديث حسن صحيح (١٠٣)، والنسائي في "المجتبى من السنن" في الطهارة، باب: غسل الرجلين في غير المكان الذي يغتسل فيه (٢٥٣). وفي الغسل والتيمم، باب: إزالة الجنب الأذى عنه قبل إفاضة الماء عليه (٤١٦)، وفي باب: مسح اليد بالأرض بعد غسل الفرج (٤١٧)، وفي باب: الاستتار عند الغسل (٤٠٦)، وابن ماجه في "سننه" في الطهارة وسننها باب: المنديل بعد الوضوء وبعد الغسل (٤٦٧). انظر "تحفة الأشراف" (١٨٠٦٤).

ترجمه : حضرت ابن عباسؓ اپنی خالہ حضرت میمونہؓ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے لئے نہانے کا پانی رکھا، تاکہ آپ ﷺ جنابت کا غسل کریں، آپ ﷺ نے برتن کو جھکا کر داہنے ہاتھ پر دو یا تین بار پانی ڈالا اور دھویا، پھر اپنی شرمگاہ پر پانی ڈالا اور بائیں ہاتھ سے شرمگاہ کو دھویا، پھر آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا اور اس کو دھویا، پھر کلی کی، ناک میں پانی ڈالا اور اپنے چہرے اور دونوں ہاتھوں کو دھویا، اس کے بعد اپنے سر اور سارے بدن پر پانی بہایا، بعد اس کے اس مقام سے الگ ہو کر پاؤں دھوئے، (میمونہؓ فرماتی ہیں کہ) میں نے بدن پوچھنے کو کپڑا (تولیہ) دیا آپ ﷺ نے اس کو نہیں لیا اور اپنے بدن سے پانی جھاڑنے لگے۔

(اعمشؒ کہتے ہیں کہ میں نے جو سالم سے یہ حدیث سنی تو) ابراہیم نخعیؒ سے بیان کی، انہوں نے فرمایا کہ صحابۂ کرام ؓ کپڑے سے بدن صاف کرنا برا نہیں سمجھتے تھے مگر اس کی عادت بنا لینے کو برا جانتے تھے۔

ابوداؤد نے کہا کہ مسدد نے عبداللہ بن داؤد سے پوچھا کہ صحابہ عادت کر لینے کی وجہ سے کپڑے کے استعمال کو برا سمجھتے تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ایسا ہی ہے، اور لیکن میں نے اپنی کاپی میں اسی طرح پایا ہے۔

تشریح مع تحقیق : غُسْلًا : بضم الغين وسكون السين بمعنی غسل کرنے کا پانی، تَنَحّٰی : باب تفعل سے آتا ہے، اس کے معنی ہیں الگ ہونا، جگہ کو چھوڑنا، اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ غسل رجلین کو مؤخر کیا جائے گا، لیکن اس سلسلہ میں روایات بھی مختلف ہیں اور علماء کے اقوال بھی مختلف ہیں کہ غسل کے وضوء میں غسل رجلین کو مؤخر کیا جائے گا یا شروع میں وضوء کے ساتھ ساتھ پیر بھی دھوئے جائیں، حضرت عائشہؓ کی سابقہ روایت سے تکمیل وضوء سمجھ میں

آرہا ہے اس لئے کہ آپ فرماتی ہیں: "یتوضا وضوءہ للصلاۃ" ظاہری بات ہے کہ یہ مکمل وضوء ہی ہوگا۔
اب روایات کے اس اختلاف۔ کے پیش نظر بعض حضرات نے تقدیم کو ترجیح دی ہے اور بعض نے تاخیر کو، محققین احناف نے تطبیق کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اگر غسل کی جگہ پانی جمع ہو جاتا ہے تو غسلِ رجلین مؤخر ہوگا اور حضرت میمونہؓ کی حدیث باب اسی پر محمول ہے، اور اگر غسل کی جگہ پر پانی جمع نہ ہوتا ہو تو غسلِ رجلین وضوء کے ساتھ ہوگا، حضرت عائشہؓ کی روایت اسی پر محمول ہوگی، اس جگہ صاحب عون المعبود نے تفصیلی کلام کیا ہے اور فقہ کی کتابوں سے عبارتیں بھی نقل کی ہیں، ان کو دیکھ لینا بہتر ہے اسی طرح بذل میں بھی اچھا کلام ہے۔

قولہ: فناولتہ المندیلَ فَلَم یاخذہ: وضوء اور غسل کے بعد تولیہ کا استعمال حضرت سعید بن المسیب اور امام زہریؒ کے نزدیک مکروہ ہے، یہ حضرات حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں، کہ جب حضرت میمونہؓ نے آپ ﷺ کی خدمت میں کپڑا پیش کیا تو آپ ﷺ نے نہیں لیا۔

اس کے برخلاف جمہور کے نزدیک تمسح بالمندیل جائز ہے، جمہور کی دلیل حضرت سلمان فارسیؓ کی حدیث ہے جس کی تخریج ابن ماجہ نے اپنی سنن کتاب الطہارت میں کی ہے: "أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم تَوَضَّأَ فَقَلَبَ جُبَّةَ صُوْفٍ كَانَتْ عَلَيْهِ فَمَسَحَ بِهَا وَجْهَهُ" اس روایت کی سند بالکل ٹھیک ہے، علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے نیل الاوطار میں اس کو حسن قرار دیا ہے، اسی طرح جمہور نے ترمذی میں کتاب الطہارہ باب المندیل بعد الوضوء کے تحت حضرت عائشہؓ اور حضرت معاذؓ کی حدیث ہے جس میں حضور اکرم ﷺ کی عادت یہ بتائی گئی ہے کہ آپ ﷺ کے پاس ایک کپڑا تھا جس سے آپ ﷺ اپنے اعضاء کو وضوء کے بعد خشک کر لیا کرتے تھے، یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے کیونکہ رشدین بن سعد راوی اس میں ضعیف ہیں اسی طرح عبدالرحمٰن افریقی بھی ضعیف ہیں لیکن چوں کہ یہ مفہوم متعدد احادیث میں متعدد طرق سے مروی ہے اس لئے بحیثیت مجموعی اس کو قبول کر لیا جائے گا۔

حضرت میمونہؓ کی حدیث باب کا جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ وہ ایک واقعہ حال ہے ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے تبرید کی خاطر تولیہ استعمال کرنے سے گریز کر لیا ہو، یا اس وقت آپ ﷺ کو کسی امر ضروری کی وجہ سے جلدی رہی ہو اس لئے ترک تنشیف فرمایا۔ (عون المعبود ار ۲۸)۔

پھر جمہور علماء میں سے امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اسے مباح کہتے ہیں، اور حنفیہ میں سے صاحب "منیۃ المصلی" نے اسے مستحب لکھا ہے، اور قاضی خان وغیرہ نے مباح قرار دیا ہے اور فتویٰ بھی قاضی خاں کے قول پر ہے۔

امام ترمذیؒ نے استعمالِ مندیل کو مکروہ قرار دینے والوں کی ایک دلیل یہ بھی ذکر کی ہے کہ "انّ الوُضُوءَ يُوزَنُ" یعنی وضوء کا پانی وزن کیا جائے گا، اور وہ اجر میں اضافہ کا سبب بنے گا، لہٰذا اسے خشک کر دیا گیا تو وہ کیسے ہوگا؟

لیکن یہ استدلال بہت کمزور ہے اسلئے کہ اگر پانی کا خشک ہوجانا وزن کے منافی ہوتو کسی صورت میں بھی وزن کا تصور نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اگر کپڑے سے خشک نہ کیا جائے تو کسی نہ کسی وقت ضرور خود بہ خود خشک ہوجائے گا۔(بذل ۱۵۰/۱)۔

قوله : وجعل ینفض الماء عن جسده : حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس حدیث کے ذیل میں تراجم البخاری میں یہ لکھا ہے کہ جنبی کا غسالہ طاہر ہے کیونکہ جھٹکنے سے لامحالہ چھینٹیں اڑتی ہیں اور بدن وغیرہ پر پڑتی ہیں اب اگر یہ چھینٹیں بدن یا کپڑے پر پڑ جائیں تو کوئی مضائقہ اور حرج نہیں کیونکہ یہ پاک ہیں، اگر اس میں کوئی مضائقہ ہوتا تو حضور ﷺ اپنے دونوں ہاتھوں کو نہ جھاڑتے۔(نقلاً عن فضل الباری ۴۵۰/۲)۔

صاحب درمختار نے عدم نفض الیدین کو مستحباب وضوء میں شمار کیا ہے۔(الدرالمنضود ۳۷۳/۱)۔

فذکرت ذلك لابراهم : یہاں پر قائل سلیمان الاعمش ہیں جیسا کہ مسند احمد (۳۳۸/۶،۳۲۱/۱) کی روایت میں صراحت ہے، اعمش کہتے ہیں کہ سالم سے میں نے جو حدیث سنی اس کا ذکر میں نے ابراہیم نخعیؒ سے کیا تو انہوں نے اس حدیث کو سننے کے بعد فرمایا: "کانوا لا یرون بالمندیل بأسا" کہ صحابہ کرام استعمال مندیل کو مکروہ نہیں سمجھتے تھے، مگر اس کے عادت بنانے کو مکروہ سمجھتے تھے۔

قال أبوداؤد : قال مسدد الخ : اس قال ابوداؤد کی تشریح میں دو قول ہیں: ایک تو یہ کہ مسدد کہتے ہیں کہ میں نے اپنے استاذ عبداللہ بن داؤد سے پوچھا کہ اعمش کی روایت میں جو اعمش اور ابراہیم کے درمیان سوال وجواب ہوا ہے کیا یہ آپ کو اچھی طرح یاد ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جہاں تک حفظ کا تعلق ہے تو اس میں تو یہ زیادتی نہیں ہے، بلکہ صرف حضرت میمونہؓ کی روایت ہی مجھے یاد ہے، سوال وجواب اس میں نہیں ہے، لیکن میرے پاس جو کتاب ہے اس میں یہ زیادتی مذکور ہے۔

دوسرا قول اس کی تشریح میں یہ ہے کہ اوپر روایت میں آیا تھا "کانوا یکرهون العادة" بغیر لام جارہ کے، تو اس پر مسدد نے اپنے استاذ سے پوچھا کہ آپ کی مراد "یکرهون العادة" سے "یکرهون للعادة" ہے؟ تو اس پر انہوں نے کہا کہ مراد تو یہی ہے لیکن میری کتاب میں بغیر لام جارہ کے ہے۔(المنهل العذب المورود)۔

۲۴۶ ﴿حَدَّثَنَا حسينُ بنُ عيسَى الخُراسَانِيُّ وابنُ أبي فُدَيْكٍ عن ابنِ أبِي ذِئبٍ عن شُعْبَةَ قَالَ : إنَّ ابنَ عبَّاسٍ كانَ إذَا اغْتَسَلَ مِن الجنابَةِ يُفْرِغُ بِيَدِه الْيُمنَى عَلَى يَدِه الْيُسْرى سَبْعَ مِرَارٍ ثم يَغْتَسِلُ فَرجَهُ ، فَنَسِيَ مَرَّةً كَمْ أَفْرَغَ؟ فَسَألَنِي كَمْ أَفْرَغْتُ، فَقُلْتُ : لَا أَدْرِي، فَقَالَ : لَا أُمَّ لَكَ و مايَمْنَعُكَ أن تَدْرِيَ، ثم يَتَوَضَّأُ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ، ثم يُفِيضُ عَلَى جِلْدِهِ المآءَ، ثُمَّ يقولُ : هٰكَذَا كَانَ رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه

علیه وسلم یَتَطَهَّرُ.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (۵۶۸۲).

ترجمہ : شعبہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جب غسل جنابت کرتے تو داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر سات مرتبہ پانی ڈالتے، پھر شرمگاہ دھوتے، ایک مرتبہ وہ یہ بھول گئے کہ کتنی مرتبہ پانی ڈالا، تو مجھ سے فرمایا کہ میں نے کتنی بار پانی ڈالا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ مجھے یاد نہیں ہے، انہوں نے فرمایا کہ تیری ماں نہ ہو تو نے یاد کیوں نہ رکھا، پھر آپ وضوء کرتے تھے، جیسے نماز کے لئے وضوء کرتے ہیں، پھر اپنے بدن پر پانی بہاتے تھے اور کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اسی طرح طہارت کرتے تھے۔

تشریح مع تحقیق : مضمون حدیث تو واضح ہے، لیکن اس حدیث سے ایک نئی بات یہ معلوم ہوئی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ابتداء غسل میں سات بار ہاتھوں کو دھویا کرتے تھے، اب ان کے اس عمل میں دو احتمال ہو سکتے ہیں، ایک تو یہ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ایسا شروع میں کرتے تھے لیکن جب احادیث تثلیث سامنے آئیں تو پھر ایسا نہیں کرتے ہوں گے، دوسرا احتمال جو زیادہ قوی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نسخ کے قائل ہی نہ تھے۔

صاحب عون المعبودؒ نے یہ جواب لکھا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اس لئے کہ اس میں ایک راوی شعبہ بن دینار ہیں، جن کو اکثر محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (عون المعبود ۱/۲۸۸)۔

۲۴۷ ﴿حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بنُ سَعِيدٍ أَخبَرَنَا أَيُّوبُ بنُ جَابِرٍ عن عَبدِالله بنِ عُصْمٍ عن عَبدِ اللهِ بنِ عُمَرَ قال : "كَانَتِ الصلاةُ خَمْسِينَ وَالغُسْلُ مِنَ الْجَنابَةِ سَبْعَ مِرَارٍ وَغَسلُ الْبَوْلِ مِنَ الثَّوْبِ سَبْعَ مِرَارًا، فَلَمْ يَزَلْ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم يَسْأَلُ حَتّٰى جُعِلَتِ الصَّلاةُ خَمْسًا والغُسْلُ مِنَ الجنابةِ مَرَّةً، وغَسْلُ الْبَوْلِ مِنَ الثَّوْبِ مَرَّةً.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (۷۲۸۲).

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ پہلے پچاس نمازیں فرض ہوئی تھیں اور جنابت سے سات بار غسل کرنے کا حکم ہوا تھا، اسی طرح پیشاب کپڑے پر لگ جائے تو سات مرتبہ دھونے کا حکم تھا، پھر رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ سے برابر دعاء کرتے رہے (اور اپنی امت پر تخفیف چاہتے رہے) یہاں تک کہ نمازیں پانچ رہ گئیں اور جنابت سے غسل کرنا ایک بار رہ گیا اسی طرح کپڑے سے پیشاب کو دھونا ایک مرتبہ رہ گیا۔

تشریح مع تحقیق : شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات تو مشہور ہے کہ نمازوں میں تخفیف کا واقعہ شب معراج میں پیش آیا ہے اور صحیحین کی مشہور روایات میں صرف نمازوں کا ہی ذکر ہے باقی دو چیزوں کا نہیں۔

شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے "كشف الغمه عن جميع الأمه" میں جو حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے اس سے اسی طرف اشارہ ملتا ہے کہ باقی دونوں چیزوں کا واقعہ بھی شب معراج میں ہی پیش آیا ہے لیکن شیخ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات جزم کے ساتھ نہیں کہی ہے، اسی لئے یہ بات بھی ممکن ہے کہ غسل جنابت میں تخفیف اور غسل ثوب میں تخفیف کسی اور موقع پر ہوئی ہو۔

فقہ الحدیث

اس حدیث میں ثوب نجس کی تطہیر کا طریقہ بیان ہوا کہ ثوب نجس کو ایک مرتبہ دھو لینا کافی ہے، لیکن یہ مسئلہ فقہاء کرام کے درمیان مختلف فیہ ہے۔

حنفیہ کے نزدیک ثوب نجس کو تین مرتبہ دھونا ضروری ہے اس سے کم دھونے سے کپڑا پاک نہ ہوگا۔

حضرت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ثوب نجس کو ایک مرتبہ دھونا کافی ہے البتہ تثلیث مستحب ہے۔

حضرت امام احمدؒ کی اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ سات مرتبہ دھونا ضروری ہے، دوسری یہ کہ ایک بار دھونا کافی ہے۔

حنفیہ دلیل میں یہ کہتے ہیں کہ استیقاظ من النوم میں تین بار غسلِ یدین کا حکم حدیث میں وارد ہوا ہے جب کہ وہاں صرف احتمال نجاست ہے، لہٰذا جہاں تحقق نجاست ہو تو وہاں یہ حکم بطریق اولیٰ ثابت ہوگا۔

ائمہ ثلثہؒ نے قدر مشترک کے طور پر حدیث باب سے استدلال کیا ہے لیکن اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اس میں ایک راوی ایوب بن جابر ہیں جن کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ نے "ضعیف" لکھا ہے، اسی طرح ایک دوسرے راوی عبداللہ بن عصم ہیں وہ بھی کمزور درجہ کے ہیں۔ (تقریب التہذیب)۔

۲۴۸ ﴿حَدَّثَنَا نَصْرُ بنُ عَلِيٍّ ثَنا الحَارِثُ بنُ وَجِيْهٍ أَخبرَنا مَالِكُ بنُ دِيْنَارٍ عن محمدِ بنِ سِيْرِيْنَ عَنْ أبي هُرَيْرَةَ قال : قالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم : "إنَّ تَحتَ كُلِّ شَعْرَةٍ جَنَابَةً ، فَاغْسِلُوْا الشَّعْرَ و أَنْقُوْا الْبَشَرَ".

قال أبو داؤدَ : الحَارِثُ بنُ وَجِيْهٍ حَدِيْثُهُ مُنْكَرٌ، وهُوَ ضَعِيْفٌ.﴾

أخرجه الترمذي في "جامعه" في الطهارة، باب: ما جاء أن تحت كل شعرة جنابة (١٠٦)، وابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة، باب: تحت كل شعرة جنابة (٥٩٧). انظر "تحفة الأشراف" (١٤٥٠٢).

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر بال کے نیچے جنابت ہے، بالوں کو دھوؤ اور بدن کو صاف کرو۔

ابوداؤد نے کہا کہ حارث بن وجیہ راوی ضعیف ہیں اوران کی حدیث منکر ہے۔

تشریح مع تحقیق : اس حدیث کی بناء پر اجماع ہے کہ غسل میں ایصال الماء إلى سائر الجسد فرض ہے، لیکن اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس کے راوی حارث بن وجیہ ضعیف ہیں، جیسا کہ خود مصنفؒ نے بھی ان کو ضعیف قرار دیا ہے، اسی طرح امام ترمذیؒ نے بھی اس حدیث کی تضعیف کی ہے، لیکن اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اپنے ضعف کے باوجود دووجہ سے مقبول ہے: ایک تو اس لئے کہ "وَ إِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا" کی آیت اس کی تصدیق اور تائید کرتی ہے، دوسرے یہی مفہوم حضرت ابو ہریرہؓ سے موقوفاً مروی ہے، جب کہ حضرت علیؓ سے مرفوعاً مروی ہے "عن علي عن النبي صلى الله عليه وسلم مَنْ تَرَكَ مَوْضِعَ شَعْرَةٍ مِنْ جَنَابَةٍ لَمْ يَغْسِلْهَا فُعِلَ بِهِ كَذَا وَ كَذَا مِنَ النَّارِ، قال عليّ: وَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَأْسِيْ و كان يَجُزّ شَعْرَه". (ابوداؤد ۱/۳۳)۔

امام نوویؒ نے اگرچہ اس کی تضعیف کی ہے لیکن دوسرے مقام پر اس کی تحسین بھی کی ہے، لہٰذا یہ قابل استدلال ہے۔(معارف السنن ۱/۳۶۶)۔

علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض علماء نے اس حدیث سے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ غسل جنابت میں استنشاق واجب ہے، کیوں کہ داخل انف میں بال ہوتے ہیں اور "انقوا البشر" سے ایجاب مضمضہ پر استدلال کیا ہے، کیوں کہ داخل فم پر بشر صادق آتا ہے، مگر خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو یہ کہہ کر رد کردیا کہ بشر کا اطلاق ماظہر من البدن پر ہوتا ہے اور داخل فم کو تو ادمہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، لیکن علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے وجوب مضمضہ پر استدلال صحیح ہے اس لئے کہ داخل فم ظاہر بدن سے ہے، یہی وجہ ہے کہ روزہ کی حالت میں منہ کے اندر کھانے پینے کی کوئی چیز لینا منع نہیں ہے۔(عون المعبود ۱/۲۹۰)۔

قال أبو داؤد: "الحارث بن وجيه حديثه منكر وهو ضعيف": منکر اسم مفعول کا صیغہ ہے، بمعنی غیر معروف جس کو لوگ نہ پہچانتے ہوں، (التوضیح ۲/۳۵) اور اصطلاح میں منکر کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جس کو روایت کرنے میں کوئی مستور یا ضعیف راوی منفرد ہو جائے، اگرچہ ثقات کی مخالفت نہ ہو، اور دوسری قسم یہ ہے کہ راوی ضعیف ہو اور ثقات کی مخالفت بھی ہو رہی ہو، یہاں پر قسم اول مراد ہے۔(عون المعبود، مقدمہ ابن الصلاح ص ۶۳)۔

وَهو ضعيف: میں ہو ضمیر کا مرجع حارث بن وجیہ ہے، یہ راوی باتفاق محدثین ضعیف ہے۔(مدارس الرواۃ)۔

۲۴۹ ﴿حَدَّثَنَا موسَى بنُ إسْمٰعِيْلَ نا حَمَّادٌ أنا عطاءُ بنُ السَّائِبِ عن ذَاذَانَ عن عَلِيٍّ قالَ: إنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قال: "مَنْ تَرَكَ مَوْضِعَ شَعْرَةٍ من جَنَابَةٍ لم يَغْسِلْهَا فُعِلَ بِهَا كَذَا وكَذَا مِنَ النَّارِ".

قال عَلِيٌّ : فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَأسِي، فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَأسِي ، فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَأسِي، وكَانَ يَجُزُّ شَعْرَهُ رضي الله عنه.﴾

أخرجه ابن ماجه في "سننه" في الطهارة وسننها، باب: تحت كل شعرة جنابة (٥٩٩). انظر "تحفة الأشراف" (١٠٠٩٠).

ترجمہ : امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے غسل جنابت میں ایک بال برابر چھوڑ دیا تو اس کو آگ کا ایسا ایسا عذاب ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسی وجہ سے میں اپنے سر کا دشمن ہوگیا، اسی وجہ سے میں اپنے سر کا دشمن ہوا، اسی وجہ سے میں اپنے سر کا دشمن ہوا، (راوی کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ) اپنے سر کے بال کتروایا کرتے تھے۔

تشریح مع تحقیق : فُعِلَ بِهَا : بصیغہ مجہول ہے، اور بِهَا میں حرف با، سببیت کے واسطے ہے اور ضمیر "ھا" شعرۃ کی طرف راجع ہے، "کذا و کذا" سے اشارہ ہے عذاب کی طرف، اور مطلب یہ ہے کہ جو شخص غسل جنابت میں ایک بال کے برابر جگہ بھی خشک چھوڑ دے گا تو اس کے ساتھ ایسا ایسا معاملہ یعنی عذاب دیا جائے گا۔

عَادَيْتُ : یہ باب مفاعلت سے آتا ہے بمعنی دشمنی کرنا۔

يَجُزُّ : یہ باب نصر سے ہے بمعنی کاٹنا۔

مطلب یہ ہے کہ جب سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کا یہ ارشاد سنا تو ان کو بالوں کے بڑا رکھنے میں یہ خطرہ محسوس ہونے لگا کہ کہیں کوئی جگہ خشک نہ رہ جائے اب فرماتے ہیں کہ اسی خطرے کے پیش نظر میں اپنے سر کا دشمن ہوگیا اور سر کے ساتھ دشمنوں کا سا معاملہ کرنے لگا، کہ جب بھی ذرا سے بال بڑھے تو فوراً صاف کرا دیا۔

فقہ الحدیث

علامہ طیبیؒ نے اس حدیث سے سنیت حلق رأس پر استدلال کیا ہے، لیکن ملا علی القاری اور شیخ ابن حجر مکیؒ نے اس کو رد کر دیا ہے، اس لئے کہ حضور ﷺ اور خلفاء راشدین کی عادت شریفہ بال رکھنے کی تھی نہ کہ منڈانے کی، تو اس کو رخصت کہا جائے گا نہ کہ سنت، جیسا کہ صاحب بذل اور عون المعبود نے لکھا ہے۔

خلاصۃ الباب

مصنفؒ نے اس باب کے تحت کل گیارہ روایات کو ذکر کیا ہے اور تفصیل سے کیفیت غسل کو بیان فرمایا ایک ہی باب میں متعدد روایات کو جمع کرنے کا مصنفؒ کا مقصد کیفیت غسل جنابت کو اچھی طرح سنت طریقہ کے مطابق سمجھانا ہے۔ واللہ اعلم

﴿بابُ الوُضوء بعد الغُسْلِ﴾

غسل کے بعد وضو کرنے کا بیان

٢٥٠ ﴿حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰه بنُ محمدٍ النُّفَيْلِيُّ نا زُهَيْرٌ نَا ابو إسْحَاق عَنِ الأسْوَدِ عَنْ عائِشَةَ قَالَتْ : كَانَ رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يَغْتَسِلُ ويُصَلِّي الرَّكْعَتَيْنِ وصَلَاةَ الْغَدَاةِ، وَلَا أُرَاهُ يُحْدِثُ بَعْدَ الغُسْلِ.﴾

أخرجه الترمذي في "جامعه" في الطهارة، باب: ما جاء في الوضوء بعد الغسل (١٠٧). والنسائي في "المجتبیٰ من السنن" في الطهارة، باب: ترك الوضوء من الغسل (٢٥٢). وفي الغسل والتيمم، باب: ترك الوضوء بعد الغسل (٤٢٨). وابن ماجه في "سننه" في الطهارة وسننها، باب: في الوضوء بعد الغسل (٥٧٩). انظر "تحفة الأشراف" (١٦٠١٩) و (١٦٠٢٥).

ترجمہ : حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ غسل کرتے تھے اور دو رکعتیں پڑھتے تھے اور صبح کی نماز پڑھتے تھے مگر میں ان کو غسل کے بعد تازہ وضوء کرتے ہوئے نہ دیکھتی تھی۔

تشریح مع تحقیق : اس پر فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ غسل میں وضوء واجب نہیں ہے، بلکہ مسنون ہے، صرف داؤد ظاہری سے وجوب منقول ہے، البتہ حضرت امام احمدؒ کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ ان کا مسلک یہ ہے کہ جس شخص پر حدثِ اصغر و اکبر دونوں لاحق ہوں تو اس پر وضوء بھی واجب ہے اگر قبل الغسل وضوء نہ کیا تو بعد الغسل کرے۔

﴿بابُ الْمَرْأَةِ هَلْ تَنْقُضُ شَعْرَهَا عِنْدَ الغُسْلِ﴾

کیا عورت غسل کے وقت اپنے سر کے بال کھولے

٢٥١ ﴿حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بنُ حَرْبٍ وابنُ السَّرْحِ قَالَا : نَا سُفيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ عَنْ أَيُّوبَ بنِ موسیٰ عَنْ سَعِيْدِ بنِ أبي سعيدٍ عن عَبْدِ اللّٰه بنِ رَافِعٍ مَوْلَىٰ أُمِّ سَلَمَةَ عن أمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ : إنَّ امْرَأَةً مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ، وقال زُهَيْرٌ : إنَّهَا قَالَتْ : يا رسولَ اللّٰه ! إني امْرَأَةٌ أَشُدُّ ضُفْرَ رَأْسِي، أَفَأَنْقُضُهُ لِلْجَنَابَةِ؟ قالَ : إنَّمَا يَكْفِيْكِ أنْ تَحْفِنِي عَلَيْهِ ثَلَاثًا، وقَالَ زُهَيْرٌ : تَحْثِيْ عَليه ثَلَاثَ حَثَيَاتٍ مِنْ مَآءٍ، ثُمَّ تُفِيْضِيْ عَلٰى سَائِرِ جَسَدِكِ، فَإِذَا أَنْتِ قَدْ طَهُرْتِ.﴾

أخرجه مسلم في "صحيحه" في الحيض، باب: حكم الضفائر المغتسلة (٥٨) وترمذي في "جامعه" في الطهارة، باب: هل تنقض المرأة شعرها عند الغسل (١٠٥) والنسائي في "المجتبى" في الطهارة، باب: ذكر شرك المرأة نقض ضفر رأسها (٢٤١) وابن ماجه في "سننه" في الطهارة وسننها، باب: ما جاء في غسل النساء من الجنابة (٦٠٣). انظر "تحفة الأشراف" (١٨١٧٢).

ترجمہ : حضرت ام سلمہؓ کے آزاد کردہ غلام عبداللہ بن رافع سے روایت ہے کہ ام سلمہؓ نے فرمایا کہ ایک عورت نے پوچھا، زہیر نے کہا کہ ام سلمہؓ نے پوچھا رسول اللہ ﷺ سے کہ یا رسول اللہ! میں اپنی چوٹی مضبوط باندھتی ہوں کیا غسل جنابت کے لئے ان کو توڑوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم کو اپنے سر پر تین چلو پانی ڈال لینا کافی ہے، زہیر کی روایت میں ہے کہ تین چلو پانی بھر کر سر پر ڈال پھر سارے بدن پر پانی بہا، پس تو پاک ہوگی۔

تشریح مع تحقیق : جمہور علماء فرماتے ہیں کہ اگر عورت کے بال بٹے ہوئے ہیں تو غسل کے وقت ان کو کھولنا ضروری نہیں ہے، ہاں اگر بغیر کھولے ہوئے بالوں کی جڑوں تک پانی نہیں پہنچتا ہے تو اس صورت میں بالوں کو کھولنا ضروری ہے۔

جمہورؒ کے خلاف داؤد ظاہریؒ کا مسلک یہ ہے کہ عورت کے لئے نقضِ شعر ہر حال میں ضروری ہے خواہ بغیر کھولے بالوں کی جڑوں میں پانی پہنچ جائے۔

حدیث باب جمہورؒ کی دلیل ہے:

داؤد ظاہریؒ کی دلیل صحیح بخاری (۱/۴۳) کتاب الحیض، "باب نقض المرأة شعرها عند غسل الحيض" میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے، جس میں "وانقضي رأسك" کا حکم دیا گیا ہے۔

لیکن جمہورؒ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ ارشاد تو مناسکِ حج سے واپسی پر فرمایا گیا تھا اور اس وقت صرف تطہیر ہی مقصود نہ تھی بلکہ تنظیف بھی مقصود تھی، لہٰذا نقض شعر کا حکم تنظیف پر محمول ہے۔

قوله : "وقال زهير : إنها قالت الخ" : یہاں سند میں مصنفؒ کے دو استاذ ہیں، ایک زہیر اور دوسرے احمد بن عمرو بن السرحؒ، ان دونوں کی روایت میں فرق ہے، مصنفؒ نے اس کو خوب واضح کیا ہے، وہ اس طرح کہ ابن السرح کی روایت سے تو معلوم ہو رہا ہے کہ سوال کرنے والی امرأۃ من المسلمین ہے، اور زہیر کی روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ سوال کرنے والی خود حضرت ام سلمہؓ ہیں، جیسا کہ اگلی روایت سے بھی معلوم ہو رہا ہے۔

اب مصنفؒ نے تو دونوں استاذوں کے اختلاف کو نقل کر کے چھوڑ دیا، علماء کو فکر دامن گیر ہوئی کہ ان دونوں کے اختلاف کو کس طرح دور کیا جائے، چنانچہ دونوں کے درمیان تطبیق یہ دی کہ اصل سوال کرنے والی عورت تو حضرت ام سلمہؓ ہی ہیں لیکن ان کا سوال اپنے لئے نہ تھا بلکہ اس امرأۃ کے لئے تھا، لہٰذا جس روایت میں سوال کی نسبت حضرت ام سلمہؓ کی طرف کی گئی ہے وہ حقیقت پر محمول ہے اور جس روایت میں امرأۃ من المسلمین کی طرف کی گئی ہے وہ مجاز پر محمول ہوگی۔

لیکن اس تطبیق پر اشکال لازم آتا ہے، وہ یہ کہ "إني امرأة أشد ضفر رأسي" کا مصداق کون ہے، اگر امرأۃ من المسلمین ہے تو ام سلمہؓ کا بوقت سوال یہ کہنا "إني امرأة من المسلمين" صحیح نہ ہوگا، اور اگر اس کا مصداق ام سلمہؓ ہیں تو یہ تطبیق صحیح نہ ہوگی کہ انہوں نے سوال امرأۃ من المسلمین کے واسطے کیا تھا، لہٰذا ظاہر یہ ہو رہا ہے کہ سوال کرنے والی حضرت ام سلمہؓ نہ ہوں بلکہ امرأۃ من المسلمین ہی ہو؟

اس اشکال کا جواب یہ ہے "إني امرأة أشد ضفر رأسي" کا مصداق تو امرأۃ من المسلمین ہی ہے اور سوال کرنے والی ام سلمہؓ ہیں اور ان کا یہ کلام بطریق حکایت عن الغیر ہے، یعنی انہوں نے حضور ﷺ سے اس طور پر سوال کیا کہ ایک عورت میرے پاس آئی جس نے اپنے بارے میں یہ کہا "إني امرأة أشد ضفر رأسي" لیکن راوی نے یہاں اجمال کردیا ہے۔

قوله : ضَفْر : محققین نے اس لفظ کو بفتح الضاد وسکون الفاء ضبط کیا ہے، لیکن علامہ ابن بریؒ نے بضم الضاد والفاء علی وزن سُفُن، ضُفُر کو صحیح قرار دیا ہے، اور کہا ہے کہ یہ ضفیرۃ کی جمع ہے، لیکن ابن بری کا یہ قول جمہورؒ کی تحقیق کے خلاف ہے، اس لئے کہ ضَفْر بھی ایک لغت ہے جو مفرد کے معنی میں ہے جس کے معنی ہیں "الشعر المفتول" بٹے ہوئے بال۔

قوله : تَحْفَنِي یہ حَفَنَ يَحْفِنُ (ضرب، نصر) سے واحد مؤنث حاضر کا صیغہ ہے، مٹھی سے لینا، دونوں ہاتھ بھر کر لینا، مطلب یہ ہے کہ تم تین لپ بھر کر پانی لے لو اور اس کو اپنے اوپر بہالو یہ تمہارے لئے کافی ہے، بندھے ہوئے بالوں کو کھولنا ضروری نہیں ہے۔

وقال زهير : تحثي الخ یہ مصنفؒ کے دوسرے استاذ زہیر کے الفاظ ہیں، کہ انہوں نے تحفني کے بجائے "تحثي" کہا اور تحثي بھی واحد مؤنث حاضر کا صیغہ ہے، اس کی اصل "تحثوين" تھا، حرف علت کو حذف کردیا گیا، اسی طرح نون کو أن ناصبہ کی وجہ سے حذف کردیا گیا، حَثَا يَحْثُو حَثْوًا الماء : چلو بھرنا، ہاتھ سے پانی لینا، اور "حَثَيَات" حَثْيَةٌ کی جمع ہے، پانی وغیرہ کی بھری ہوئی مٹھی۔

۲۵۲ ﴿حَدَّثَنَا أحمد بنُ عَمْرو بنِ السَّرْحِ حَدَّثَنِي ابنُ نَافِعٍ - يعني الصَّائِغَ - عن أسَامَةَ عَنِ الْمَقْبُرِيِّ عن أم سلمة قَالَتْ : إنَّ امْرَأَةً جَاءَتْ إلَى أمِّ سَلَمَةَ بِهٰذَا الحَدِيْثِ، قالَتْ : فَسَأَلْتُ لَهَا النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم بِمَعْنَاهُ ، قال فِيه : وَاغْمِزِي قُرُوْنَكِ عِنْدَ كُلِّ حَفْنَةٍ".﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (١٨١٥١).

ترجمہ : سعید المقبری ؒ سے روایت ہے ام سلمہؓ نے کہا کہ ایک عورت ان کے پاس آئی، پہلی حدیث کے مطابق وہ کہتی ہیں کہ میں نے اس کی خاطر رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا، پہلی حدیث کے موافق (مگر اس میں اضافہ ہے) کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ہر چلو ڈال کر اپنی لٹوں کو نچوڑ ے۔

تشریح مع تحقیق : یہ پہلی حدیث ہی کا دوسرا طریق ہے، پہلی سند میں مقبری سے روایت کرنے والے ایوب تھے اور یہاں پر اسامہ ہیں، پہلی سند اور اس سند میں فرق یہ ہے کہ پہلی سند میں مقبری اور ام سلمہؓ کے درمیان عبداللہ بن رافع کا واسطہ تھا اور یہ روایت بلا واسطہ ہے، نیز اس روایت میں "واغمزي قرونك عند كل حفنة" کا جملہ زیادہ ہے، غمز کے معنی دبانا اور نچوڑنا ہیں اور قرون قَرْنٌ کی جمع ہے بمعنی بالوں کی لٹ، مطلب یہ ہے کہ پانی کے ہر ایک چلو کے بعد بالوں کو نچوڑو بھی اور دباؤ تا کہ پانی اچھی طرح بالوں کی جڑوں میں پہنچ جائے، یہ ارشاد پہلی حدیث میں مذکور نہ تھا۔

فائدہ: مصنفؒ نے یہاں ام سلمہؓ کی حدیث کو دو طریق سے نقل کیا ایک واسطہ کے ساتھ اور دوسرے بغیر واسطے کے، لیکن کسی ایک طریق کی ترجیح بیان نہیں فرمائی، البتہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے واسطے والی روایت کو ترجیح دی ہے۔ واللہ اعلم

۲۵۳ ﴿حَدَّثَنَا عثمانُ بنُ أبي شَيْبَةَ نَا يَحْيىٰ بنُ أبي بُكَيْرٍ نَا ابراهيمُ بنُ نَافِعٍ عَنِ الحَسَنِ بنِ مُسْلِمٍ عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ عن عائشة قَالَتْ : كَانَتْ إِحْدَانَا إِذَا أَصَابَتْهَا جَنَابَةٌ أَخَذَتْ ثَلَاثَ حَفَنَاتٍ هٰكَذَا - تَعْنِي بِكَفَّيْهَا جميعًا - فَتَصُبُّ عَلىٰ رَأْسِهَا ، وَأَخَذَتْ بِيَدٍ وَاحِدَةٍ فَصَبَّتْهَا عَلىٰ هٰذَا الشِّقِّ ، والْأُخْرىٰ عَلىٰ الشِّق الآخَرِ.﴾

أخرجه البخاري في "صحيحه" في الطهارة، باب: من بدأ بشق رأسه الأيمن في الغسل (٢٧٧). انظر "تحفة الأشراف" (١٧٨٥٠).

ترجمہ : حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ہم میں سے جب کسی کو نہانے کی حاجت ہوتی تو تین چلو اپنے دونوں ہاتھوں سے لے کر اپنے سر پر ڈال لیتے، اور ایک ہاتھ سے چلو لے کر سر کے اس جانب پر اور دوسرا چلو سر کے اس جانب پر ڈالتے۔

تشریح مع تحقیق : الفاظ کی تحقیق تو تقریباً آ ہی چکی ہے مطلب البتہ حدیث کا یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ غسل جنابت میں اپنا معمول بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ ہم یکے بعد دیگرے تین لپ پانی اپنے سر پر بہاتیں اور پھر ایک لپ سر کے دائیں جانب اور ایک چلو پانی سر کی بائیں جانب ڈالتیں، لہٰذا کل مجموعہ پانچ لپ (چلو) پانی ہوا جو سر پر ڈالا جاتا تھا، باقی بدن پر کتنا ڈالتی تھیں اس کی وضاحت اس حدیث میں نہیں ذکر کی گئی۔

۲۵۴ ﴿حَدَّثَنَا نَصْرُ بنُ عَلِيٍّ نا عَبْدُ اللهِ بنُ دَاوُدَ عَنْ عُمَرُ بنُ سُوَيْدٍ عَنْ عائشة بِنْتِ طَلْحَةَ عَنْ عائشةَ قالَتْ : كُنَّا نَغْتَسِلُ وَعَلَيْنَا الضِّمَادُ، ونَحْنُ مَعَ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم مُحِلَّاتٌ و مُحْرِمَاتٌ.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (۱۷۸۷۹).

ترجمہ : حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم غسل کرتی تھیں اور ہمارے سروں پر ضماد ہوتا تھا، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ احرام اور غیر احرام میں۔

تشریح مع تحقیق : ضماد بکسر الضاد : اس کے مشہور معنی تو لیپ کرنے کے ہیں، یعنی کسی چیز کو کسی چیز پر لگا دینا اور مل دینا، یہاں اس سے مراد گوند وغیرہ کا پانی ہے جس کو عورتیں بالوں پر لگا لیتی ہیں خصوصاً سفر میں کہیں جاتے وقت تاکہ بال پراگندہ اور منتشر نہ ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم غسل کرتی تھیں اور ضماد ہمارے بالوں پر اسی طرح باقی رہتا تھا، حالاں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہوتی تھیں، حالت احرام اور حالت غیر احرام دونوں میں، یعنی ہمارا یہ سفر سفر حج ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور سفر ہو۔

محلاتٌ و محرماتٌ : ان دونوں کلموں کو منصوب اور مرفوع دونوں طرح پڑھا گیا ہے، منصوب تو اس لئے کہ یہ جملہ "نحن مع رسول الله صلى الله عليه وسلم" سے حال واقع ہو رہا ہے، اور مرفوع اس لئے ہو سکتا ہے کہ محل خبر میں ہے۔

ترجمۃ الباب سے مناسبت

اس حدیث سے عدم نقض ضفائر اس طرح ثابت ہوگا کہ ضماد بالوں پر اسی وقت باقی رہ سکتا ہے جب اس کو کھولا نہ جائے، لہٰذا عورت کا غسل کے وقت اپنے بالوں کو نہ کھولنا ثابت ہو گیا۔

حافظ منذری نے تلخیص میں اس حدیث کو حسن درجہ کی قرار دیا ہے۔

۲۵۵ ﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ عَوْفٍ قال : قرأتُ فِي أَصْلِ إسماعيلَ بنِ عَيَّاشٍ قال ابنُ عَوْفٍ و أَخبرنا محمد بنُ إسماعيلَ عن أبيه حَدَّثَنِي ضَمْضَمُ بنُ زُرْعَةَ عَنْ شُرَيْحِ بنِ عُبَيْدٍ قال : أَفْتَانِي جُبَيْرُ بنُ نُفَيْرٍ عَنِ الغُسْلِ مِنَ الْجَنَابَةِ أَنَّ ثَوْبَانَ حَدَّثَهُمْ أَنَّهُمْ اسْتَفْتَوْا النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم عن ذلك فقال : أَمَّا الرَّجُلُ فَلْيَنْشُرْ رَأْسَهُ، فَلْيَغْسِلْهُ حتّى

يَبْلُغَ أُصُولَ الشَّعْرِ، وأَمَّا الْمَرْأَةُ فَلَا عَلَيْهَا أَنْ لَا تَنْقُضَهُ لِتَغْرِفْ عَلَى رَأْسِهَا ثَلَاثَ غَرَفَاتٍ بِكَفَّيْهَا.

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (۲۰۷۸).

ترجمہ : شریح بن عبید سے روایت ہے کہ جبیر بن نفیر نے مجھے غسلِ جنابت میں فتویٰ دیا کہ ثوبان نے ان سے حدیث بیان کی، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے غسل جنابت کو پوچھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ مرد تو اپنا سر کھولے اور بالوں کو دھوئے یہاں تک کہ پانی جڑوں تک پہنچ جائے اور عورت کو سر نہ کھولنے میں حرج نہیں ہے، وہ اپنے سر پر تین چلو پانی دونوں ہاتھوں سے ڈال لے۔

تشریح مع تحقیق : اصل اسماعیل سے مراد نوشتہ اور صحیفہ ہے جس میں اسماعیل کی اپنی مرویات اور مسموعات لکھی ہوئی تھیں، محمد بن عوف کہہ رہے ہیں کہ یہ حدیث جس کو میں اب بیان کر رہا ہوں وہ میں نے براہ راست اسماعیل بن عیاش کی کتاب میں دیکھ کر پڑھی ہے، اور اس حدیث کو مجھ سے ان کے بیٹے محمد بن اسماعیل نے بھی بیان کیا ہے، پہلی شکل وجادہ کی ہوئی اور دوسری شکل تحدیث کی، لیکن سماع براہ راست اسماعیل سے نہیں ہے، نیز اسماعیل بن عیاش راوی متکلم فیہ ہیں، امام احمد، ابن معین، دحیم، امام بخاری اور ابن عدی وغیرہ نے ان کو اہل شام کے بارے میں تو ثقہ قرار دیا ہے جب کہ حجازیین کے بارے میں تضعیف کی ہے۔

صاحب عون المعبود نے لکھا ہے کہ یہ حدیث متصل الاسناد نہیں ہے۔ (عون المعبود ۱/۲۹۶)۔

متصل الاسناد نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ محمد بن عوف اور محمد بن اسماعیل دونوں کا سماع اسماعیل بن عیاش سے ثابت نہیں ہے۔ (تہذیب التہذیب ۱/۲۰۴)۔

اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہو رہا ہے کہ مرد کے لئے غسل جنابت کے وقت ضفائر کو کھولنا اور اثنار شعر پانی کا پہنچانا ضروری ہے، اصول شعر کو تر کر لینا کافی نہیں، حنفیہ کا اس سلسلے میں یہی مذہب ہے، (بذل ۱/۱۵۴) اس مسئلہ پر علامہ ابن قیمؒ نے تہذیب السنن میں تفصیلی کلام کیا ہے، طلبہ کو دیکھنا چاہئے۔

❁ ❁ ❁

﴿بابٌ فِي الجُنُب يَغسِلُ رَأسَهُ بالخِطْمِي﴾

جنبی کے لئے خطمی سے سر کو دھونے کا بیان

۲۵۶ ﴿حَدَّثَنَا محمدُ بنُ جَعْفَرِ بنِ زِيَادٍ أَخبرنَا شريك عن قَيسِ بنِ وَهْب عن رَجُلٍ من بني سُوَاءَةَ بنِ عَامِرٍ عن عائشة عنِ النبي صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ كَانَ يَغسِلُ رَأسَهُ بالخِطْمِيِّ وهُوَ جُنُبٌ، يَجتَزِي بذلكَ ولا يَصُبُّ عليه المآءَ.﴾

تفرد به أبو داو. انظر "تحفة الأشراف" (١٧٨١١).

ترجمہ : حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنا سر خطمی سے دھوتے تھے حالت جنابت میں پھر پانی نہیں بہاتے تھے۔

تشریح مع تحقیق : خطمی: بکسر الخاء وسکون الطاء: یہ ایک خوشبودار گھاس ہوتی ہے جو دواؤں میں بھی استعمال ہوتی ہے اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کو پانی میں بھگونے سے پانی میں ایک قسم کا لعاب اور جھاگ سے پیدا ہو جاتے ہیں جس کو سر اور ڈاڑھی کے بالوں میں لگایا جائے تو بال نہایت نرم اور صاف ہو جاتے ہیں، اسی وجہ سے آپ ﷺ اس کو اپنے بالوں میں استعمال فرماتے تھے، حضرت عائشہؓ یہ وضاحت بھی فرماتی ہیں کہ خطمی کے پانی کے استعمال کے بعد حضور ﷺ سادہ پانی استعمال نہ کرتے تھے تا کہ اس خوشبو کا اثر باقی رہے جو خطمی سے پیدا ہوئی ہے، لہٰذا اس خطمی کا استعمال سنت ہوا۔

امام ابوداودؒ چوں کہ غسل کے احکام بیان فرما رہے ہیں اور غسل کے پانی میں کبھی خطمی بھی ملائی جاتی ہے اس لئے اس اہتمام کی وجہ سے مستقلاً ذکر فرما دیا۔

نوٹ: یہ روایت سند کے اعتبار سے کمزور ہے اس لئے کہ اس میں ایک رجل مجہول ہے، لیکن فضائل کے باب میں ایسی روایت قابل عمل ہو سکتی ہے۔

فقہ الحدیث

حدیث باب سے ایک مسئلہ فقہیہ یہ ثابت ہوا کہ اگر پانی میں کوئی پاک چیز مخلوط ہو جائے تو پانی ناپاک نہیں ہوتا، مثلاً اگر پانی میں زعفران یا چائے کی پتی وغیرہ گر جائے تو پاک ہی رہے گا۔

﴿بابٌ فِيمَا يَفِيضُ بَيْنَ الرَّجُلِ والمرأة مِنَ المَآء﴾

مرد اور عورت کے درمیان جو پانی بہے اس کا بیان

۲۵۷ ﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ رَافِعٍ نا يَحْيٰى بنُ آدَمَ نَا شَرِيكٌ عَنْ قَيْسِ بنِ وَهْبٍ عن رَجُلٍ مِنْ بَنِي سُوَاءَ ةَ عَنْ عَائشَةَ فِيمَا يَفِيضُ بَيْنَ الرَّجُلِ والْمَرْأَةِ مِنَ المآءِ قالَتْ : كان رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يَاْخُذُ كَفًّا مِنْ مآءٍ، يَصُبُّ عَلَى المآءِ، ثُمَّ يَاْخُذُ كَفًّا مِنْ مَآءٍ، ثُمَّ يَصُبُّهُ عَلَيْهِ.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (١٧٨١٢).

ترجمہ : حضرت عائشہؓ سے روایت ہے اس بارے میں جو پانی مرد اور عورت کے درمیان میں بہے، فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ ایک چلو پانی کا لے کر پانی پر ڈال دیتے، پھر دوسرا چلو لے کر اس پر ڈال لیتے تھے۔

تشریح مع تحقیق : حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بنی سوارۃ کے ایک شخص نے حضرت عائشہؓ سے اس پانی کے بارے میں سوال کیا جو بیوی سے ملاعبت یا مباشرت کے وقت نکل آتا ہے یعنی منی یا مذی کے حکم کے بارے میں سوال کیا، اس کا جواب حضرت عائشہؓ نے یہ دیا کہ اگر وہ کپڑے پر لگ جاتا تھا تو آپ ﷺ ایک لپ پانی لے کر اس پر ڈالتے تھے، پھر دوسرا چلو لے کر ڈالتے تھے تاکہ کپڑا خوب صاف ہو جائے۔

حنفیہؒ اور مالکیہؒ کے نزدیک تو یہ ڈالنا اور پانی کا بہانا تطہیر کے لئے تھا، جب کہ شوافعؒ اور حنابلہؒ کے نزدیک تنظیف کے لئے تھا، اس لئے کہ ان دونوں حضرات کے نزدیک منی پاک ہے، اور اگر "ماء" سے مراد مذی لیں تو پانی کا ڈالنا بالاتفاق تطہیر کے لئے ہوگا، اس لئے کہ مذی بالاتفاق ناپاک ہے۔

علامہ سیوطیؒ نے مرقاۃ الصعود میں اس کے یہی معنی بیان کئے ہیں۔ (عون المعبود ۱/۳۰۱)

اس جگہ مولانا وحید الزماںؒ جنہوں نے سنن کا ترجمہ کیا ہے انہوں نے غلط معنی بیان کئے ہیں، جن کا حدیث سے کوئی تعلق نہیں۔ (عبدالرزاق)

* * *

﴿بَابٌ فِي مُوَاكَلَةِ الْحَائِضِ وَمُجَامَعَتِهَا﴾

حائضہ عورت کے ساتھ کھانے پینے اور رہن سہن کا بیان

۲۵۸ ﴿حَدَّثَنَا موسى بنُ إسْمَاعِيلَ نا حَمَّادٌ أنا ثَابِتٌ الْبُنَانِيُّ عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ قال: إنَّ الْيَهُوْدَ كَانَتْ إذَا حَاضَتْ مِنْهُمْ المرأةُ أَخْرَجُوْهَا مِن البَيْتِ ولَمْ يُوَاكِلُوْهَا ولم يُشَارِبُوْهَا، ولم يُجَامِعُوْهَا فِي الْبَيْتِ ، فَسُئِلَ رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عَنْ ذٰلك؟ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تعالىٰ ذِكْرُهُ "فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيْضِ" إلىٰ آخِرِ الآيَةِ.
فقال رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: جَامِعُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ ، واصْنَعُوْا كُلَّ شَيْئٍ غَيْرَ النِّكَاحِ، فَقَالَتِ الْيَهُوْدُ: مَا يُرِيْدُ هٰذَا الرَّجُلُ أَنْ يَدَعَ شَيْئًا مِنْ أَمْرِنَا إلَّا خَالَفَنَا فِيْهِ، فَجَاءَ أُسَيْدُ بنُ حُضَيْرٍ وَعَبَّادُ بْنُ بِشْرٍ إلَى النَّبِيِّ صلى اللّٰه عليه وسلم فَقَالَا: يا رسولَ اللّٰه! إنَّ الْيَهُودَ تَقُوْلُ كَذَا وكَذَا، أَفَلَا نَنْكِحُهُنَّ فِي الْمَحِيْضِ، فَتَمَعَّرَ وَجْهُ رسولِ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم حَتّٰى ظَنَنَّا أَنْ قَدْ وَجَدَ عَلَيْهِمَا، فَخَرَجَا، فَاسْتَقْبَلَتْهُمَا هَدِيَّةٌ مِنْ لَبَنٍ إلىٰ رسولِ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فَبَعَثَ فِي آثَارِهِمَا، فَسَقَاهُمَا، فَظَنَنَّا أَنَّهُ لم يَجِدْ عَلَيْهِمَا.﴾

أخرجه مسلم في "صحيحه" في الحيض، باب: جواز غسل الحائض رأس زوجها وطهارة سؤرها والإتكاء في حجرها وقرأة القرآن فيه (١٦) وأبو داود في "سننه" أيضًا في النكاح، باب: إتيان الحائض ومباشرتها (٢١٦٥)، والترمذي في "جامعه" في تفسير القرآن، باب: ومن سورة البقرة (٢٩٧٧ و ٢٩٧٨). والنسائي في الطهارة، باب: تأويل قول اللّٰه عز وجل (وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ) (٢٨٧). وفي الحيض والاستحاضة، باب: ما ينال من الحائض (٣٦٧) وفي عشرة النساء من الكبرىٰ ، باب: ما ينال من الحائض (٢١٢) وفي التفسير، شورة البقرة، قوله تعالىٰ: (وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيْضِ) (٥٧). وابن ماجه في "سننه" في طهارة وسننها، باب: ما جاء في مؤاكلة الحائض وسؤرها (٦٤٤). انظر "تحفة الأشراف" (٣٠٨).

قال الخطابى: قوله "فَتَمَعَّرَ وَجْهُهُ: معناه تغيّر. والأصل في التمعر قلة النضارة وعدم إشراق اللون، ومنه المكان الأمعر وهو الجدب الذي ليس فيه خصب. انظر "معالم السنن" للخطابي. وقوله: "فظننا أنه لم يَجِدْ عَليهما" يريد علمنا، فالظن الأول حسبان والآخر علم ويقين، والعرب تجعل الظن مرة حسبانًا ومرة علمًا ويقينًا لاتصال طرفيه فيهما، فمبدأ العلم ظن، وآخره يقين. قال تعالىٰ: (الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ أَنَّهُمْ مُلٰقُوْا رَبِّهِمْ) معناه: يوقنون. انظر "معالم السنن" ١/٧٠.

ترجمہ : حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہودیوں کی عورتوں میں جب کسی کو حیض آتا تو وہ اس کو گھر سے نکال کر باہر کر دیتے، نہ اس کو ساتھ کھلاتے اور نہ ساتھ پلاتے، اور نہ ہی اس کے ساتھ ایک گھر میں رہتے، لوگوں

نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس وقت آپ ﷺ پر یہ آیات نازل فرمائیں "پوچھتے ہیں لوگ آپ ﷺ سے حیض کے بارے میں، آپ ﷺ فرمادیں کہ حیض ایک پلیدی ہے، تو حیض میں عورتوں سے جدا رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہوجائیں تو ان سے جماع نہ کرو"۔

پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان کے ساتھ رہو ایک گھر میں، اور جماع کے علاوہ سب کام (ساتھ کھاؤ، ساتھ بیٹھو اٹھو) کرو، یہود نے یہ سن کر کہا کہ یہ شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) چاہتا ہے کہ کوئی امر نہ چھوڑے جس میں ہماری مخالفت نہ کرے، اتنے میں حضرت اسید بن حضیر اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ یا رسول اللہ یہود ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں اگر فرمائیں تو ہم حائضہ عورتوں کے ساتھ جماع بھی کرنے لگیں، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور متغیر ہوگیا، (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ آیا کسی کی مخالفت کی وجہ سے معصیت کا ارتکاب جائز نہیں) ہم کو گمان ہوا کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں آدمیوں پر غصہ آیا ہے، اس کے بعد وہ دونوں چلے گئے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہیں سے دودھ کا ہدیہ آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو بلا بھیجا اور دودھ پلایا، جب ہم سمجھے کہ آپ ﷺ کا غصہ ان پر نہ تھا۔

تشریح مع تحقیق: يؤاكلوها: آكَلَهُ مُوَاكَلَةً وإكالًا: کسی کے ساتھ کھانا، ہم نوالہ ہونا۔

يشاربوها: شَارَبَهُ مُشَارَبَةً وشِرَابًا: کسی کے ساتھ پینا، ہم شراب ہونا۔

يجامعوها: جَامَعَ المرأةَ مُجَامعةً: صحبت کرنا، ہمبستری کرنا، یہاں مجامعت سے مراد مساکنت فی البیوت ہے۔

المحيض: حیض، وہ خون جو عورت کو ہر ماہ آتا ہے۔

أذىً: مصدر ہے أذِيَ الشيئُ أذىً (س): گندا ہونا، باعث کوفت ہونا۔

فَتَمَعَّرَ: تَمَعَّرَ لَوْنُهُ أو وَجْهُهُ (تفعل): رنگ یا چہرہ بدل جانا، زرد ہوجانا۔

وَجَدَ: وَجَدَ عليه مَوْجِدَةً (ض): کسی پر خفا ہونا، غصہ ہونا، ناراض ہونا، یہاں پر یہی معنی مراد ہیں، اور وَجَدَ بِهِ وَجْدًا: محبت کرنا، عاشق ہونا۔

مطلب حدیث پاک کا یہ ہے کہ یہود کا طرز عمل یہ تھا کہ وہ حالت حیض میں اپنی بیویوں سے **بالکل اجتناب کر لیتے تھے**، صورت حال یہاں تک تھی کہ حالت حیض میں ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا بالکل بند کر دیتے تھے، بلکہ بہت سے تو ان کو اس حالت میں گھروں سے بھی نکال دیتے تھے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اکرم ﷺ سے ان کے اس عمل کے بارے میں سوال کیا کہ ان کا یہ عمل درست ہے یا نہیں؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمادیں جن کی طرف حدیث میں اشارہ فرمایا گیا ہے۔

پھر آپ ﷺ نے مزید وضاحت فرمادی کہ حالت حیض میں بیوی کے ساتھ جماع کے علاوہ سب کچھ کر سکتے ہیں، البتہ اس حالت میں جماع کرنا سخت جرم ہے، حضور ﷺ کے اس ارشاد گرامی کو سن کر یہود بہت برہم ہوئے اور کہنے لگے کہ محمد ﷺ تو ہر بات میں ہماری مخالفت کرتے ہیں، یہودیوں کی چہ می گوئیاں سن کر دو صحابی حضرت اسید بن حضیر ؓ اور حضرت عباد بن بشر ؓ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یہودی ایسے ایسے کہہ رہے ہیں، اگر آپ اجازت دیں تو ان کی مکمل طریقہ سے مخالفت کی جائے کہ ہم حالت حیض میں عورتوں سے جماع بھی کرنے لگیں، اس پر آپ ﷺ کو غصہ آیا کیوں کہ شریعت میں ایسی مخالفت کا کوئی جواز نہیں جو حکم منصوص کے خلاف ہو، اگر چہ ان دونوں حضرات کا سوال اخلاص پر مبنی تھا لیکن خلاف اصول تھا اس لئے تنبیہاً آپ ﷺ غصہ ہوئے، پھر آپ ﷺ نے ان دونوں حضرات کو دودھ پلایا تا کہ یہ جان لیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری ذات سے کوئی ناراضی نہیں ہے، بلکہ وہ تو ایک امر منصوص کے سلسلے میں وقتی ناراضی تھی، آپ ﷺ کے اس طرز عمل سے دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی یقین ہو گیا کہ آپ ﷺ ان سے ناراض نہیں ہیں۔

یادر ہے کہ اس حدیث سے امام احمد بن حنبلؒ نے جواز استمتاع من الزوجۃ الحائضہ پر استدلال کیا ہے، چند ابواب کے بعد مباشرۃ الحائض کی تفصیل آرہی ہے۔

۲۵۹ ﴿حَدَّثَنَا مسدد ثنا عَبْدُ اللّٰه بنُ دَاوُدَ عن مِسْعَرٍ عَنْ الْمِقْدَامِ بنِ شُرَيحٍ عَنْ أَبِيهِ عن عائِشَةَ قَالَتْ : كُنْتُ أَتَعَرَّقُ العَظْمَ وَأَنَا حَائضٌ، فَأُعْطِيهِ النَّبِيَّ صلى اللّٰه عليه وسلم فَيَضَعُ فَمَهُ فِي الْمَوْضِعِ الَّذِي فِيه وَضَعْتُهُ، وَأَشْرَبُ الشَّرَابَ فَأُنَاوِلُهُ فَيَضَعُ فَمَهُ فِي الْمَوْضِعِ الذِي كُنْتُ أَشْرَبُ مِنْهُ.﴾

أخرجه مسلم في "صحيحه" في الحيض، باب: جواز غسل الحائض رأس زوجها وترجيله وطهارة سؤرها والاتكاء في حجرها وقرأة القرآن فيه (١٤) والنسائي في "المجتبى" في الطهارة، باب: سؤر الحائض (٧٠)، وفي باب: مؤاكلة الحائض والشرب من سؤرها (٢٧٨) و (٢٧٩)، مطولًا وفي باب الإنتفاع بفضل الحائض (٢٨٠ و ٢٨١)، وفي المياه باب سؤر الحائض (٣٤٠)، وفي الحيض والاستحاضة، با مؤاكلة الحائض والشرب من سؤرها (٣٧٥) و(٣٧٦) والانتفاع بفضل الحائض (٣٧٧ و٣٧٨)، وفي عشرة النساء مؤاكلة الحائض والشرب من سؤرها والإنتفاع بفضلها (٢٣٤) (الكبرىٰ). وابن ماجه في "سننه" في الطهارة وسننها، باب: ما جاء في مؤاكلة الحائض وسؤرها (٦٤٣). انظر "تحفة الأشراف" (١٦١٤٥).

ترجمہ : حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں حیض کی حالت میں ہڈی چوستی تھی پھر میں اس ہڈی کو رسول اللہ ﷺ کو دیتی تھی آپ بھی اپنا منہ ہڈی میں اسی مقام پر لگاتے جہاں میں نے لگایا تھا، اور پانی پی کر رسول اللہ ﷺ کو دیتی آپ ﷺ اپنا منہ اسی جگہ رکھکر پیتے جہاں سے میں نے پیا تھا۔

تشریح مع تحقیق : أتعرق العظم: تَعَرَّق العَظْمَ بمعنی ہڈی سے گوشت اتارنا، بعض روایات میں کُنْتُ أتعرق العَظْمَ آیا ہے اور عرق اس ہڈی کو کہتے ہیں جس کا گوشت کھالیا گیا ہو اس پر گوشت باقی نہ ہو۔

حضرت عائشہؓ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ وہ بسا اوقات ہڈی سے گوشت کھاتی تھیں اور وہ حائضہ ہوتی تھیں، پھر اسی ہڈی سے حضور ﷺ بھی گوشت اتار لیتے اور کھالیتے تھے، یعنی آپ ﷺ حضرت عائشہؓ کے جھوٹے کو کھالیتے تھے، درانحالیکہ وہ حائضہ ہوتی تھیں، حضور ﷺ کے اس عمل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حائضہ عورت کے ساتھ کھانے پینے اور رہن سہن میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ یہودی کرتے تھے۔

دوسری طرف اس حدیث میں زوجین کے تعلقات کا بھی ایک بہترین نمونہ ہے کہ ایک مرد کو اپنی زوجہ سے کیسی محبت ہونی چاہئے۔

۲۶۰ ﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ كثيرٍ نا سُفْيَانُ عن مَنصُوْرِ بنِ عَبْدِ الرحمنِ عَنْ صَفِيَّةَ عن عَائِشَةَ قالَتْ : كَانَ رسول الله ﷺ يَضَعُ رَأسَهُ فِي حَجْرِيْ فَيَقْرَأُ وَأَنَا حَائِضٌ.﴾

أخرجه البخاري في "صحيحه" في الحيض، باب: قراءة الرجل في حجر امرأته وهي حائض (۲۹۷) وفي التوحيد، باب: قول النبي صلى الله عليه وسلم "الماهر بالقرآن مع السفرة الكرام البررة، وزينوا القرآن بأصواتكم" (۷۵۴۹). ومسلم في "صحيحه" في الحيض، باب: جواز غسل الحائض رأس زوجها وترجيله وطهارة سؤرها والاتكاء في حجرها وقراءة القرآن فيه (۱۵). والنسائي في الطهارة، باب: الذي يقرأ القرآن ورأسه في حجر امرأته وهي حائض (۲۷۳) وفي الحيض والاستحاضة، باب: الرجل يقرأ القرآن ورأسه في حجر امرأته وهي حائض (۳۷۹)، وابن ماجه في "سننه" في الطهارة وسننها، باب: الحائض تتناول الشيء من المسجد (۶۳۴). انظر "تحفة الأشراف" (۱۷۸۵۸).

ترجمہ : حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میری گود میں سر رکھ کر قرآن پڑھتے تھے اور میں حائضہ ہوتی تھی۔

تشریح مع تحقیق : یہ حدیث بخاری شریف کتاب الحیض میں بھی ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اس پر استدلال کیا ہے کہ خاوند اپنی حائضہ بیوی سے بدن لگا کر یا اس کی گود میں سر رکھ کر قرآن کریم کی تلاوت کرنا چاہے تو بلا کراہت کے جائز ہے، اور حائضہ کے لئے بھی درست ہے کہ وہ اس کو اپنے بدن کا سہارا دے یا اس کا سر اپنی گود میں رکھ لے۔

اور ہمارے مصنفؒ نے اس سے مؤاکلۃ الحائض اور اس کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے پر استدلال کیا ہے۔

بذل میں لکھا ہے کہ اس سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ محل نجاست کے قریب قرآن پڑھنا جائز ہے۔ واللہ اعلم (بذل ۱/۱۵۶)۔

﴿بابُ الحائض تناول من المسجد﴾

مسجد سے حائضہ کے کوئی چیز اٹھانے کا بیان

۲۶۱ ﴿حَدَّثَنَا مُسَدَّدُ بنُ مُسَرْهَدٍ نا أبو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ ثَابِتِ بنِ عُبَيْدٍ عن الْقَاسِمِ عَنْ عَائِشَةَ قالَتْ : قَالَ لِي رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم : نَاوِلِيْنِي الْخُمْرَةَ مِنَ الْمَسْجِدِ ، قُلْتُ : إنِّي حَائِضٌ، فقال رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم : إنَّ حَيْضَتَكِ لَيْسَتْ فِي يَدِكِ.﴾

أخرجه مسلم في "صحيحه" في الحيض ، باب: جواز غسل الحائض رأس زوجها وترجيله وطهارة سؤرها، والاتكاء في حجرها وقراءة القرآن فيه (۱۱ و۱۲). والترمذي في "جامعه" في الطهارة، باب: ما جاء في الحائض تتناول الشيء من المسجد (۱۳٤). والنسائي في "المجتبى" في الطهارة، باب: استخدام الحائض (۲۷۱). وفي الحيض والاستحاضة، باب: استخدام الحائض (۳۸۲). انظر "تحفة الأشراف" (۱۷٤٤٦).

قال الخطابي: "الخُمرَة" بضم الخاء المعجمة السجادة التي يسجد عليها المُصلّي سميت خمرة لأنها تخمر وَجْهَ المُصَلّي عن الأرضِ أي تستره. الحَيْضَةُ: مفتوحة الحاء فهي الدفعة من دفعات دم الحيض، وفي الحديث من الفقه أن للحائض أن تتناول الشيء بيدها من المسجد وأن من حلف لا يدخل دارًا أو مسجدًا فإنه لا يحنث بإدخال يده أو بعض جسده فيه مالم يدخله بجميع بدنه. انظر "معالم السنن" ۷۱/۱.

ترجمہ : حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے کہا کہ مسجد سے نماز پڑھنے کا بوریا اٹھالو، میں نے کہا کہ میں حائضہ ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔

تشریح مع تحقیق : تناول: یا تو یہ لفظ باب تفاعل سے ہے اور اس کی اصل "تَتَنَاوَلُ" ہے ایک تاء کو تخفیفاً حذف کر دیا گیا ہے، یا پھر یہ باب مفاعلت سے ہے لیکن اس صورت میں تُنَاوِلُ بضم التاء ہوگا، بمعنی دینا۔

اس پر تقریباً اجماع ہے کہ دخول الحائض فی المسجد حرام ہے، اور عرف عام میں جسے دخول کہا جاتا ہے وہی مراد ہوگا۔ ادخال الید یا ادخال الرأس چوں کہ عرفاً دخول نہیں اس لئے یہ بالاتفاق جائز ہے (معارف السنن ۱/۳۵۴)

قوله : ناوليني الخمرة مِنَ المسجد : اس جملے کی تشریح میں دو قول ہیں، قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ "من المسجد" کا تعلق قَالَ سے ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اعتکاف کا واقعہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد سے آواز دے کر ارشاد فرمایا کہ مجھے بوریا دے دو، اس کی تائید حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے،

جو ابن حزم نے المحلی (۱۸۴/۲) میں ذکر کی ہے: "عَنْ أبي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه أنّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم كَانَ فِي المسجد، فقَال: يا عَائِشَةُ! نَاوِلِيْنِي الثوبَ فَقَالَتْ: إنِّي حَائِضٌ، فقال: إنَّ حَيْضَتَكِ لَيْسَتْ فِي يَدِكِ۔

اسی وجہ سے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی عیاض کی تاویل کو اختیار کیا ہے لیکن اس تاویل کے اعتبار سے ترجمۃ الباب ثابت نہ ہوگا۔

دوسرا احتمال وہ ہے جس کی طرف مصنفؒ اور امام ترمذیؒ نے اشارہ فرمایا ہے کہ "من المسجد" کا تعلق "ناوليني" سے ہے، یعنی آپ ﷺ نے فرمایا کہ حصیر جو مسجد میں ہے وہ اٹھا کر مجھ کو دے دو، اس صورت میں آپ ﷺ خارج مسجد ہوں گے اور حصیر مسجد میں، اس کی تائید نسائی (۵۳/۱) اور مسند احمد (۳۳۱/۱) میں حضرت میمونہؓ کی حدیث سے ہوتی ہے جس میں وہ فرماتی ہیں: ثم تقوم إحدانا بخمرته فتضعها في المسجد وهي حائض"۔

اس دوسری صورت میں ترجمۃ الباب بھی ثابت ہو جائے گا کہ آپ ﷺ اور حضرت عائشہؓ حجرہ میں تھے اور خمرہ مسجد میں پھر آپ ﷺ نے ہاتھ سے مسجد میں رکھے ہوئے خمرہ کو اٹھانے کا حکم دیا۔

یہاں شراح حدیث نے ایک مفید بحث لفظ "حیضہ" پر کی ہے، وہ یہ کہ لفظ "حیضہ" بکسر الحاء ہے یا بفتح الحاء، علامہ خطابیؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ بکسر الحاء ہے اس کے معنی ہیں وہ حالت جو حائضہ کو حیض کی وجہ سے عارض ہوتی ہے، علامہ خطابی رحمہ اللہ نے ان محدثین پر رد کیا ہے جو اس کو بفتح الحاء پڑھتے ہیں اس لئے کہ حیضہ بالفتح کے معنی تو دم حیض کے ہیں۔ (اصلاح غلط المحدثین ص/۲۱)

اس کے برخلاف قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے خطابی رحمۃ اللہ علیہ پر رد کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ درست وہی ہے جو محدثین پڑھتے ہیں یعنی بفتح الحاء، اور حضور ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ دم حیض جس سے مسجد کو بچانا ضروری ہے وہ ہاتھ پر کہاں ہے۔

صاحب بذل نے علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کو ترجیح دیتے ہوئے یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ یہ تو حضرت عائشہؓ بھی جانتی تھیں کہ دم حیض ہاتھ کو نہیں لگ رہا ہے وہ ادخال ید فی المسجد سے اس لئے رک گئیں کہ خروج حیض کی وجہ سے عورت کو جو حالت عارض ہوئی ہے اس کا تعلق مجموع بدن سے ہے الگ الگ اعضاء سے نہیں، چنانچہ صرف ہاتھ کو حائضہ نہیں کہا جاتا۔ (الدر المنضود ۳۸۲/۱)

❁ ❁ ❁

﴿بابٌ في الحائض لا تقضي الصَلاة﴾

حائضہ عورت نماز کی قضاء نہیں کرے گی

۲۶۲ ﴿حَدَّثَنَا موسٰى بنُ إسماعِيلَ نَاوُهَيْبٌ نا أَيُّوبُ عَنْ ابي قِلَابَةَ عَنْ مُعَاذَةَ قَالَتْ : إنَّ امرأةً سَألَتْ عَائِشَةَ أتَقْضِي الْحَائِضُ الصَّلَاةَ؟ فقالَتْ : أ حَرُوْرِيَّةٌ أنْتِ؟ لَقَدْ كُنَّا نَحِيْضُ عِنْدَ رسولِ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فَلَا نَقْضِي ولا نُؤْمَرُ بالقَضَاءِ.﴾

أخرجه البخاري في "الحيض" باب: لا تقضي الحائض الصلاة (٣٢١). ومسلم في "صحيحه" في الحيض، باب: وجوب قضاء الصوم على الحائض دون الصلاة (٦٧ و ٦٨ و٦٩) والترمذي في الطهارة، باب: ما جاء في الحائض أنها لا تقضي الصلاة (١٣٠). والنسائي في "المجتبى من السنن" في الحيض، باب: سقوط الصلاة عن الحائض (٢٨٠) وفي الصيام، باب: وضع الصيام عن الحائض (٢٣١٧). وابن ماجه في "سننه" في الطهارة وسننها، باب: الحائض لا تقضي الصلاة (٦٣١). انظر "تحفة الأشراف" (١٧٩٦٤).

فائده: جاء في "ذيل طبقات الحنابلة" ١٣١/١ للحافظ ابن رجب و "المنهج الأحمد" ٢٠٨/٢، للعُليمي، في ترجمة يحيى بن مندة "قال فوزان: ماتت امرأة لبعض أهل العلم، فجاء يحيى بن معين والدَّوْرقي، فلم يجدوا امرأة تغسلها، إلا امرأة حائضًا، فجاء أحمد بن حنبل وهم جلوس، فقال: ماشأنكم؟ فقال اهل المرأة ليس نجدُ غاسلة إلا امرأة حائضًا، فقال أحمد بن حنبل: أليس تروون عن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم "يا عائشة، ناوليني الخمرة، قالت: إني حائض، فقال إن حيضتك ليست في يدك" يجوز أن تغسلها فخجلوا وبقوا".

قال السندي في "حاشيته ٢٠٩/١: قوله: (أحرورية أنت) بفتح حاء مهملة فضم راء، أي أخارجية؟ وهم طائفة من الخوارج نُسِبُوا إلى حروراء بالمد والقصر موضع قريب من الكوفة وكان عندهم تشدد في أمر الحيض شبهتها بهم في تشددهم في الأمر وإكثارهم في المسائل تعنتًا، وقيل: أرادت أنها خرجت عن السنة كما خرجوا عنها وإنما شددت عليها لشهرة أمر سقوط الصلاة عن الحائض.

ولا نؤمر بالقضاء: ولو كان القضاء واجبًا لأمر به فهذا استدلال منها بالتقرير وفيه: أن الأمر بالشيء ليس أمرًا بقضائه إذا فات بعذر شرعي واللّٰه جلّ وعلى أعلم.

ترجمہ : حضرت معاذہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ کیا حائضہ عورت نماز کی قضاء کرے؟ انہوں نے جواب دیا کہ کیا تو حروریہ ہے؟ ہم کو رسول اللہ ﷺ کے پاس حیض آتا تھا، اور ہم قضاء نہیں کرتی تھیں، اور نہ ہم کو نماز کی قضاء کرنے کا حکم ہوتا تھا۔

تشریح مع تحقیق : حائضہ نہ ایام حیض میں نماز پڑھے گی اور نہ طہارت کے بعد نماز کی قضاء کرے گی، یہ دونوں عمل اس کے لئے قطعاً حرام ہیں، امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ حائضہ قضاء

صوم کرے گی اور قضاء صلاۃ نہیں کرے گی، صرف خوارج کا اختلاف ہے، کہ وہ قضاء صوم کی طرح قضاء صلاۃ کو بھی ضروری قرار دیتے ہیں، اور خوارج کا یہ اختلاف انکار سنت پر محمول ہے کیوں کہ یہ مسئلہ سنت ہی سے ثابت ہے اور خوارج سنت کی حجیت کے قائل نہیں۔

پھر سقوط قضاء صلاۃ کی علت میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام الحرمین کے نزدیک یہ حکم غیر مدرک بالقیاس ہے اور اس کی علت امر شارع ہے، جب کہ دیگر علماء فرماتے ہیں کہ زمانہ حیض کی نمازیں حد کثرت میں داخل ہیں، جن کی قضاء کرنے میں حرج ہے اور شریعت میں حرج مدفوع ہے، بخلاف صوم کے کہ وہ حد کثرت میں داخل نہیں، اس لئے کہ وہ تو سال میں ایک ہی مرتبہ واجب ہوتا ہے۔

علامہ عینیؒ عمدۃ القاری (۳؍۶۰) میں تحریر فرماتے ہیں کہ بعض اسلاف کا یہ عمل تھا کہ وہ حائضہ کو حکم کرتے تھے کہ وہ ہر نماز کے وقت وضوء کر کے قبلہ رو ہو کر نماز کی جگہ بیٹھے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی رہے، تاکہ عبادت کی عادت برقرار رہے اور درایہ میں یہ بات لکھی ہے کہ جو عورت ایسا کرے گی اس کے لئے ایک بہترین نماز جو اس نے حالت طہر میں پڑھی ہوگا ثواب لکھا جائے گا۔

مضمون حدیث

مسئلۃ الباب کے اثبات کے لئے مصنفؒ نے جو حدیث پیش کی ہے اس کا مختصر مضمون یہ ہے کہ ایک عورت نے حضرت عائشہؓ سے معلوم کیا کہ کیا حیض کے بعد ایام طہر میں حیض کی نمازوں کی قضاء کرنا لازم ہوگی؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ کیا تو حروریہ ہے؟ ہم کو تو حضور ﷺ کے زمانہ میں حیض آتا تھا اور آپ ﷺ ہم کو نماز کی قضاء کرنے کا حکم نہیں دیتے تھے اگر ایام حیض کی نمازوں کی قضاء ضروری ہوتی تو آپ ہم کو اس کا حکم ضرور فرماتے۔

حروراء ایک جگہ کا نام ہے جو کوفہ سے دو میل کے فاصلہ پر واقع ہے، اسی کی طرف نسبت کرتے ہوئے ''حرویۃ'' کہا، خوارج کا سب سے پہلا اجتماع اسی جگہ ہوا تھا، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ فتنۂ خوارج اسی مقام سے پھوٹا، خوارج کے یہاں ایام حیض کی نمازوں کی قضاء واجب ہے، اسی مناسبت سے حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ کیا تم حروریہ ہو جو ایام حیض کی نمازوں کی قضاء کو واجب کہتے ہیں، اس عورت نے عرض کیا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ تحقیق مسئلہ کی غرض سے معلوم کر رہی ہوں۔

اس پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ہم پیغمبر علیہ السلام کے زمانے میں آپ کے ساتھ حیض میں مبتلاء ہوتے تھے اور نمازیں نہیں پڑھتے تھے، اور آپ نے قضاء کا حکم نہیں فرمایا، معلوم ہوا کہ ایام حیض کی نمازوں کی قضاء نہیں ہے، اگر قضاء ہوتی تو آپ ﷺ اس کا حکم ضرور فرماتے۔

اشکال: یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے سائلہ کی طرف دفعۃً "حروریۃ" کی نسبت کیوں کردی؟ حالانکہ یہ تو یقیناً ایک بددین فرقہ ہے؟

جواب: اس اشکال کا جواب یہ لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ کو بظاہر یہ شبہ ہوا کہ سائلہ کو اس حکم شرعی کے ثبوت میں تردد ہے جیسا کہ مسلم شریف کی روایت کے الفاظ سے مستفاد ہوتا ہے، مسلم شریف کی روایت میں اس طرح ہے: "ما بال الحائض تقضي الصوم ولا تقضي الصلاة" اس وجہ سے حضرت عائشہؓ نے یہ طرز اختیار فرمایا۔

اور اس کا ایک جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کا یہ کہنا بطور ظرافت اور خوش طبعی کے تھا، حقیقت کلام مراد نہیں ہے۔

۲۶۳ ﴿حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بنُ عَمْرٍو أَنَا سُفْيَانُ يَعْنِي ابنَ عَبْدِ الْمَلِكِ عن ابن المبَارَكِ عن مَعْمَرٍ عن أَيُّوبَ عن مُعَاذَةَ العَدَوِيَّةِ عن عائشةَ بِهٰذَا الحديث، وزَادَ فيه: فَنُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّوْمِ، ولَا نُؤْمَرُ بِقَضَاء الصَّلَاةِ.﴾

تقدم تخريجه في الحديث السابق.

ترجمہ: ایوب سختیانی نے بھی بواسطہ معاذہ حضرت عائشہؓ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے، البتہ اس میں اضافہ نقل کیا ہے (کہ حضرت عائشہؓ نے یہ بھی فرمایا) ہمیں روزے کی قضاء کا حکم دیا گیا اور نماز کی قضاء کا حکم نہیں دیا گیا۔

تشریح مع تحقیق: یہ پہلی حدیث ہی کی دوسری سند ہے، اور اس حدیث کو دوبارہ لانے سے مصنفؒ کی غرض سند اور متن کے اختلاف کو بیان کرنا ہے۔

سند کا اختلاف تو یہ ہے کہ پہلی سند میں مصنفؒ اور ایوب کے درمیان صرف دو واسطے تھے، اور اس سند میں چار واسطے ہیں، نیز پہلی سند میں ایوب اور معاذہ کے درمیان ابو قلابہ کا واسطہ تھے اور اس سند میں کوئی واسطہ نہیں ہے۔

اور متن کا اختلاف تو واضح ہے کہ پہلی روایت میں قضاء صوم کا کوئی ذکر نہیں تھا جب کہ اس دوسری سند سے قضاء صوم کی بھی وضاحت ہوگئی۔ (بذل ۱/۱۵۷)۔

❁ ❁ ❁

﴿باب في إتيان الحائض﴾

حائضہ عورت سے جماع کرنے کا بیان

۲۶۴ ﴿حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نا يَحْيىٰ عَنْ شُعْبَةَ قال: حَدَّثَنِي الْحَكَمُ عن عَبْدِ الحميد بنِ عَبْدِالرحمٰنِ عن مِقْسَمٍ عن ابنِ عَبَّاسٍ عن النبي صلى الله عليه وسلم في الذى يَأتِي امْرأَتَهُ وهِيَ حَائِضٌ، قال: يَتَصَدَّقُ بِدِيْنَارٍ أو نِصْفِ دينارٍ.

قال أبو داؤد: هٰكَذَا الرِّوَايَةُ الصَّحِيْحَةُ، قال: دِيْنَارٍ أو نِصْفَ دِيْنَارٍ، ورُبَّمَا لَم يَرْفَعْهُ شُعْبَةُ.﴾

أخرجه أبو داود في "سننه" في النكاح، باب: في كفارة من أتى حائضًا (٢١٦٨) والنسائي في "المجتبیٰ" في الطهارة باب: ما يجب على من أتى حليلته في حال حيضها بعد علمه بنهي الله عز وجل عن وطئها (٢٨٨). وفي الحيض والإستحاضة، ذكرما يجب على من أتى حليلته في حال حيضها مع علمه بنهي الله تعالى (٣٦٨). وفي عشرة النساء ما يجب على من وضيء امرأته في حال حيضتها وذكر اختلاف الناقلين لخبر ابن عباس رضي الله عنهما في ذلك (٢١٣ و ٢١٤) وفي ذكر الاختلاف على الحكم بن عتيبة فيه (٢١٨) وابن ماجه في "سننه" في الطهارة وسننها، باب: في كفارة من أتى حائضًا (٦٤٠). انظر "تحفة الأشراف" (٦٤٩٠).
والحديث: ضعيف.

ترجمہ : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضور اکرم ﷺ سے اس آدمی کے بارے میں روایت کرتے ہیں جو اپنی بیوی سے حالت حیض میں ملے، کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایسا شخص ایک دینار یا آدھا دینار صدقہ کرے۔

ابوداؤدؒ کہتے ہیں کہ صحیح روایت اسی طرح ہے، انہوں نے کہا "دينار أو نصف دينار" اور بعض اوقات شعبہ نے اس حدیث کو مرفوعاً ذکر نہیں کیا۔

تشریح مع تحقیق : یہاں دو مسئلے زیر بحث ہیں:

ایک حالتِ حیض میں وطی کرنے کا حکم۔

دوسرے حدیث میں مذکورہ کفارہ کی شرعی حیثیت۔

جہاں تک پہلے مسئلہ کا تعلق ہے تو وطی فی حالة الحيض باتفاق امت حرام ہے، حتیٰ کہ امام نوویؒ نے اس کے مستحل پر کفر کا حکم لگایا ہے، اس لئے کہ اس کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے، اگرچہ حنفیہ نے عدم تکفیر کی بات کہی ہے۔

رہا دوسرا مسئلہ تو اس سلسلے میں اصح روایت کے مطابق ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک حدیث میں مذکورہ کفارہ بطریق استحباب ہے، ایسے شخص پر اصل تو توبہ اور استغفار کرنا ہے، البتہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت اور امام

شافعیؒ کا قول قدیم یہ ہے کہ وطی فی حالة الحیض کی وجہ سے کفارہ واجب ہے، یہی مسلک حسن بصریؒ، اسحاق بن راہویہؒ اور سعید بن جبیرؒ کا ہے، لیکن پھر ان قائلینِ وجوب کے درمیان اختلاف ہے کہ کفارہ میں کیا واجب ہے، حسن بصریؒ اور سعید بن جبیرؒ کے نزدیک تو ایک غلام کا آزاد کرنا ہے، اور باقی حضرات کے نزدیک دینار یا نصف دینار ہے۔

قوله : تصدق بدينارٍ أو نصف دينار: یہاں لفظ "او" کے بارے میں اختلاف ہے، امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ "او" تخییر کے لئے ہے، اور امام شافعیؒ کے نزدیک تنویع کے لئے ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اگر ابتدا حیض میں وطی کی تو ایک دینار ہے، اور اگر اخیر زمانۂ حیض میں وطی کی تو نصف دینار ہوگا، اسی طرح ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اگر دم احمر ہے تو ایک دینار کا تصدق کیا جائے اور اگر دم اصفر ہے تو نصف دینار ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حیض ابتدا مدت میں احمر اور آخر مدت میں اصفر ہوتا ہے، لہٰذا پہلی صورت میں جرم شدید ہے جس کی وجہ سے ایک دینار کا تصدق ہے اور دوسری صورت میں جرم ہلکا ہے اس لئے تخفیف ہوگئی اور نصف دینار کا حکم ہوا۔

قال أبو داؤد : هكذا الرواية الصحيحة: مصنفؒ اس روایت کی تصحیح آگے آنے والی روایت کے مقابلہ میں کر رہے ہیں، کیوں کہ آگے کی روایت میں صرف نصف دینار کے تصدق کا ذکر ہے۔

قوله: وربما لم يرفعه شعبة : یعنی شعبہ اس روایت کو کبھی مرفوعاً ذکر کرتے ہیں اور کبھی موقوفاً، لہٰذا اس کی سند میں اضطراب ہوگیا، جس سے حدیث میں ضعف پیدا ہوگیا۔

حافظ منذریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند اور متن دونوں میں اضطراب ہے، سند میں تو اضطراب یوں ہے کہ یہ حدیث مرفوعاً، موقوفاً، مرسلاً اور معضلاً چار طرح سے مروی ہے، اور متن میں اضطراب اس لئے ہے کہ کسی روایت میں تو "دينار أو نصف دينار" شک کے ساتھ ہے، اور کسی میں ہے: "دينار فإن لم يجد فبنصف دينار" اور کسی میں الوانِ حیض اور زمانۂ حیض کے فرق سے دینار اور نصف دینار کی بات کہی گئی ہے، یہ اضطراب نہیں تو اور کیا ہے۔

مصنفؒ اسی روایت کو دوسرے طرق سے بیان فرمارہے ہیں تاکہ اضطراب اور اختلاف کی مزید وضاحت ہوجائے۔

۲۶۵ ﴿حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلامِ بنُ مُطَهَّرٍ أَخْبَرَنَا جَعْفَرُ – يَعْنِي ابن سُلَيْمَانَ – عن عَلِيِّ بنِ الْحَكَمِ الْبُنَانِيِّ عن أبي الْحَسَنَ الْجَزَرِيِّ عن مِقْسَمٍ عن ابنِ عَبَّاسٍ قال : إِذَا أَصَابَهَا فِي أَوَّلِ الدَّمِ فَدِينَارٌ ، وإِذَا أَصَابَهَا في انْقِطَاعِ الدمِ فَنِصْفُ دِينَارٍ.

قال أبو داؤد : وَكَذَا قَالَ ابنُ جُرَيْجٍ عن عَبْدِ الْكَرِيمِ عن مِقْسَمٍ.﴾

أنظر الحديث الذي قبله.

قال النووي في "المجموع": "اتفق المحدثون على ضعف حديث ابن عباس رضي الله عنهما واضطرابه. وروي موقوف وروي مرسلًا وألوانًا كثيرة، فقد رواه أبو داود والنسائي وغيرهما ولا يجعله ذلك صحيحًا، وذكره الحاكم فقال: هو حديث صحيح. والحاكم معروف عندهم بالتساهل في الصحيح، وقد جمع البيهقي طرقه وبين ضعفها بيانًا شافيًا. الخ ثم قال: فالصواب أنه لا يلزمه بشيء والله أعلم".

ترجمه : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب حیض کے شروع میں جماع کرے تو ایک دینار صدقہ دیوے اور جب حیض بند ہوتے وقت جماع کرے تو آدھا دینار صدقہ کرے۔

ابوداودؒ نے کہا کہ اسی طرح ابن جریج نے بواسطۂ عبدالکریم مقسم سے روایت کیا ہے۔

تشریح مع تحقیق : یہ سابقہ روایت کا طریق ثانی ہے، اس میں اور پہلی روایت میں فرق یہ ہے کہ پہلی روایت مرفوعاً تھی اور یہ موقوفاً ہے، نیز پہلی روایت میں یہ تفصیل نہیں تھی کہ اول دم میں جماع کرنے کی صورت میں ایک دینار کا تصدق ہوگا اور آخر دم میں جماع کرنے کی صورت میں نصف کا صدقہ ہوگا۔

قال أبوداؤد : وكذلك قال ابن جريج الخ یعنی جس طرح علی بن حکم نے بواسطۂ ابوالحسن جزری مقسم سے روایت کی ہے اسی طرح ابن جریج نے بواسطۂ عبدالکریم مقسم سے روایت کی ہے، مصنفؒ نے یہاں سے جس تعلیق کو بیان کیا ہے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں اس کو موصولاً ذکر کیا ہے۔

۲٦٦ ﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ الصَّبَّاحِ البَزَّارُ أَخْبَرَنَا شَرِيكٌ عن خَصِيفٍ عن مِقْسَمٍ عن ابن عبّاس عن النبي صلى الله عليه وسلم قال : إِذَا وَقَعَ الرَّجُلُ بأَهْلِهِ وهِيَ حَائِضٌ فَلْيَتَصَدَّقْ بنِصْفِ دِيْنَارٍ.

قال أبوداؤد : وَكَذَا قال عَلِيُّ بنُ بَذِيْمَةَ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ النبيّ صلى الله عليه وسلم مُرْسَلًا.

ورَوَى الأَوْزَاعِيُّ عن يَزِيْدَ بن مَالِكٍ عن عَبْدِ الحميد بنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم قال : أَمَرَهُ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِخُمْسَي دِيْنَارٍ ، وهٰذَا مُعْضَلٌ.﴾

أنظر الحديث الذى قبله.

ترجمه : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی حیض میں اپنی عورت سے صحبت کرے تو آدھا دینار صدقہ کرے۔

ابوداودؒ نے کہا کہ ایسے ہی علی بن بذیمہ نے بواسطۂ مقسم حضور ﷺ سے مرسلاً نقل کیا ہے۔

اور اوزاعی نے بطریق یزید بن ابی مالک عن عبدالحمید حضور اکرم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ان کو (سائل کو) دو خمس دینار صدقہ کرنے کا حکم فرمایا اور یہ معضل ہے۔

تشریح مع تحقیق : یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کا تیسرا طریق ہے جو مرفوعاً ہے لیکن اس کے متن کے الفاظ پہلے دونوں طریق سے مختلف ہیں اس لئے کہ اس میں مطلقاً صرف نصف دینار کے تصدق کا حکم ہے۔

مصنف ؒ فرماتے ہیں کہ مقسم کے دوسرے شاگرد علی بن بذیمہ ؒ نے بھی خصیف ؒ کی طرح ہی الفاظ حدیث نقل کئے ہیں لیکن انہوں نے سند مرسلاً نقل کی ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا واسطہ ذکر نہیں کیا۔

پھر مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ایک طریق اور ذکر کیا اس میں سابقہ تمام روایات کے خلاف دو خمس دینار کے تصدق کا حکم مذکور ہے۔

حاصل یہ ہے کہ مقسم ؒ کے پانچ شاگرد ہے: عبدالحمید بن عبدالرحمٰن، ابوالحسن جزری، عبدالکریم، خصیف اور علی بن بذیمہ، ان پانچوں کی روایات میں سند اور متن دونوں اعتبار سے اختلاف ہے، عبدالحمید اور خصیف تو مرفوعاً نقل کرتے ہیں اور ابوالحسن اور عبدالکریم موقوفاً نقل کرتے ہیں، اور علی بن بذیمہ چاروں کے برخلاف مرسلاً نقل کر رہے ہیں، اسی طرح الفاظِ متن میں بھی اختلاف ہے۔

اخیر میں مصنف ؒ نے اوزاعی کے طریق سے ایک روایت اور ذکر کی جس میں دو خمس دینار کے تصدق کا حکم ہے، لیکن مصنف ؒ نے اس پر کلام کرکے اس کو معضل قرار دیا ہے، اور آپ جانتے ہیں کہ معضل وہ حدیث ہے جس کی سند سے مسلسل دو راوی کم از کم ساقط ہو گئے ہوں، اب یہاں دو راوی کون کون ساقط ہوئے ہیں مصنف ؒ نے اس سے کوئی تعرض نہیں کیا۔

﴿بابُ فِي الرَّجُلِ يُصِيْبُ مِنْهَا مَا دُوْنَ الْجِمَاعِ﴾

حائضہ کے ساتھ جماع کے علاوہ دیگر کام کرنے کا بیان

۲٦۷ ﴿حَدَّثَنَا يزيدُ بنُ خالِدِ بنِ عَبْدِ اللّٰه بنِ مَوْهَبِ الرَّمْلِيُّ ثَنِي اللَّيْثُ بنُ سَعْدٍ عَنْ ابنِ شِهَابٍ عن حَبِيْبٍ مَوْلَى عُرْوَةَ عن نُدْبَةَ مَوْلَاةِ مَيْمُوْنَةَ عن ميمونَةَ قال : إنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يُبَاشِرُ المرأةَ مِنْ نِسَائِهِ وهي حائضٌ إذَا كَانَ عَلَيْهَا إزارٌ إلَى أَنْصَافِ الفَخِذَيْنِ أَوِ الرُّكْبَتَيْنِ تَحْتَجِزُ بِهِ.﴾

أخرجه النسائي في "المجتبى من السنن" في الطهارة، باب: مباشرة الحائض (٢٨٦). وفي الحيض والاستحاضة وذكر ما كان النبي صلى الله عليه وسلم يصنعه إذا حاضت إحدى نسائه (٣٧٤). انظر "تحفة الأشراف" (١٨٠٨٥).

ترجمه : حضرت میمونہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی عورتوں سے حالت حیض میں مباشرت کرتے تھے، جب کہ بیوی ایک تہبند باندھ لیتی تھیں، نصف رانوں تک یا گھٹنوں تک، اس سے وہ آڑ کر لیتی تھیں۔

تشریح مع تحقیق : مباشرۃ الحائض کے بارے میں ہم تفصیلی کلام اور ائمہ کرام کا اختلاف ماقبل میں بیان کر چکے ہیں اس لئے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

حدیثِ باب حنفیہ کی دلیل ہے کہ استمتاع بما تحت الازار من غیر جماع جائز نہیں، اسی طرح باب کی دوسری روایت بھی ہماری ہی دلیل ہے۔

مصنفؒ نے اس باب میں کل سات روایت پیش کی ہیں، بعض سے جواز معلوم ہوتا ہے اور بعض سے عدم جواز، لیکن جواز والی اکثر روایات ضعیف ہیں، جیسا کہ ہم ہر حدیث کے تحت کلام کریں گے۔

قوله : "تحتجز به" احتجز احتجازًا (افتعال) بمعنی روکنا، آڑ کرنا، دو چیزوں کے درمیان پردہ وغیرہ حائل کرنا، مطلب یہ ہے کہ حضرت میمونہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ جس حائضہ بیوی سے بھی مباشرت کرتے تو وہ ایک کپڑا باندھ لیتی تھی تا کہ عورت کی غلیظہ چھپ جائے اور استمتاع بما تحت الازار لازم نہ آئے۔

٢٦٨ ﴿حَدَّثَنَا مُسْلِم بنُ إبراهيمَ أخبرنا شُعْبَةُ عن منصورٍ عن إِبْرَاهِيمَ عن الأَسْوَدِ عن عائشَةَ قالت : كان رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يأمُرُ إِحْدَانَا إذا كَانَتْ حَائضًا أَنْ تَتَّزِرَ ثم يُضَاجِعُهَا زَوْجُهَا، وقال مَرَّةً : يُبَاشِرُهَا.﴾

أخرجه البخاري في الحيض، باب: مباشرة الحائض (٣٠٠) وفي الاعتكاف باب: غسل المعتكف (٢٠٣١) ومسلم في "صحيحه" في الحيض، با: مباشرة الحائض فوق الإزار (١). والترمذى فى "جامعه" فى الطهارة، باب: ما جاء فى مباشرة الحائض (١٣٢) بنحوه. والنسائي في "المجتبى من السنن" في الطهارة، باب: مباشرة الحائض (٢٨٥). وفي الحيض والاستحاضة، باب: مباشرة الحائض (٣٧٢). وفي عشرة النساء، باب مضاجعة الحائض ومباشرتها (٢٣٣) في "الكبرىٰ" و (٢٤٢). وابن ماجه في "سننه" في الطهارة وسننها، باب: ما للرجل من امرأته إذا كانت حائضًا (٦٣٦). انظر "تحفة الأشراف" (١٥٩٨٢).

قال النووي: في "شرحه" ٢٠٣/٣: "معنى تتزر: أي تشد إزارًا تستر سرتها وما تحتها إلى الركبة وما تحتها، ومباشرة الحائض بالجماع في الفرج، هذا حرام بإجماع المسلمين بنص القرآن والسنة وأما مباشرتها فيما فوق السرة وتحت الركبة فهو حلال باتفاق العلماء وأما المباشرة فيما بين السرة والركبة من غير جماع فاختار النووي الكراهة. وذهب إلى التحريم مالك وأبو حنيفة وغيرهما. وذهب إلى الجواز الثوري والأوزاعي وأحمد ومحمد بن الحسن وابن المنذر وداود لحديث أنس: "اصنعوا كل شيء إلا النكاح" وجعلوا مباشرته صلى الله عليه وسلم على ما فوق الإزار على الاستحباب".

ترجمہ : حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم میں سے حائضہ کو حکم کرتے کہ وہ ازار باندھ لے، پھر اس کے ساتھ اس کا شوہر لیٹے، اور کبھی کہا کہ مباشرت کرے۔

تشریح مع تحقیق : قولہ : ثُمَّ یضاجعھا زوجھا : علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ ولی عراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس جملے کی نقل میں مصنفؒ منفرد ہیں، بخاری وغیرہ میں "زَوْجُھَا" کا جملہ نہیں ہے، اب اس کے مطلب میں دو احتمال ہیں ایک تو یہ کہ "زوجھا" سے حضرت عائشہؓ کی مراد خود حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی ہے، ضمیر کی جگہ میں اسم ظاہر کو رکھ دیا گیا ہے، اب مطلب یہ ہوگا کہ حضرت عائشہؓ فرماتی کہ جب ہم میں سے کوئی عورت حائضہ ہوتی تو آپ ﷺ اس کو ازار باندھنے کا حکم فرماتے اور پھر اس سے صحبت نہ کرتے بلکہ بما فوق الازار استمتاع کرتے تھے۔ (حاشیہ ص: ۳۵)

دوسرا احتمال یہ ہے کہ حضور ﷺ ہم کو یعنی تمام مسلمان عورتوں کو حالت حیض میں اتزار کا حکم فرماتے اور کہتے کہ اتزار کے بعد شوہر کو مضاجعت کی اجازت ہے، اس صورت میں یہ حکم عام ہو جائے گا اور امہات المومنین کے ساتھ تمام مسلمان عورتیں بھی اس حکم میں شامل ہوں گی، لیکن صاحب عون المعبودؒ نے پہلے احتمال ہی کو راجح قرار دیا ہے، اس لئے کہ جب امہات المومنین کے لئے کوئی حکم ثابت ہوگا تو وہ سب مسلمات کو بھی شامل ہوگا، جب کہ بخاری وغیرہ کی روایت پہلے احتمال ہی کی تائید کرتی ہیں۔

قولہ : وقال مرۃً : "یباشرھا" یعنی شعبہ کو شک ہے کہ حضرت عائشہؓ کے الفاظ "ثم یضاجعھا زوجھا" تھے یا "ثم یباشرھا زوجھا" تھے۔

اس روایت سے بھی یہ بات ثابت ہوئی کہ استمتاع بما تحت الازار ممنوع ہے، جیسا کہ جمہور علماءؒ فرماتے ہیں۔

۲۶۹ ﴿حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ ثنا يَحْيٰى عن جَابِرِ بنِ صُبْحٍ قال: سَمِعْتُ خَلَّاسًا الهَجَرِيَّ قال: سمعتُ عَائِشَةَ تقولُ: كُنْتُ أَنَا ورسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم نَبِيتُ فِي الشِّعَارِ الوَاحِدِ وَأَنا حَائِضٌ طَامِثٌ، فَإِنْ أَصَابَهُ مِنِّي شَيْئٌ غَسَلَ مَكَانَهُ وَلَمْ يَعْدُهُ ثُمَّ صلى فِيْهِ، وإِنْ أَصَابَ - تَعْنِي ثَوْبَهُ - مِنْهُ شَيْئٌ غَسَلَ مَكَانَهُ وَلَمْ يَعْدُهُ ثُمَّ صَلّٰى فِيْهِ.﴾

أخرجه النسائي في "المجتبى من السنن" في الطهارة باب: مضاجعة الحائض (٢٨٢). وفي الحيض والاستحاضة، باب: نوم الرجل مع حليلته في الشعار الواحد وهي حائض (٣٧٠). وفي القبلة، الصلاة في الشعار (٧٧٢). انظر "تحفة الأشراف" (١٦٠٦٧).

قولها "الشعار": بكسر المعجمة وبالعين المهملة، الثوب الذي يلي الجسد لأنه يلي الشعر.

ترجمہ : حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں اور رسول اللہ ﷺ رات کو ایک کپڑے میں رہا کرتے تھے اور میں حالت حیض میں ہوتی تھی، اگر میرا خون آپ ﷺ کے بدن میں لگ جاتا تو آپ ﷺ فقط اسی جگہ کو دھو کر نماز پڑھتے اور اگر آپ ﷺ کے کپڑے میں خون لگ جاتا تو بھی آپ ﷺ صرف خون کی جگہ کو دھو کر اسی کپڑے

میں نماز پڑھ لیتے۔

تشریح مع تحقیق: الشعار: بکسر الشین بمعنی بدن سے لگا ہوا کپڑا (ج) اَشْعِرَۃٌ وشِعَارَاتٌ آتی ہے۔
طامث: طَمَثَ المرأۃُ (ض) طَمْثًا: عورت کو پہلی بار حیض کا آنا، اس کی جمع طوامث آتی ہے، یہ حائض کی تاکید کے لئے ہے۔

لم یَعْدُہُ: عَدَا یَعْدُوْ عَدْوًا (ن): تجاوز کرنا، مطلب یہ ہے کہ صرف خون کی جگہ کو دھونے پر اکتفاء کرتے تھے اس سے تجاوز نہیں کرتے تھے۔

تعني ثوبه: یہ کسی راوی کی تفسیر ہے، اس کے ذریعہ أصاب کے مفعول کو ظاہر کرنا مقصود ہے۔

مطلب حدیث شریف کا یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں اور حضور ﷺ دونوں ایک ہی کپڑے میں رات گزارتے تھے جب کہ میں حائضہ ہوتی تھی، پھر اگر آپ ﷺ کے بدن مبارک کو میرے حیض سے کچھ لگ جاتا تو آپ ﷺ صرف اسی جگہ کو دھوتے جہاں نجاست لگی ہوتی، اس سے آگے تجاوز نہ فرماتے، آگے روایت میں ہے "ثُمَّ صلّی فیه" اس لفظ کا ماقبل سے کچھ ربط معلوم نہیں ہوتا اس لئے کہ ماقبل میں بظاہر بدن کا ذکر ہے کہ اگر اس کو کچھ لگ جاتا تو دھو لیتے، لیکن بدن میں نماز پڑھنے کا کیا مطلب؟ البتہ اس سے اگلے جملے کے بعد بھی یہ لفظ ہے لیکن وہاں وہ درست ہے اس لئے کہ اس میں ثوب کا ذکر ہے۔

اب حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ بذل المجہود میں تحریر فرماتے ہیں کہ بظاہر "ثم صلی فیه" یہاں پر غلط ہے اور اس کے دو قرینے ہیں، ایک تو یہی کہ ماقبل سے معنوی کوئی ربط نہیں، دوسرے کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس روایت کو ابن داسہ کے نسخے سے نقل کیا ہے وہاں پر "ثم صلی فیه" کے الفاظ نہیں ہیں، اسی طرح آگے ابوداؤد ہی میں کتاب النکاح میں یہ روایت آ رہی ہے وہاں بھی یہ لفظ نہیں ہے۔

دوسرا جواب وہ ہے جو بذل کے حاشیہ پر لکھا ہوا ہے وہ یہ کہ حدیث کے دونوں جملوں کا تعلق کپڑے سے ہی قرار دیا جائے، بدن سے نہیں، اور تکرار سے بچنے کے لئے یہ کہا جائے کہ جملۂ اولیٰ میں شعار مذکور ہے اور جملۂ ثانیہ میں ثوب اور ثوب سے مراد غیر شعار ہے۔

تیسرا جواب صاحب الدر المنضود نے یہ لکھا ہے کہ مراد دونوں جگہ ایک ہی کپڑا ہے لیکن مقصود یہ ہے کہ ایک مرتبہ کپڑے کو دھو کر اس میں نماز پڑھ لیتے، اس کے بعد پھر دوبارہ اس پر اگر کوئی چیز لگ جاتی تو پھر اس کو اسی طرح دھو کر اس میں نماز پڑھ لیتے، جیسا کہ یہی مضمون نسائی شریف کی روایت میں بھی ہے، لہٰذا یہ تکرار تعدادِ واقعہ پر محمول ہے۔

حافظ منذریؒ نے اس حدیث کی تحسین کی ہے۔

صاحب عون المعبودؒ نے اس سے مباشرۃ الحائض کے جواز پر استدلال کیا ہے، لیکن صاحب بذل نے ان پر رد کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ اس سے یہ کہاں ثابت ہو رہا ہے کہ یہ مضاجعت بغیر ازار تھی، بلکہ احادیث کثیرہ تو اس پر دال ہیں کہ آپ ﷺ کی مباشرت اتزار کے بعد ہوتی تھی۔ (بذل ۱/۱۶۰، عون ۱/۳۱۱)۔

۲۷۰ ﴿حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بنُ مَسْلَمَةَ أخبرنا عَبْدُ اللهِ - يَعْنِي ابنَ عُمَرَ بنِ غَانِمٍ - عن عَبْدِالرحمٰن يَعْنِي ابنَ زِيَادٍ عَنْ عُمَارَةَ بنِ غُرَابٍ قال: إنَّ عَمَّةً لَهُ حَدَّثَتْهُ أنَّهَا سَأَلَتْ عَائِشَةَ قالت: إحدَانَا تَحِيضُ وَلَيْسَ لَهَا ولِزَوْجِهَا إلَّا فِرَاشٌ وَاحِدٌ، قالَتْ: أُخْبِرُكِ بِمَا صَنَعَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم، دَخَلَ فَمَضَى إلى مَسْجِدِهِ، قالَ أبو داؤد: تَعْنِي مَسْجِدَ بَيْتِهِ، فَلَمْ يَنْصَرِفْ حَتَّى غَلَبَتْنِي عَيْنِي وَأَوْجَعَهُ البَرْدُ، فقال: ادْنِي مِنِّي، فَقُلْتُ: إنِّي حَائِضٌ، فقال: وإنْ اكْشِفِي فَخِذَيْكِ فَكَشَفْتُ فَخِذَيَّ فَوَضَعَ خَدَّهُ وَصَدْرَهُ عَلَى فَخِذِي، وَحَنَيْتُ عَلَيْهِ، حَتَّى دَفِئَ ونَامَ.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (١٧٩٩٣).

ترجمہ: عمارہ بن غراب کی پھوپھی نے حضرت ام المؤمنین عائشہؓ سے پوچھا کہ ہم میں سے کسی کو حیض آتا ہے اور اس کے اور اس کے شوہر کے پاس ایک ہی بچھونا ہوتا ہے وہ کیا کرے؟ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ میں تجھ کو رسول اللہ ﷺ کا حال سناتی ہوں، آپ ﷺ گھر میں تشریف لائے اور نماز پڑھنے کی جگہ چلے گئے، پھر آپ ﷺ فارغ نہیں ہوئے یہاں تک کہ میں اونگھنے لگی، آپ کو سردی نے ستایا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس آؤ، میں نے عرض کیا کہ میں حائضہ ہوں، جب آئی تو فرمایا کہ اپنی رانیں کھول میں نے اپنی ران کھول لی، آپ ﷺ نے اپنا چہرۂ انور اور سینہ مبارک میری ران پر رکھ دیا اور میں اوپر سے آپ ﷺ پر جھک گئی، یہاں تک کہ آپ ﷺ گرم ہو گئے اور سو گئے۔

تشریح مع تحقیق: مضمون حدیث تو واضح ہے، البتہ اس حدیث سے حائضہ کے ساتھ مضاجعت کا ثبوت ہو رہا ہے جس کے قائل امام احمد بن حنبلؒ ہیں، مصنفؒ بھی چونکہ حنبلی ہیں اس لئے انہوں نے اپنے مسلک پر ثبوت کے لئے یہ روایت ذکر کی ہے۔

جواب اس حدیث کا اولاً تو یہ ہے کہ اس کی سند میں دو راوی تو مجہول ہیں اور ایک کی جرح و تعدیل میں اختلاف ہے، لہٰذا یہ حدیث ضعیف ہو گئی، مجہول ایک تو عمارہ ہیں امام احمدؒ ان کے بارے فرماتے ہیں "لیس بشیء" اور حافظ ابن حجرؒ تقریب التہذیب میں لکھتے ہیں: مجھول، دوسرے مجہول راوی ام عمارہ ہیں، نہ ان کا نام معلوم ہے اور نہ ہی ان کا حال معلوم ہے، اور عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم کے بارے میں زبردست اختلاف ہے بعض حضرات نے تو ان کو بالکل ضعیف

قرار دیا ہے جیسا کہ امام احمد ہیں، یحیٰ بن معین اور یعقوب ابن شیبہ ہیں، البتہ بعض حضرات نے معمولی سی توثیق کی ہے مثلاً امام بخاریؒ نے مقارب الحدیث کہہ دیا ہے، حاصل یہ ہے کہ یہ حدیث اپنی سند کے اعتبار سے اس درجہ کی نہیں جو صحیح السند روایات کے معارض ہو سکے۔

۲۷۱ ﴿حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بنُ عَبْدِ الجَبَّارِ نا عَبْدُ العَزِيْزِ يعني ابنَ مُحَمَّدٍ عَنْ أبي الْيَمَانِ عن أُمِّ ذَرَّةَ عنَ عَائِشَةَ أنَّهَا قَالَتْ : كُنْتُ إذَا حِضْتُ نَزَلْتُ عَنِ المِثَالِ على الْحَصِيْرِ فَلَمْ نَقْرُبْ رسُولَ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وَلَمْ نَدْنُ مِنْهُ حَتّى نَطْهُرَ.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (١٧٩٨٠).

ترجمہ : حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں جب حائضہ ہوئی تو فرش پر سے بوریئے پر چلی آتی، پھر آپ ﷺ سے نزدیک نہ ہوتی جب تک پاک نہ ہو جاتی۔

تشریح مع تحقیق : المِثالَ : بمعنی پرانا بستر یا چادر، مطلب حضرت عائشہؓ کے ارشاد کا یہ ہے کہ جب ان کو حیض آتا تو اس بستر سے الگ ہو جاتی تھیں جو حضور ﷺ اور ان کے درمیان مشترک تھا، اور جب مدت حیض ختم ہو جاتی تو پھر حضور ﷺ کے قریب ہو جاتی تھیں اس سے پہلے نہیں۔

یہ حدیث سابقہ حدیث کے معارض ہے، اس لئے کہ احادیث صحیحہ سے تو مباشرت حائض بما فوق الازار کا ثبوت ہے اور اس سے مطلقاً ممانعت ثابت ہو رہی ہے، علماء نے اس تعارض کے کئی جواب دیئے ہیں:

۱- یہ حدیث منسوخ ہے۔
۲- یہاں جس قرب کی نفی کی جا رہی ہے اس سے مراد قرب بالجماع ہے، نہ کہ مطلقاً قرب۔
۳- یہ ترک قرب حضور ﷺ کی طرف سے نہ تھا بلکہ خود حضرت عائشہؓ کی طرف سے تھا۔
۴- یہ حدیث اپنی سند کے اعتبار سے کمزور ہے، اس لئے کہ اس میں ایک راوی ابوالیمان نام کے مستور ہیں۔

۲۷۲ ﴿حَدَّثَنَا موسٰى بنُ إسْمَاعِيْلَ نا حَمَّادٌ عَنْ أيُّوْبَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ بَعْضِ أزْوَاجِ النَّبِيِّ صلى اللّٰه عليه وسلم قالت: إنَّ النبيَّ صلى اللّٰه عليه وسلم كَانَ إذَا أرَادَ مِنَ الْحَائِضِ شَيْئًا ألْقٰى عَلٰى فَرْجِهَا ثَوْبًا.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (١٨٣٧٩).

ترجمہ : حضرت عکرمہؒ حضور ﷺ کی بعض ازواج سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جس بیوی سے حالت حیض میں کچھ کرنا چاہتے (مساس وغیرہ) تو اس کے فرج پر ایک کپڑا ڈال دیتے۔

تشریح مع تحقیق : اس حدیث سے بھی یہی مسئلہ ثابت ہوا کہ حائضہ سے استمتاع بما تحت الازار جائز نہیں ہے ورنہ تو آپ ﷺ شرمگاہ پر کپڑا ڈالنے کا حکم کیوں فرماتے حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ حدیث قوی السند ہے۔ (عون المعبود)۔

۲۷۳ ﴿حَدَّثَنَا عثمان بنُ أبي شَيْبَةَ نا جَرِيرٌ عن الشَّيْبَانِيِّ عن عَبْدِ الرحمٰنِ بنِ الْأَسْوَدِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يَأْمُرُنَا فِي فَوْحِ حَيْضِنَا أَنْ نَتَّزِرَ ثُمَّ يُبَاشِرُنَا، وَأَيُّكُمْ يَمْلِكُ أَرَبَهُ كَمَا كَانَ رسولُ اللّٰه ﷺ يَمْلِكُ أَرَبَهُ.﴾

تقدم تخريجه برقم (٢٦٨) مختصرًا.

ترجمہ : حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ ہم کو حکم کرتے تھے حیض کے شروع میں جب شدت ہوتی تھی، تہبند باندھنے کا، پھر ہم سے مباشرت کرتے تھے، اور تم میں سے کون اپنی شہوت کا مالک ہے، جیسے رسول اللہ ﷺ اپنی خواہش پر اختیار رکھتے تھے۔

تشریح مع تحقیق : فَوْحٌ: باب نصر سے مصدر ہے بمعنی شدت اور تیزی، بولا جاتا ہے: "فَاحَ الدَّمُ فَوْحًا: خون شدت سے بہا، یہاں پر یہی معنی مراد ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ جب حیض کے شروع میں اس کی شدت کا وقت ہوتا تھا تو آپ ﷺ اپنی بیوی سے فرمادیتے کہ وہ ازار باندھ لیں، اس کے بعد ان سے مباشرت کرتے، غالباً اس سے حضرت عائشہؓ یہ فرمانا چاہتی ہیں کہ آپ ﷺ حائض کے ساتھ مباشرت صرف آخر زمانۂ حیض ہی میں نہیں بلکہ ابتدار زمانۂ حیض میں بھی فرمالیا کرتے تھے۔

آگے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ تم میں سے اپنی حاجت کا حضور ﷺ سے زیادہ مالک کون ہوسکتا ہے أَرَب بفتح الالف والراء اور بکسر الالف وسکون الراء دونوں طرح پڑھا جاتا ہے، اس کے معنی ہیں حاجت، بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ بالکسر کے معنی ہیں حاجت اور عضو مخصوص یعنی شرمگاہ اور أَرَب بفتحتین کے معنی صرف حاجت کے ہیں۔

اب حضرت عائشہؓ یہ فرما رہی ہیں کہ آپ ﷺ اپنی ازواج سے زمانۂ حیض میں مباشرت فرماتے تھے اور تم میں سے کون ایسا ہے جو اپنی حاجت اور خواہش پر اتنا قابو یافتہ ہو جتنا کہ آپ ﷺ تھے۔

شراح حدیث نے حضرت عائشہؓ کی بیانِ مراد میں دو احتمال لکھے ہیں ایک تو یہ کہ ان کی غرض یہ ہے کہ دوسرے لوگ اپنے کو حضور ﷺ پر قیاس نہ کریں، ان کو تو مباشرت کے سلسلے میں احتیاط کرنی چاہئے۔

اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ آپ ﷺ جب قابو یافتہ ہونے کے باوجود مباشرت حائض فرماتے تھے اور اس سے نہ رکتے تھے تو یہ پھر دوسروں کے لئے کیوں جائز نہ ہو بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔

تیسرا احتمال بندے کے ذہن میں یہ آتا ہے کہ جب آپ ﷺ اپنی حاجت پر قابو یافتہ ہونے کے باوجود بغیر ازار کے مباشرت نہ کرتے تھے تو دوسرے لوگوں کو بطریق اولیٰ ازار باندھے بغیر مباشرت نہ کرنی چاہئے۔

فائدہ: یہاں بطور فائدہ کے ایک بحث یہ لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حدیث میں لفظ "تتزر" آیا ہے جو قواعد صرفیہ کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے، قاعدہ کے اعتبار سے تو "تأتزر" ہونا چاہئے تھا، اس لئے کہ اس کا مصدر "ائتزار" آتا ہے اور باب افتعال کی فاء کو تاء سے بدل کر تاء میں ادغام کرنا خلاف اصل ہے، اگرچہ "اتخاذ" میں ایسا ہی ہوا ہے، لیکن صرفیوں کے نزدیک یہ شاذ ہے۔

اب ابن ہشامؒ، زمخشریؒ اور صاحب قاموسؒ وغیرہ نے تو اس کو تحریف قرار دیا ہے، لیکن ابن مالک فرماتے ہیں کہ اس کا مدار سماع پر ہے اور باب افتعال کے بعض مصادر میں یہ تغیر ہوا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے قول: "فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اتُّمِنَ" میں اتَّمَنَ ہے اور جیسے اتَّكَلَ ہے، لہٰذا یہ لفظ بھی اسی قبیل سے ہوگا۔

اور اگر اس کو ابن ہشام وغیرہ کے قول کے مطابق تحریف پر ہی محمول کیا جائے تو یہ رواۃ کا تصرف ہوگا نہ حضرت عائشہؓ کا لفظ، ہاں اگر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے کہ یہ حضرت عائشہؓ کا لفظ ہے تو پھر اس کے حجت ہونے میں کلام نہیں، اس لئے کہ حضرت عائشہؓ فصحاء عرب میں سے ہیں ان کا کلام عربوں کے نزدیک حجت ہوتا ہے۔

﴿بَابٌ فِي الْمَرْأَةِ تُسْتَحَاضُ﴾

وَمَنْ قَالَ تَدَعُ الصَّلَاةَ فِي عِدَّةِ الْأَيَّامِ الَّتِي كَانَتْ تَحِيضُ

مستحاضہ عورت کا بیان

اور ان حضرات کا بیان جنہوں نے کہا کہ مستحاضہ اپنے حیض کے ایام کی بقدر نماز چھوڑے گی

یہاں سے مصنفؒ نے مستحاضہ عورت کے احکام کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے، مستحاضہ عورت کے مسائل سے متعلق مصنفؒ نے نو ابواب کے تحت اکتیس روایات کو ذکر کیا ہے، پہلے باب میں آٹھ روایات کو مختلف اسانید سے نقل کیا ہے، ساتھ ساتھ متعدد تعلیقات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے، استحاضہ کے مسائل بڑے اہم اور پیچیدہ سمجھے جاتے ہیں، اسی لئے ہر زمانے کے اہل علم نے ان کو حل کرنے کی پوری کوشش کی ہے، اس موضوع پر سب سے پہلے حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے قلم اٹھایا ہے، اور تقریباً دو سو صفحات پر مشتمل ایک قیمتی رسالہ تحریر فرمایا، امام طحاویؒ نے پانچ سو صفحات کا ایک رسالہ تصنیف فرمایا تھا، علامہ شامیؒ نے بھی اس موضوع پر ایک مفصل رسالہ تحریر فرمایا تھا، علامہ نوویؒ نے اس کی بڑی تعریف کی ہے، خود

علامہ نوویؒ نے "المہذب" میں ایک ضخیم جلد میں اس کے مسائل کو لکھا ہے، حنفیہ میں سے علامہ ابن نجیمؒ نے "البحر الرائق" میں اس موضوع پر سب سے شاندار اور مفصل بحث کی ہے۔

باب کی احادیث کی تشریح سے پہلے مستحاضہ سے متعلق چند اہم مسائل کو ذکر کیا جاتا ہے تاکہ احادیث کا مفہوم سمجھنے میں آسانی اور سہولت ہو اور پھر ان کو مسائل پر منطبق کیا جا سکے۔

استحاضہ کی تعریف

لفظ حیض در حقیقت حَاضَ یَحِیضُ سے نکلا ہے، جس کے معنی بہنے کے ہیں، اور استحاضہ حیض ہی سے باب استفعال ہے، اور باب استفعال کی ایک خاصیت انقلاب ماہیت بھی ہے، یہاں یہی خاصیت ملحوظ ہے، کیوں کہ اس میں حیض کی ماہیت بدل جاتی ہے، استحاضہ کی اصطلاحی تعریف یہ ہے: "هو دم يسيل من العاذل من امرأة لداء بها" یعنی استحاضہ وہ خون ہے جو رحم کے قریب ایک رگ سے اوقات معینہ کے علاوہ میں فرج مرأۃ سے جاری ہوتا ہے، اور یہ بیماری کی وجہ سے ہوتا ہے۔

لہٰذا استحاضہ وہ عورت ہے جس کے رحم سے خلاف معمول خون نکلتا رہتا ہے، اور وہ خون نہ حیض کا ہوتا ہے اور نہ نفاس کا، بلکہ مرض لاحق ہو جاتا ہے، دراصل عورت کے رحم میں ایک خاص رگ ہوتی ہے جس کو عربی میں "عاذل" کہتے ہیں، یہ کسی بیماری یا پھٹ جانے کی وجہ سے بہنے لگتی ہے، اور خون باہر آنے لگتا ہے، پس یہی خون استحاضہ کہلاتا ہے۔

مستحاضہ عورت کا حکم

اس بیماری میں مبتلا عورت (مستحاضہ) کا تفصیلی بیان تو آئندہ سطور میں آئے گا، لیکن مختصر طور پر اس کا حکم یہ ہے کہ وہ خون جاری رہنے کے دوران نماز، روزہ اور دوسری عبادات حسب معمول ادا کرے گی، مستحاضہ کے ساتھ جماع بھی ممنوع نہیں ہے۔

فائدہ: علماء نے لکھا ہے کہ حیض ہمیشہ بصیغہ معروف استعمال ہوتا ہے، کہا جاتا ہے: حَاضَتِ المرأةُ اور استحاضہ عموماً بصیغۂ مجہول استعمال ہوتا ہے، کہا جاتا ہے: "اُسْتُحِيْضَتِ الْمَرْأَةُ" اس فرق میں نکتہ یہ ہے کہ دم حیض معروف چیز ہے اور دم استحاضہ خلاف عادت اور غیر معمولی وغیر معروف چیز ہے فَكَأَنَّهُ أَمْرٌ جُهِلَ سَبَبُهُ۔ (الدر المنضود ۱/۳۹۰)

حضور ﷺ کے زمانہ میں مستحاضہ عورتوں کی تعداد

علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری میں تحریر فرمایا ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ مبارک میں جن عورتوں کو استحاضہ کا خون آتا تھا

ان کی تعداد گیارہ ہے: (۱) فاطمہ بنت ابی حبیشؓ، (۲) ام المومنین حضرت زینبؓ، (۳) ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہؓ (۴) زینب بنت جحشؓ، (۵) حمنہ بنت جحشؓ، (۶) ام حبیبہ بنت جحشؓ، (۷) اسماء اخت میمونہؓ، (۸) زینب بنت ابی سلمہؓ (۹) اسماء بنت الحارثیہؓ، (۱۰) بادیہ بنت غیلان الثقفیہؓ (۱۱) سہلہ بنت سہیلؓ۔ (عمدۃ القاری ۳ر۱۲۷)۔

وہ احادیث جن پر مسائل استحاضہ کا مدار ہے

حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ مسائل حیض واستحاضہ کا مدار صرف تین احادیث پر ہے (۱) حدیث فاطمہؓ (۲) حدیث ام حبیبہؓ (۳) حدیث حمنہ، اخیر کی دونوں بہنیں ہیں، ان کی تیسری بہن زینب ہیں، ان تینوں بہنوں کو استحاضہ کا خون آتا تھا۔

مستحاضہ کی اقسام

حنفیہ کے نزدیک مستحاضہ کی تین قسمیں ہے:

۱- مبتدئہ: وہ عورت جسے زندگی میں پہلی مرتبہ حیض آنا شروع ہوا ہو اور پھر استمرار دم ہو گیا۔

۲- معتادہ: وہ عورت جسے کچھ عرصہ تک انضباط کے ساتھ حیض آیا پھر استمرار دم ہو گیا۔

۳- متحیرہ: وہ عورت جو معتادہ تھی پھر استمرار دم ہوا لیکن وہ اپنی عادت سابقہ بھول گئی، متحیرہ کو ناسیہ، ضالہ اور مضلہ بھی کہتے ہیں، پھر اس متحیرہ کی تین قسمیں ہے: (۱) متحیرہ بالعدد: یعنی وہ عورت جسے ایام حیض کی تعداد یاد نہ رہی ہو کہ وہ پانچ دن ہے یا سات دن یا اور کچھ، (۲) متحیرہ بالوقت: جسے وقت حیض یاد نہ رہا ہو کہ اول شہر تھا یا وسط شہر یا آخر شہر، (۳) متحیرہ بہما: وہ عورت جو بیک وقت متحیرہ بالعدد اور متحیرہ بالوقت دونوں ہو۔

مبتدئہ کا حکم

مبتدئہ کا حکم بالاتفاق یہ ہے کہ وہ اکثر مدت حیض گزرنے تک خون کو حیض شمار کرے گی، اور اس عرصہ میں نماز روزہ چھوڑ دے گی، اور اکثر مدت کے بعد غسل کر کے نماز، روزہ شروع کرے گی، پھر اقل مدت طہر گزرنے کے بعد دوبارہ ایام حیض شمار کرے گی۔

معتادہ کا حکم

حنفیہ کے نزدیک معتادہ کا حکم یہ ہے کہ اگر ایام عادت پورے ہونے کے بعد بھی خون جاری رہے تو دس دن پورے

ہونے تک توقف کرے گی، اگر دس دن سے پہلے پہلے خون بند ہوگیا تو یہ پورا خون حیض شمار ہوگا، اور یہ سمجھا جائے گا کہ اس کی عادت تبدیل ہوگئی، چنانچہ ان ایام کی نماز واجب نہ ہوگی، اور اگر دس دن کے بعد بھی خون جاری رہے تو ایام عادت سے زیادہ تمام ایام کے خون کو استحاضہ قرار دیا جائے گا، اور ایام عادت کے بعد جتنی نمازیں اس نے چھوڑ دی ہیں ان سب کی قضاء لازم ہوگی، البتہ قضاء کرنے کا گناہ نہ ہوگا، چنانچہ حدیث باب ہی میں آئے گا: فإذا أقبلت الحيضة فدعي الصلاة وإذا ادبرت فاغسلي عنك الدم"۔

حضرات ائمہ ثلاثہ اس معتادہ کی دو قسمیں بیان کرتے ہیں ایک ممیزہ اور دوسری غیر ممیزہ، پس اگر یہ معتادہ غیر ممیزہ ہے تو حنفیہ کی طرح ائمہ ثلاثہ بھی عادت کا اعتبار کرتے ہیں، لیکن اگر یہ معتادہ ممیزہ ہے تو ائمہ ثلاثہ تمیز کا اعتبار کرتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ جو عورت خون کے رنگ کو دیکھ کر پہچان سکتی ہو کہ کون سا حیض کا خون ہے اور کون سا استحاضہ کا، ایسی عورت کے بارے میں یہ حضرات ائمہ ثلاثہؒ فرماتے ہیں کہ یہ عورت اپنی شناخت پر اعتماد کرے گی، جتنے دن اسے حیض کا رنگ محسوس ہوگا اتنے دن کو ایام حیض سمجھ کر نماز نہ پڑھے گی، اور جتنے دن استحاضہ کا خون معلوم ہوگا اتنے دن نماز پڑھے گی، حاصل یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہؒ تمیز کا اعتبار کرتے ہیں اور حنفیہ کے نزدیک تمیز بالالوان کا کوئی اعتبار نہیں ہے، بلکہ صرف عادت کا اعتبار ہے۔

تمیز بالالوان کے بارے میں ائمہ ثلاثہؒ کا استدلال

تمیز بالالوان کی مشروعیت پر ائمہ ثلاثہؒ کا استدلال سنن ابی داؤد ہی میں "باب من قال توضأ لكل صلاة" (۳۰۴/۱) کے تحت حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: أَنَّهَا كَانَتْ تُسْتَحَاضُ، فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "إِذَا كَانَ دَمُ الحَيْضِ فَإِنَّهُ دَمٌ أَسْوَدُ يُعْرَفُ، فَإِذَا كَانَ ذٰلِكِ فَأَمْسِكِي عن الصَّلَاةِ، فَإِذَا كَانَ الآخَرُ فَتَوَضَّئِي وَصَلِّي"۔

اس میں محل استدلال "فإنه دم أسود يعرف" ہے اس لئے کہ اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ رنگ سے حیض کے خون کا پتہ لگایا جاسکتا ہے۔

ہماری طرف سے ان کی اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس کی سند میں اختلاف واضطراب ہے، جس کو مصنفؒ نے خود ہی بیان کردیا ہے کہ اس روایت کو راوی ابن ابی عدی نے ایک مرتبہ اپنی کتاب سے سنایا اور ایک مرتبہ حافظہ سے، جب کتاب سے سنایا تو فاطمہ بنت ابی حبیشؓ کی روایت قرار دیا، اور جب حافظہ سے سنائی تو حضرت عائشہؓ کی روایت قرار دی، چنانچہ علامہ شوکانیؒ نیل الاوطار میں تحریر فرماتے ہیں کہ "قَدْ ضَعَّفَ الحديثَ أبو دَاوُدَ" اسی طرح امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث پر کلام کیا ہے کہ "فإنه دم اسود يعرف" کی زیادتی کو ابن ابی عدیؒ کے علاوہ کسی اور راوی نے ذکر

نہیں کیا، حضرت امام طحاویؒ نے مشکل الآثار میں اس کو مدرج قرار دیا ہے، ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "علل" میں لکھا ہے کہ میں نے اپنے والد ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: هو منكر" علامہ ماردینیؒ نے "الجوہر النقی" (ج:۱،ص:۸۶) میں نقل کیا ہے کہ ابن قطانؒ نے فرمایا "هُوَ في رأيي منقطع" لہٰذا یہ حدیث قوت وصحت کے اعتبار سے کمزور ہے، حنفیہ کے مضبوط دلائل کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

تمیز بالالوان کے سلسلے میں ائمہ ثلاثہؒ کے پاس صریح روایت اس کے علاوہ موجود نہیں ہے، جب کہ حنفیہ کے پاس متعدد قوی اور صحیح روایات موجود ہیں۔

تمیز بالالوان کے عدم اعتبار کے بارے میں حنفیہ کے دلائل

حنفیہ تمیز بالالوان کا قطعاً اعتبار نہیں کرتے بلکہ عادت کا اعتبار کرتے ہیں، اس بارے میں حنفیہ نے مندرجہ ذیل روایات سے استدلال کیا ہے:

۱- مؤطین میں موصولاً اور بخاری میں "باب إقبال المحيض وإدباره" میں تعلیقاً بصیغۂ جزم یہ روایت آئی ہے: كُنَّ نِسَاءٌ يَبْعَثْنَ إِلَى عَائِشَةَ بِالدُّرْجَةِ فيها الكُرْسُفُ فِيهِ الصُّفْرَةُ فتقولُ : لَا تَعْجَلْنَ حَتّٰى تَرَيْنَ القَصَّةَ الْبَيْضَاءَ تُرِيْدُ بِذٰلِكَ الطُّهْرَ مِنَ الْحِيْضَةِ کہ عورتیں حضرت عائشہؓ کے پاس ڈبیہ میں کرسف کر کے بھیجتیں، جس میں زردی ہوتی، تو حضرت عائشہؓ فرماتیں جلدی نہ کرو یہاں تک کہ چونے کی طرح سفیدی نہ دیکھ لو، وہ اس سے حیض پاک ہونے کا ارادہ فرماتی تھیں۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ حیض کے معاملے میں الوان کا اعتبار نہیں ہے، کیوں کہ حضرت عائشہؓ یہ فیصلہ فرما رہی ہیں کہ تمام الوان حیض شمار ہوں گے خواہ وہ کتنا ہی ہلکے سے ہلکا رنگ ہو، اور ظاہر ہے کہ حضرت عائشہؓ نے یہ فیصلہ سرکار رسالت مآب ﷺ سے سننے کے بعد ہی ارشاد فرمایا ہوگا۔

۲- بخاری باب إذا حَاضَتْ فِي شَهْرٍ ثلاثَ حِيَضٍ، کے تحت حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا کی روایت ہے: أَنَّ فَاطِمَــةَ بنتَ أبي حُبَيْشٍ سألتِ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَتْ : إِنِّي استحَاضُ فَلَا أَطْهُرُ أفَأَدَعُ الصلاةَ؟ فقال : لَا إِنَّ ذٰلكَ عِرْقٌ، ولٰكِنْ دَعِي الصلاةَ قَدْرَ الأَيَّامِ التي كنتِ تَحِيْضِيْنَ فيها ثم اغْتَسِلِي وصَلِّي۔

اس میں لفظ "قدر" اس چیز پر دلالت کر رہا ہے کہ اعتبار ایام کی مقدار کا ہے نہ کہ الوان کا۔

۳- سنن ابی داؤد ہی میں حضرت ام سلمہؓ کی روایت آرہی ہے جس میں حضورِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: لِتَنْظُر

عِدَّةَ اللیالي والأیَّامَ التي كَانَتْ تَحِيضِينَ مِنَ الشَّهرِ قبلَ أَنْ يُصِيبَهَا الذي أصابها، فَلْتَتْرُكِ الصلاةَ قَدرَ ذلك مِنَ الشَّهرِ۔

اس روایت میں بھی صراحتاً ایام عادت کے اعتبار کا حکم دیا گیا ہے، اسی طرح سنن ابی داؤد ہی میں متعدد روایات آئیں گی جن میں عدت بالا ایام مذکور ہے، موقع بہ موقع ہم ان روایات کی نشان دہی کرتے رہیں گے۔

متحیرہ کا حکم

ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک، اگر متحیرہ ممیّزہ ہوتو وہ الوان کے ذریعہ حیض واستحاضہ میں فرق کرے گی، جس کی بڑی تفصیلات ہیں، علامہ نوویؒ نے شرح المہذب میں بسط کے ساتھ انہیں بیان فرمایا ہے۔

احناف کے یہاں متحیرہ کی تین قسمیں ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے ان تینوں کا حکم الگ الگ ہے۔

(الف) متحیرہ بالعدد: اس کا حکم یہ ہے کہ وہ اپنے حیض کی ابتدار کی تاریخ سے تین دن تک نماز، روزہ چھوڑے گی کیوں کہ ان ایام میں یقین ہے کہ یہ ایامِ حیض ہیں، اس کے بعد سات دن غسل لکل صلاۃ کرے گی، کیوں کہ اب ہر دن یہ احتمال ہے کہ اس وقت حیض منقطع ہورہا ہے اس کے بعد حیض کی اگلی تاریخ تک وضو لکل صلاۃ کرے گی، کیوں کہ وہ ان ایام میں یقینی طور سے طاہرۃ ہے۔

(ب) متحیرہ بالزمان: اس کا حکم یہ ہے کہ وہ ہر مہینہ کی ابتدار (جس دن خون شروع ہوا ہے) میں اپنے ایام عادت کو پورا کرنے تک وضو لکل صلاۃ کرے گی، مثلاً اس کے ایام عادت پانچ دن تھے تو مہینہ کی پہلی تاریخ سے پانچویں دن تک وضو لکل صلاۃ کرے گی، کیوں کہ اسے طاہرہ یا حائضہ ہونے میں شک ہے، اس کے بعد پچیس دن غسل لکل صلاۃ کرے گی، کیوں کہ اس میں ہر دن خروج من الحیض کا احتمال ہے۔

(ج) متحیرہ بالزمان والعدد: اس کا حکم یہ ہے کہ ہر مہینہ کے پہلے تین دن وضو لکل صلاۃ کرے گی، اور باقی ستائیس دن غسل لکل صلاۃ، کیوں کہ ان تمام دنوں میں خروج من الحیض کا احتمال ہے۔

خلاصۂ کلام

مستحاضہ عورت کے اقسام واحکام کی مذکورہ تفصیل سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ احناف کے نزدیک کسی قسم میں بھی تمیز کا اعتبار نہیں ہے، اور جو عورت صرف معتادہ ہے اس میں بالاتفاق عادت کا اعتبار ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوگیا کہ بعض انواع متحیرہ میں حنفیہؒ کے یہاں غسل لِکُلِّ صلاۃ ہے۔

حنفیہ کے نزدیک عدم اعتبار تمییز کی اصل وجہ

حنفیہ نے الوان دم کو معیار نہیں بنایا، جس کی اصل وجہ یہ ہے کہ تمییز کے بارے میں جو روایات صریح ہیں وہ صحیح نہیں، بلکہ متکلم فیہ ہیں، اور جو صحیح ہیں وہ صریح نہیں، پھر عقلاً یہ بات ثابت ہے کہ لون میں اختلاف بسا اوقات اختلاف اغذیہ واختلاف امزجہ کی وجہ سے بھی ہوتا ہے کہ کسی عورت کا مزاج حار اور کسی کا بارد اور کسی کا معتدل ہوتا ہے لہٰذا اس کو معیار قرار دینا کوئی مضبوط بات نہیں۔

ان مباحث ضروریہ کے بعد جاننا چاہئے کہ مصنفؒ نے مستحاضہ کے بارے میں جو یہ پہلا باب قائم کیا ہے اس میں عبرۃ بالایام کو ذکر کیا ہے، اس کے بعد جو باب آئے گا وہ تمییز بالالوان کے سلسلے میں ہے، اب باب کی احادیث کی تشریح پیش خدمت ہے۔

۲۷۴ ﴿حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰه بنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مالِكٍ عن نافعٍ عن سُلَيْمانَ بنِ يَسارٍ عن أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلى اللّٰه عليه وسلم أَنَّ امْرَأَةً كَانَتْ تُهْرَاقُ الدِّمَاءَ عَلٰى عَهْدِ رسولِ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فَاسْتَفْتَتْ لَهَا أُمُّ سَلَمَةَ رسولَ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فقالَ: لِتَنْظُر عِدَّةَ اللَّيَالِي والأَيَّامَ التي كَانَتْ تَحِيضُهُنَّ مِنَ الشَّهْرِ قَبلَ أَنْ يُصِيبَهَا الذِي أَصَابَهَا، فَلْتَتْرُكِ الصَّلاةَ قَدْرَ ذٰلِكَ مِنَ الشَّهْرِ، فإذَا خَلَّفَتْ ذٰلِكَ فَلْتَغْتَسِلْ ثُمَّ لِتَسْتَثْفِرْ بِثَوْبٍ، ثُمَّ لِتُصَلِّ.﴾

أخرجه النسائي في "المجتبى من السنن" في الحيض والاستحاضة، باب المرأة تكون لها أيام معلومة تحيضها كل شهر (٣٥٢). وفي الطهارة، باب: ذكر الإغتسال من الحيض (٢٠٨). وابن ماجه في "سننه" في الطهارة وسننها، باب: ما جاء في المستحاضة التي قد عدت أيام أقرائها قبل أن يستمربها الدم (٦٢٣). انظر "تحفة الأشراف" (١٨١٥٨).

ترجمہ : ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانۂ حیات میں ایک عورت کو (جو معتادہ تھی) بہت زیادہ (استحاضہ کا) خون آتا تھا، چنانچہ اس عورت کے بارے میں ام سلمہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے فتویٰ پوچھا تو آں حضرت ﷺ نے فرمایا: اس عورت کو چاہئے کہ وہ ان دنوں اور راتوں کا شمار یاد رکھے جن میں وہ اس (استحاضہ کی بیماری) کے لاحق ہونے سے پہلے ہر ماہ عادۃً حائضہ ہوتی تھی، اور پھر (اب استحاضہ کی صورت میں) ہر ماہ انہی دنوں کی مدت کے دوران نماز پڑھنا موقوف کر دیا کرے، اور جب وہ مدت گزر جائے تو نہائے اور کپڑے کا لنگوٹ باندھ لے، پھر نماز پڑھنے لگے۔

تشریح مع تحقیق : تُهَرَاقُ : بضم التاء وفتح الهاء، مضارع کا صیغہ مجہول ہے، ماضی هَرَاقَ ہے، اور اس کی اصل "أَرَاقَ" ہے، ہمزہ کو "ھا" سے بدل دیا گیا ہے، اس میں نائب فاعل کی ضمیر امرأة کی طرف راجع ہے، اور "الدماء" تمیز کی بنار پر منصوب ہے، اگر چہ یہ معرفہ ہے، اس لئے کہ الف لام زائدہ ہے، اور "الدماء" کو مرفوع پڑھنا بھی جائز ہے، اس صورت میں یہ "تهراق" کا نائب فاعل ہوگا، اور الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہوگا، أي "تهراق دمائها" اور یہ بھی احتمال ہے کہ "تهراق" مجہول کا صیغہ نہ ہو بلکہ معروف کا صیغہ ہے، اور الدماء مفعولیت کی بنار پر منصوب ہے۔ خَلَّفَتْ: باب تفعیل سے ہے، بمعنی پیچھے چھوڑنا، مطلب یہ ہے کہ جب یہ مستحاضہ عورت ان ایام کو پیچھے چھوڑ دے جن میں اس کو حیض آتا تھا تو اب یہ غسل کرے، کیونکہ اس کی گزری ہوئی مدتِ حیض کی شمار ہوگی اور اب یہ مستحاضہ ہوگی جس کا حکم روزے نماز کے بارے میں طاہرہ کا حکم ہے۔

لِتَسْتَثْفِرْ : اسْتَثْفَرَ ثَوْبَهُ (استفعال، اصله ثَفَرَ صحیح سالم) اسْتِثْفَارًا: لنگوٹ باندھنا، استثفرت الحائض : حائضہ عورت کا کرسف باندھنا۔

یہ روایت ام سلمہؓ کی ہے جو فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہے، امام مالکؒ نے موطا میں، امام نسائی رحمۃ اللہ نے اپنی سنن میں اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں اس حدیث کی تخریج کی ہے، امام نوویؒ نے اس کے بارے میں کہا ہے: إسناده على شرط الشيخين، حافظ منذریؒ نے اس کو حسن قرار دیا ہے۔ (المنہل العذب المورود ۳/۶۴)

مصنفؒ نے اس حدیث ام سلمہؓ کو متعدد طرق سے بیان کیا ہے، اکثر طرق کا مدار نافع پر ہے، اور پھر نافعؒ سے روایت کرنے والے متعدد تلامذہ ہیں، چنانچہ سب سے پہلی سند میں ان سے روایت کرنے والے مالکؒ ہیں، اور دوسری سند میں لیث، تیسری میں عبید اللہؒ، چوتھی میں صخر بن جویریہؒ اس کے بعد مصنفؒ نے ایک طریق اور ذکر کیا ہے، جس میں نافع کے بجائے ایوبؒ ہیں، جس طرح نافع سلیمان بن یسار سے اس حدیث کو روایت کرتے ہیں اسی طرح ایوبؒ بھی ان سے روایت کرتے ہیں۔

یہ روایت احناف کی مستدل ہے اس لئے کہ اس میں فاطمہ بنت ابی حبیشؓ کو رد إلى العادة کا حکم دیا گیا، تمیز بالالوان کا کوئی اعتبار نہیں۔

فقہ الحدیث

اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط ہوا کہ جو کوئی دین کی کسی بات اور مسئلہ سے ناواقف ہو تو اس کو اہل علم سے پوچھ لینا چاہئے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی دوسرے کے واسطہ سے علم حاصل کیا جاسکتا ہے، اور مسؤول پر لازم ہے کہ اگر وہ مسئلہ جانتا

ہے تو سائل کو جواب دے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ مستحاضہ معتادہ عورت کے جب ایام عادت گزر جائیں تو اس پر غسل کرنا واجب ہے۔

مستحاضہ عورت کے لئے یہ ایک احتیاطی تدبیر ہے کہ لنگوٹ وغیرہ کے ذریعہ خون کی آمد کو حتی الامکان روکنے کی کوشش کرے اور اگر اس کے بعد بھی خون آنا نہ رکے تو اسی حالت میں پڑھی جانے والی نمازیں صحیح ہوں گی، یہی حکم اس شخص کے بارے میں بھی ہے جو سلسل البول (پیشاب کے قطرے ٹپکتے رہنے) کے مرض میں مبتلا رہو۔

۲۷۵ ﴿حَدَّثَنَا قُتَيبَةُ بنُ سعيدٍ ويزيد بنُ خالدِ بنِ عبدالله بنِ مَوْهَبٍ قالا : ثَنا اللَّيثُ عَنْ نَافِعٍ عن سُلَيْمَانَ بنِ يَسَارٍ انَّ رَجُلًا أَخْبَرَهُ عن أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ امْرَأَةً كَانَتْ تُهَرَاقُ الدَّمَ فَذَكَرَ معناهُ، قال : فإذَا خَلَّفَتْ ذٰلِكَ وحَضَرَتِ الصَّلاةُ فَلْتَغْتَسِلْ، بمعناه.﴾

تقدم تخريجه في الحديث السابق.

ترجمہ : حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ ایک عورت (فاطمہ بنت حبیشؓ) کو بہت خون آتا تھا، اور پہلی حدیث کی طرح روایت کرتے ہوئے کہا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب وہ حیض کے دن چلے جائیں اور نماز کا وقت آجائے تو غسل کرلینا چاہئے جیسا کہ ماقبل کی حدیث میں ہے۔

تشریح مع تحقیق : ماقبل میں بیان کیا گیا تھا کہ مصنفؒ نے حضرت ام سلمہؓ کی حدیث کو پانچ طرق سے بیان کیا ہے جن میں چار طرق کا مدار نافع پر ہے اور ایک طرق کا مدار ایوبؒ پر ہے، یہ ام سلمہؓ کی حدیث کا طریق ثانی ہے، پہلے طریق میں نافع سے نقل کرنے والے امام مالکؒ تھے اور اس طریق میں لیثؒ ہیں۔

امام مالکؒ اور لیث کی روایت میں فرق یہ ہے کہ امام مالکؒ نے سلیمان اور ام سلمہؓ کے درمیان کوئی واسطہ ذکر نہیں کیا، جب کہ لیث نے ایک رجل مجہول کا واسطہ ذکر کیا ہے، دوسرا فرق یہ ہے کہ امام مالکؒ کی روایت میں "فلتغتسل" سے پہلے "حَضَرَتِ الصَّلَاةُ" کے الفاظ نہیں تھے، اور لیث کی روایت میں ہیں، اور "حضرت الصلاة" کے الفاظ کا فائدہ یہ ہے کہ حائضہ پر انقطاع دم کے فوراً بعد غسل کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ جب نماز کا وقت آئے اس وقت ضروری ہوتا ہے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو اپنی سنن میں اسی سند اور متن کے ساتھ نقل کیا ہے۔

۲۷۶ ﴿حَدَّثَنَا عبدُ الله بنُ مَسْلَمَةَ ثَنا أَنَسٌ يَعْنِي ابنَ عَيَاضٍ عن عُبَيْدِ اللّٰه عن نافِعٍ عن سُلَيْمَانَ بنِ يَسَارٍ عن رَجُلٍ مِنَ الأنصَارِ انّ امرأةً كَانَتْ تُهَرَاقُ الدَّمَ فذكر مَعْنٰى حديثِ اللَّيْثِ، قال : فإذَا خَلَّفَتْهُنَّ وَحَضَرَتِ الصَّلاةُ فَلْتَغْتَسِلْ، وسَاقَ الحديثَ بِمَعْنَاهُ.﴾

تقدم تخريجه في الحديث قبل السابق.

ترجمہ : ایک انصاری شخص سے روایت ہے کہ ایک عورت کے استحاضہ کا خون بہتا تھا، پھر لیث کی حدیث کی طرح بیان کرتے ہوئے کہا: جب وہ ایام حیض گزر جائیں اور نماز کا وقت آجائے تو غسل کر لے، پھر سابقہ روایت کے ہم معنی روایت بیان کی۔

تشریح مع تحقیق : یہ ام سلمہؓ کی روایت کا تیسرا طریق ہے، جس میں نافع سے نقل کرنے والے عبید اللہ بن عمرؒ ہیں، اس طریق کو لانے کا مقصد لیث کی متابعت ثابت کرنا ہے، کہ سلیمان بن یسار اور ام سلمہؓ کے درمیان "رجل مبہم" کا واسطہ نقل کرنے میں لیث منفرد نہیں ہیں بلکہ عبید اللہ نے بھی اسی کو ذکر کیا ہے، اگرچہ عبید اللہ کے تلامذہ میں اختلاف ہے بعض نے امام مالکؒ کی طرح نقل کیا ہے کہ سلیمان اور ام سلمہؓ کے درمیان کوئی واسطہ ذکر نہیں کیا اور بعض نے لیث کی طرح نقل کیا ہے واسطہ کے ساتھ۔

۲۷۷ ﴿حَدَّثَنَا يعقوبُ بنُ إبراهيمَ ثَنَا عبدالرحمن بنُ مَهْدِيٍ نَا صَخْرُ بنُ جُوَيْرِيَةَ عن نافِعٍ بإسنادِ اللَّيثِ ومَعْناه، قال: فَلْتَتْرُكِ الصلاةَ قَدْرَ ذلك، ثُمَّ إذَا حَضَرَتِ الصَّلاةُ فَلْتَغْتَسِلْ وَلْتَسْتَذْفِرْ بِثَوْبٍ ثُمَّ تُصَلِّي.﴾

تقدم تخريجه.

ترجمہ : صخر بن جویریہ نے نافع سے لیث کی طرح سنداً اور متناً نقل کرتے ہوئے کہا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ وہ ان ایام (حیض) کی نماز ترک کر دے، پھر جب نماز کا وقت ہو جائے تو غسل کرے اور ایک کپڑے کے ساتھ لنگوٹ باندھ لے پھر نماز پڑھے۔

تشریح مع تحقیق : یہ ام سلمہؓ کی حدیث کا چوتھا طریق ہے اس میں نافع سے نقل کرنے والے صخر بن جویریہ ہیں اور اس طریق کو ذکر کرنے کا مقصد بھی لیث کی متابعت کو ہی ثابت کرنا ہے، کہ جس طرح لیث نے سلیمان بن یسار اور ام سلمہؓ کے درمیان رجل کا واسطہ ذکر کیا ہے، اسی طرح صخر نے بھی ذکر کیا ہے، نیز اس روایت میں "لِتَسْتَثْفِرْ" کی جگہ "لِتَسْتَذْفِرْ" بالذال المعجمہ آیا ہے، البتہ معنی دونوں کے ایک ہی ہیں۔

یہ روایت سنن دارقطنی میں ہے۔

۲۷۸ ﴿حَدَّثَنَا موسى بن إسمٰعيل نا وُهَيْبٌ ثنا أيوبُ عن سليمانَ بنِ يَسَارٍ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ بهذه القِصَّةِ، قال فيه: تَدَعُ الصَّلاةَ وَتَغْتَسِلُ فِيمَا سِوىٰ ذلك، وتَسْتَذْفِرُ بثوبٍ وتُصَلِّي.

قال أبو داؤدَ: سَمَّى المرأةَ التي كَانَتْ اسْتُحِيضَتْ حَمَّادُ بْنُ زيدٍ عن أيُّوبَ فِي هٰذا الحديث، قَالَ: فاطِمةُ بِنْتُ أبي حُبَيْشٍ.﴾

تقدم تخريجه. "الاستثفار": أن تشد ثوبًا تحتجز به يمسك موضع الدم ليمنع السيلان وهو مأخوذ من الثفر.

ترجمہ : ایوب نے بواسطہ سلیمان بن یسار، حضرت ام سلمہؓ سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے، اس میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ نماز چھوڑ دے اور اس کے ماسوا میں غسل کرے اور کپڑے کے ساتھ لنگوٹ باندھ کر نماز پڑھے۔

امام ابو داؤدؒ کہتے ہیں: حماد بن یزید نے ایوب کے واسطہ سے اس حدیث میں اس مستحاضہ عورت کا نام فاطمہ بنت ابی حبیشؓ بتایا ہے۔

تشریح مع تحقیق : یہ حضرات ام سلمہؓ کی روایت کا پانچواں طریق ہے، جس میں سلیمان بن یسار سے نقل کرنے والے بجائے نافع کے ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، اس روایت کو لانے کی غرض باب کی پہلی روایت کو تقویت دینا ہے کیوں کہ پہلی روایت جس کو نافع سے مالکؒ نے نقل کیا تھا اس میں سلیمان اور ام سلمہؓ کے درمیان واسطہ نہیں تھا اسی طرح ایوب کی اس روایت میں بھی نہیں ہے۔

قال أبو داؤد : سَمَّى المرأةَ الخ : اس کا مطلب یہ ہے کہ ام سلمہؓ کے سابقہ پانچوں طرق میں اس مستحاضہ عورت کا نام مذکور نہیں ہے، لیکن اس کی ایک چھٹی سند ہے جس میں ایوب سے نقل کرنے والے حماد بن زیدؒ ہیں، انہوں نے اس مستحاضہ عورت کا نام فاطمہ بنت ابی حبیشؓ ذکر کیا ہے۔

فائدہ : مصنفؒ کے کلام سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ ایوب کے تلامذہ میں سے صرف حماد بن زید ہی نے اس عورت کا نام ذکر کیا ہے جب کہ ایسا نہیں ہے بلکہ وہیب، عبد الوارث اور سفیان وغیرہ نے بھی ایوب کے واسطہ اس مستحاضہ عورت کا نام فاطمہ بنت ابی حبیشؓ بتایا ہے، جیسا کہ سنن دار قطنی کی روایت میں ہے۔

یہاں فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا سے متعلق ام سلمہؓ کی حدیث مکمل ہو گئی اب ام حبیبہؓ کی حدیث آئے گی۔

ام سلمہؓ کی حدیث اپنے تمام طُرق کے ساتھ حنفیہ کی مستدل ہے کہ الوان حیض کا کوئی اعتبار نہیں ہے بلکہ اصل عادت کا اعتبار ہے۔

یہاں یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ اس روایت کے مطابق حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا معتادہ تھیں۔ اور اسی کے اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسئلہ بتایا، جب کہ امام ترمذیؒ اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ فاطمہؓ ممیزہ تھیں، جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی ایک حدیث میں آئے گا جو آئندہ باب کی پہلی حدیث ہے، اس لئے ان دونوں حضرات نے ام سلمہؓ کی اس حدیث کو مرجوح قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ فاطمہ کے سلسلے میں حضرت عائشہؓ کی حدیث ام سلمہؓ کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔

۲۷۹ ﴿حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بنُ سَعِيدٍ نَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ بنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ جَعْفَرَ عَنْ عِرَاكٍ عَنْ

عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قالت : إِنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ سَأَلَتِ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم عن الدَّم، فقالَتْ عائشةُ : فَرَأَيْتُ مِرْكَنَهَا مَلْآنَ دَمًا، فَقَالَ لَهَا رسولُ الله صلى الله عليه وسلم : امْكُثِي قَدْرَ مَا كَانَتْ تَحْبِسُكِ حَيْضَتُكِ ثُمَّ اغْتَسِلِي.

قال أبو داؤد : رَوَاهُ قُتَيْبَةُ بَيْنَ أَضْعَافِ حَدِيثِ جَعْفَرَ بنِ رَبِيعَةَ فِي آخِرِهَا.

وَرَوَاهُ عَلِي بنُ عَيَّاشٍ وَيُونُسُ بنُ مُحَمَّدٍ عَنِ اللَّيْثِ فَقَالَا : جَعْفَرُ بنُ رَبِيعَةَ.

أخرجه مسلم في "صحيحه" في الحيض، باب: المستحاضة وغسلها وصلاتها (٦٥ و ٦٦) والنسائي في "المجتبى" في الطهارة، باب: ذكر الاغتسال من الحيض (٢٠٧) وفي الحيض والاستحاضة، المرأة تكون لها أيام معلومة تحيضها كل شهر (٣٥١). انظر "تحفة الأشراف" (١٦٣٧٠).

ترجمہ : حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ام حبیبہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے خون کے بارے میں سوال کیا حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ان کے پانی کا برتن خون سے بھرا ہوا دیکھا (یعنی اس کثرت سے خون آتا ہے کہ کبھی بند نہیں ہوتا) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جتنے دنوں تک تجھے حیض نماز سے روکتا تھا، اتنے دنوں رکی رہ، پھر غسل کر ڈال۔

ابوداؤدؒ نے کہا کہ قتیبہ نے اس روایت کو جعفر بن ربیعہ کی حدیث کے سلسلے اور اثناء میں ذکر کیا اخیر میں کو۔

اور اس روایت کو علی بن عیاش اور یونس بن محمد نے لیث سے نقل کیا تو جعفر بن ربیعہ کہا۔

تشریح مع تحقیق : أم حبيبة : یہ ام حبیبہ بنت جحشؓ ہیں، اور یہ عبدالرحمٰن بن عوف کے نکاح میں تھیں، ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحشؓ کی بہن ہیں، ان کا نام "رَمْلَه" ہے، بعض حضرات نے ان کا نام حمنہ بتایا ہے لیکن علامہ واقدیؒ نے اس قول کو رد کر دیا ہے، حافظ ابن حجرؒ نے بھی واقدیؒ کی رائے سے اتفاق کیا ہے، اسی طرح امام دار قطنیؒ نے بھی واقدی کی بات پر اعتماد کرتے ہوئے اسی کو راجح قرار دیا ہے، اور کہا ہے کہ حمنہ تو ان کی بہن کا نام ہے۔ (تہذیب التہذیب ۶/۵۹۰)۔

مِرْكَنها : بکسر المیم وہ ٹب جس میں کپڑے دھوئے جاتے ہیں، (ج) مَرَاكِن، مَلْآن : عَطْشانٌ کے وزن پر ہے بمعنی بھرا ہوا (ج) مِلَاءٌ آتی ہے۔

مطلب روایت کا یہ ہے کہ حضرت ام حبیبہؓ ٹب میں پانی بھر کر علاجاً اس میں بیٹھا کرتی تھیں، اس لئے خون کی رنگت کی وجہ سے وہ برتن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خون سے لبریز ہے، آگے اس روایت میں یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اس کو عبرۃ بالایام کا حکم فرمایا یعنی صرف ایام عادت میں اپنے آپ کو حائضہ سمجھیں اس کے بعد طاہرہ۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت بالکل ظاہر ہے، کیونکہ ترجمۃ الباب بھی عبرۃ بالایام کے بارے میں ہے۔

قال أبوداؤد : ورواه قتيبة بين أضعاف الخ : یہ قال ابوداؤد اہم ہے غور سے سمجھئے، مصنفؒ یہ فرما رہے ہیں کہ

اس حدیث کو میرے استاذ قتیبہ بن سعید نے جعفر بن ربیعہ کی حدیث کے سلسلے اور اثنار میں اخیر میں کو ذکر کیا ہے
"اضعاف" بفتح الهمزه اثنار اور درمیان کے معنی میں ہے، قاموس میں ہے: أضْعَافُ الكتاب أي أثناء سطوره"
غرض مصنف ؒ کی یہ ہے کہ اوپر سند میں جو جعفر مذکور ہیں وہ جعفر بن ربیعہ ہیں اگرچہ قتیبہ نے سند میں ان کے والد کا نام ذکر نہیں کیا، قرینہ اس کا یہ ہے کہ میرے استاذ قتیبہ نے اس حدیث کو جعفر بن ربیعہ کی احادیث کے اثنار میں ذکر کیا ہے، معلوم ہوا کہ یہ جعفر جعفر بن ربیعہ ہیں، اسی کی تائید مصنف ؒ کا قول: وَرَاوَاهُ عَلِيُّ بنُ عَيَّاشٍ الخ کر رہا ہے، کہ علی بن عیاش ؒ اور یونس بن محمد ؒ نے بھی ان کو نسب کے ساتھ جعفر بن ربیعہ ہی ذکر کیا ہے۔ (المنہل العذب المورود ۳/۶۸)۔

۲۸۰ ﴿حَدَّثَنَا عِيسٰى بنُ حَمَّادٍ أنا الليثُ عن يَزِيدَ بنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ بُكَيْرِ بنِ عبدِ اللّٰهِ عَنْ المُنْذِرِ بنِ المغيرة عَن عُرْوَةَ بنِ الزبير قال: إنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ أبي حُبَيْشٍ حَدَّثَتْهُ أنَّهَا سَأَلَتْ رسولَ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فَشَكَتْ إلَيْهِ الدَّمَ، فَقَالَ لَهَا رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إنَّمَا ذٰلِكَ عِرْقٌ فَانْظُرِي إذَا أَتٰى قَرْؤُكِ فَلَا تُصَلِّي، فإذَا مَرَّ قَرْؤُكِ فَتَطَهَّرِي ثُمَّ صَلِّي مَا بَيْنَ القَرْءِ إلَى القَرْءِ.﴾

أخرجه النسائي في "المجتبىٰ" في الطهارة، ذكرالاغتسال من الحيض (۲۰۱) وذكر الأقراء (۲۱۱). وباب: الفرق بين دم الحيض والاستحاضة (۲۱۵) وفي الحيض والاستحاضة، ذكرالاستحاضة واقبال الدم وادباره (۳٤۸) وذكرالاقراء (۳۵٦) وفي الطلاق، باب الأقراء (۳۵۵۵). انظر "تحفة الأشراف" (۱۸۰۱۹).

"المركن": بزنة درهم، شبه الجفنة الكبيرة.

فائدة: قال الشيخ ولي الدين العراقي في "شرح أبي داود" اعلم أن اللاتي ذكر أنهن استحضن على عهد رسول اللّٰه ﷺ تسع نسوة هذه، وأم حبيبة بنت جحش وأختها حمنة، وأختها زينب أم المؤمنين إن صح، وسهلة بنت سهل، وسودة أم المؤمنين، وأسماء بنت مرثد الحارثية، وزينب بنت أبي سلمة، وبادنة بنت غيلان الثقفية. انظر "شرح السيوطي على النسائي" ۱/۱۱۷.

ترجمہ: عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ فاطمہ بنت ابی حبیش نے رسول اللہ ﷺ سے خون آنے کی شکایت کی، آپ ﷺ نے فرمایا یہ ایک رگ ہے، تم یہ دیکھا کرو کہ جب تمہارے حیض کے دن آئیں تو نماز نہ پڑھو، پھر جب حیض کے دن گزر جائیں تو پاک ہو جاؤ (غسل کرلو) پھر دوسرے حیض تک نماز پڑھا کرو۔

تشریح مع تحقیق: إنَّمَا ذٰلِكِ عِرْقٌ: یہاں پر کاف مکسور ہے، اشارہ دم استحاضہ کی طرف ہے، البتہ کاف کا فتحہ بھی جائز ہے اس صورت میں خطاب عام ہوگا "أی دم الاستحاضة دم عرق" مطلب یہ ہے کہ یہ خون حیض کی طرح رحم سے نہیں آتا بلکہ ایک رگ کے پھٹ جانے کی وجہ سے آتا ہے جو خارج رحم میں ہوتی ہے جسے عاذل کہا جاتا ہے۔
لیکن اس پر ایک قوی اشکال ہوتا ہے کہ قدیم اور جدید اطباء اس بات پر تقریباً متفق ہیں کہ دم حیض اور دم استحاضہ میں

مخرج کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہوتا بلکہ دونوں کا مخرج قعر رحم ہی ہے، فرق صرف مدت کا ہے، کہ مدت کے اندر آنے والا خون حیض اور مدت کے بعد آنے والا خون استحاضہ کہلاتا ہے، جب کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کے مخرج میں فرق ہے؟

اس اعتراض کا سب سے اچھا جواب حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ نے معارف السنن میں دیا ہے کہ اس حدیث میں اختصار ہے اس کی پوری تفصیل مسند احمد کی روایت میں ہے " فإنما ذلك ركضة من الشيطان أو عرق انقطع أو داء عرض لها" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ استحاضہ کے اسباب مختلف ہوتے ہیں بعض اوقات کوئی رگ پھٹ جاتی ہے اس وقت استحاضہ کا مخرج خارج رحم بھی ہوسکتا ہے اور بعض مرتبہ کسی بیماری کے سبب قعر رحم ہی سے خون کا اخراج معمول سے زیادہ ہوجاتا ہے، لہٰذا آں حضرت ﷺ کا منشا حدیث باب میں یہ نہیں ہے کہ استحاضہ صرف انقطاع عرق سے ہی ہوتا ہے بلکہ یہاں آپ ﷺ نے اس کے اسباب میں سے صرف ایک سبب کو بیان فرمایا ہے۔ (معارف السنن ۱/۴۰۹)۔

قوله: إذَا أَتٰى قَرْؤُكِ الخ : یعنی جب ایام حیض شروع ہو جائیں تو نماز، روزہ چھوڑ دے اور جب وہ ایام ختم ہوجائیں تو غسل کر کے نماز شروع کر دے، حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش چونکہ معتادہ تھیں، اس لئے حضور اکرم ﷺ نے ان کو معتادہ کا حکم ہی دیا، جیسا کہ تفصیل سے گزر چکا ہے۔

فائدہ: صاحب منہل نے لکھا ہے کہ یہ حدیث حنفیہ اور مالکیہ کی حجت ہے اس بارے میں کہ "قرؤ" کے معنی حیض کے ہیں، علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی معالم السنن میں اسی طرح کی بات لکھی ہے۔

۲۸۱ ﴿حَدَّثَنَا يوسفُ بنُ موسٰى نا جَرِيْرٌ عن سُهَيْلٍ يعني ابنَ أَبِي صَالِحٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عن عُرْوَةَ بنِ الزُّبَيْرِ قَالَ : حَدَّثَتْنِي فاطمةُ بِنْتُ أَبِي حُبَيْشٍ أَنَّهَا أَمَرَتْ أَسْمَاءَ أَوْ أَسْمَاءُ حَدَّثَتْنِي أَنَّهَا أَمَرَتْهَا فاطِمةُ بِنْتُ أبي حُبَيْشٍ أَنْ تَسْأَلَ رسولَ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فَأَمَرَهَا أَنْ تَقْعُدَ الأَيَّامَ التي كانَتْ تَقْعُدُ ثُم تَغْتَسِلُ.

قال أبو داوُدَ : و رَوَاهُ قَتَادَةُ عن عُرْوَةَ بنِ الزُّبَيْرِ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أم سَلَمَةَ أَنَّ أُمَّ حبيبةَ بنتَ جَحْشٍ اسْتُحِيْضَتْ فَأَمَرَهَا النَّبِيُّ صلى اللّٰه عليه وسلم أَنْ تَدَعَ الصَّلَاةَ أَيَّامَ أَقْرَائِهَا ثُمَّ تَغْتَسِلِي وَتُصَلِّي.

قال أبوداوُدَ : وزَادَ ابنُ عُيَيْنَةَ في حديثِ الزُّهْرِيِّ عن عَمْرَةَ عن عائشةَ قَالَتْ : إنَّ أَمَّ حَبِيْبَةَ كَانَتْ تُسْتَحَاضُ فَسَأَلَتِ النبيَّ صلى اللّٰه عليه وسلم فَأَمَرَهَا أَنْ تَدَعَ الصَّلَاةَ أَيَّامَ أَقْرَائِهَا.

قال أبوداؤدَ : وهٰذَا وَهْمٌ مِنْ ابنِ عُيَيْنَةَ لَيْسَ هٰذَا في حديثِ الْحُفَّاظِ عَنِ الزُّهْرِي إلَّا مَا ذَكَـرَ سُهَيْلُ بنُ أبي صَالِحٍ، وَقَـدْ رَوَى الْحُمَيْـدِيّ هٰذَا الحديثَ عَنْ ابنِ عُيَيْنَةَ لَمْ يَذْكُرْ فِيْهِ "تَدَعُ الصَّلَاةَ أيَّامَ أقْرَائِهَا".

وَرَوَتْ قَمِيْرٌ عَنْ عَائِشَةَ: الْمُسْتَحَاضَةُ تَتْرُكُ الصَّلَاةَ أيَّامَ أقْرَائِهَا ثُمَّ تَغْتَسِلُ.

وقالَ عَبْدُ الرحمٰن بنُ الْقَاسِمِ عَنْ أبِيه أنَّ النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أمَرَهَا أنْ تَتْرُكَ الصَّلَاةَ قَدْرَ أقْرَائِهَا.

وروى أبُوْ بِشْرٍ جَعْفَر بنُ أبِي وَحْشِيَّةَ عَنْ عِكْرِمَةَ عن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم قال : إنَّ أمَّ حَبِيْبَةَ بِنتَ جَحْشٍ اسْتُحِيْضَتْ فَذَكَرَ مِثْلَهُ.

ورَوَى شرِيكٌ عن أبِي الْيَقْظَانِ عَنْ عَدِي بنِ ثابتٍ عن أبيه عن جَدِّهِ عنِ النبِي صلى اللّٰه عليه وسلم "الْمُسْتَحَاضَةُ تَدَعُ الصَّلَاةَ أيَّامَ أقْرَائِهَا ثُمَّ تغْتَسِلُ وَتُصَلِّي".

وَ رَوَى الْعُلَاءُ بنُ الْمُسَيِّبِ عَنِ الحَكَمِ عَنْ أبِي جَعْفَرَ قالَ : إنَّ سَوْدَةَ اسْتُحِيْضَتْ، فَأمَرَهَا النبيُّ صلى اللّٰه عليه وسلم إذَا مَضَتْ أيَّامُهَا اغْتَسَلَتْ وَصَلَّتْ.

و رَوَى سَعِيْدُ بنُ جُبَيْرٍ عَنْ عَلِيٍّ، وابنِ عبَّاسٍ : "الْمُسْتَحَاضَةُ تَجْلِسُ أيَّامَ قُرُوْئِهَا".

وكذلك رَوَاهُ عَمَّارٌ مَوْلَى بَنِي هَاشِمٍ وَطَلْقُ بنُ حَبِيْبٍ عن ابنِ عَبَّاسٍ.

وكذلك رَوَاهُ مَعْقِلٌ الْخَثْعَمِيُّ عَنْ عَلِيٍّ.

وكذلك رَوَى الشَّعْبِيُّ عن قَمِيْرٍ امْرَأةِ مَسْرُوْقٍ عَنْ عائِشَةَ.

قال أبوداؤدَ : وَهُوَ قَوْلُ الْحَسَنِ، وَسَعِيْدِ بنِ الْمُسَيِّبِ، وَعَطَاءٍ، وَمَكْحُولٍ، وإبراهيمَ ، وسَالِمٍ ، والْقَاسِمِ : أنَّ الْمُسْتَحَاضَةَ تَدَعُ الصَّلَاةَ أيَّامَ أقْرائِهَا.

قال أبوداؤدَ : لَمْ يَسْمَعْ قَتَادَةُ عَنْ عُرْوَةَ شَيْئًا.

تقدم تخريجه في الحديث السابق.

ترجمه : حضرت عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ فاطمہ بنت ابی حبیش نے مجھ سے بیان کیا کہ انہوں نے اسماء بنت ابی بکر کو حکم کیا، یا اسماء نے مجھ سے حدیث بیان کی کہ ان کو فاطمہ بنت ابی حبیش نے حکم کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ سے (مستحاضہ کے بارے میں) سوال کرے، آپ ﷺ نے حکم فرمایا: کہ جتنے دن پہلے حیض کے لئے بیٹھتی تھی اب بھی بیٹھے، اس کے بعد غسل کر لے۔

ابوداؤد نے کہا کہ: اس حدیث کو قتادہ نے عروہ بن زبیر سے اور انہوں نے زینب بنت ام سلمہؓ سے روایت کیا کہ ام حبیبہ بنت جحش کو استحاضہ ہو گیا تھا، آپ ﷺ نے ان کو ایام حیض میں نماز چھوڑ دینے کا حکم کیا، پھر غسل کرنے اور نماز پڑھنے کا۔

ابوداؤد نے کہا کہ: سفیان بن عیینہ نے زہری عن عمرہ عن عائشہؓ کی حدیث میں یہ زیادہ کیا ہے کہ ام حبیبہ کو استحاضہ تھا، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے نماز چھوڑ دینے کا حکم کیا ایام حیض میں۔

ابوداؤد نے کہا کہ: یہ سفیان بن عیینہ کا وہم ہے، یہ عبارت زہری سے نقل کرنے والے دیگر حفاظ کی روایت میں نہیں ہے، سوائے سہیل بن ابی صالح کی روایت کے۔

اور حمیدی نے اس روایت کو ابن عیینہ سے نقل کیا ہے اس میں یہ نہیں ہے کہ نماز چھوڑے ایام حیض میں۔

اور قمیر نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے اس میں یہ نہیں ہے کہ نماز چھوڑ دے حیض کے ایام میں پھر غسل کرے۔

اور عبدالرحمٰن بن قاسم نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ حضور اکرم ﷺ نے ان کو ایام حیض میں نماز چھوڑنے کا حکم دیا۔

اور ابو بشر جعفر بن ابی وحشیہ نے عکرمہ سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ایسا ہی فرمایا (کہ وہ ایام حیض میں نماز چھوڑے رکھے) کہ ام حبیبہ بنت جحش کو استحاضہ ہو گیا تھا۔

اور شریک نے ابوالیقظان سے، انہوں نے عدی سے، انہوں نے اپنے والد ثابت سے، انہوں نے اپنے دادا سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے نقل کیا کہ مستحاضہ عورت اپنے حیض کے ایام میں نماز کو چھوڑے گی پھر غسل کرے گی اور نماز پڑھے گی۔

اور علاء بن مسیّب نے حکم سے اور انہوں نے ابو جعفر سے روایت کیا ہے کہ سودہ کو استحاضہ آ گیا، تو ان کو حضور ﷺ نے حکم فرمایا کہ جب ایام حیض گزر جائیں تو غسل کرے اور نماز پڑھے۔

سعید بن جبیر نے حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مستحاضہ اپنے ایام حیض میں بیٹھی رہے، یعنی نماز نہ پڑھے۔

ایسا ہی روایت کیا ہے عمار مولی بن ہاشم اور طلق بن حبیب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے۔

اور اسی طرح معقل خثعمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

اور ایسے ہی امام شعبی نے مسروق کی بیوی قمیر سے اور انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے۔

امام ابوداؤد نے کہا کہ: یہی قول ہے حسن بصری، سعید بن مسیّب، عطاء، مکحول، ابراہیم، سالم اور قاسم کا، کہ مستحاضہ اپنے ایام حیض میں نماز چھوڑے۔

ابوداؤد نے کہا کہ: قتادہ نے عروہ سے نہیں سنا ہے۔

تشریح مع تحقیق : اس حدیث شریف سے بھی یہی معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ نے فاطمہ بنت ابی حبیش کو عبرۃ بالایام کا حکم دیا، اسی کے قائل حنفیہ ہیں، لہٰذا یہ حدیث حنفیہ کا مستدل ہوئی، اس روایت پر مصنفؒ نے جو کلام کیا ہے وہ بہت تفصیلی ہے اس پر توجہ کی ضرورت ہے۔

قوله : أو أسماءَ الخ : عروہ یہ کہہ رہے ہیں کہ مجھ سے فاطمہ نے بیان کیا کہ انہوں نے حضرت اسماء سے کہا کہ میرے لئے حضور اکرم ﷺ سے مسئلہ دریافت کریں۔ آگے عروہ کو شک ہے کہ یا اسماء نے مجھ سے بیان کیا کہ فاطمہ نے ان سے کہا کہ حضور ﷺ سے میرے لئے مسئلہ دیافت کرو، علی کل حال، سوال کرنے والی حضرت اسماء ہی ہیں، اور جس کے بارے میں سوال کیا گیا ہے وہ فاطمہ ہیں۔

قال أبو داؤد : ورواه قتادة الخ مستحاضہ کے بارے میں یہ دوسری معلق روایت ہے جو ام حبیبہ کے بارے میں ہے، اور اس میں بھی عبرۃ بالایام کا حکم دیا گیا ہے، دراصل قتادہ امام زہری کے مقابل ہیں، امام زہری کی ایک روایت تو اوپر آچکی ہے جو فاطمہ کے بارے میں تھی اور ایک روایت اور ہے جو ام حبیبہؓ کے بارے میں ہے، قتادہ کی طرح، یہ دوسری روایت آگے آرہی ہے، البتہ قتادہ کی روایت ہذا پر مصنفؒ نے یہ کلام کیا ہے کہ اس کی سند منقطع ہے، کیوں کہ قتادہ کا سماع عروہ سے نہیں ہے۔

قال أبو داؤد : وزاد ابن عيينة في حديث الزهري الخ : یہاں سے مصنفؒ قتادہ اور زہری کی روایت میں تقابل کر رہے ہیں، وہ اس طرح کہ قتادہ کی وہ روایت جو ام حبیبہ کے سلسلے میں ابھی گزری اس میں تو ذکر ایام صحیح ہے اور زہری کی روایت جو ام حبیبہؓ کے بارے میں آگے آرہی ہے اس میں ذکر ایام صحیح نہیں زہری کے تلامذہ میں سے سفیان بن عیینہ نے یہ غلطی کی ہے، اس لئے کہ ابن عیینہ کے علاوہ زہری کے جتنے بھی تلامذہ ہیں جیسے یونس، اوزاعی، ابن ابی ذئب، عمرو بن الحارث اور لیث وغیرہ، ان حضرات میں سے کسی نے بھی ام حبیبہؓ کے بارے میں ایام عادت کو ذکر نہیں کیا ہے، مصنفؒ اسی کو فرما رہے ہیں کہ ایام عادت کا ذکر ابن عیینہ کا وہم ہے۔

فائدہ : یہاں یہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ زہری کی روایت جو ام حبیبہؓ کے بارے میں ہے اس میں مصنفؒ کے نزدیک زہری کے دو شاگردوں سے غلطی ہوئی ہے، ایک ابن عیینہ سے جس کو مصنفؒ نے یہاں ذکر کیا ہے اور دوسری اوزاعی سے جس کو مصنفؒ آئندہ باب میں ذکر کریں گے، اوزاعی سے یہ غلطی ہوئی کہ انہوں نے اقبال وادبار کو ذکر کر دیا ہے۔

قوله : إلَّا ما ذَكَرَ سُهَيْلُ بنُ أبي صالح : مصنفؒ کی غرض یہ ہے کہ زہری کی روایت میں صحیح وہ ہے جس کو سہیل بن ابی صالح نے ذکر کیا ہے، اور سہیل بن ابی صالح کی روایت وہی ہے جو ابھی متن میں مذکور ہوئی۔

یہاں پر ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سہیل بن ابی صالح کی روایت تو فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہے، اور کلام یہاں پر اس روایت کے بارے میں چل رہا ہے جو حضرت ام حبیبہؓ کے بارے میں ہے، پھر یہ استثنار کرنا کیسے صحیح ہوگا؟

اس اشکال کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ مصنفؒ کی غرض فقط یہ بیان کرنا ہے کہ زہری کی روایت جو ام حبیبہ کے بارے میں ہے اس میں ایام عادت کا ذکر غلط ہے، ہاں زہری کی وہ روایت جس کو سہیل بن ابی صالح نے ذکر کیا ہے جو فاطمہ کے سلسلے میں ہے اس میں ذکر ایام صحیح ہے۔ (کذافی الدر المنضود ۱/۳۹۸)۔

قوله : وَقَدْ رَوَى الحميدي هذا الحديث الخ : مصنفؒ نے ماقبل میں یہ بیان کیا تھا کہ ابن عیینہؒ کی روایت میں ذکر ایام عادت وہم ہے، اب مصنفؒ اپنے اس دعوے کو مدلل کر رہے ہیں وہ اس طور پر کہ خود سفیان بن عیینہؒ کے دوسرے تلمیذ حمیدیؒ نے جب اس روایت کو نقل کیا تو انہوں نے بھی اس میں ایام عادت کو ذکر نہیں کیا، معلوم ہوا کہ ابن عیینہؒ کو اس زیادتی کے بارے میں خود شک ہے کبھی نقل کرتے ہیں اور کبھی نقل نہیں کرتے۔

قوله : و رَوَتْ قَمِيرُ بنتُ عمرو الخ : یہاں سے مصنفؒ نے پانچ تعلیقات ذکر کی ہیں، ان میں بعض وہ ہیں جن کو دوسرے مقام پر موصولاً ذکر کردیا ہے اور بعض دوسری کتب حدیث میں موصولاً ہیں، صاحب منہل نے ان کی تخریج کی ہے، ان تمام تعلیقات کو لانے کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ مستحاضہ کے لئے ایام عادت معتبر ہے، ابن عیینہ کی روایت میں ذکر ایام کو وہم قرار دینے سے یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ مصنفؒ مستحاضہ کے لئے ایام عادت کے اعتبار کے قائل نہیں، اس لئے کہ یہ حکم تو متعدد روایات سے ثابت ہے، ابن عیینہ کی روایت میں ایام عادت کا ذکر ایک مخصوص روایت کے اعتبار سے ہے۔

قوله : وروى سعيد بن جبير عن علي وابن عباس : المستحاضة تجلس أيام قرئها الخ : یہاں سے مصنفؒ نے تین صحابہ: حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سات تابعین: حسن بصریؒ، سعید بن المسیب، عطاء، مکحول، ابراہیم نخعی، سالم بن عبد اللہ اور قاسم بن محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے فتاویٰ کو نقل کیا ہے، کہ یہ تمام حضرات بھی عبرت بالایام کے قائل تھے۔

❁ ❁ ❁

﴿باب إِذَا أَقْبَلَتِ الحِيْضَةُ تَدَعُ الصَّلَاةَ﴾

جب مستحاضہ کے حیض کے ایام شروع ہوں تو وہ نماز نہ پڑھے

۲۸۲ ﴿حَدَّثَنَا أحْمَد بنُ يُوْنُسَ وَعَبْدُ اللّٰه بنُ محمدِ النُّفَيْلِيُّ قَالَا : ثَنَا زُهَيْرٌ نَا هِشَامُ بنُ عُرْوَةَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ : إنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ أبي حُبَيْشٍ جَاءَ تْ رسولَ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فَقَالَتْ : إِنِّي امْرَأَةٌ اسْتَحَاضُ فَلَا أطْهُرُ، أَفَأَدَعُ الصَّلَاةَ؟ قالَ : إِنَّمَا ذٰلِكِ عِرْقٌ وَلَيْسَتْ بِالْحِيضَةِ، فإِذَا أقْبَلَتْ الحِيضَةُ فَدَعِي الصَّلَاةَ، فإِذَا أَدْبَرَتْ فَاغْسِلِي عَنْكِ الدَّمَ ثُمَّ صَلِّي.﴾

أخرجه أيضاً النسائي في الطهارة، باب: الفرق بين دم الحيض والاستحاضة (۲۱۹) وفي الحيض والاستحاضة (۳٦٥). انظر "تحفة الأشراف" (۱٦۹٥٦).

ترجمہ : حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ فاطمہ بنت ابی حبیش حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور بولیں کہ یا رسول اللہ! میں ایسی عورت ہوں جس کو استحاضہ کی بیماری لاحق ہے، اور (اس کی وجہ سے) میں پاک نہیں رہ پاتی، تو کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ اس پر آں حضرت ﷺ نے فرمایا: نہیں، وہ خون تو محض ایک رگ کا خون ہے، حیض کا خون نہیں ہے، سو جب تم حیض کی حالت میں ہو تو نماز چھوڑ دیا کرو اور جب وہ حیض جاتا رہے تو خون کو دھولو اور غسل کرلو، پھر نماز پڑھو۔

تشریح مع تحقیق : یہاں نسخوں میں اختلاف ہے، المنہل کے نسخہ میں یہ ترجمۃ الباب ہے ہی نہیں، جب کہ بذل المجہود کے نسخہ میں یہ ترجمہ تو ہے لیکن دو حدیثوں کے بعد ہے، لیکن ہمارا موجودہ نسخہ زیادہ صحیح ہے۔

اس روایت میں اقبال و ادبار کا ذکر ہے، کہ جب اقبال حیض ہو تو نماز ترک کردے اور جب اس کی مقدار گزر جائے تو غسل کر کے نماز شروع کردے، اور محدثین نے اس کو لون دم کے اعتبار پر محمول کیا ہے، جب کہ احناف نے ایام عادت پر محمول کیا ہے۔

فائدہ : اس روایت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا ممیزہ تھیں، جیسا کہ امام ترمذیؒ اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے، جب کہ سابقہ باب کی پہلی حدیث میں یہ گزر چکا ہے کہ وہ معتادہ تھیں اور ان کو رد الی العادۃ کا حکم دیا گیا تھا، لہٰذا ایک ہی عورت کے بارے میں دو مختلف روایات ہوگئیں، کسی میں رد الی العادۃ کا

حکم ہے اور کسی میں تمییز کا۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں روایتوں سے تعارض کو دفع کرتے ہوئے یہ کہا کہ وہ روایت جس میں فاطمہؓ کے معتادہ ہونے کی بات ہے مرجوح ہے، اور حضرت عائشہؓ کی حدیث باب جس میں اقبال وادبار یعنی تمییز کا ذکر ہے وہ راجح ہے، یا پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ فاطمہ کی مختلف زمانوں میں دو حالتیں رہی ہوں گی، ایک تمییز کی اور دوسری عدم تمییز کی، تمییز کے زمانے میں اس کے مطابق حکم دیا گیا اور عدم تمییز کے زمانے میں ردالی العادۃ کا۔ (بذل المجہود)۔

۲۸۳ ﴿حَدَّثَنَا القَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عن هِشَامٍ بِإِسْنَادِ زُهَيْرٍ ومَعْنَاهُ، قال: فَإِذَا أَقْبَلَتِ الحِيضَةُ فَاتْرُكِي الصَّلاَةَ، فَإِذَا ذَهَبَ قَدْرُهَا فَاغْسِلِي الدَّمَ عَنْكِ وصَلِّي.﴾

أخرجه البخاري في "صحيحه" في الحيض، باب: الاستحاضة (٣٠٦). والنسائي في "المجتبى" في الطهارة، باب: الفرق بين دم الحيض والاستحاضة (٢١٨) و في الحيض والاستحاضة (٣٦٤). انظر "تحفة الأشراف" (١٧١٤٩).

ترجمہ: ہشام سنداً ومعنیً زہیر کی حدیث کی طرح روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب حیض کے دن آئیں تو نماز چھوڑ دے، پھر جب اسی قدر اندازے سے گزر جائیں تو خون دھو ڈال اور نماز پڑھ۔

تشریح مع تحقیق: اس روایت کے الفاظ اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ حدیث میں جس عورت کا ذکر کیا گیا ہے یعنی فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا وہ معتادہ تھیں، اس لئے کہ اس میں ذکر اقبال کے بعد فرمایا جا رہا ہے "فَإِذَا ذَهَبَ قَدْرُهَا" یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ اقبال حیض باعتبار ایام عادت کے مراد ہے، نہ کہ باعتبار الوان کے، اس لئے کہ لون مقدار کی قبیل سے نہیں ہے، بلکہ کیف کی قبیل سے ہے۔ (الدر المنضود ا/۴۰۰)۔

صاحب منہل نے بھی یہی لکھا ہے کہ اس حدیث سے حنفیہ کی تائید ہوتی ہے کہ مستحاضہ ایام عادت کا اعتبار کرے گی نہ کہ الوان دم کا۔ (المنہل العذب ۳/۸۰)۔

۲۸۴ ﴿حَدَّثَنَا موسى بنُ إِسْمَاعِيلَ ثَنَا أَبُو عَقِيلٍ عَنْ بُهَيَّةَ قَالَتْ سَمِعْتُ امرأَةً تَسْأَلُ عَائِشَةَ عَنْ امْرَأَةٍ فَسَدَ حَيْضُهَا وَأُهْرِيقَتْ دَمًا، فَأَمَرَنِي رسولُ الله صلى الله عليه وسلم أَنْ آمُرَهَا، فَلْتَنْظُرْ قَدْرَ مَا كَانَتْ تَحِيضُ فِي كُلِّ شَهْرٍ وَحَيْضُهَا مُسْتَقِيمٌ، فَلْتَعْتَدَّ بِقَدْرِ ذلك مِنَ الأَيَّامِ، ثُمَّ لِتَدَعِ الصَّلاَةَ فِيهِنَّ أَو بِقَدْرِهِنَّ، ثم لِتَسْتَذْفِرْ بِثَوبٍ، ثم تُصَلِّي.﴾

تفرد به أبوداود. انظر "تحفة الأشراف" (١٧٨٢٦).

ترجمہ: بُهَيّہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ جس عورت کا خون بگڑ جائے اور برابر جاری رہے (تو اس اس کا کیا حکم ہے) تو حضور ﷺ نے ان سے کہا کہ تم اس کو یہ حکم دو کہ اتنے دنوں کو شمار کرے جتنے

دن اس کو ہر مہینہ میں حیض آتا تھا، جب کہ اس کا حیض ٹھیک تھا، پھر اتنے دن تک انتظار کرے اور نماز چھوڑ دے اتنے دنوں میں، اس کے بعد غسل کرے اور ایک لنگوٹ باندھ کر نماز پڑھے۔

تشریح مع تحقیق : ابو عقیل : یہ یحییٰ بن المتوکل الضریر ہیں، امام نسائی اور ابو حاتم رازیؒ نے ان کو علی الاطلاق ضعیف قرار دیا ہے علامہ جوزجانی رحمۃ اللہ علیہ، یحییٰ بن معینؒ اور ساجیؒ وغیرہ حضرات نے لکھا ہے: منکر الحدیث : تقریب التہذیب میں حافظ ابن حجرؒ نے بھی ان کو ضعیف قرار دیا ہے، البُهَيَّة : بضم الباء وفتح الهاء، وتشديد الياء المفتوحه، یہ غیر معروف راویہ ہیں، ابن عمار نے لکھا ہے: ليست بحجة۔

یہ روایت یہاں مختصر ہے سنن بیہقی میں یہ روایت مفصلاً وارد ہوئی ہے، جس کا مضمون یہ ہے: کہ ایک عورت نے حضرت عائشہؓ سے استحاضہ سے متعلق معلوم کیا کہ ایسی حالت میں کس طرح نماز پڑھے، حضرت عائشہؓ نے جواب میں فرمایا کہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے ایک ایسی عورت کے بارے میں سوال کیا تھا جس کا حیض خراب ہو گیا تھا اور مسلسل خون آرہا تھا، تو حضور ﷺ نے مجھے اس کے بارے میں یہ حکم دیا کہ اس سے کہہ دو کہ صحت کی حالت میں ہر ماہ جتنے دن خون آتا تھا اتنے ایام حیض کے شمار کرے اور نماز روزہ چھوڑے رکھے، پھر خوب اچھی طرح پاکی حاصل کرے اور لنگوٹ باندھ لے، پھر نماز پڑھے، لہٰذا جو حضور اکرم ﷺ نے اس عورت کے متعلق دیا تھا وہی حکم تمہارا ہے۔

یہ روایت بھی حنفیہ کی مستدل ہے کہ ایام عادت کا اس میں اعتبار کیا گیا ہے نہ کہ الوان دم کا۔ (المنہل العذب المورود ۳/۸۰)۔

۲۸۵ ﴿حَدَّثَنَا ابنُ أبي عَقِيلٍ ومحمد بنُ سَلَمَةَ المِصْرِيَّانِ قالا : حدثنا ابنُ وَهْبٍ عن عَمْرِو بنِ الْحَارِثِ عَنْ ابنِ شِهَابٍ عن عُرْوَةَ بنِ الزُّبَيْرِ وَعَمْرَةَ عَنْ عائِشَةَ قَالَتْ : إنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ جَحْشٍ خَتَنَةَ رسولِ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وتَحتَ عَبْدِ الرَّحمٰنِ بنِ عَوْفٍ اسْتُحِيضَتْ سَبْعَ سِنِينَ، فَاسْتَفْتَتْ رسولَ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فقال رسول اللّٰه ﷺ : إنَّ هٰذِه لَيْسَتْ بالحِيْضَةِ ولكن هٰذَا عِرْقٌ فاغْتَسِلِي وصَلِّي.

قال أبوداوُدَ : وزَادَ الْأَوْزَاعِيُّ فِي هٰذا الحديثِ عن الزهريِّ عن عُرْوَةَ وعَمْرَةَ عن عَائِشَةَ قَالَتْ : اسْتُحِيضَتْ أمُّ حَبِيبَةَ بِنْتُ جَحْشٍ وهي تَحْتَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بنِ عَوْفٍ سَبْعَ سِنِينَ، فَأَمَرَهَا النَّبِيُّ صلى اللّٰه عليه وسلم قال : إِذَا أَقْبَلَتْ الْحَيْضَةُ فَدَعِي الصلاةَ ، فإذَا أدبَرَتْ فاغْتَسِلِي وصَلِّي.

قال أبوداوُدَ : لم يَذْكُرْ هٰذا الكَلَامَ أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِ الزُّهْرِيِّ غَيرَ الْأَوْزَاعِيِّ.

و رَوَاهُ عن الزُّهْرِيِّ عَمْرُو بنُ الحَارِثِ ، واللَّيْثُ، ويُونُسُ، وابنُ أبي ذِئْبٍ وإبراهيم

بنُ سَعدٍ وسُلَيمَانُ بنُ كثيرٍ ، وابنُ إسْحَاق ، وسُفيَانُ بنُ عُيينَةَ وَلَمْ يَذكُرُوا هنا الكَلَامَ.
قال أبو داؤدَ : وإنّمَا هٰذَا لَفظُ حَدِيثِ هِشَامِ بنِ عُروَةَ عَنْ ابيه عن عائشةَ.
قال أبو داؤدَ : وزَادَ ابنُ عُيَيْنَةَ فيه ايضًا : أَمَرَهَا أَنْ تَدَعَ الصَّلَاةَ أَيَّامَ أَقْرَائِهَا، وهُوَ وَهَمٌ مِنْ ابنِ عُيَيْنَةَ ، وحَدِيثُ محمد بنِ عَمْرٍو عَنْ الزُّهْرِي فِيْهِ شَيْئٌ يَقْرُبُ مِنَ الذِي زَادَ الأَوْزَاعِيُّ في حَدِيثِه.

أخرجه البخاري في "صحيحه" في الحيض، باب: عرق الاستحاضة (٣٢٧). ومسلم في "صحيحه" في الحيض، باب: المستحاضة وغسلها وصلاتها (٦٤). والنسائي في "المجتبى من السنن" في الطهارة، باب: الاغتسال من الحيض (٢٠٣) وفي ذكر الاغتسال من الحيض (٢٠٤ و ٢٠٥) وفي ذكر الأقراء (٢١٠)، وفي الحيض والاستحاضة، ذكر الأقراء (٣٥٥) وابن ماجه في "سننه" في الطهارة وسننها، باب: ماجاء في المستحاضة إذا اختلط عليها الدم فلم تقف على أيام حيضها (٦٢٦). انظر "تحفة الأشراف" (١٦٥١٦ و ١٧٩٢٢).

ترجمہ : حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کی سالی اور عبدالرحمٰن بن عوف ؓ کی زوجہ ام حبیبہؓ کو سات سال خون آیا، انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے مسئلہ پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ حیض نہیں ہے بلکہ رگ کا خون ہے لہٰذا غسل کر کے نماز پڑھ لو۔

ابوداؤد نے کہا کہ اس حدیث میں اوزاعی نے بواسطہ زہری عروہ، عمرہ، عائشہ کہا ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف کی زوجہ ام حبیبہ بنت جحش کو سات سال خون آتا رہا، تو انہیں حضور اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ جب حیض کے ایام شروع ہوں تو نماز چھوڑ دو اور جب وہ ایام ختم ہوجائیں تو غسل کر کے نماز پڑھ لو۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ اوزاعی کے علاوہ یہ بات زہری کے کسی شاگرد نے بیان نہیں کی۔

اس روایت کو زہری سے عمرو بن الحارث، لیث، یونس، ابن ابی ذئب، معمر، ابراہیم بن سعد، سلیمان بن کثیر، ابن اسحاق اور سفیان بن عیینہ نے نقل کیا ہے، ان حضرات میں سے کسی نے بھی اس کلام کو ذکر نہیں کیا۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ الفاظ تو صرف ہشام بن عروہ عن عروہ عن عائشہؓ کی حدیث میں ہیں۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ ابن عیینہ نے اس حدیث میں یہ زیادتی بھی بیان کی ہے کہ آپ نے بھی انہیں ایام حیض میں نماز چھوڑ دینے کا حکم دیا، حالانکہ یہ زیادتی ابن عیینہ کا وہم ہے، البتہ زہری سے محمد بن عمرو کی حدیث میں کچھ وہ زیادتی ہے جو اوزاعی کی زیادتی کے قریب قریب ہے۔

تشریح مع تحقیق : ابن أبي عقيل : یہ عبدالغنی بن رفاعہ بن عبدالملک لخمی، ابوجعفر بن ابی عقیل ہیں، امام ابوداؤد اور امام طحاوی کے اساتذہ میں سے ہیں، ثقہ راوی ہیں، ربیع الآخر ۲۵۵ھ میں وفات پائی ہے۔ (تہذیب التہذیب ۳/۴۷۹/۴۷۴۸)۔

صاحب منہل نے ان کو احمد بن ابی عقیل کے نام سے ذکر کیا ہے، لیکن ہم نے جو تعیین کی ہے وہ شرح ابن رسلان سے کی ہے، حضرت شیخ زکریا صاحبؒ نے بھی حاشیۂ بذل میں اسی طرح نقل کیا ہے جس طرح ہم نے لکھا ہے، اور یہی صحیح ہے، کیوں کہ حافظ ابن حجرؒ تہذیب التہذیب میں عبدالغنی بن رفاعہ کے نام پر ہی ابوداؤد کا رمز بنایا ہے، اور احمد بن ابی عقیل کو نہ حافظ ابن حجرؒ نے تقریب میں لیا ہے اور نہ ہی تہذیب میں۔ (حاشیہ بذل المجہود ۱۶۸/۱)۔

یہ ام حبیبہ کے بارے میں زہری کی روایت ہے، اسم میں نہ ذکر ایام عادت ہے اور نہ ہی اقبال وادبار، مصنفؒ کی نظر میں زہری کی یہی روایت زیادہ صحیح ہے، برخلاف اس روایت کے جس میں زہری کے شاگرد ابن عیینہؒ نے اقبال وادبار کا ذکر کردیا ہے، جیسا کہ آئندہ سطور میں اس کی وضاحت آرہی ہے۔

قال أبو داوٗد : زَادَ الْأَوْزَاعِيُّ في هٰذَا الْحَدِيْثِ الخ : یہاں سے مصنفؒ یہ بیان فرمارہے ہیں کہ ام حبیبہؓ کی روایت کا مدار امام زہریؒ پر ہے، پھر زہری سے نقل کرنے والے متعدد حضرات ہیں جن میں سے ایک سفیان بن عیینہ اور دوسرے امام اوزاعی بھی ہیں، سفیان بن عیینہ کے طریق سے زہری کی روایت گزرچکی ہے، مصنفؒ کے بیان کے مطابق ابن عیینہؒ سے ام حبیبہؓ کی روایت میں ایک غلطی ہوئی تھی جس کا بیان سابقہ باب میں آگیا کہ انہوں نے ایام عادت کو غلط ذکر کردیا ہے، ام حبیبہؓ کے قصہ میں ایام عادت کا مذکور نہ ہونا صحیح ہے، اب یہاں سے مصنفؒ یہ بتلاتے ہیں کہ ام حبیبہؓ کے قصہ میں دوسری غلطی زہری کے دوسرے شاگرد امام اوزاعی سے ہوئی ہے، کہ انہوں نے روایت میں اقبال وادبار کو ذکر کردیا، حالانکہ اوزاعی کے دوسرے رفقاء اس زیادتی کو نقل نہیں کرتے، لہٰذا اوزاعی اس زیادتی کے نقل کرنے میں منفرد ہوئے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ زہری کی روایت جو ام حبیبہؓ کے بارے میں ہے اس میں دو غلطیاں ہوئیں، ایک ابن عیینہ سے جس کا بیان حدیث نمبر ۲۸۱ کے ذیل میں ہوچکا ہے، اور دوسری اوزاعی سے جس کا بیان یہاں ہے۔

قال أبو داوٗد : لم يذكر هذا الكلام أحد من أصحاب الزهري غير الأوزاعي : یعنی اقبال وادبار کی زیادتی زہری کی حدیث میں صحیح نہیں ہے، اور اوزاعی اس زیادتی کے نقل کرنے میں منفرد ہیں۔

لیکن مصنفؒ نے جو یہاں اوزاعی کے تفرد کا دعویٰ کیا ہے یہ غیر مسلّم ہے، اس لئے کہ نعمان بن منذر اور ابو معبد نے زہری سے اس زیادتی کے نقل کرنے میں اوزاعی کی موافقت کی ہے، جیسا کہ صحیح ابوعوانہ، سنن نسائی اور طحاوی میں مذکور ہے، لہٰذا اوزاعی منفرد نہ ہوئے۔ (المنہل العذب المورود ۸۳/۳)۔

قال أبو داوٗد : وإِنَّمَا هٰذَا لَفْظُ حديثِ هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ عن أبيه عَنْ عائِشَةَ : مطلب یہ ہے کہ "إِذَا أَقْبَلَتْ الْحَيْضَةُ فَدَعِي الصلاةَ فإِذَا أَدْبَرَتْ فاغْتَسِلي" کے الفاظ زہری کی اس حدیث میں صحیح نہیں ہیں جو ام حبیبہؓ کے سلسلے میں ہے، البتہ یہ زیادتی هشام بن عروه عن أبيه عن عائشه کی حدیث (جو فاطمہ بنت ابی حبیش کے بارے میں ہے)

میں صحیح ہے، فاطمہ بنت ابی حبیش کی یہ حدیث نمبر ۲۸۲ پر گزر چکی ہے۔

قال أبو داؤد : زَادَ ابنُ عيينة فيه أيضًا : یعنی جس طرح اوزاعی نے اقبال وادبار کی ایک زیادتی نقل کرنے میں غلطی کی ہے اسی طرح ابن عیینہ نے ایام عادت کی زیادتی غلط نقل کردی ہے، ابن عیینہ کی زیادتی ماقبل میں بیان کی جاچکی ہے، شاید کسی ناسخ نے دوبارہ یہاں اس زیادتی کی طرف اشارہ کردیا ہے، یا مصنفؒ ہی نے دونوں وہموں کو ایک جگہ ذکر کرنے کی وجہ سے یہاں بھی اس عبارت کو لکھ دیا ہے، ورنہ یہ بات تو مصنفؒ پہلی روایت کے ذیل میں کہہ ہی چکے ہیں۔

قوله : وحَدِيثُ محمد بنِ عَمْرٍو عن الزهري فيه شيءٌ يَقْرُبُ مِنَ الذي زَادَ الأوزاعيُّ في حديثه : یعنی محمد بن عمرو کی زہری سے وہ روایت جو ۲۸٦ نمبر پر متصلا آرہی ہے، اوزاعی کی نقل کردہ اقبال وادبار کی زیادتی کے ہم معنی ہے، کیوں کہ محمد بن عمرو کی حدیث میں ہے "إذا كَانَ دَمُ الحَيْضَةِ فإنَّهُ دَمٌ أَسْوَدُ يُعْرَفُ" یہ اوزاعی کی زیادتی کے قریب المعنی اس لئے ہے کہ اوزاعی نے اقبال وادبار کو ذکر کیا ہے اور محدثین کرام کے نزدیک اقبال وادبار تمییز اور لون دم پر محمول ہے اور محمد بن عمرو کی حدیث میں لون کا ذکر صراحۃً مذکور ہے۔ (قاله العيني في العمدة).

٢٨٦ ﴿حَدَّثَنَا محمدُ بنُ الْمُثَنّٰى نا محمد بنُ أبي عَدِيٍّ عَنْ محمدٍ يعني ابنَ عَمْرٍو قال : ثَنِي ابنُ شِهَابٍ عن عُرْوَةَ بنِ الزُّبَيْرِ عَنْ فَاطِمَةَ بنتِ أبي حُبَيْشٍ قال : إنَّهَا تُسْتَحَاضُ فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰه عليه وسلم : إذاكَانَ دَمُ الْحَيْضَةِ فإنَّهُ دَمٌ أَسْوَدُ يُعْرَفُ، فإذَا كَانَ ذٰلِكِ فَأَمْسِكِي عن الصَّلَاةِ ، فإذَا كَانَ الآخَرُ فَتَوَضَّئِ وَصَلِّي، فإنَّمَا هُوَ عِرْقٌ.

قال أبو دَاؤدَ : قال ابنُ الْمُثَنّٰى ثَنَا بِهِ ابنُ أبِي عَدِيٍّ مِنْ كِتَابِهِ هٰكَذَا ، ثُمَّ حَدَّثَنَا بِهِ بَعْدُ حِفْظًا، قال : حَدَّثَنَا محمدُ بنُ عَمْرٍو عن الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عائشةَ قَالَتْ : إنَّ فَاطِمَةَ كَانَتْ تُسْتَحَاضُ فَذَكَرَ مَعْنَاهُ.

قال أبو دَاؤدَ : و رَوَى أَنَسُ بنُ سِيرِيْنَ عن ابنِ عَبَّاسٍ فِي الْمُسْتَحَاضَةِ قال : إذَا رَأَتِ الدَّمَ البَحْرَانِيَّ فَلَا تُصَلِّي، وإذَا رَأَتِ الطُّهْرَ وَلَوْ سَاعَةً فَلْتَغْتَسِلْ وَتُصَلِّي، قال مَكْحُولٌ : إنَّ النِّسَاءَ لَا تَخْفٰى عَلَيْهِنَّ الْحَيْضَةُ، إنَّ دَمَهَا أَسْوَدُ غَلِيْظٌ، فإذَا ذَهَبَ ذٰلِكَ وَصَارَتْ صُفْرَةً رَقِيْقَةً فإنَّهَا مُسْتَحَاضَةٌ فَلْتَغْتَسِلْ وَلْتُصَلِّي.

قال أبو دَاؤدَ : وروَى حَمَّادُ بنُ زَيْدٍ عن يَحْيٰى بنِ سَعِيدٍ عن الْقَعْقَاعِ بنِ حَكِيْمٍ عَنْ سَعِيدِ بنِ الْمُسَيَّبِ في الْمُسْتَحَاضَةِ : "إذَا أَقْبَلَتِ الحَيْضَةُ تَرَكَتِ الصَّلَاةَ، وإذَا أَدْبَرَتْ اغْتَسَلَتْ وصَلَّتْ".

وَرَوَى سُمَيٌّ وَغَيْرُهُ عَنْ سعيد بنِ الْمُسَيِّبِ "تَجْلِسُ أَيَّامَ أَقْرَائِهَا".

وكَذٰلِكَ رَوَاهُ حَمَّادُ بنُ سَلَمَةَ عَنْ يَحْيٰى بنِ سَعِيدٍ عن سَعِيْدِ بنِ الْمُسَيَّبِ.

قال أبو دَاوُدَ: و رَوَى يُوْنُسُ عَنِ الْحَسَنِ: "الْحَائِضُ إِذَا مَدَّ بِهَا الدَّمُ تُمْسِكُ بَعْدَ حَيْضَتِهَا يَوْمًا أو يَوْمَيْنِ فَهِيَ مُسْتَحَاضَةٌ.

وقال التَّيْمِيُّ عَنْ قَتَادَةَ: إِذَا زَادَ عَلٰى أَيَّامِ حَيْضِهَا خَمْسَةُ أَيَّامٍ فَلْتُصَلِّي، قال التيميُّ: فَجَعَلْتُ أَنْقُصُ حَتّٰى بَلَغْتُ يَوْمَيْنِ، فقال: إِذَا كَانَ يَوْمَيْنِ فَهُوَ مِنْ حَيْضِهَا، وسُئِلَ ابنُ سِيرِيْنَ عَنْهُ فَقَالَ: النِّسَاءُ أَعْلَمُ بذلك.

تقدم تخريجه برقم (۲۸۱).

ترجمہ: حضرت عروہ بن زبیر (تابعی) حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا (صحابیہ) سے روایت کرتے ہیں کہ ان کو استحاضہ (کا مرض) تھا، حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اگر حیض کا خون ہے تو کالا خون ہوگا، جو معلوم ہو جاتا ہے، سو جب یہ (کالا خون آرہا) ہو تو اس دوران نماز کو موقوف رکھو اور جب وہ خون (بجائے کالے کے) اور رنگ کا ہو تو (وہ استحاضہ کا خون ہے اور) اس صورت میں وضو کر کے نماز پڑھ لیا کرو کیوں کہ (رحم سے آنے والا جو خون کالے رنگ کا نہ ہو) وہ خون تو بس ایک رگ کا ہے۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ ہم سے ابن المثنی نے اپنی کتاب میں سے یہ حدیث ابن عدی سے اسی طرح بیان کی، پھر حافظہ سے اس کے بعد اس طرح بیان کی کہ محمد بن عمرو، زہری، عروہ، حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا کو خون آیا اور پہلی حدیث کی طرح بیان کی۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ انس بن سیرین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مستحاضہ کے بارے میں بیان کیا کہ جب وہ گاڑھا سیاہ خون دیکھے تو نماز نہ پڑھے، اور جب پاکی کو دیکھے اگرچہ تھوڑی ہی دیر ہو، تو غسل کر کے نماز پڑھے، مکحول نے کہا کہ عورتوں سے حیض کا خون پوشیدہ نہیں ہوتا ہے، جب یہ ختم ہو کر پتلی زردی سی آنے لگے تو یہ عورت مستحاضہ ہے، اسے غسل کر کے نماز پڑھ لینی چاہئے۔

ابوداؤد فرماتے ہیں کہ مستحاضہ کے بارے میں حماد بن زید، یحییٰ بن سعید، قعقاع بن حکیم، سعید بن میسب نے بیان کیا کہ جب حیض شروع ہو تو نماز چھوڑ دے اور جب ختم ہو جائے تو غسل کر کے نماز پڑھ لے۔

اور سُمَی وغیرہ نے سعید بن میسبؒ سے بیان کیا ہے کہ وہ ایام حیض میں نماز سے بیٹھی رہے۔

اور ایسے ہی حماد بن سلمہ نے بواسطۂ یحییٰ بن سعید، سعید بن میسب سے روایت کیا ہے۔

ابوداؤد فرماتے ہیں کہ یونس نے حسنؒ سے روایت کیا ہے کہ حائضہ عورت کا خون جب زیادہ دن تک جاری رہے تو وہ اپنے حیض کے بعد ایک یا دو دن نماز سے رکی رہے، کیوں کہ اب وہ مستحاضہ ہو گئی۔

تیمی نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ جب اس کے حیض کے دنوں سے پانچ دن زیادہ گزر جائیں تو اب وہ نماز پڑھ لے، تیمی کہتے ہیں کہ میں اس میں سے کم کرتے کرتے دو دن تک آ گیا کہ جب دو دن زیادہ ہوں تو وہ حیض کے ہی ہیں، محمد بن سیرین نے جب اس کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ عورتیں اسے زیادہ جانتی ہیں۔

تشریح مع تحقیق : یہ وہ حدیث ہے جس کا بیان ماقبل میں ہم کر چکے ہیں، کہ مالکیہ اور شوافع اس حدیث سے تمیز بالالوان پر استدلال کرتے ہیں، اور اس سلسلے میں ان حضرات کی سب سے واضح ترین دلیل یہی ہے، لیکن اس کا حال یہ ہے کہ یہ روایت شدید مختلف فیہ اور مضطرب ہے بڑے بڑے محدثین نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، خود مصنفؒ نے بھی اس کو ضعیف قرار دیا ہے، لہٰذا اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

اور اگر بالفرض اس کو قابل استدلال سمجھ بھی لیا جائے تو اس کا مطلب وہ نہیں جو ائمہ ثلاثہ بیان فرماتے ہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس حدیث میں مذکور حکم اس صورت پر محمول ہے جب تمیز اور عادت کے درمیان توافق پایا جائے، وضاحت اس کی یہ ہے کہ فرض کرو کہ ایک عورت کو استحاضہ لاحق ہوا اور خون آنے کا سلسلہ برابر جاری ہے اب جب وہ دن آئیں گے جن میں اس کو عادۃً ہر مہینہ حیض کا خون آتا تھا، تو وہی دن اس کے حق میں حیض کی مدت قرار پائیں گے، اور انہی دنوں میں وہ عورت نماز وغیرہ موقوف رکھے گی، اور پھر جیسا اس حدیث میں ذکر ہوا انہی دنوں میں اس کے رحم سے آنے والے خون کا رنگ سیاہ اور سیاہ مائل بہ سرخی وغیرہ ہوگا، پس اس مستحاضہ کے حق میں حیض کی مدت تو وہی دن قرار پائیں گے جو اس کی عادت والے ہوں گے، اور اس مدت حیض کا گزر جانا وہ مستحاضہ اس طرح بھی پہچان لے گی کہ اس مدت کے گزرنے کے بعد کا رنگ وہ نہیں رہ جائے گا جو حیض کے خون کا ہوتا ہے، اور وہ خون حیض کا خون شمار نہیں ہوگا۔ (مرقاۃ المفاتیح ۲/۲۳۸)۔

اس حدیث پر تفصیلی کلام پیچھے گزر چکا ہے۔

قال أبو داوُدَ : قال ابنُ المثنى ثنا به ابنُ أبي عَدِيّ مِن كتابِه هٰكذا، ثم ثَنَا به بَعدُ حِفظًا الخ : یہاں سے مصنفؒ اس حدیث کے ضعف کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں، وہ اس طرح کہ سند کے شروع میں محمد بن المثنیٰ کے استاذ ہیں ابن ابی عدی، اب ابن المثنیٰ یہ کہہ رہے ہیں کہ میرے استاذ ابن ابی عدی نے جب اس حدیث کو اپنی کتاب سے سنایا تو اس کو فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا کی روایت قرار دیا، اور جب حافظہ سے سنایا تو اس کو حضرت عائشہؓ کی حدیث قرار دیا، معلوم ہوا کہ یہ حدیث مضطرب ہے۔

قال أبو داوُد : و رَوَى أنس بنُ سيرين عن ابن عباس في المستحاضة قال : إذا رأت الدم البَحْرَانِيَّ

الخ : اس کلام سے مصنفؒ کی غرض یہ بیان کرنا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی تمییز بالالوان کا اعتبار کرتے تھے، کیونکہ جب ان سے مستحاضہ عورت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ جب یہ عورت ''دم بحرانی'' دیکھے تو نماز نہ پڑھے کیوں کہ یہ حیض کا خون ہے، اور جب اس دم بحرانی کا انقطاع دیکھے تو نماز پڑھے غسل کرنے کے بعد۔

لیکن اس سے تمییز بالالوان پر استدلال نہیں کیا جا سکتا، اس لئے کہ دم بحرانی کے معنی ہیں دم کثیر جو قعر رحم سے خارج ہو، بحر کی طرف نسبت کثرت کو بیان کرنے کے لئے ہی کی گئی ہے، لہٰذا اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ جب اس عورت کو دم کثیر آئے تو حیض سمجھے اور دم قلیل آئے تو استحاضہ سمجھے۔

قال مكحول : إنَّ النساء لا يخفى عليهن الحيضة إنَّ دَمَهَا أَسْوَدُ غَلِيْظٌ الخ : اس اثر سے بھی مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے تمییز بالالوان پر استدلال کیا ہے کہ حیض کا خون سیاہ اور گاڑھا ہوتا ہے اور جب خون پتلا اور زرد ہو جائے تو وہ استحاضہ ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مکحول کا اپنا اجتہاد ہے جو قابل حجت نہیں۔

قال أبو داوٗد : و رَوَى حماد بنُ زيدٍ الخ وروى سُمَيٌّ وغيره عن سعيد بن المسيب الخ و كذلك رواه حماد بن سلمةؒ الخ : ان تعلیقات کو ذکر کرنے کی غرض یہ بیان کرنا ہے کہ سعید بن المسیبؒ مستحاضہ کے سلسلے میں عادت کا اعتبار کرتے ہیں نہ کہ تمییز کا، اس لئے کہ اقبال سے مراد ایام عادت کا آنا ہے اور ادبار سے مراد ان ایام عادت کا ختم ہو جانا ہے۔

قَالَ أبوداوٗدَ : و رَوَى يُونُسُ عن الحَسَنِ الْحَائِضُ إذَا مَدَّ بها الدَّمُ تُمْسِكُ الخ : اس اثر کو لانے کی غرض یہ بتانا ہے کہ حسن بصریؒ اور قتادہ مستحاضہ کے لئے استظہار کے قائل ہیں، اور استظہار کا مطلب یہ ہے کہ جب مدت حیض ختم ہو جائے اور خون ابھی مستمر ہو تو یہ عورت ایک یا دو دن نماز وغیرہ سے رکی رہے، اس کے بعد غسل کر کے نماز پڑھے مالکیہ بھی استظہار کے قائل ہیں۔

وقالَ التيميُّ عن قتادَةَ الخ : حسن بصریؒ کی طرح قتادہ بھی استظہار کے قائل ہیں، البتہ یہ پانچ دن تک استظہار کو کہتے ہیں، اب تیمی یہ کہہ رہے ہیں کہ میں اپنے استاذ قتادہ سے استظہار کے ایام میں کمی کراتا رہا یہاں تک کہ وہ پانچ دن سے نیچے اتر کر دو پر آ گئے، اور کہا کہ دو دن تو استظہار کے لئے لازمی اور ضروری ہیں۔

قوله : وسُئل ابنُ سيرين عنه؟ فقال : النِّسَاءُ أَعْلَمُ بذلك : مطلب یہ ہے کہ محمد بن سیرین سے مستحاضہ کے حکم کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ الوان دم کا اعتبار کرے یا ایام عادت کا اور استظہار کرے یا نہیں؟ تو انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ معاملہ کو عورتوں کے حوالے کر دیا کہ عورتیں اس کو زیادہ جانتی ہیں۔ (المنہل ۳/۹۰)۔

۲۸۷ ﴿حَدَّثَنَا زُهَيرُ بنُ حَرْبٍ وغَيْرُهُ قَالَا : نَا عَبْدُ الملك بنُ عَمْرٍو نَا زُهَيْرُ بنُ محمدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ مُحَمَّد بنِ عَقِيلٍ عن إبراهيم بنِ محمد بنِ طَلْحَةَ عَنْ أُمِّهِ حَمْنَةَ بِنْتِ جَحْشٍ قَالَتْ : كُنْتُ اسْتَحَاضُ حَيْضَةً كثِيرَةً شدِيدةً، فأتيتُ رسولَ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم اسْتَفْتِيهِ وأُخْبِرُهُ، فَوَجَدْتُه فِي بَيْتِ أُخْتِي زَيْنَب بِنْتِ جَحْشٍ، فَقُلْتُ : يا رَسُوْلَ اللّٰه! إنّي امرأةٌ اسْتُحَاضُ حَيْضَةً كثيرةً شَدِيْدَةً، فَمَا تَرى فِيهَا، قَدْ مَنَعَتْنِي الصَّلَاةَ وَالصَّوْمَ، فَقَالَ : أَنْعَتُ لَكِ الكُرْسُفَ، فإنَّه يُذْهِبُ الدَّمَ، قَالَتْ : هُوَ أَكْثَرُ مِنْ ذلك، قَالَ فَتَلَجَّمِي قَالَتْ هُوَ أَكْثَرُ مِنْ ذٰلك ، قال : فَاتَّخِذِي ثَوْبًا، فَقَالَتْ : هُوَ أَكْثَرُ مِن ذلك إنَّمَا أَثِجُّ ثَجًّا، قال رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم : سَآمُرُكِ بِأمْرَيْنِ أَيُّهُمَا فَعَلْتِ أَجْزَأَ عَنْكِ مِنَ الآخَرِ، فإنْ قَوِيْتِ عَلَيْهِمَا فَأَنْتِ أَعْلَمُ، قَالَ لَهَا : إنَّمَا هذه رَكْضَةٌ مِن رَكَضَاتِ الشَّيْطَانِ فَتَحَيَّضِي سِتَّةَ أَيَّامٍ أو سَبْعَةَ أَيَّامٍ فِي عِلْمِ اللّٰه تعالىٰ ذِكْرُهُ، ثُمَّ اغْتَسِلِي حَتّٰى إذَا رَأَيْتِ أَنَّكِ قَدْ طَهُرْتِ واسْتَنْقَأْتِ فَصَلِّي ثلاثًا وعشرينَ لَيْلَةً أو أربعًا وعشرينَ لَيْلَةً وأَيَّامَهَا وصُوْمِي، فإنَّ ذلك يُجْزِئُكِ ، وكذلك فَافْعَلِي كُلَّ شَهْرٍ تَحِيْضُ النِّسَاءُ وَكَمَا يَطْهُرْنَ مِيقَاتَ حَيْضِهِنَّ، وطُهْرِهِنَّ، وإنْ قَوِيْتِ علىٰ أنْ تُؤَخِّرِي الظُّهْرَ و تُعَجِّلِي الْعَصْرَ، فَتَغْتَسِلِيْنَ وَتَجْمَعِيْنَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ الظُّهْرِ والعَصْرِ، و تُؤَخِّرِيْنَ الْمَغْرِبَ وتُعَجِّلِيْنَ العِشَاءَ ثُمَّ تَغْتَسِلِيْنَ وَتَجْمَعِيْنَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ فَافْعَلِي، وَتَغْتَسِلِيْنَ مَعَ الفَجْرِ فَافْعَلِي وصُوْمِي إنْ قَدَرْتِ عَلىٰ ذلك، قال رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم : هٰذَا أَعْجَبُ الأمْرَيْنِ إلَيَّ.

قال أبوداؤد : رَوَاهُ عَمْرُو بنُ ثابتٍ عن ابنِ عقِيلٍ فقال : قَالَتْ حَمْنَةُ : هٰذَا أَعْجَبُ الأَمْرَيْنِ إلَيَّ لَمْ يَجْعَلْهُ قَوْلَ النبيِّ صلى اللّٰه عليه وسلم، جَعَلَهُ كَلَامَ حَمْنَةَ، قال أبوداؤدَ : كَانَ عَمْرُو بنُ ثابتٍ رَافِضِيًا، وَ ذَكَرَهُ عَنْ يَحْيَى بنِ مَعِينٍ.

قال أبوداؤد : سمعتُ أحمدَ يَقُوْلُ : حَدِيثُ ابنِ عَقِيلٍ في نَفْسِي مِنه شَيْءٌ.﴾

أخرجه أبوداود في "سننه" في الطهارة، باب: في المرأة ترى الكدرة والصفرة بعد الطهر (٣٠٩و ٣١٠)، والترمذي في "جامعه" في الطهارة، باب: ما جاء في المستحاضة.(١٢٨)وقال: حديث حسن صحيح.وابن ماجه في "سننه" في الطهارة، باب: ما جاء في المستحاضة التى عدت أيام أقرالها برقم (٦٢٢،٦٢٧).انظر "تحفة الأشراف" (١٥٨٢١).

(۱) الکُرسُف: بضم الکاف وإسکان الراء وضم السین، آخره فاء وهو القطن، کانه ینعته لها لتحتشي به فیمنع نزول الدم ثم یقطعه.

(۲) أثج: الثج:صب الدم وسیلانه.

(۳) قوله:"رکضة من رکضات...." أصل الرکض: الضرب بالرجل والاصابة بها.

ترجمه : حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں ایک مستحاضہ عورت تھی اور وہ استحاضہ بھی بہت زیادہ اور نہایت سخت قسم کا تھا، چنانچہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تا کہ اس بارے میں آپ کو بتلاؤں اور آپ سے فتوئی پوچھوں، اس وقت میں نے اپنی بہن ام المؤمنین زینب بنت جحش کے گھر میں آپ کو پایا اور وہیں میں نے عرض کیا: کہ یارسول اللہ! مجھ کو استحاضہ کا مرض لاحق ہے اور استحاضہ بھی ایسا جو کثرت کے ساتھ ہے اور سخت قسم کا ہے تو اس کے بارے میں میرے لئے آپ کا کیا حکم ہے؟ اس کی وجہ سے نہ تو میں نماز پڑھ پاتی ہوں اور نہ روزے رکھ سکتی ہوں؟ ارشاد ہوا: میں تمہارے لئے رُوئی تجویز کرتا ہوں جو خون کو جذب کر لیتی ہے، حمنہؓ نے عرض کیا: وہ اس سے بھی زیادہ ہے (یعنی خون اتنی زیادہ مقدار میں آتا ہے کہ روئی کے ذریعہ بھی نہیں رکے گا) ارشاد ہوا تو پھر (روئی رکھ کر اس کے اوپر) لگام (کی طرح لنگوٹ) کس لیا کرو، حمنہ نے عرض کیا وہ اس سے بھی زیادہ ہے، ارشاد ہوا (پھر ایسا کرو کہ اس لنگوٹ کے نیچے) کپڑا بھی رکھ لیا کرو، حمنہ نے عرض کیا وہ اس سے زیادہ ہے، دراصل میں تو (بارش کے) پانی کی طرح خون بہاتی ہوں، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر تو میں تمہیں دو طرح کا حکم دیتا ہوں، ان دونوں میں سے جس ایک پر بھی عمل کر لوگی دوسرے پر عمل کرنا تمہارے لئے ضروری نہیں رہے گا، ویسے اگر تم دونوں پر عمل کرنے کی ہمت رکھتی ہو تو اس کو تم ہی زیادہ جانتی ہو (یعنی چاہے کسی ایک پر عمل کر لو اور اگر ہمت ہو تو دونوں پر عمل کر لیا کرو، جس صورت کو چاہو اختیار کرو) اس کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حمنہ سے فرمایا یہ (استحاضہ) تو شیطان کی ایک لات ہے، تو تم (یوں کرو کہ) چھ دن کو یا سات دن کو اور وہ اللہ ہی کے علم میں ہے حیض کی مدت قرار دے لو اور پھر (جب وہ مدت گزر جائے تو) نہاؤ، یہاں تک کہ جب تم دیکھو کہ پاک وصاف ہوگئی ہو تو (اس صورت میں تم اپنے حیض کی مدت سات دن شمار کرتی رہو) تیئیس دن رات تک نماز پڑھتی رہو، یا (اس صورت میں کہ تم اپنے حیض کی مدت چھ دن شمار کرتی رہو) چوبیس دن رات تک، اور اس دوران میں (رمضان وغیرہ کے) روزے بھی رکھو، پس یہ تمہارے لئے کافی ہوگا، اور اسی کو تمہیں ہر مہینے کا (ویسا ہی) معمول بنالینا چاہئے، جیسا کہ عورتیں ہر ماہ اپنے حیض کی مدت میں حائضہ ہوتی ہیں، اور اپنی پاکی کے زمانے کے لئے پاک ہوتی ہیں اور اگر تم اتنی طاقت رکھتی ہو کہ ظہر میں تاخیر اور عصر میں تعجیل کر کے اور پھر نہا کر دونوں نمازوں یعنی ظہر اور عصر کو ملا کر پڑھو، ایسے ہی مغرب میں تاخیر اور عشاء میں تعجیل کر کے اور پھر نہا کر ان دونوں نمازوں کو ملا کر پڑھو پھر ایسا ہی کر لیا کرو اور فجر کی نماز کے لئے نہاؤ، پس (جو دن حیض کے قرار دیئے جائیں ان کو چھوڑ کر باقی دنوں میں اسی طرح

نہانہا کر نمازیں پڑھنے کا) یہ طریقہ اختیار کرو، اور (جن دنوں میں تم نماز پڑھوان دنوں میں خواہ فرض خواہ نفل) روزے بھی رکھو، اگر تم اس کی طاقت رکھتی ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا دونوں حکموں میں سے یہ دوسرا حکم مجھ کو زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے۔

ابوداوُدؒ کہتے ہیں کہ عمرو بن ثابت نے ابن عقیل سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ حمنہ نے یوں کہا کہ یہ دوسری بات مجھے زیادہ پسند ہے، اور اسے حضور ﷺ کا قول نہیں بتایا، بلکہ حمنہؓ کا قول بتایا۔

ابوداوُدؒ کہتے ہیں: کہ عمرو بن ثابت رافضی تھا، یہ یحیٰی بن معینؒ سے مذکور ہے۔

ابوداوُدؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو فرماتے ہوئے سنا کہ عمرو بن ثابت کی حدیث کے سلسلے میں میرے دل میں کھٹکہ ہے۔

تشریح مع تحقیق: أَنْعَتُ : نَعَتَ (ف صحیح سالم) نَعْتًا : بیان کرنا، تجویز کرنا، الْكُرْسُف : روئی کا وہ ٹکڑا جس کو عورت حالت حیض میں اپنی شرمگاہ پر رکھ لیتی ہے تاکہ رطوبت اس میں جذب ہوتی رہے، فَتَلَجَّمِي : صیغۂ امر ہے، مطلب یہ ہے کہ وضع کرسف کے بعد اس مقام کو ایک دوسری پٹی سے اس طرح باندھ لو جس طرح جانور کے منہ پر لگام باندھ لیتے ہیں، أثج ثَجًّا : (ن، ض) لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے، بمعنی بہنا اور بہانا، رَكْضَةٌ : بفتح الراءِ وسكون الكاف بمعنی ایڑ، دھکا، لات یعنی یہ خون کا آنا شیطان کی ایک لات مارنے کی وجہ سے ہے۔

اس کے معنی اور مطلب میں دو احتمال ہیں:

۱- حقیقت پر محمول ہے کہ شیطان عورت کے قعر رحم پر ایڑ مار دیتا ہے جس کی وجہ سے خون بہنے لگتا ہے، اس معنی کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس کو مس کرتا ہے اور چونکا مارتا ہے، جس سے وہ بچہ چلاتا ہے۔

۲- دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس بیماری کی وجہ سے شیطان کو خوشی کا موقع فراہم ہوگیا کہ تمہاری پاکی اور نماز وغیرہ میں فساد اور نقصان پڑ گیا، اور طاعت وعبادت میں تمہیں پریشانی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، پس استحاضہ کی حالت میں چوں کہ بہکانے اور عبادت میں خرابی ڈالنے کی بہت سی راہیں شیطان کے لئے کھلتی ہیں اس لئے اس صورت کی نسبت شیطان کی طرف کردی گئی ہے، اور اس کو شیطان کی لات سے تعبیر کردیا گیا ہے۔

فتحيضي ستة أيام الخ : یہاں سے حضور ﷺ نے ان دو حکموں میں سے پہلا حکم بیان فرمایا ہے جن کی طرف سآمرك بأمرين" سے اشارہ کیا تھا، مطلب یہ تھا کہ تم استحاضہ کی حالت میں ہر ماہ ان تاریخوں کو اپنے لئے حیض کی مدت ٹھہرالیا کرو کہ جن تاریخوں میں تم استحاضہ لاحق ہونے سے پہلے عادۃً ہر مہینے حائضہ ہوتی تھیں، اور پھر ان تاریخوں میں

اپنے اوپر وہی حکم جاری کرو جو حیض کی حالت میں نافذ ہوتا ہے، یعنی نماز وغیرہ موقوف کر دینا، اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ خاتون (حضرت حمنہؓ) معتادہ تھیں، اور اس موقع پر ان کو یاد نہیں رہا کہ پہلے ان کو چھ دن کا حیض آتا تھا یا سات دن کا، لہٰذا آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ اچھی طرح غور کر لو، اور حساب لگا کر دیکھ لو کہ تمہاری عادت چھ دن حائضہ رہنے کی تھی یا سات دن، ان میں سے جس عدد پر تمہارا یقین جم جائے اسی کو اپنے حیض کی مدت ٹھہراؤ۔

قوله : في علم الله (اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے) یعنی تمہارے حیض کی مدت چھ دن رہا کرتی تھی یا سات دن، یہ اس چیز میں داخل ہے جو تمہارے تعلق سے بہر حال علم خداوندی میں ہے، اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے "في علم الله" حدیث رسول ﷺ کا جز نہیں، بلکہ راوی کا اپنا قول ہے، جو واللہ اعلم کے معنی میں ہے۔ (بذل ۱۷۲/۱)۔

پہلے حکم کا حاصل یہ ہوا کہ جن دنوں کو تم اپنے حیض کے دن ٹھہراؤ جب وہ دن گزر جائیں تو پھر نہا لو اور ہر نماز کے لئے غسل کر لیا کرو، واضح رہے کہ اس حدیث میں ہر نماز کے لئے غسل کرنا اگرچہ صراحۃً مذکور نہیں ہے لیکن آگے دوسرا حکم جو یوں بیان کیا کہ إِنْ قَوِيتِ عَلَى أَنْ تُؤَخِّرِينَ" تو اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ پہلا حکم غسل لکل صلاۃ ہی ہے۔

قوله : وهذا أعجب الأمرين إلي : امر ثانی یعنی جمع بین الصلاتین کا حکم بیان کرنے کے بعد آپ ﷺ فرما رہے ہیں کہ یہ امر ثانی میرے نزدیک دونوں میں زیادہ پسندیدہ ہے، "أَعْجَبُ" اسم تفضیل کا صیغہ ہے، اب جمع بین الصلاتین تو ہے مفضل جس کو پسند کیا ہے، اور مفضل علیہ سابقہ تشریح کے مطابق غسل لکل صلاۃ ہے، جیسا کہ ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ میں لکھا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ جمع بین الصلاتین بغسل واحد زیادہ بہتر ہے بنسبت غسل لکل صلاۃ کے، کیونکہ اس میں مشقت کم ہے اور فائدہ تقریباً دونوں کا ایک ہی ہے کہ ہر نماز غسل سے ہوئی اس صورت میں اعجب اسہل کے معنی میں بھی ہوگا۔

اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے کوکب میں ایک دوسرا مطلب نقل کیا ہے وہ یہ کہ اعجب کا مفضل علیہ یعنی امر اول غسل لکل صلاۃ نہیں ہے کیوں کہ وہ تو یہاں مذکور ہی نہیں، بلکہ اس کا مفضل علیہ وہ امر ہے جو اس حدیث کے شروع میں مذکور ہے، یعنی تحری کے بعد پورے ماہ میں صرف ایک بار غسل کرنا، اور اس صورت میں آپ کے ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ پورے مہینہ میں ایک بار غسل کے مقابلہ میں ہر روز جمع بین الصلاتین بغسل واحد زیادہ بہتر ہے، کیوں کہ اس میں احتیاط زیادہ ہے۔ (الدر المنضود ۴۰۴/۱)۔

اس تفصیل کے بعد یہاں پر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہر نماز کے لئے یا ہر دن تین بار غسل کا حکم حنفیہ کے نزدیک منسوخ ہے اور اگر منسوخ نہ مانا جائے تو پھر یہ کہا جائے گا کہ دونوں صورتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہانے کا جو حکم دیا تھا وہ در اصل علاج اور تدبیر کے طور پر تجویز کیا تھا، اور مطلب یہ تھا کہ اس طرح بار بار نہانے سے خون کی کثرت جاتی رہے گی، اور

اس کا زور ٹوٹ جائے گا۔

قال أبو داؤد : ورواه عمرو بن ثابت عن ابن عقيل الخ اس کلام کی غرض یہ بیان کرنا ہے کہ "اعجب الأمرین" کے مرفوع اور موقوف ہونے میں اختلاف ہے، چنانچہ زہیر نے ابن عقیل سے اس کو مرفوعاً نقل کیا ہے اور عمرو بن ثابت نے ابن عقیل سے جب نقل کیا تو اس کو حمنہ کا قول قرار دیا، پھر مصنفؒ نے عمرو بن ثابت پر کلام کیا ہے کہ یہ رافضی تھے اور بھی دیگر محدثین نے ان کی تضعیف کی ہے، حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو بھی اس حدیث کے بارے میں تردد تھا، اس سب سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مصنفؒ اس حدیث کی تضعیف کرنا چاہتے ہیں، جب کہ حضرت امام ترمذیؒ نے اس کی تصحیح کی ہے اور امام بخاریؒ سے بھی اس کی تحسین نقل کی ہے، اب فیصلہ کے طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام ابو داؤدؒ نے صراحۃً حدیث باب کی تضعیف نہیں کی ہے جب کہ ترمذیؒ نے صراحۃً تصحیح کی ہے، لہٰذا ترمذی کی رائے کو لیا جائے اور اس حدیث کو کم از کم حسن درجہ دیا جائے۔ (المنہل العذب ۹۶/۳)۔

﴿باب مَا رُوِيَ أنَّ الْمُسْتَحَاضَةَ تَغْتَسِلُ لِكُلِّ صَلَاةٍ﴾

مستحاضہ کو ہر نماز کے لئے غسل کرنے کا بیان

۲۸۸ ﴿حَدَّثَنَا ابنُ أبي عَقِيلٍ ومحمد بنُ سَلَمَةَ الْمُرَدِيُّ قالا : ثَنَا ابنُ وَهْبٍ عَن عَمرو بنِ الحارِثِ عن ابن شِهَابٍ عن عُرْوَةَ بنِ الزُّبَيْرِ وَعَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَائشَةَ زَوْجِ النبي صلى الله عليه وسلم قالت : إنَّ أمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ جَحْشٍ خَتَنَةَ رسولِ الله صلى الله عليه وسلم وتَحْتَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بنِ عَوْفٍ اسْتُحِيْضَتْ سَبْعَ سِنِيْنَ فاسْتَفْتَتْ رسول الله صلى الله عليه وسلم في ذلك، فقال رسولُ الله صلى الله عليه وسلم : إنَّ هذِهِ لَيْسَتْ بالْحَيْضَةِ، ولكِنْ هذا عِرْقٌ فاغْتَسِلِيْ وصَلِّي، قالت عَائِشَةُ : فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ فِي مِرْكَنٍ فِي حُجْرَةِ أُخْتِهَا زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ، حتى تَعْلُو حُمْرَةُ الدَّمِ المآءَ.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (۱۷۹۱۰).

ترجمہ : حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سالی اور عبدالرحمٰن بن عوف کی زوجہ ام حبیبہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کو سات سال تک استحاضہ آیا، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں مسئلہ دریافت کیا

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ حیض نہیں ہے، بلکہ یہ رگ کا خون ہے، لہٰذا غسل کر کے نماز پڑھ لیا کرو، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ وہ اپنی ہمشیرہ زینب بنت جحش کے گھر بڑے لگن میں غسل کرتی تھیں، تو ان کے استحاضہ کے خون کی سرخی پانی پر غالب آجاتی تھی۔

تشریح مع تحقیق : اس باب میں مصنف علیہ الرحمہ نے متعدد روایات ذکر کی ہیں، بعض روایات میں تو غسل لکل صلاۃ مذکور ہی نہیں ہے، اور بعض میں ہے: "فكانت تغتسل لكل صلاة" یعنی وہ اپنے طور پر غسل لکل صلاۃ کرتی تھیں گویا حضور ﷺ نے ان کو اس کا حکم نہیں فرمایا تھا۔

پھر یاد رکھنا چاہئے کہ باب کی اکثر روایات کا مدار زہری پر ہے اور زہری سے روایت کرنے والے متعدد تلامذہ ہیں، چنانچہ حدیث اول میں عمرو بن حارث ہیں، اور دوسری میں یونس ہیں تیسری میں لیث بن سعد اور چوتھی میں ابن ابی ذئب ہیں، اور یہ تمام روایات اسی باب میں مذکور ہیں، ان میں سے غسل لکل صلاۃ مرفوعاً کسی میں بھی مذکور نہیں ہے، اور جمہور علماء بھی مستحاضہ کے لئے غسل لکل صلاۃ کے وجوب کے قائل نہیں ہیں، البتہ باب کی ایک روایت جو محمد بن اسحاق کے طریق سے مروی ہے اس میں غسل لکل صلاۃ مذکور ہے، جمہور نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ استحباب پر محمول ہے یا علاج پر محمول ہے۔

قوله : فكانت تغتسل في مركن : حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو کثرت سے استحاضہ آتا تھا تو وہ علاج کے طور پر یہ کرتی تھیں کہ ایک بڑے برتن میں پانی بھر کر اس میں بیٹھ کر غسل کرتی تھیں، اور چوں کہ استحاضہ جاری تھا اس لئے خون کی رنگت پانی پر غالب آجاتی تھی، لیکن ظاہر یہ ہے کہ پانی چوں کہ ناپاک تھا اس لئے اس کے بعد بدن پر دوسرا پانی ضرور بہا لیتی ہوں گی۔

حضرت ام حبیبہؓ کی یہ روایت "باب إذا أقبلت الحيضة تدع الصلاة" میں تفصیل سے گزر چکی ہے، لیکن اس میں "فكانت تغتسل في مركن" کے الفاظ نہیں تھے، یہاں مصنفؒ نے اغتسال سے غسل لکل صلاۃ کو مراد لے کر اس روایت کو اس باب میں ذکر کر دیا ہے ورنہ حدیث میں صراحۃً غسل لکل صلاۃ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

غسلِ مستحاضہ کا حکم

معلوم ہونا چاہئے کہ مصنفؒ نے یہاں مستحاضہ کے غسل کے بارے میں کئی ابواب قائم کئے ہیں، یہ پہلا باب تو غسل لکل صلاۃ سے متعلق ہے جس کے خود مصنفؒ قائل ہیں، اس کے بعد جمع بین الصلاتین بغسل واحد کا ہے، جس کے بعض حضرات قائل ہیں اور ایک باب غسل واحد کا ہے جس کے قائل حضرات ائمہ اربعہ ہیں، حضرت امام نوویؒ نے شرح

مسلم میں جمہور علماء سلفاً وخلفاً کا یہی مسلک قرار دیا ہے۔

۲۸۹ ﴿حَدَّثَنَا احمـد بنُ صَالِحٍ نَا عَنْبَسَـةُ نا يُـونُسُ عن ابنِ شِهَابٍ قال : أَخْبَرَتْنِي عَمْرَةُ بِنْتُ عَبْدِ الرَّحمن عَنْ أُمِّ حَبِيْبَةَ بِهٰذَا الحديثِ، قالَتْ عَائِشَةُ : فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ لِكُلِّ صَلاَةٍ.﴾

تقدم حديث (۲۸۷).

ترجمه : عمرہ بنت عبدالرحمٰن نے حضرت ام حبیبہؓ سے پہلی حدیث کی طرح روایت کیا ہے، (اس میں یہ ہے کہ) حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ وہ ہر نماز کے لئے غسل کرتی تھیں۔

تشریح مع تحقیق : یہ وہ طریق ہے جس میں غسل لکل صلاۃ کا ذکر ہے، لیکن یہ حضرت ام حبیبہؓ کا اپنا فعل ہے حضور ﷺ کا حکم نہیں ہے، لہٰذا یہ روایت جمہور کے خلاف نہیں ہوگی۔ (المنہل العذب المورود ۳/۹۹)۔

۲۹۰ ﴿حَدَّثَنَا يزيد بنُ خَالِدِ بنِ عَبْدِ اللهِ بنِ مَوْهَبٍ ثَنِي اللَّيْثُ بنُ سَعْدٍ عَنْ ابنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ بِهٰذَا الحديثِ، قالَ فيه : فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ لِكُلِّ صَلاَةٍ.

قال أبو داؤد : رواه القَاسِمُ بنُ مَبْرُوْرٍ عن يُوْنُسَ عن ابن شِهَابٍ عن عَمْرَةَ عن عائشةَ عَنْ أمّ حبيبةَ بِنْتِ جَحْشٍ.

وكذلك روى مَعْمرٌ عن الزهري عن عَمْرَةَ عَنْ عائِشَةَ، ورُبَّمَا قَالَ مَعْمَرٌ عن عَمْرَةَ عن أمّ حبيبةَ بِمَعْنَاهُ.

وكذلك رَوَاهُ إبراهيم بنُ سَعْدٍ وابنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِ عَنْ عَمْرَةَ عن عائشة، وقال ابن عُيَيْنَةَ فِي حديثه : ولم يَقُلْ : إنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم أَمَرَهَا أَنْ تَغْتَسِلَ.

وكذلك رواه الأَوْزَاعِيّ أيضًا، قالت عائشَةُ : فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ لكُلِّ صَلَاةٍ.﴾

تقدم.

ترجمه : عروہ نے اس حدیث کو حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے اس میں ہے کہ ام حبیبہؓ ہر نماز کے لئے غسل کرتی تھیں۔

ابوداؤدؒ نے کہا کہ قاسم بن مبرور نے بواسطۂ یونس عن ابن شہاب عن عمرہ عن عائشہ عن ام حبیبہؓ روایت کیا ہے۔
اسی طرح معمر نے بواسطہ زہری عن عمرہ عن عائشہ نقل کیا ہے البتہ معمر نے کبھی اس کو عن عمرہ عن ام حبیبہ نقل کیا ہے۔
اور اسی طرح ابراہیم بن سعد اور ابن عیینہ نے بواسطۂ زہری عن عمرہ عن عائشہؓ نقل کیا ہے، اور ابن عیینہ نے اپنی

حدیث میں کہا ہے کہ (ابن شہاب زہری نے) یہ نہیں کہا کہ حضور اکرم ﷺ نے ان کو غسل کرنے کا حکم دیا تھا۔
اور اوزاعی نے بھی ایسے ہی روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ام حبیبہؓ ہر نماز کے لئے غسل کرتی تھیں۔

تشریح مع تحقیق : یہ حدیث سابق ہی کا ایک طریق ہے جس میں حضرت ام حبیبہؓ کے غسل لکل صلاۃ کا ذکر ہے، لیکن یہ بھی خود ان کا عمل ہے حضور ﷺ کا حکم نہیں ہے۔

پھر مصنفؒ نے اس روایت پر تفصیلی کلام کیا ہے کہ زہری سے نقل کرنے والے بعض حضرات نے اس روایت کو مسند عائشہؓ قرار دیا ہے، اور بعض نے مسند ام حبیبہؓ قرار دیا ہے، نیز بعض رواۃ نے زہری اور عائشہؓ کے درمیان عروہ کا واسطہ ذکر کیا ہے اور بعض نے عمرہ کا واسطہ۔ (المنہل ۱۰۱/۳)۔

۲۹۱. ﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ إسْحَاقَ الْمُسَيَّبِيُّ ثَنِي أَبِي عَنْ ابنِ أبي ذِئْبٍ عن ابنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ وَعَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عن عائشَةَ قالت : إنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ اسْتُحِيضَتْ سَبْعَ سِنِينَ، فَأَمَرَهَا رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أَنْ تَغْتَسِلَ فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ لِكُلِّ صَلَاةٍ.﴾

أخرجه البخاري في "صحيحه" في الحيض، باب: عرق الاستحاضة (٣٢٧) وأخرجه مسلم في "صحيحه" في الحيض، باب: المستحاضة وغسلها وصلاتها (٦٤) وأخرجه النسائي في "المجتبى" في الطهارة ذكر الاغتسال من الحيض (٢٠٤) وذكر الأقراء (٢١٠) وفي الحيض والاستحاضة ذكر الأقراء (٣٥٥) وأخرجه ابن ماجه في الطهارة وسننها، باب: ماجاء في المستحاضة إذا اختلط عليها الدم فلم تقف على أيام حيضها (٦٢٦). انظر "تحفة الأشراف" (١٦٥١٦/١٧٩٢٢).

ترجمہ : حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت ام حبیبہؓ کو سات سال تک استحاضہ آیا تو حضور اکرم ﷺ نے ان کو غسل کرنے کا حکم دیا، پس وہ ہر نماز کے لئے غسل کیا کرتی تھیں۔

تشریح مع تحقیق : اَلْمُسَيَّبِي : بفتح السين المهمله وتشديد الياء التحتيه المفتوحه، یہ مُسَيَّبُ کی طرف نسبت ہے جو محمد بن اسحاق کے جد رابع ہیں۔

یہ وہ روایت ہے جس میں غسل لکل صلاۃ مرفوعاً مذکور ہے، اور یہ جمہور کے خلاف ہے، اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ محمد بن اسحاق کے علاوہ کسی نے بھی اس کو مرفوعاً نقل نہیں کیا جب کہ یہ متکلم فیہ راوی ہیں، لہٰذا ان کی یہ روایات دیگر راویوں کے مقابلہ میں شاذ ہوگی، دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حکم استحباب پر محمول ہے، یا علاج پر محمول ہے، تیسرا جواب حضرت امام طحاویؒ نے یہ دیا ہے کہ غسل لکل صلاۃ کا حکم منسوخ ہے۔

البتہ ہمارے مصنفؒ کی رائے یہ ہے کہ غسل لکل صلاۃ کی حدیث مرفوعاً ثابت ہے، چنانچہ آگے چل کر اس کی تائید

بھی کریں گے۔

۲۹۲ ﴿حَدَّثَنَا هَنَّادُ بنُ السَّرِيِّ عَنْ عَبْدَةَ عن ابنِ إسْحَاق عن الزُّهْرِي عن عُرْوَةَ عن عائشَةَ قَالَتْ : إنَّ أمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ جَحْشٍ اسْتُحِيْضَتْ فِي عَهْدِ رسول الله صلى الله عليه وسلم فامَرَهَا بالغُسْلِ لكُلِّ صَلاَةٍ، وسَاقَ الحديثَ.

قال أبو داؤدَ : وَرَوَاهُ أبو الوليد الطَّيَالِسِيُّ وَلَمْ أَسْمَعْهُ مِنْهُ عَنْ سُلَيْمَانَ بنِ كَثِيرٍ عن الزُّهْرِي عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عائشَةَ قَالَتْ : اسْتُحِيْضَتْ زَيْنَبُ بِنْتُ جَحْشٍ فقال لَهَا النبي صلى الله عليه وسلم : اغْتَسِلِي لِكُلِّ صَلاَةٍ، وسَاقَ الحديثَ.

قال أبو داؤدَ : وَرَوَاهُ عَبْدُ الصمدِ عَنْ سليمانَ بن كَثِيرٍ قال : تَوَضَّئِي لِكُلِّ صَلاَةٍ.

قال أبو داؤدَ : وهذا وَهَمٌ مِنْ عَبْدِ الصمد، وَالقَوْلُ فيه قولُ أبي الوَلِيْد.﴾

أخرجه البخاري في كتاب الحيض، باب:عرق الاستحاضة. (۳۲۷). انظر "تحفة الأشراف" (۱٦٦۱۹).

ترجمه : حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حضرت ام حبیبہؓ کو استحاضہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہر نماز کے واسطے غسل کرنے کا حکم دیا، اور (محمد بن اسحٰق نے ام حبیبہؓ کی) حدیث کو (مکمل) بیان کیا۔

ابوداؤد نے کہا کہ اس کو ابوالولید طیالسیؒ نے روایت کیا لیکن میں نے ان سے نہیں سنا، سلیمان بن کثیر سے، انہوں نے زہری سے، انہوں نے عروہ سے اور عروہ نے حضرت عائشہؓ سے کہ حضرت زینب بنت جحشؓ کو استحاضہ ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا کہ ہر نماز کے واسطے غسل کرو، اور حدیث کو بیان کیا۔

ابوداؤد نے کہا کہ اس حدیث کو سلیمان بن کثیر سے عبدالصمد نے بھی روایت کیا ہے لیکن اس میں ہے کہ ہر نماز کے واسطے وضوء کرو۔

ابوداؤد نے کہا کہ یہ عبدالصمد کا وہم ہے اور صحیح قول تو ابوالولید کا ہے۔

تشریح مع تحقیق : یہ روایت مصنفؒ نے محمد بن اسحاقؒ کی سند سے پیش کی ہے، جس کی طرف ماقبل میں اشارہ کیا گیا تھا، اس میں غسل لکل صلاۃ کا حکم مرفوعاً ثابت ہے، ماقبل میں اس کا جواب گزر چکا ہے، صاحب منہل لکھتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کی یہ روایت زہریؒ کے دیگر تلامذہ کی روایات کے مخالف ہونے کی وجہ سے غلط ہے۔

قال أبو داؤد : رواه أبو الوليد الطيالسي الخ : مصنفؒ فرمارہے ہیں کہ اس روایت کو ابوالولید طیالسی نے بھی زہری سے بواسطۂ سلیمان بن کثیر سنا ہے، اس میں بھی غسل لکل صلاۃ مرفوعاً ہے۔

مصنفؒ ابوالولید کی اس روایت سے محمد بن اسحاقؒ کی حدیث ہی کو تقویت دینا چاہتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابوالولیدؒ کی اس روایت سے محمد بن اسحاق کی حدیث کو تقویت اور تائید حاصل نہیں ہوتی، اور اس کی دو وجہ ہیں، ایک تو یہ کہ محمد بن اسحاق کی روایت حضرت ام حبیبہؓ کے سلسلے میں ہے اور ابوالولید کی روایت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے سلسلے میں ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ ابوالولید کی روایت منقطع ہے اس لئے کہ مصنفؒ نے اس کو ابوالولید سے براہ راست نہیں سنا جیسا کہ "ولم أسمعه منه" سے منصفؒ نے خود صراحت کردی ہے لہٰذا منقطع روایت سے استدلال کرنا صحیح نہیں، یہی وجہ ہے کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں ابوالولید کی روایت کو بھی غیر محفوظ قرار دیا ہے۔ (المنہل ۱۰۳/۳)۔

قال أبو داؤد : و رواه عبدالصمد عن سليمان الخ : ماقبل میں سلیمانؒ سے نقل کرنے والے ابوالولید تھے اور یہاں عبدالصمد ہیں، جب ابوالولید نے یہ روایت نقل کی تھی تو الفاظ تھے: "اغتسلي لكل صلاة" اور جب عبدالصمد نے سلیمان سے اس کو نقل کیا تو الفاظ ہیں: "تَوَضَّئِ لِكُلِّ صلاةٍ" یعنی عبدالصمد نے بجائے غسل لکل صلاۃ کے وضو لکل صلاۃ کا ذکر کردیا، اب مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عبدالصمد کی روایت میں وہم ہے صحیح ابوالولید کی روایت ہے جس میں غسل لکل صلاۃ ہے۔

لیکن میں کہتا ہوں کہ ابوالولید کی روایت بھی غیر محفوظ ہے جیسا کہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے نقل کیا جاچکا ہے۔

۲۹۳ ﴿حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰه بنُ عَمْرِو بنِ أبي الْحَجَّاجِ أبو مَعْمَرٍ نا عَبْدُ الوارِثِ عن الْحُسَيْنِ عن يحيٰى بنِ أبِي كَثِيرٍ عن أبي سَلَمَةَ قال : حَدَّثَنِي زَيْنَبُ بِنتُ أبي سَلَمَةَ أنَّ امرأةً كَانَتْ تُهْرَاقُ الدَّمَ و كَانَتْ تَحْتَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بنِ عَوْفٍ أنَّ رسولَ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أَمَرَهَا أَنْ تَغْتَسِلَ لِكُلِّ صَلَاةٍ وتُصَلِّي.

و أَخبَرَنِي أَنَّ أُمَّ بَكْرٍ أَخْبَرَتْهُ أنّ عَائِشَةَ قَالَتْ : إنَّ رسولَ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال فِي الْمَرْأَةِ تَرَى مَا يُرِيبُهَا بَعْدَ الطُّهْرِ : "إِنَّمَا هِيَ - أو قَالَ : إنَّمَا هُوَ - عِرْقٌ، أو قَال : عُرُوْقٌ.

قال أبودَاؤدَ : في حَدِيثِ ابنِ عَقِيلٍ الأَمْرَانِ جَمِيعًا، قَال : إنْ قِويتِ فاغْتَسِلِي لِكُلِّ صَلَاةٍ و إلّا فَاجْمَعِي كما قَالَ القَاسِمُ في حديثه.

وقَدْ رُوِيَ هٰذَا القولُ عن سَعِيْدِ بنِ جُبَيْرٍ عن عَلِيٍّ وابنِ عَبَّاسٍ.﴾

- تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (١٥٨٨٦).

ترجمه : حضرت زینب بنت ابی سلمہؓ سے روایت ہے کہتی ہیں کہ ایک عورت جو کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے

نکاح میں تھیں، کا خون بہا کرتا تھا، تو حضور ﷺ نے ان کو ہر نماز کے لئے غسل کرنے اور غسل کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا۔

یحییٰ بن ابی کثیر نے کہا کہ مجھے ابوسلمہ نے اور ان کو ام بکر نے خبر دی کہ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ حضور ﷺ نے اس عورت کو جو طہر کے بعد شک میں پڑے، فرمایا کہ وہ ایک رگ ہے یا رگیں ہیں۔

ابوداؤدؒ کہتے ہیں کہ وہ دو امر جن کا رسول اللہ ﷺ نے اختیار دیا تھا، ابن عقیل کی روایت میں یہ ہیں: کہ اگر ہو سکے تو ہر نماز کے لئے غسل کرے نہیں تو جمع کر لے، جیسا کہ قاسم نے اپنی حدیث میں ذکر کیا ہے۔

اور یہ قول سعید بن جبیر سے مروی ہے، انہوں نے حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

تشریح مع تحقیق : حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کو لانے کا مقصد بھی محمد بن اسحاق کی روایت کو تقویت دینا ہے، کہ جس طرح محمد بن اسحاق کی روایت میں غسل لکل صلاۃ کا حکم مذکور ہے اسی طرح اس حدیث میں بھی ہے۔

امام طحاویؒ نے تو اس حدیث کو منسوخ قرار دیا ہے، اور صاحب منہل نے لکھا ہے کہ یہ استحباب پر محمول ہے۔ (المنہل ۳/۱۰۷)۔

قوله : وأخبرني أنّ أم بكر الخ : یہ معلق روایت ہے ابن ماجہؒ نے اس کو موصولاً نقل کیا ہے، پس مصنفؒ کا قول "وأخبرني أن أم بكر" یہ عطف ہے سند سابق میں "عَنْ أبي سَلَمَةَ" پر، تقدیری عبارت یہ ہے: "قَالَ يَحْيٰى بنُ أبي كَثِيرٍ : أخبرني أبو سَلَمَةَ أنَّ أُمَّ بَكْرٍ أَخْبَرَتْهُ الخ"۔

قوله : ما يُرِيبُهَا : بفتح الياء وضمها ، رَابَنِي الشيءُ و أَرَابَنِيْ : تشویش میں ڈالنا، پریشان کرنا، اور "بعد الطهر" سے مراد غسل حیض کے بعد کا زمانہ ہے یا ایام حیض کے گزر جانے کے بعد کا زمانہ ہے کہ مدت حیض پورا ہونے کے بعد بھی خون جاری رہتا ہے جس سے عورت کو تشویش اور بے چینی ہوتی ہے، ایسی عورت کو حضور ﷺ نے تسلی دینے کے لئے ارشاد فرمایا کہ یہ حیض کا خون نہیں ہے، بلکہ یہ ایک رگ کا خون ہے جس کی وجہ سے نماز وغیرہ کو ترک نہیں کیا جائے گا۔

اس تعلیق کو لانے کی غرض غالباً اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ سابقہ روایات میں "أمر الغسل لكل صلاة" مذکور ہے وہ دم استحاضہ میں تخفیف کے لئے ہے یعنی بطور علاج کے ہے۔

قال أبو داؤد : وفي حديث ابن عقيل الأمران جميعًا الخ : مطلب اس قال أبوداؤد کا یہ ہے کہ محمد بن اسحاق وغیرہ کی روایات میں غسل لکل صلاۃ مذکور ہے جمع بین الصلاتین بغسل نہیں ہے، جب کہ ابن عقیل کی روایت میں دونوں امر مذکور ہیں۔

لیکن سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ ابن عقیل کی روایت سے مراد یہاں کون سی روایت ہے؟ شراح کا خیال ہے کہ اس سے مراد وہی حدیث حمنہ رضی اللہ عنہا ہے جس میں "سآمرك بأمرين" مذکور ہے، لیکن اس میں بھی اشکال ہے، کیوں

کہ حدیث حمنہ میں تو صرف جمع بین الصلاتین مذکور ہے غسل لکل صلاۃ مذکور نہیں؟

صاحب منہل نے اس کا جواب یہ لکھا ہے کہ ابن عقیل سے قاسم بن مبرور نے کئی روایت نقل کی ہے جس میں دونوں چیزوں کا حکم ہے، حاشیہ بذل میں بھی اسی طرح کی بات نقل کی ہے۔ (بذل ا/۱۷۷، منہل ۳/۱۰۸)۔

قوله : وقد رُوِيَ هٰذَا القولُ عن سعيد بنِ جبير الخ : مصنفؒ کی غرض اس اثر کو نقل کی یہ ہے کہ مستحاضہ کے لئے غسل لکل صلاۃ کا حکم ہے، خواہ وجوبا ہو یا استحباب کے طور پر ہو، حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے یہ اثر طحاوی شریف میں موجود ہیں۔

﴿بابُ مَنْ قَال : تَجْمَعُ بَيْنَ الصلاتين وَتغْتَسِلُ لهما غُسْلًا﴾

قائلین جمع بین الصلاتین بغسل واحد کا بیان

۲۹۴ ﴿حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بنُ مُعَاذٍ ثَني أبي نا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الرَّحمنِ بنِ القاسم عن أبيه عن عائشةَ قَالَتْ : اسْتُحِيْضَتِ امرأةٌ عَلٰى عَهْدِ رَسولِ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فَأُمِرَتْ أن تُعَجِّلَ الْعَصْرَ، وَتُؤَخِّرَ الظُّهْرَ وَتغْتَسِلَ لَهُمَا غُسْلًا ، و أَنْ تُؤَخِّرَ الْمَغرِبَ وتُعَجِّلَ الْعِشَاءَ وَتَغتَسِلَ لَهُمَا غُسْلًا ، وتَغْتَسِلَ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ غُسْلًا ، فَقُلْتُ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ : عَن النبيِّ ﷺ ؟ فقال : لَا أُحَدِّثُكَ عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم بِشيءٍ.﴾

أخرجه النسائي في "المجتبى" في الطهارة، ذكر اغتسال المستحاضة، (٢١٣). وفي الحيض والاستحاضة جمع المستحاضة بين الصلاتين وغسلها إذا جمعت (٣٥٨). انظر "تحفة الأشراف" (١٧٤٩٥).

ترجمہ : حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک عورت کو استحاضہ ہوا رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں، تو اس کو یہ حکم ہوا کہ عصر کی نماز جلدی پڑھے اور ظہر کی نماز میں دیر کرے، اور دونوں نمازوں کے لئے ایک غسل کرے، اور مغرب میں دیر کرے، عشاء میں جلدی کرے، اور دونوں کے لئے ایک غسل کرے، اور صبح کی نماز کے لئے ایک غسل کرے۔

شعبہ نے کہا کہ میں نے عبدالرحمٰن بن قاسم سے کہا کہ کیا یہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے نقل نہیں کرتا۔

تشریح مع تحقیق : حضور اکرم ﷺ نے جب اس عورت کی صورت حال کو دیکھا کہ غسل لکل صلاۃ اس کے لئے بہت زیادہ مشکل اور دشوار ہے تو اس کو جمع بین الصلاتین بغسل واحد کی اجازت دے دی، ہمارے نزدیک یہ

رخصت بھی استحبابی ہے، جیسا کہ تفصیل سے مسئلہ گزر چکا ہے۔

جمع بین الصلاتین کے سلسلے میں ایک ضروری بحث یاد رکھنی چاہئے وہ یہ کہ حنفیہ پر اعتراض ہوتا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک جمع بین الصلاتین محض صورۃً ہوگی، لہٰذا غسل لازماً وقت ظہر میں کیا جائے گا اس کے بعد جب وقت عصر شروع ہوگا تو حنفیہ کے اصول کے مطابق خروج وقت سے وضوء ٹوٹ جائے گا، اس لئے کہ مستحاضہ معذور ہے اور معذور کی طہارت خروج وقت سے زائل ہو جاتی ہے۔

شراح نے اس اعتراض کے مختلف جوابات دیئے ہیں:

۱- اسی باب کی آخری حدیث میں "وتوضأ بين ذلك" کے الفاظ ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ ظہر کے آخری وقت میں غسل کر کے ظہر پڑھے، پھر جب عصر کا وقت داخل ہو تو وضوء کر کے عصر کی نماز پڑھ لے، اسی طرح آخری وقت مغرب میں غسل کر کے مغرب کی نماز پڑھ لے پھر دخول وقت عشاء کے بعد وضوء کر کے عشاء کی نماز پڑھ لے، اس تشریح سے یہ واضح ہو گیا کہ مستحاضہ کے لئے دونوں نمازوں کے درمیان وضوء کرنا واجب ہے۔

۲- شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لمعات میں یہ جواب تحریر فرمایا ہے کہ معذورین کا حکم تو یہی ہے کہ خروج وقت سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے لیکن مستحاضہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔

۳- علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی رائے یہاں بالکل مختلف اور جداگانہ ہے حضرت فرماتے ہیں کہ یہاں جمع صوری مراد ہی نہیں بلکہ جمع حقیقی مراد ہے، جیسا کہ دوسرے ائمہ کہتے ہیں اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ زوال سے لے کر مثل اول تک خالص ظہر کا وقت ہے، اور مثل ثانی سے غروب تک خالص عصر کا وقت ہے، اور مثل ثانی اور مثل اول کے درمیان کا وقت معذورین کا ہے، اسی طرح آخر وقت مغرب اور اول وقت عشاء کے درمیان کا وقت معذورین کے لئے ہے، لہٰذا مستحاضہ مثل ثانی پر غسل کر کے جمع بین الصلاتین کر لے، اسی طرح مغرب میں شفق احمر کے غروب کے بعد اور شفق ابیض کے غروب سے پہلے غسل کر کے جمع کر لے، کسی وضوء جدید کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ یہاں نہ تو کوئی وقت خارج ہوا اور نہ ہی داخل ہو، آپ ﷺ نے اسی وقت مشترک میں جمع بین الصلاتین کا حکم دیا ہے، جس سے ہر نماز اپنے وقت میں ادا ہوئی۔ (درس ترمذی ۱/۱۷۰، الدرار ۱۷/۴۰)۔

قوله : فَقُلْتُ لِعَبْدِ الرحمن الخ : شعبہ نے اپنے استاذ عبدالرحمٰن سے جب اس روایت کو سنا تو پوچھا کہ کیا جمع بین الصلاتین کا حکم اس عورت کو حضور ﷺ نے دیا تھا؟ اور شعبہ کے سوال کی وجہ یہ تھی کہ روایت میں "فَأُمِرَتْ" کے الفاظ تھے اس میں اس کی صراحت نہیں تھی کہ عورت کو حکم دینے والا کون تھا، اس پر عبدالرحمٰن نے شعبہ کو یہ جواب دیا "لا أحدثك عن النبي صلى الله عليه وسلم بشيءٍ" یہاں پر کتاب میں نسخے مختلف ہیں، مشہور نسخہ تو یہی ہے اور بعض نسخوں میں

عبارت اس طرح ہے: "لا أحدثك بشئ إلا عن النبي صلى الله عليه وسلم".

پہلی صورت میں عبارت کے دو مطلب ہیں، ایک یہ کہ میں اس امر کی نسبت صراحۃً حضور اکرم ﷺ کی طرف نہیں کر سکتا مجھے تو یہ روایت اسی طرح بغیر تصریح نسبت کے پہنچی ہے، اپنی طرف سے صراحۃً حضور ﷺ کی طرف نسبت نہیں کرتا، اور دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ یہاں استفہام انکاری مقدر ہے، اور مطلب یہ ہے کہ میں کیا تم سے حضور ﷺ کی کوئی حدیث نہیں بیان کرتا ہوں یعنی یہ بھی حضور ﷺ ہی کی طرف سے ہے، جب استفہام انکاری مقدر مان لیا گیا تو نفی نفی مل کر اثبات ہو گیا۔

دوسری صورت میں مطلب یہ ہے کہ میں تم سے حدیث نہیں بیان کر رہا ہوں مگر حضور اکرم ﷺ ہی کی، لیکن یہ معنی بے جوڑ معلوم ہوتے ہیں، کیوں کہ عبارت کے اخیر میں "بشئ" بھی ہے إلّا کی صورت میں یہ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ (بذل ۱۷۷/۱، المنہل ۱۱۰/۳)۔

۲۹۵ ﴿حَدَّثَنَا عَبْدُ العزيز بنُ يَحْيَى نا محمد بنُ سَلَمَةَ عن محمد بنِ إسحاقَ عن عبدِالرحمن بنِ القاسِمِ عَنْ أَبِيْهِ عن عَائِشَةَ أَنَّ سَهْلَةَ بِنْتَ سُهَيْلٍ اسْتُحِيْضَتْ، فَأَتَتِ النبيَّ صلى الله عليه وسلم فَأَمَرَهَا أَنْ تَغْتَسِلَ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ، فَلَمَّا جَهَدَهَا ذلك أَمَرَهَا أَنْ تَجْمَعَ بين الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ بِغُسْلٍ، والْمَغْرِبِ والعِشَاءِ بِغُسْلٍ وَتَغْتَسِلَ للصُّبْحِ.

قال أبو داؤد: و رَوَاهُ ابنُ عُيَيْنَةَ عن عَبْدِالرحمن بنِ القاسِمِ عن أبيه أنَّ امرأةً اسْتُحِيْضَتْ، فَسَأَلَتْ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم فَأَمَرَهَا بِمَعْنَاهُ.﴾

تفرد به أبوداؤد. انظر "تحفة الأشراف" (١٧٥٢٢).

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سہلہ بنت سہیل کو استحاضہ آیا تو وہ نبی اکرم ﷺ کے پاس آئیں، آپ ﷺ نے انہیں ہر نماز کے وقت غسل کرنے کا حکم دیا، جب ان پر یہ شاق گزرا تو آپ ﷺ نے انہیں ایک غسل سے ظہر و عصر کی نمازیں جمع کرنے کا، دوسرے سے مغرب و عشاء کی نماز جمع کرنے کا اور تیسرے غسل سے فجر کی نماز پڑھنے کا حکم دیا۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ ابن عیینہ نے اس حدیث کو عبدالرحمٰن بن قاسم سے بواسطۂ قاسم اس طرح ذکر کیا کہ ایک عورت کو استحاضہ آیا تو اس نے رسول اللہ ﷺ سے معلوم کیا، آپ ﷺ نے اس کو وہی حکم دیا جو پہلی حدیث میں گزرا ہے۔

تشریح مع تحقیق: اس روایت کو امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں نقل کیا ہے، اور اس پر کلام کیا ہے، امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو نقل کرنے سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ حدیث پہلی روایت ہی کا طریق ثانی ہے، فرق یہ ہے کہ پہلے طریق میں امر بالاغتسال کی نسبت صراحۃً حضور اکرم ﷺ کی طرف نہیں تھی اور اس طریق میں صراحۃً

حضور ﷺ کی طرف ہے، پہلے طریق میں عبدالرحمٰن بن قاسم سے نقل کرنے والے شعبہ تھے اور اس دوسرے طریق میں محمد بن اسحاق ہیں۔

اب امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر یہ کلام کیا ہے کہ محمد بن اسحاق اس حدیث کو مسنداً نقل کرنے میں منفرد ہیں، حضور ﷺ کی طرف امر بالاغتسال کی نسبت صراحۃً صحیح نہیں ہے، جیسا کہ ماقبل میں عبدالرحمٰن بن قاسم کے کلام سے بھی معلوم ہوا ہے۔

لیکن صاحب منہل ؒ نے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کلام پر رد کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ عبدالرحمٰن بن قاسم کا کلام اس حدیث کے مرفوع ہونے کے منافی نہیں ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ شعبہ نے اس روایت کو دلالۃً مرفوع نقل کیا ہے اور محمد بن اسحاق نے صراحۃً مرفوع نقل کر دیا ہے، لہٰذا امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کا اس روایت کو موقوف قرار دینا مناسب نہیں۔

قال أبو داؤد : ورواه بن عيينة عن عبدالرحمن بن القاسم الخ : مطلب یہ ہے کہ جس طرح عبدالرحمٰن سے محمد بن اسحاق نے اس حدیث کو مرفوعاً صریحی کے طور پر نقل کیا ہے اسی طرح سفیان بن عیینہ نے بھی نقل کیا ہے، لیکن ابن عیینہ کی یہ روایت مقطوع بھی ہے اور معلق بھی ہے، مقطوع تو اس لئے ہے کہ تابعی قاسم نے اس کو حضور ﷺ کی طرف منسوب کیا ہے درمیان سے صحابی کا واسطہ حذف کر دیا، اور معلق اس لئے ہے کہ مصنف ؒ اور ابن عیینہ کے درمیان بھی واسطہ چھوٹا ہوا ہے۔ (المنہل العذب المورود ج:۳، ص:۱۱۱)۔

۲۹۶ ﴿حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ بَقِيَّةَ أَنَا خَالِدٌ عَنْ سُهَيْلٍ يَعْنِي ابنَ أبي صَالِحٍ عن الزُّهْرِيِّ عن عُرْوَةَ بنِ الزُّبَيْرِ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيسٍ قالت : قلتُ : يا رسولَ الله ! إنَّ فاطمةَ بِنْتَ أبي حُبَيْشٍ اسْتُحِيضَتْ مُنْذُ كَذَا وكَذَا فَلَمْ تُصَلِّ ، فقَالَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم : سُبْحَانَ اللّٰه ! هٰذَا مِنَ الشَّيْطَانِ لِتَجْلِسْ فِي مِرْكَنٍ ، فإذَا رَأَتْ صُفْرَةً فَوْقَ الْمَآءِ فَلْتَغْتَسِلْ لِلظُّهْرِ والْعَصْرِ غُسْلًا وَاحِدًا ، و تَغْتَسِلْ لِلْمَغْرِبِ والْعِشَاءِ غُسْلاً وَاحِدًا ، و تَغْتَسِلْ لِلْفَجْرِ غُسْلًا وَاحِدًا ، وَتَوَضَّأُ فِيمَا بَيْنَ ذٰلِكَ.

قال أَبُو دَاوُدَ : و رَوَاهُ مُجَاهِدٌ عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ لَمَّا اشْتَدَّ عَلَيْهَا الْغُسْلُ أَمَرَهَا أَنْ تَجْمَعَ بَيْنَ الصَّلاَتَيْنِ.

قال أبوداؤدَ : و رَوَاهُ إبراهيمُ عن ابنِ عباسٍ وهُوَ قولُ إبراهيمَ النَّخعِيِّ وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ شَدَّادٍ.﴾

تفرد به أبوداود. انظر "تحفة الأشراف" (١٥٧٦١).

ترجمہ : حضرت اسماء بنت عمیسؓ کہتی ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے کہا کہ یا رسول اللہ! فاطمہ بنت ابی حبیشؓ اتنی اتنی مدت سے استحاضہ ہوگیا ہے، اس نے نماز نہیں پڑھی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سبحان اللہ! یہ تو شیطان کی شرارت ہے، اس کو چاہیئے کہ ایک لگن میں بیٹھ جائے، جب پانی پر زردی دیکھے تو ظہر اور عصر کے لئے ایک غسل کرے، اور مغرب اور عشاء کے لئے ایک غسل کرے، اور فجر کے لئے ایک غسل کرے، اس کے درمیان میں وضوء کرتی رہے۔

ابوداود نے کہا کہ اس حدیث کو مجاہدؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا (اس میں ہے) کہ جب اس پر غسل دشوار ہوا تو آپ ﷺ نے جمع کا حکم دیا۔

ابوداودؒ نے کہا کہ ابراہیمؒ نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کو روایت کیا ہے، اور یہی قول ہے ابراہیم نخعی اور عبداللہ بن شداد رحمہما اللہ کا۔

تشریح مع تحقیق : منذ کذا و کذا : یہ کنایہ ہے عدد سے، صاحب منہل اور صاحب بذل نے اس کی تعیین "سَبعَ سِنین" سے کی ہے، جب کہ ملاعلی القاریؒ نے اس کی تفسیر "بشهر" سے کی ہے، بظاہر ملاعلی القاریؒ کی بات ہی قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کیونکہ طحاویؒ کی ایک روایت میں ہے فاطمہ کہتی ہیں کہ: أحيض الشهر والشهرين" کہ مجھے دو دو مہینہ تک استحاضہ آتا رہتا ہے، اور "سبع سنين" والی روایت تو ام حبیبہؓ کے بارے میں ہے نہ کہ حضرت فاطمہ بنت ابی حبیشؓ کے بارے میں۔

فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا نے جب یہ سمجھا کہ استحاضہ مانع صلاۃ ہے اور اس کی وجہ سے انہوں نے نماز ترک کردی تو حضور ﷺ نے بطور تعجب یہ فرمایا کہ یہ تو شیطان کے اثر سے ہے کہ شیطان نے یہ وسوسہ پیدا کردیا کہ استحاضہ مانع صلاۃ ہے، یا استحاضہ ہی شیطان کے اثر اور اس کے ایڑ مارنے کی وجہ سے ہے۔

پھر آپ ﷺ نے بطور علاج کے فرمایا کہ اس کو چاہیئے کہ کسی طشت میں پانی بھر کر اس میں بیٹھ جائے تا کہ برودت سے اندر کی حرارت میں کمی ہو اور خون کم ہوجائے، جب اس میں بیٹھے بیٹھے زیادہ دیر ہوجائے یہاں تک کہ پانی کی رنگت بدل جائے تو چوں کہ اب طبیعت کو اس میں بیٹھنے سے کراہت ہوگی اور ویسے بھی پانی ناپاک ہوچکا ہے لہٰذا اس کو چاہیئے کہ اس برتن میں سے ہٹ کر نجاست دم کو زائل کرنے کے لئے پاک پانی سے غسل کر کے ظہر وعصر کی نماز پڑھ لے۔

صاب منہلؒ نے اس کو معرفۃ لون پر محمول کیا ہے کہ برتن میں بیٹھنے سے جب تک پانی پر حیض کا رنگ دکھائی دیتا رہے اس وقت تک تو نمازیں شروع نہ کرے کہ ابھی زمانہ حیض ہے، اور جب اس لون میں تغیر آجائے اور بجائے سرخی کے زردی پیدا ہوجائے جو کہ لون استحاضہ ہے تو اس روز سے غسل کر کے نمازیں شروع کردے۔

اس جملے کے تیسرے معنی ملاعلی القاریؒ نے مرقاۃ میں لکھے ہیں کہ اس سے مقصود معرفت وقت ہے، اور صفرہ سے مراد

صفرۂ شمس ہے نہ کہ صفرۂ دم، اور مطلب یہ ہے کہ ظہر کا وقت جب اخیر ہونے کو آتا ہے تو آفتاب پر قدرے زردی آجاتی ہے بلکہ دھوپ میں تغیر تو زوال کے بعد ہی ہونا شروع ہو جاتا ہے، لہٰذا پانی کے اوپر وہ زردی بہت آسانی کے ساتھ معلوم ہو جاتی ہے، یہی زردی بڑھتی رہتی ہے اور غروب آفتاب کے وقت پوری ہو جاتی ہے اور وہی وقت مکروہ ہوتا ہے، پس ظہر کے آخری حصہ میں دھوپ کے جس تغیر کو زردی سے تعبیر کیا گیا ہے یہ وہ زردی نہیں جو عصر کے بعد غروب آفتاب کے قریب آتی ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۴۶)۔

قوله : وتوضأ فيما بين ذلك الخ : اس جملے کے معنی میں بھی اختلاف ہے، حنفیہ تو اس کے معنی وہی بیان کرتے ہیں جس کو ہم حدیث اول کے تحت بیان کر چکے ہیں کہ جب مستحاضہ ظہر کے لئے غسل کرے گی تو عصر کے لئے وضوء کرے گی اور جب مغرب کے لئے غسل کرے گی تو عشاء کے لئے وضوء کرے گی کیونکہ خروج وقت سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔

جب کہ مالکیہ اس حدیث کے یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ استحاضہ کی وجہ سے ظہر اور عصر کے لئے ایک غسل کافی ہو گیا، اس سے ان دونوں نمازوں کو ادا کرے گی، لیکن ان اوقات کے درمیان اگر استحاضہ کے علاوہ کوئی اور حدث پایا جائے تو اس کے لئے وضوء کرنا ہوگا، کیوں کہ مالکیہ کے یہاں استحاضہ ناقض وضوء ہے ہی نہیں۔

جب کہ شوافع اپنے مسلک کے مطابق اس کے یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اگر غسل تو ظہر اور عصر کے لئے کافی ہو گیا اب اگر مستحاضہ کو اس دوران کوئی اور فرض قضاء نماز پڑھنی ہو تو اس کے لئے وضوء کرے، اس لئے کہ شوافع کے یہاں معذور کے حق میں وضوء لکل صلاۃ واجب ہے۔

قال أبو داؤد : رواه مجاهد عن ابن عبّاسٍ الخ : یعنی فاطمہ کے استحاضہ کے قصہ کو مجاہد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے، اور اس میں یہ بھی صراحت ہے کہ ان کو حضور ﷺ نے جمع بین الصلاتین بغسل واحد سہولت کے پیش نظر دیا تھا، رخصت دیئے جانے کی یہ حکمت دوسری روایات میں نہیں ہے۔

قال أبو داؤد : ورواه إبراهيم عن ابن عبّاسٍ الخ : یہ سابقہ روایت کی تائید ہے، نیز ابراہیم نخعی اور عبداللہ بن شدادؒ کے فتوے کو نقل کرنا بھی بطور تائید ہی ہے۔ (المنہل ۳/۱۱۳)۔

❁ ❁ ❁

﴿باب مَنْ قال تغتسل مِن طُهْرٍ إلى طُهْرٍ﴾

ان حضرات کا بیان جو پاک ہونے سے پاک ہونے تک ایک ہی غسل کے قائل ہیں

۲۹۷ ﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ جَعْفَرِ بنِ زِيَادٍ قالَ : أنَا ح و نَا عثمانُ بنُ أبي شَيْبَةَ قال : نَا شَرِيكٌ عَنْ أبي الْيَقْظَانِ عَنْ عَدِيِّ بنِ ثَابِتٍ عَنْ أبيه عن جَدِّهِ عن النبي ﷺ فِي الْمُسْتَحَاضَةِ تَدَعُ الصلاةَ أَيَّامَ أَقْرَائِهَا ثُمَّ تَغْتَسِلُ و تُصَلِّي وَ الْوُضُوءُ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ.
قال أبُو دَاوُدَ : زَادَ عُثْمَانُ "وَتَصُوْمُ وتُصَلِّي".﴾

أخرجه الترمذي في كتاب الطهارة، باب: ماجاء أن المستحاضة تتوضأ لكل صلاة (١٢٦) وابن ماجه في الطهارة، باب: ماجاء في المستحاضة التي قدعدت أيام أقرائها (٦٢٥). انظر "تحفة الأشراف" (١٥٧٦٠).

ترجمہ : عدی بن ثابت سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے والد سے سنا اور انھوں نے اپنے دادا سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے مستحاضہ کے حق میں فرمایا کہ ایام حیض میں نماز چھوڑ دے پھر غسل کرے اور نماز پڑھے اور وضور کیا کرے ہر نماز کے واسطے۔

ابوداؤد نے کہا کہ عثمان نے (اپنی روایت میں یہ) زیادتی کی کہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے۔

تشریح مع تحقیق : ترجمۃ الباب کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی غسل جو ابتدار میں طہر میں کیا گیا تھا وہ انتہار طہر تک کافی ہے، تعدد غسل ضروری نہیں ہے، باب کی یہ پہلی حدیث ہے اس میں غسل مرۃً مذکور ہے لیکن یہ حدیث ضعیف ہے، اس لئے کہ اس میں ابوالیقظان راوی متکلم فیہ ہیں۔

قولہ : "والوضوء عند كل صلاة" مطلب یہ ہے کہ جب مدت حیض گزر جائے تو ایک مرتبہ غسل کر لے پھر نماز کے لئے وضور کرتی رہے ہر نماز کے لئے غسل کرنا ضروری نہیں ہے، جمہور علمار اسی کے قائل ہیں، اگرچہ اس سلسلے میں کوئی صحیح روایت نہیں ہے بلکہ تمام روایات میں کلام ہے جیسا کہ خود مصنفؒ باب کی احادیث پر کلام کریں گے، لیکن اس کے برخلاف تعدد غسل کی روایت بھی صراحۃً مرفوعاً ثابت نہیں۔

امام نوویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ جمہور علمار سلفاً وخلفاً اور ائمہ اربعہ کے نزدیک مستحاضہ پر صرف مدت حیض گزر جانے پر ایک مرتبہ غسل فرض ہے۔ (الدر المنضود ۱/۴۱۰)۔

قال أبوداؤد : "زاد عثمان وتصوم وتصلي" : مطلب یہ ہے کہ مصنفؒ کے دو استاذ ہیں ایک محمد بن جعفر

دوسرے عثمان بن ابی شیبہ، شروع میں جو الفاظ تھے وہ تو محمد بن جعفر کے تھے، اور عثمان نے جب یہ روایت نقل کی تو "تصلي" سے پہلے "تصوم" کا اضافہ اور کردیا۔

صاحب مرقاۃ نے اس جگہ ایک نکتہ یہ لکھا ہے کہ صوم کی تقدیم صلاۃ پر اس بات کی طرف مشیر ہے کہ روزہ اس باب میں زیادہ اہم ہے، یہی وجہ ہے کہ حالت حیض کی نمازوں کی قضاء نہیں کی جاتی، جب کہ روزہ کی قضاء ہوتی ہے۔ (المنہل ۱۱۴/۳)۔

۲۹۸ ﴿حَدَّثَنَا عثمان بْنُ أبِي شَيْبَةَ نا وَكِيعٌ عن الْأَعْمَشِ عن حَبِيْبِ بنِ أبي ثَابِتٍ عن عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ : جَاءَتْ فَاطِمَةُ بنتُ أبي حُبَيْشٍ إلى النبي صلى الله عليه وسلم فَذَكَرَ خبرَهَا، وقال: ثُمَّ اغْتَسِلِي ثُمَّ تَوَضَّئِي لِكُلِّ صَلَاةٍ وصَلِّي.﴾

أخرجه ابن ماجه في الطهارة، باب: ماجاء في المستحاضة التي قد عدت أيام أقرائها (٦٢٤). انظر "تحفة الأشراف" (١٧٣٧٢).

ترجمه : حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ فاطمہ بنت ابی حبیش نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آئیں اور آپ ﷺ سے اپنا واقعہ بیان کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر غسل کر پھر ہر نماز کے لئے وضوء کر کے نماز پڑھ لے۔

تشریح مع تحقیق : یہ وہی روایت ہے جس کا حوالہ مصنفؒ نے "باب الوضوء من القبلة" میں دیا تھا، اور وہاں مصنفؒ نے یحییٰ بن سعیدؒ کا یہ مقولہ نقل کیا تھا کہ یہ حدیث "شبه لا شيء" ہے، اس کی وجہ بھی وہاں بیان کی جا چکی ہے کہ اس میں عروہ المزنی ہیں جو بالاتفاق مجہول ہیں، لیکن صاحب بذل نے یہاں پر ان کو عروہ بن زبیر قرار دیا ہے جو بالاتفاق ثقہ ہیں۔

فقہ الحدیث

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مستحاضہ عورت کے جب ایام حیض گزر جائیں تو وہ ہر نماز کے لئے وضوء کیا کرے گی، غسل تو صرف ایک مرتبہ کافی ہے۔

۲۹۹ ﴿حَدَّثَنَا أحمد بنُ سِنَانٍ الْقَطَّانُ ثَنَا يَزِيْدُ عَنْ أيّوبَ بنِ أبي مِسْكِيْنٍ عن الْحَجَّاجِ عَنْ أمِّ كُلْثُومٍ عَنْ عائشةَ فِي الْمُسْتَحَاضَةِ تَغْتَسِلُ، تَعْنِي مَرَّةً وَاحِدَةً، ثُمَّ توَضَّأُ إلى أَيَّامِ أقْرَائِهَا.﴾

تفرد به أبوداود. انظر "تحفة الأشراف" (١٧٩٥٨).

ترجمه : حضرت عائشہؓ سے مستحاضہ کے بارے میں روایت ہے کہ وہ ایک مرتبہ غسل کرے، پھر اپنے حیض کے ایام تک وضوء کرتی رہے۔

تشریح مع تحقیق : حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث موقوفاً ہے، جب کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ

نے اپنی سنن میں اس کی تخریج مرفوعاً کی ہے، باب کی اگلی روایت بھی حضرت عائشہؓ کی ہی ہے البتہ اس کی راویہ امرأۃ مسروق ہیں، مصنفؒ اگلی روایت کو نقل کرنے کے بعد باب کی تمام روایات پر کلام فرمائیں گے، اور مصنفؒ کا یہ کلام انتہائی دقیق اور اہم ہوگا۔

مفاد اس روایت کا واضح ہے کہ مستحاضہ عورت ایام حیض گزر جانے کے بعد صرف ایک مرتبہ غسل کرے گی پھر ہر نماز کے لئے وضو کرتی رہے گی۔

۳۰۰ ﴿حَدَّثَنَا أحمد بنُ سِنَانٍ الوَاسِطِيُّ ثَنَا يَزِيدُ عَنْ أَيُّوْبَ أبي الْعَلَاءِ عَنْ ابنِ شُبْرُمَةَ عَنْ امْرَأةِ مَسْرُوْقٍ عَنْ عائشةَ عنِ النبي صلى الله عليه وسلم مثلَه.

قال أبو داؤد : وحديثُ عَدِيِّ بنِ ثابتٍ هٰذَا ، وَالْأَعْمَشِ عن حَبِيْبٍ ، وَأَيُّوْبَ أبي العَلَاءِ ، كُلُّهَا ضَعِيفَةٌ لَا تَصِحُّ.

و دَلَّ عَلٰى ضَعْفِ حديثِ الأعمشِ عن حَبِيْبٍ هٰذَا الحديثُ ، أَوْقَفَهُ حَفْصُ بنُ غِيَاثٍ عَنِ الأَعْمَشِ ، وأنكرَ حَفْص بنُ غياثٍ أن يَكُوْنَ حديثُ حَبِيْبٍ مَرْفُوْعًا ، وأوقَفَهُ أَيْضًا أَسْبَاطٌ عَنِ الأعْمَشِ موقوفًا على عائشةَؓ.

قال أبوداؤد : و رَوَاهُ ابنُ دَاؤد: عن الأعمش مَرْفُوعًا أَوَّلُهُ ، وأَنْكَرَ أن يكونَ فِيه الْوُضُوْءُ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ ، ودَلَّ على ضَعْفِ حَدِيْثِ حبيبٍ هٰذَا أنَّ رِوَايَةَ الزُّهْرِي عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ : فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ لِكُلِّ صَلَاةٍ في حديثِ الْمُسْتَحَاضَةِ.

و رَوَى أبو الْيَقْظَانِ عن عَدِيِّ بنِ ثَابِتٍ عَنْ أبيه عَنْ عَلِيٍّ ، وعَمَّارٌ مَوْلٰى بَنِي هَاشِمٍ عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ.

و رَوَى عَبْدُ الْمَلِكِ بنُ مَيْسَرَةَ وبَيَانٌ ومُغِيْرَةُ وفِرَاسٌ ومُجَالِدٌ عن الشَّعْبِيِّ عن حديثِ قَمِيْرَ عن عائشةَ تَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلَاةٍ ، ورِوَايَةُ داؤدَ وعَاصِمٍ عنِ الشعبيِّ عن قَمِيْرَ عن عائشةَ "تَغْتَسِلُ كُلَّ يومٍ مَرَّةً".

ورَوَى هِشَامُ بنُ عُرْوَةَ عَنْ أبيه : "الْمُسْتَحَاضَةُ تَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلَاةٍ".

وهٰذِهِ الأحاديثُ كُلُّهَا ضَعِيفَةٌ إِلَّا حَدِيْثَ قَمِيْرَ ، وحَدِيْثَ عَمَّارٍ ، مَوْلٰى بني هاشِمٍ ، وحديثَ هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ عن أبيه ، والمعروفُ عن ابن عباسٍ الْغُسْلُ.﴾

تقدم تخريجه في الحديث السابق.

ترجمہ : زوجۂ مسروق نے بھی بواسطۂ حضرت عائشہؓ حضور اکرم ﷺ سے ایسا ہی روایت کیا ہے۔

ابو داؤد کہتے ہیں کہ عدی بن ثابت اور اعمش کی روایت حبیب اور ایوب ابی العلاء سے سب ضعیف ہے، صحیح نہیں ہے، اور اعمش کی حدیث جو بواسطۂ حبیب مروی ہے ضعف پر یہ حدیث دال ہے، حفص بن غیاث نے اعمش سے اس روایت کو موقوفاً بیان کیا ہے اور حفص بن غیاث نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ حبیب کی یہ حدیث مرفوع ہے، نیز اسباط نے بھی اعمش سے اس روایت کو حضرت عائشہؓ پر موقوفاً نقل کیا ہے۔

ابو داؤد نے کہا کہ اس روایت کے اول حصہ کو ابن داؤد نے اعمش سے مرفوعاً نقل کیا ہے، اور اس میں ہر نماز کے وقت وضوء ہونے سے انکار کیا ہے، اور حبیب کی اس حدیث کے ضعف کی دلیل یہ ہے کہ زہری عن عروہ عن عائشہؓ کی روایت مستحاضہ کے بارے میں یہ ہے کہ وہ ہر نماز کے لئے غسل کرے۔

اور ابو الیقظان نے عدی بن ثابت سے، انہوں نے اپنے والد، انہوں نے حضرت علی ؓ سے، اور عمار مولی بنی ہاشم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

اور عبد الملک بن میسرہ، مغیرہ، فراس اور مجالد نے بواسطۂ شعبی قمیر کی حدیث عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ وہ (مستحاضہ) ہر نماز کے لئے وضوء کرے، اور داؤد و عاصم بواسطۂ شعبی قمیر سے، انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ وہ ہر دن ایک غسل کرے گی، اور ہشام بن عروہ نے اپنے والد عروہ سے نقل کیا ہے کہ مستحاضہ ہر نماز کے لئے وضوء کرے۔

یہ تمام احادیث ضعیف ہیں، مگر تین روایتیں صحیح ہیں، ایک قمیر کی حضرت عائشہ سے، دوسری عمار مولی بنی ہاشم کی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، تیسری ہشام بن عروہ کی اپنے والد سے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے غسل معروف ہے۔

تشریح مع تحقیق : یہ روایت حضرت عائشہؓ کی دوسری روایت ہے، پہلی روایت ام کلثوم کے طریق سے تھی اور یہ مسروق کی بیوی کے طریق سے ہے، دوسرا فرق یہ ہے کہ ام کلثوم والی روایت موقوفاً تھی اور یہ روایت مرفوعاً ہے، البتہ دونوں روایتوں کا مضمون ایک ہی ہے کہ مستحاضہ عورت ایام حیض کے گزر جانے کے بعد ایک مرتبہ غسل کرے گی پھر ہر نماز کے لئے وضوء کرتی رہے گی۔

خلاصۃ الباب: یہاں تک باب میں کل چار روایات آئیں ایک جد عدی بن ثابت کی، ۲ حدیث عروہ عن عائشہ مرفوعاً، ۳ حدیث ام کلثوم عن عائشہؓ موقوفاً، ۴ حدیث قمیر عن عائشہؓ مرفوعاً۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ مصنفؒ نے باب کی تمام روایات کو ضعیف قرار دیا ہے، ضعف کی جو وجوہات حضرت نے بیان کی ہیں ان کی بہترین شرح صاحب منہل نے کی ہے، اور اردو زبان میں حضرت مولانا محمد عاقل صاحب دامت برکاتہم نے کی ہے۔

قال أبو داؤد : وحديث عدي بن ثابت هذا ، والأعمش عن حبيب، وأيوب أبي العلاء كلها ضعيفة : اخیر کی دونوں حدیثوں کی سند میں ایوب مذکور ہیں، لہٰذا حدیث ایوب سے اخیر کی دونوں حدیثیں مراد ہیں، مصنفؒ نے چاروں حدیثوں پر اس ترتیب سے کلام کیا ہے کہ پہلے باب کی حدیث ثانی کے ضعف پر دو دلیلیں قائم کی ہیں، پھر حدیث اول کے ضعف کو بیان کیا اور پھر حدیث ثالث ورابع پر کلام کیا ہے۔

قوله : ودَلَّ علي ضعف حديث الأعمش عن حبيب : مصنفؒ نے حدیث ثانی کے ضعف پر جو دو دلیلیں پیش کی ہیں یہ ان میں سے دلیل اول ہے، تفصیل اس کی یہ ہے کہ اس کا مدار اعمش پر ہے اور اعمش کے تلامذہ میں اختلاف ہے، وکیعؒ اس کو ان سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ اور حفص بن غیاثؒ اور اسباط یہ دونوں موقوفاً نقل کرتے ہیں، گویا حدیث میں رفعاً ووقفاً اضطراب ہوا، اور یہ بات معلوم ہے کہ حدیثِ مضطرب ضعیف ہوتی ہے۔

قوله : قال أبو داؤد : ورواه ابن داؤد عن الأعمش مرفوعًا أوّلَهٗ : یہ سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ آپ نے بیان کیا کہ اس روایت کو مرفوعاً صرف وکیع نقل کرتے ہیں، اور موقوفاً نقل کرنے والے دو شخص ہیں حفص اور اسباط، اب معترض کہتا ہے کہ وکیع کا منفرد ہونا مسلّم نہیں، کیوں کہ جس طرح وکیع نے اس کو مرفوعاً نقل کیا اسی طرح ابن داؤد نے بھی مرفوعاً نقل کیا ہے، لہٰذا مرفوعاً نقل کرنے والے بھی دو فرد ہوئے اور موقوفاً نقل کرنے والے بھی دو ہوئے؟

مصنفؒ اس اعتراض کا جواب دے رہے ہیں کہ یہ تو ٹھیک ہے کہ ابن داؤد نے اس کو اعمش سے مرفوعاً نقل کیا ہے لیکن انہوں نے اس حدیث کے صرف پہلے جز، یعنی "غسل مرةً" کو ذکر کیا ہے، اور حدیث کے جزء ثانی "وضوء لكل صلاة" کو مطلقاً ذکر ہی نہیں کیا نہ موقوفاً اور نہ مرفوعاً، لہٰذا ابن داؤد کی روایت وکیع کی روایت کے لئے مؤید نہ ہوئی۔

قوله : ودَلَّ علي ضعف حديث حبيب هذا الخ : حدیثِ حبیب سے مراد حدیث الاعمش عن حبیب ہی ہے، یہاں سے مصنفؒ نے اس کی تضعیف کی دوسری دلیل بیان کی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ اس حدیث میں حبیب نے زہری کی مخالفت کی ہے اس لئے کہ حبیب اور زہری دونوں اس حدیث کو عروہ سے روایت کرتے ہیں، حبیب نے تو ان سے غسل مرۃً ثم الوضور لکل صلاۃ روایت کیا ہے اور زہری نے ان سے غسل لکل صلاۃ نقل کیا ہے اور زہری حبیب سے زیادہ اونچے راوی ہیں، لہٰذا اب وضور لکل صلاۃ والی روایت کے ضعف کی دو دلیلیں ہوگئیں، لیکن دلیل ثانی کو امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے رد کردیا ہے وہ اس طرح کہ وضور لکل صلاۃ اول تو جمہور فقہاء کا مسلک ہے دوسرے یہ کہ زہری کی روایت سے حبیب کی روایت کی تردید نہیں ہوتی، اور نہ ہی ان دونوں روایتوں میں کچھ تخالف ہے، اس لئے کہ زہری کی روایت میں وضور لکل صلاۃ کے بجائے غسل لکل صلاۃ جو مذکور ہے وہ مرفوعاً نہیں، بلکہ وہ فعل مرأۃ کی طرف منسوب ہے چنانچہ اس میں "فكانت تغتسل لكل صلاة" ہے یہ نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو غسل لکل صلاۃ کا امر فرمایا تھا۔

قولہ : وروى أبو اليقظان عن عدي بن ثابت الخ : یہاں سے مصنفؒ حدیث اول کے ضعف کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں، وہ اس طرح کی ابوالیقظان کی روایت میں اضطراب پایا جارہا ہے، چنانچہ انہوں نے پہلے سند اس طرح بیان کی تھی: "عن عدي بن ثابت عن أبيه عن جده" اور یہاں کہہ رہے ہیں: "عن عدي بن ثابت عن أبيه عن عليٍّ" اور یہ بھی اضطراب فی السند ہے جو علامت ضعف ہے، نیز پہلی سند یعنی جد والی سند مرفوعا تھی اور دوسری سند موقوف علی علی رضی اللہ عنہ ہے، لہٰذا رفعا ووقفا بھی اس میں اضطراب ہوگیا۔

صاحب منہل نے مصنفؒ کی اس تضعیف کو یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ حدیث کا موقوف ہونا مرفوع ہونے کے خلاف نہیں ہے کیونکہ رفع ثقہ راوی کی زیادتی ہے جو مقبول ہوتی ہے۔

قولہ: وَرَوَى عَبْدُالملك بنُ مَيْسَرَةَ وبَيَانٌ الخ : یہاں سے حدیث ثالث ورابع کی تضعیف کی طرف اشارہ ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ ان دونوں حدیثوں کی سند اور متن میں اضطراب ہے، چنانچہ ایوب ابوالعلاء نے حجاج سے اس روایت کو نقل کیا ہے تو حضرت عائشہؓ پر موقوف رکھا ہے، اور جب ابن شبرمہ سے نقل کیا ہے تو اس کو مرفوعا نقل کیا ہے، پھر کسی روایت میں صرف غسل لکل صلاۃ مذکور ہے اور کسی روایت میں صرف وضو لکل صلاۃ کا ذکر ہے، جب کہ بعض میں غسل مرۃ اور پھر وضو لکل صلاۃ مذکور ہے لہٰذا یہ متن کا اختلاف ہوا جو موجب ضعف ہے۔

قولہ : وهذه الأحاديث كلها ضعيفة : معلوم ہونا چاہئے کہ مصنفؒ نے اب تک اس باب میں کل نو روایات کو ذکر کیا ہے، جن میں سے چار کو اصلاً اور پانچ کو ضمناً، پھر ان میں بھی ترتیب یہ کہ تین روایات تو مرفوعا ہیں: ۱۔ حدیث جد عدی بن ثابت، ۲۔ حدیث عروہ عن عائشہؓ، ۳۔ حدیث قمیر عن عائشہؓ، اور چھ روایات موقوفہ ہیں: ۱۔ اثر ام کلثوم عن عائشہؓ، ۲۔ اثر علی رضی اللہ عنہ، ۳۔ اثر عمار عن ابن عباس رضی اللہ عنہما، ۴۔ اثر عبدالملک بن میسرہ وغیرہ، ۵۔ اثر داؤد وعاصم عن الشعبی، ۶۔ اثر ہشام بن عروہ عن أبیہ۔

اب مصنفؒ کل نو روایات کو سامنے رکھتے ہوئے حکم لگاتے ہیں کہ سوائے تین آثار کے تمام آثار وروایات ضعیف ہیں، اور یہ تین آثار یہ ہیں: حدیث قمیر، حدیث عمار مولی بنی ہاشم اور حدیث ہشام بن عروہ عن أبیہ، پھر مصنفؒ فرماتے ہیں کہ "والمعروف عن ابن عباس الغسل" کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح روایت جو مروی ہے وہ غسل لکل صلاۃ کی ہے، نہ کہ وضو لکل صلاۃ کی جیسا کہ عمار نے روایت کر دی ہے، لہٰذا اب ان تین میں سے بھی ایک اثر ساقط ہوگیا اور ضعف کے حکم سے صرف دو کا استثناء باقی رہا: اثر قمیر اور اثر ہشام بن عروہ۔ (المنہل ۳/۱۲۲، الدر المنضود ۱/۴۱۳)۔

❁ ❁ ❁

﴿باب من قال : تَغتسل من ظهر إلى ظهر﴾

مستحاضہ کے ظہر کی نماز کے وقت غسل کرنے کا بیان دوسری ظہر تک

۳۰۱ ﴿حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيّ عَنْ مالك عن سُمَيٍ مَوْلٰى أبي بكرٍ أنَّ الْقَعْقَاعَ وزيدَ بنَ أسْلَمَ أرسَلَاهُ إلى سعيد بن المسيب يَسْأَلُهُ كَيْفَ تَغْتَسِلُ الْمُسْتَحَاضَةُ ؟ فقال : تَغْتَسِلُ مِنْ ظُهْرٍ إلى ظُهْرٍ ، و تَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلَاةٍ، فإنْ غَلَبَهَا الدَّمُ اسْتَثْفَرَتْ بِثَوْبٍ.

قال أبوداؤدَ: و رُوِيَ عن ابنِ عُمَرَ وأنَسِ بنِ مالِكٍ تَغْتَسِلُ من ظُهْرٍ إلى ظُهْرٍ، و كذلك رَوَى داؤدُ و عَاصِمٌ عن الشَّعْبِي عن امرأتِه عَنْ قَمِيرٍ عن عائشةَ ، إلّا أنَّ داؤدَ قال : كُلَّ يَوْمٍ ، وفي حديث عاصِمٍ عند الظُّهْرِ وهُوَ قولُ سَالِمِ بنِ عبدالله والحَسَنِ وعطاءٍ.

قال أبو داؤدَ : قال مالك : إنّي لَأظُنُّ حديثَ ابنِ الْمُسَيَّبِ مِنْ طُهْرٍ إلى طُهْرٍ ، فَقَلَبَهَا الناسُ مِنْ ظُهْرٍ إلى ظُهْرٍ، ولكِنَّ الْوَهْمَ دَخَلَ فيه ، ورَوَاهُ الْمِسْوَرُ بنُ عَبْدِالمَلِكِ بنِ سعيد بنِ عَبْدِ الرَّحمن بنِ يَرْبُوْعَ قال فيه : من طُهْرٍ إلى طُهْرٍ ، فَقَلَبَهَا الناسُ من ظُهْرٍ إلى ظُهْرٍ.﴾

أخرجه الدارمي، كتاب الصلاة، باب من قال تغتسل من الظهر إلى الظهر.

ترجمہ : سمی مولی ابوبکر سے روایت ہے کہ قعقاع اور زید بن اسلمؒ نے ان کو سعید بن المسیبؒ کے پاس یہ معلوم کرنے کے لئے بھیجا کہ مستحاضہ عورت غسل کس طرح کرے، سعید بن مسیبؒ نے کہا کہ غسل کرے ایک ظہر سے دوسری ظہر تک اور وضو کرے ہر نماز کے واسطے، اگر خون بہت آئے تو لنگوٹ باندھ لے ایک کپڑے سے۔

ابوداؤدؒ نے کہا کہ حضرت ابن عمر اور حضرت انس بن مالکؓ سے یوں بھی مروی ہے کہ غسل کرے ظہر تک، اور ایسا ہی روایت کیا داؤد و عاصم نے شعبی سے، انھوں نے ایک عورت سے، انہوں نے قمیر سے انہوں نے عائشہؓ سے، مگر داؤد نے ہر روز غسل کو ذکر کیا ہے، اور عاصم نے ہر ظہر پر، یہی مذہب ہے سالم بن عبداللہ اور عطار کا، اور مالکؒ نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ سعید بن مسیبؒ کی حدیث یوں ہوگی کہ غسل کرے ایک طہر سے دوسرے طہر تک، لوگوں نے اس کو ظہر کر ڈالا اور اس میں واہم ہو گیا، مسور بن عبدالملک نے من طهر إلى طهر روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ لوگوں نے اس کو من ظهر إلى ظهر کر ڈالا ہے۔

تشریح مع تحقیق : قوله : مِن ظُهرٍ إلى ظهرٍ الخ : یہ دونوں لفظ ظاء معجمہ کے ساتھ ہیں مطلب ترجمۃ الباب کا یہ ہے کہ مستحاضہ عورت روزانہ ایک بار ظہر کے لئے غسل کرے اور باقی نمازوں کے لئے وضوء کرتی رہے، یہی مسلک ہے سعید بن میسّب اور حسن بصریؒ کا، مصنفؒ نے اس باب میں کوئی مرفوع روایت ذکر نہیں کی ہے، بلکہ شروع میں سعید بن میسّب کی ایک روایت ذکر کی ہے، اور پھر بعض صحابہ ؓ کے آثار تعلیقاً ذکر کئے ہیں۔

قوله : عن الشعبي عن امرأة عن قمير : بعض نسخوں میں ہے "عن امرأته عن قمير" یہ دوسرا نسخہ تو بالکل غلط ہے اس لئے کہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ شعبی روایت کرتے ہیں اپنی بیوی سے اور ان کی بیوی قمیر سے حالانکہ شعبی تو براہ راست قمیر سے روایت کرتے ہیں جیسا کہ اس سے پہلے باب میں گزرا، اور پہلا نسخہ بھی صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ شعبی کسی عورت سے روایت کرتے ہیں اور اور وہ قمیر سے، البتہ اس نسخے کی صحت کی ایک شکل ممکن ہے وہ یہ کہ "عن قمير" کو "عن امرأة" سے بدل قرار دیا جائے، اصل بات یہ ہے کہ یہ لفظ یہاں ہونا ہی نہیں چاہئے، صحیح سند "عن الشعبي عن قمير" ہے، یا پھر اس طرح ہو: "عن الشعبي عن امرأة مسروق" اور یہ امرأة مسروق قمیر ہی ہیں جیسا کہ باب کے شروع میں گزرا۔

ان روایات میں وقت ظہر کی تخصیص بظاہر اس لئے ہے کہ دراصل یہ غسل کا حکم علاجاً ہے، تاکہ جسم میں برودت پیدا ہوجائے اور خون کا بہاؤ کم ہوجائے، اور ظہر کا وقت چوں کہ حرارت کا ہے اس لئے وہی زیادہ مناسب ہے۔

قوله : وقال مالك : "إني لأظنُّ الخ : حضرت امام مالکؒ کی رائے یہ ہے کہ سعید بن میسّبؒ کی روایت جس میں "من ظهر إلى ظهر" ہے وہم ہے، صحیح "من طهر إلى طهر" ہے، ایک نقطہ کی زیادتی سے کچھ کا کچھ ہوگیا، اس لیے کہ نقطہ والی روایت کا حاصل یہ ہے کہ روزانہ ایک مرتبہ غسل کرے، اور حذف نقطہ والی روایت کا حاصل یہ ہے کہ پورے ماہ میں صرف ایک مرتبہ غسل کرے، امام مالکؒ نے اپنی بات کی تائید میں مسور بن عبدالملک کی روایت کو بھی ذکر کیا ہے، امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالکؒ کی اس رائے کی تحسین کی ہے، لیکن ابن العربی رحمہ اللہ علیہ نے خطابی رحمہ اللہ علیہ کی مخالفت کرتے ہوئے ان پر رد کیا ہے اور من ظهر إلى ظهر" والی روایت کو صحیح قرار دیا ہے، اور صحت کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ جب مستحاضہ پر غسل لکل صلاۃ دشوار ہوا تو آپ ﷺ نے روزانہ ایک غسل کا امر فرما دیا اس میں کیا استبعاد ہے، جب کہ غسل لکل یوم مرۃ بہت سے صحابہ ؓ اور تابعین سے مروی ہے۔

صاحب منہل نے امام ابوداؤدؒ کی نقل کردہ عبارت "قال مالك إني لأظن حديث سعيد الخ" پر کلام کرتے ہوئے اس عبارت کو غیر مستند قرار دیا ہے، نیز سعید بن میسّب کا یہ اثر سنن دارمی میں مختلف طرق سے مروی ہے ان سب سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ طہر نہیں بلکہ ظہر ہی ہے، اس لئے کہ اس کی ایک روایت میں اس طرح ہے: "تغتسل كل يوم

عند الثلاة الأولى" اور صلاۃ اولیٰ ظہر ہی کو کہتے ہیں۔

﴿بابُ مَن قالَ : تَغْتَسِلُ كُلَّ يَومٍ مرةً ولَمْ يَقُلْ عِندَ الظُهرِ﴾

مستحاضہ کے ہر روز ایک بار غسل کا بیان، جس میں ظہر کا لفظ نہیں ہے

۳۰۲ ﴿حَدَّثَنَا أحمد بنُ حنبلٍ نا عَبْدُ اللهِ بنُ نُمَيْرٍ عن محمد بنِ أبِي إسماعيلَ عن مَعْقِلٍ الْخَثْعَمِي عن عَلِيٍّ قال : الْمُسْتَحَاضَةُ إذَا انْقَضٰى حَيْضُهَا اغْتَسَلَتْ كُلَّ يَوْمٍ واتَّخَذَتْ صُوْفَةً فِيهَا سَمْنٌ أو زَيْتٌ.﴾

أنفرد به أبوداود، انظر "تحفة الأشراف" (١٠٢٨٢).

ترجمہ : حضرت علی ﷺ فرماتے ہیں کہ جب مستحاضہ کا حیض گزر جائے تو ہر روز غسل کیا کرے، اور ایک پھایا (کپڑا) گھی یا روغن زیتون لگا کر شرمگاہ میں رکھ لے۔

تشریح مع تحقیق : یہ حضرت علی ﷺ کا فتویٰ ہے، جس میں ایک تدبیر بطور علاج کے ذکر کی گئی ہے کہ ایسی مستحاضہ عورت ایک پھایا روغن زیتون وغیرہ میں تر کر کے شرمگاہ میں رکھ لے تاکہ عروق میں نرمی پیدا ہو اور خون کا جریان کم ہو جائے، اس لئے کہ خون کا جاری رہنا رگوں کے سخت ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

اس باب میں روزانہ مطلقاً ایک مرتبہ غسل کرنے کا بیان ہے ظہر کے ساتھ مقید نہیں ہے۔

﴿بابُ من قال : تَغتَسِلُ بينَ الأيّامِ﴾

ان حضرات کا بیان جو یہ کہتے ہیں کہ مستحاضہ زمانہ طہر کے درمیان غسل کرے

۳۰۳ ﴿حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ نا عَبْدُ الْعَزِيْزِ يَعْنِي ابنَ مُحَمَّدٍ عَنْ محمد بنِ عُثْمَانَ أنَّه سَألَ القاسمَ بنَ مُحَمَّدٍ عَنِ الْمُسْتَحَاضَةِ ؟ قال : تَدَعُ الصلاةَ أيَّامَ أَقْرَائِهَا ثُمَّ تَغْتَسِلُ فِي الأيَّامِ.﴾

تقدم الكلام عليه (٢٩٨). تفرد به أبوداود، انظر "تحفة الأشراف" (١٩٢٠٥).

ترجمہ : محمد بن عثمان نے قاسم بن محمدؒ سے پوچھا مستحاضہ کے بارے میں انہوں نے کہا کہ مستحاضہ عورت ایام حیض میں نماز چھوڑ دے پھر غسل کرے اور نماز پڑھے، پھر غسل کرے ایام (طہر) میں۔

تشریح مع تحقیق : اس باب میں مصنفؒ نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ مستحاضہ عورت کا زمانہ حیض جب ختم ہو تو ایک مرتبہ غسل کرے، پھر جب زمانہ طہر ہو تو اثناء طہر میں بھی ایک غسل کرے، یہ قول قاسم بن محمدؒ کا ہے، ائمہ اربعہ اور جمہور میں سے اس کا کوئی قائل نہیں، جمہورؒ کا مسلک تو یہی ہے کہ مستحاضہ پر اس وقت صرف ایک غسل واجب ہے جب اس کا زمانہ حیض ختم ہو، اس کے علاوہ کوئی غسل واجب نہیں، البتہ مسنون ومندوب ہوسکتا ہے، تا کہ بدن کی صفائی اچھی طرح ہو سکے۔ (المنہل ۱۲۵/۳)

﴿باب مَنْ قَالَ: توضأ لِكُلِّ صلاةٍ﴾

مستحاضہ کے لئے ہر نماز کے وقت وضو کرنے کا بیان

۳۰۴ ﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ المثنى نَا ابنُ أبي عَدِيّ عَنْ مُحَمَّدٍ يَعْنِي ابنَ عَمْرٍو قال: ثَنِي ابنُ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بنِ الزُّبَيْرِ عَنْ فاطِمَةَ بِنْتِ أبي حُبَيْشٍ أَنَّهَا كَانَتْ تُسْتَحَاضُ فقال لَهَا النبيُّ صلى الله عليه وسلم: "إذَا كَانَ دَمُ الْحَيْضِ فإنَّهُ دَمٌ أَسْوَدُ يُعْرَفُ، فإذَا كَانَ ذلكِ فأمْسِكِي عن الصلاة، فإذَا كَانَ الآخرُ فَتَوَضَّئِي وصَلِّي".

قال أبوداوُدَ: قال ابنُ المثنى: "وحدثنا به ابنُ أبي عَدِيّ حِفْظًا، فقال: عَنْ عُرْوَةَ عن عَائِشَةَ أنّ فاطِمَةَ".

قال أبو داوُدَ: و رُوِيَ عن العَلَاءِ بنِ المسيَّبِ و شُعْبَةَ عن الْحَكَمِ عن أبِي جَعْفَرٍ، قال العَلَاءُ عن النبيِّ ﷺ و أوْقَفَهُ شُعْبَةُ على أبي جَعْفَرٍ تَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلاةٍ.﴾

تقدم تخريجه برقم (٢٨٦). انظر "تحفة الأشراف" (١٨٠١٩).

ترجمہ : حضرت عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا کو استحاضہ آتا تھا، حضور اکرم ﷺ نے ان سے کہا جب حیض کا خون آئے جو سیاہ ہوتا ہے اور پہچان لیا جاتا ہے، تو نماز چھوڑ دے، جب دوسری طرح کا خون آنے لگے تو وضو کر اور نماز پڑھ، شعبہ نے اس حدیث کو موقوفاً روایت کیا ہے۔

ابوداوُدؒ نے کہا کہ ابن مثنی نے کہا کہ ابن عدی نے جب یہ روایت ہم سے حفظ بیان کی تو "عن عروة عن عائشة" کہا۔

ابوداوُدؒ فرماتے ہیں: اس روایت کو علاء بن مسیبؒ اور شعبہؒ نے حکم سے، انہوں نے ابو جعفرؒ سے روایت کیا ہے، علاء نے تو مرفوعاً اور شعبہؒ نے موقوفاً اس میں یہ ہے کہ وہ ہر نماز کے لئے وضو کرے۔

تشریح مع تحقیق : یہ حدیث مع الشرح "باب، من قال : إذا أقبلت الحيضه تدع الصلاة" کے تحت گزر چکی ہے، حاصل اس کا یہ ہے کہ مستحاضہ عورت کا جب زمانۂ حیض گزر جائے تو ایک مرتبہ غسل کرے اور پھر ہر نماز کے لئے وضو کرتی رہے، حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت بالکل واضح ہے۔

قال أبو داؤد : قال ابن المثنى الخ : مطلب یہ ہے کہ ابن المثنیٰؒ فرمارہے ہیں کہ ابن ابی عدیؒ نے کبھی تو اس روایت کو اپنی کتاب سے بیان کیا ہے اور کبھی حفظ سے، جب کتاب سے بیان کیا تو اس کو فاطمہ بنت ابی حبیشؓ کی مسانید میں سے قرار دیا اور جب حفظ سے بیان کیا تو مسانید عائشہؓ میں قرار دیا، صاحب منہل فرماتے ہیں کہ اس کا مسند فاطمہ ہونا زیادہ قوی ہے۔

قوله : فقال عن عروة عن عائشة : یہ ابن ابی عدی کی اس روایت کا بیان ہے جو انہوں نے اپنے حفظ سے بیان کی ہے۔

قال أبو داؤد : ورُوِي عن العلاء بن المسيب وشعبة الخ : یہ تعلیق ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ حکم سے نقل کرنے والے دو حضرات ہیں، علاءؒ اور شعبہؒ، علاء نے وضو لکل صلاۃ کے حکم کو مرفوعاً ذکر کیا ہے اور شعبہ نے موقوفاً ذکر کیا ہے۔

﴿بابُ من لم يذكر الوضوء إلا عند الحدث﴾

مستحاضہ کو ہر نماز کے وقت وضو کرنا ضروری نہیں مگر کسی اور حدث کے لاحق ہونے کے وقت

۳۰۵ ﴿حَدَّثَنَا زياد بنُ أيّوبَ نَا هُشَيْمٌ نا أبو بِشْرٍ عَنْ عِكْرِمَةَ أنَّ أمّ حَبِيْبَةَ بِنْتَ جَحْشٍ اسْتُحِيْضَتْ فأمَرَهَا النَّبِيُّ ﷺ أن تَنْتَظِرَ أيَّامَ أقْرائِهَا ، ثُمَّ تَغْتَسِلُ وتُصَلِّي ، فإنْ رَأَتْ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكِ تَوضَّأَتْ وصَلَّتْ قال أبوداؤد : وهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ وَرَبِيْعَةَ.﴾

تقدم تخريجه برقم (٢٨٧). قال الخطابي في شرحه على الحديث: الحديث لا يشهد لما ذهب إليه ربيعه ـ وهو أن لا وضوء على المستحاضة عند كل صلاة أن يصيبها حديث غير الدم. وذلك أن قوله:فإن رأت شيئاً من ذلك توضات وصلت يوجب عليها الوضوء مالم تيقن زوال تلك العلة وانقطا عها عنها، وذلك لأنها لا تزال ترى شيئاًمن ذلك أبداً إلا أن تنقطع عنها والعلة، وقد يحتمل أن يكون ذلك قوله: فإن رأت بمعنى فإن علمت شيئاً من ذلك ورؤية الدم لا تدوم أبداً. وقال: أهل التفسير في قوله ﷺ: ﴿وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا﴾ معناه علّمنا، وقوله ربيعة شاذ، ليس عليه العمل، وهذا الحديث منقطع وعكرمة لم يسمع من أم حبيبة بنت جحش. انظر "معالم السنن" ١/ ٨٠.

ترجمہ : حضرت عکرمہ کہتے ہیں کہ ام حبیبہ بنت جحشؓ کو استحاضہ آیا تو حضور اکرم ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے ایام حیض میں انتظار کرے، پھر غسل کر کے نماز پڑھ لے، اگر اسے حدث میں سے کچھ محسوس ہو تو وضو کر کے نماز پڑھ

لے اور یہی قول ہے مالکؒ اور ربیعہؒ کا۔

تشریح مع تحقیق : مصنفؒ نے یہ باب مالکیہ کے مسلک کو بیان کرنے کے لئے قائم کیا ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ استحاضہ موجب وضو نہیں ہے، البتہ اگر استحاضہ کے علاوہ کوئی اور حدث پایا جائے تو وضو کرنا لازم ہوگا۔

اب حدیث باب کے مطلب میں دو احتمال ہیں ایک احتمال کی رو سے مالکیہ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے اور دوسرے احتمال کی رو سے جمہور کے مسلک کی، پہلا مطلب تو حدیث کا یہ ہے کہ "شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ" سے مراد استحاضہ کے علاوہ دوسرے نواقض وضو ہیں، توضیح یہ ہے کہ مستحاضہ عورت انقطاعِ حیض کے وقت غسل کرے اور اسی غسل سے جتنی چاہے نمازیں پڑھتی رہے خروج وقت اور دخول وقت سے وضو نہیں ٹوٹے گا، جب تک استحاضہ کے علاوہ کوئی دوسرا حدث نہ پایا جائے، اس مطلب کو لے کر حدیث ترجمۃ الباب کے موافق ہو جاتی ہے اور مالکیہ کا مسلک ثابت ہو جاتا ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ شیئًا من ذلك" سے مراد دم استحاضہ ہے اور ظاہر حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، توضیح اس مطلب کی یہ ہے کہ جب تک دم استحاضہ باقی رہے اور عورت اس کو دیکھتی رہے تو مستحاضہ وضو کر کے نماز پڑھتی رہے ایک مرتبہ سے زائد غسل کی حاجت نہیں، اور جب ایک نماز کے پورے وقت خون کا انقطاع ہو جائے تو ایک وضو سے جتنی نمازیں چاہے پڑھے جب تک کوئی حدث لاحق نہ ہو خواہ یہ حدیث دم استحاضہ ہو یا کوئی اور حدث ہو، اس دوسرے مطلب کے پیش نظر یہ حدیث جمہور کے موافق اور مالکیہ کے خلاف ہو جاتی ہے، امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ حدیث منقطع ہے اس لئے کہ ام حبیبہؓ سے عکرمہ کا سماع ثابت نہیں ہے، اسی طرح حافظ منذریؒ نے بھی اس کو مرسل قرار دیا ہے۔ (المنہل ۳/ ۱۲۷، تلخیص المنذری ۱/ ۱۹۴)۔

قال أبو داؤد : وهو قولُ مالكٍ وربيعة : بعض نسخوں میں یہ عبارت موجود نہیں ہے، صاحب منہل کی تحقیق یہ ہے کہ یہ عبارت یہاں ہونی چاہئے، لیکن ہمارے نسخے کے اعتبار سے اس کا نہ ہونا صحیح ہوتا ہے کیوں کہ آگے یہی بات نقل کی جا رہی ہے، امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ربیعہ کا قول شاذ ہے اس پر عمل نہیں ہے، نیز امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ اس حدیث سے مالکیہ کا مسلک ثابت ہو۔

۳۰۶ ﴿حَدَّثَنَا عَبْدُالملكِ بنُ شُعَيْب ثنا عَبْد اللّٰه بنُ وَهْب أنَا اللَّيثُ عن رَبِيْعَةَ أنَّه كان لايَرَى على الْمُسْتَحَاضَةِ وُضُوْءً عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ إلَّا أنْ يُصِيْبَهَا حَدَثٌ غَيْرُ الدَّمِ فَتَوَضَّأُ.

قال أبو داؤد : هٰذا قولُ مَالِكٍ يَعْنِي ابنَ أَنَسٍ.﴾

تقدم في الحديث السابق التعليق عليه. فانظره لزاماً. تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (١٨٦٣٦).

ترجمہ : ربیعہ کہتے تھے کہ مستحاضہ ہر نماز کے لئے وضو نہ کرے مگر جب اس کو کوئی اور حدث ہو جائے جو

استحاضہ کے علاوہ ہو تو وضو کرے۔

ابوداوُدؒ نے کہا کہ مالک بن انس ﷺ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح مع تحقیق : حضرت امام مالکؒ اور ان کے استاذ ربیعہ دونوں کا مسلک ایک ہی ہے، کہ مستحاضہ کو استحاضہ کی وجہ سے وضو کرنے کی حاجت نہیں نہ وقت کے اندر اور نہ خروج وقت کے بعد، اور حنفیہ کے نزدیک داخل وقت سے تو وضو نہیں ٹوٹتا البتہ خروج وقت سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، ربیعہ اور حنفیہ کے مسلک کے درمیان یہی فرق ہے، امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے ربیعہ کے قول کو شاذ قرار دیا ہے، حالانکہ ربیعہ کا یہ قول شاذ نہیں ہے کیوں کہ امام مالکؒ کا مذہب بھی تو یہی ہے۔ (عون المعبود ۱/۳۴۲)۔

﴿باب في المرأة ترى الصُّفْرَةَ والكُدْرَةَ بَعْدَ الطُّهْرِ﴾

عورت کے حیض سے پاک ہونے کے بعد زردی یا گدلا پانی دیکھنے کا بیان

۳۰۷ ﴿حَدَّثَنَا موسى بنُ إسْمَاعِيلَ نا حَمَّادٌ عن قتادَةَ عَنْ أمّ الْهُذَيْلِ عَنْ أمّ عَطِيَّةَ—وكَانَتْ بَايَعَتِ النَّبِيَّ ﷺ – قَالَتْ : "كُنَّا لَا نَعُدُّ الْكُدْرَةَ والصُّفْرَةَ بَعْدَ الطُّهْرِ شَيْئًا".﴾

تفرد به أبوداود. انظر "تحفة الأشراف" (١٨١٣٢). قال الخطابي: "إختلف الناس في الصفرة والكدرة بعد الطهر والنقاء، فروي عن علي أنه قال: ليس ذلك بحيض ولا تترك لها الصلاة ولتتوضأ ولتصلي: وهو قوله سفيان الثوري والأوزاعي. وقال سعيد بن المُسَيِّب واحمد: إذا رأت ذلك إغتسلت وصلت، وعن أبي حنيفة: إذا رأت بعد الحيض وبعد إنقطاع الدم الصفرة أو الكدرة يوماً أو يومين مالم يجاوز العشرة فهو من حيضها ولا تطهر حتى ترى البياض خالصاً. واختلف قول أصحاب الشافعي فالمشهور من مذهب أصحابه أنها إذا رأت الصفرة أوالكدرة بعد إنقطاع دم العادة مالم يجاوز خمسة عشر يوماً فإنها حيض: وقال بعضهم: إذا رأتها في أيّام العادة كان حيضاً ولا يعتبر ها فيما جاوزها، فأما البكر إذا رأت أول مارأت الدم صفرة أوكدرة فإنها لا تعد ان في قوله اكثر الفقهاء حيضاًوهو قوله عائشة وعطاء. وقال بعض أصحاب الشافعي: حكم المبتدأ بالصفرة والكدرة حكم الحيض، اهـ. انظر "معالم السنن" بتصرف يسير ١/٨٠.

ترجمہ : حضرت ام عطیہؓ جنہوں نے حضور اکرم ﷺ سے بیعت کی تھی، سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ ہم زردی اور تیرگی کو حیض سے پاک ہونے کے بعد کچھ نہ سمجھتے تھے۔

تشریح مع تحقیق : ترجمۃ الباب کا مطلب تو یہ ہے کہ جو عورت مدتِ حیض کے گزر جانے کے بعد زرد اور مٹیالے رنگ کی رطوبت دیکھے تو وہ اپنے کو حائضہ سمجھے یا مستحاضہ، اور یہ ترجمۃ الباب بلفظ الحدیث ہے۔

پھر اس مسئلہ میں فقہاء کرامؒ کے درمیان اختلاف ہوا ہے کہ ایام حیض میں کس قسم کی رنگین رطوبت حیض میں شمار ہوگی اور کس قسم کی رنگین رطوبت حیض سے خارج شمار کی جائے گی۔

احناف اور جمہورؒ کا مسلک تو یہ ہے کہ ایام حیض میں ہر رنگ کی رطوبت حیض شمار کی جائے گی خواہ مٹیالی ہو یا زردی ہو رنگوں کا کوئی اعتبار نہیں، اور ایام حیض کے علاوہ میں استحاضہ ہوگی۔

دوسرا قول ابن ظاہری کا ہے کہ صفرہ اور کدرہ یہ دونوں رنگ استحاضہ ہیں خواہ مدت حیض میں ہوں یا بعد میں، حضرات شوافعؒ کا مسلک بھی اسی کے قریب قریب ہے اس لئے کہ وہ صرف سرخ رنگ اور سیاہ رنگ کی رطوبت کو حیض مانتے ہیں۔

تیسرا قول مالکیہؒ کا ہے کہ صفرہ اور کدرہ مطلقاً حیض ہیں، خواہ عادت کے اندر دیکھے یا اس کے پورا ہونے کے بعد، امام مالکؒ کی دوسری روایت احنافؒ کی طرح ہے۔

احناف کا مستدل

احناف اور جمہورؒ کی دلیل تو حدیث باب ہے اس لئے کہ حضرت ام عطیہؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک رنگوں کے درمیان تمیز کا مسئلہ ہی نہ تھا بلکہ ہم ہر رنگ کی رطوبت کو زمانہ حیض میں حیض ہی شمار کرتے تھے، اور زمانہ حیض کے بعد کچھ بھی شمار نہیں کرتے تھے بلکہ ان دونوں کو استحاضہ سمجھتے ہوئے نماز وغیرہ پڑھتے تھے۔

ابن حزم کا استدلال

ابن حزمؒ نے بھی حضرت ام عطیہؓ کی حدیث الباب ہی سے استدلال کیا ہے، مگر بروایت بخاری ونسائی، اس لئے کہ بخاری اور نسائی کی روایت میں "بعد الطهر" کے الفاظ مذکور نہیں ہیں، صرف اتنا ہے "كُنّا لَا نَعُدّ الكدرةَ والصفرةَ شَيْئًا" معلوم ہوا کہ دونوں رنگ کسی بھی زمانہ میں آئیں حیض شمار نہ ہوں گے۔

ہماری طرف سے استدلال کا جواب یہ ہے کہ "بعد الطهر" کی زیادتی ثقہ راوی کی طرف ہے اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے لہٰذا اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ مصنفؒ نے اور امام بخاریؒ نے اس قید کا لحاظ کیا ہے اور ترجمۃ الباب میں "بعد الطهر" کے الفاظ ذکر کئے ہیں، امام بخاریؒ نے "في غير أيام الحيض" کے الفاظ لکھے ہیں۔

مالکیہ کی دلیل

مالکیہ کا استدلال بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ کی مشہور و معروف حدیث سے ہے "کہ عورتیں کرسف کو ڈبیہ

میں بند کر کے تحقیقِ حال کی غرض سے بھیجتیں تو حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں "لَا تَعْجَلْنَ حَتّٰی تَرَیْنَ الْقَصَّةَ الْبَیْضَاءَ" ابھی نہیں جب تک کرسف بالکل سفید نہ نکلے، اس حدیث سے بظاہر صفرہ اور کدرہ دونوں کا مطلقاً حیض ہونا ثابت ہوتا ہے مدت حیض کی کوئی قید نہیں ہے۔

اس کا جواب احنافؒ کی طرف سے یہ دیا گیا ہے کہ اس حدیث عائشہؓ کو زمانہ حیض ہی پر محمول کیا جائے گا، تا کہ دونوں قسم کی روایت میں تعارض نہ رہے، امام بخاریؒ نے بھی یہی تطبیق دی ہے۔ (فتح الباری ۴۲۲/۳، ایضاح البخاری ۴۸۲/۲، المنہل العذب المورود ۱۲۹/۳)۔

۳۰۸ ﴿حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ ثَنَا إِسْمَاعِيلُ نَا أَيُّوبُ عن مُحَمَّدِ بنِ سِيرِينَ عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ بِمِثْلِهِ.

قال أبو داوُدَ : أَمُّ الهُذَيْلِ هِيَ حَفْصَةُ بِنْتُ سِيرِينَ ، كَانَ ابْنُهَا اسْمُهُ هُذَيْلٌ ، واسْمُ زَوْجِهَا عَبْدُالرَّحمنِ.﴾

أخرجه البخاري في "صحيحه" في الحيض، باب: الصفرة والكدرة في غير أيام الحيض (٣٢٦). والنسائي في "المجتبى من السنن" ١٨٦/١ في الحيض،باب:الصفرة والكدرة (٣٢٦). وابن ماجه في "سننه"في الطهارة وسننها، باب: ماجاء في الحائض ترى بعد الطهر الصفرة والكدرة (٦٤٧). انظر "تحفة الأشراف" (١٨٠٩٦).

ترجمه : محمد بن سیرین نے بھی ام عطیہؓ سے اسی طرح روایت کی ہے۔

ابوداودؒ کہتے ہیں کہ ام ہذیل حفصہ بنت سیرین ہیں، ان کے لڑکے کا نام ہذیل اور شوہر کا نام عبدالرحمٰن تھا۔

تشریح مع تحقیق : بمثلہ سے مراد یہ ہے کہ ام عطیہؓ سے جس طرح ام ہذیل نے روایت کیا ہے اسی طرح محمد بن سیرین نے بھی نقل کیا ہے البتہ محمد بن سیرین والی روایت میں "بعد الطهر" کی قید نہیں ہے۔

قال أبو داؤد : أم الهذيل هي حفصةُ الخ : حدیث سابق کی سند میں جو ام ہذیل نام تھا ان کا تعارف کرا رہے ہیں کہ ام ہذیل محمد بن سیرینؒ کی بہن ہیں، گویا اس روایت کو ام عطیہؓ سے نقل کرنے والے بھائی بہن دونوں ہیں، بھائی کا نام محمد ہے اور بہن کا نام حفصہ ہے، ان کی کنیت ام ہذیل اس لئے ہے کہ ان کے بڑے صاحب زادے کا نام ہذیل ہے، نیز مصنفؒ نے یہ بھی بتلایا کہ ان کے شوہر عبدالرحمٰن ہیں۔ (المنہل ۱۳۰/۳)۔

❁ ❁ ❁

﴿بابُ الْمُسْتَحَاضَةِ يَغْشَاهَا زَوْجُهَا﴾

مستحاضہ کا شوہر اس سے جماع کرسکتا ہے، اس کا بیان

۳۰۹ ﴿حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بنُ خَالِدٍ نَا مُعَلّى بن مَنْصُورٍ عن عَلِيِّ بنِ مُسْهِرٍ عن الشَّيْبَانِي عَنْ عكرمة قال : كَانَتْ أمّ حَبِيبَةَ تُسْتَحَاضُ ، فَكَانَ زَوْجُهَا يَغْشَاهَا.
قال أبو داؤد : قال يَحْيٰى بنُ مَعِينٍ : مُعَلّى ثِقَةٌ ، و كَانَ أَحْمَدُ بنُ حَنْبَلٍ لَا يَرْوِي عَنْهُ ، لِأَنَّه كَانَ يَنْظُرُ فِي الرأي.﴾

تقدم تخريجه برقم (٢٨٧). قال الإمام النووي في "شرحه على مسلم" ١٧/١: "والمستحاضة لها حكم الطاهرات في معظم الأحكام فيجوز لزوجها وطؤها في حال جريان الدم عند جمهور العلماء وكرهه ابن سيرين . وقال أحمد: لا ياتيها إلا أن يطول ذلك بها وفي رواية عنه: إلا أن يخاف العنت -الزنا- والمختار هو رأى الجمهور". انتهى باختصار.

ترجمہ : حضرت عکرمہ سے روایت ہے کہ ام حبیبہؓ مستحاضہ تھیں اوران کے خاوندان سے صحبت کرتے تھے۔
ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن معین نے معلّی کو ثقہ قرار دیا ہے، اورامام احمد بن حنبلؒ ان سے روایت نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ قیاس میں دخل رکھتے تھے۔

تشریح مع تحقیق : مُعَلّى بنُ مَنْصُورٍ : یہ امام مالکؒ کے تلامذہ میں سے ہیں، یحییٰ بن معین اور عجلی وغیرہ نے ثقہ قرار دیا ہے متعدد بار ان کو عہدہ قضاء کیلئے دعوت دی گئی لیکن انہوں نے قبول نہیں کیا، حافظ ابن حجرؒ نے تقریب التہذیب میں لکھا ہے کہ بعض حضرات نے امام احمدؒ کی طرف یہ نسبت کردی ہے کہ وہ معلّی کی تکذیب کرتے تھے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، امام احمدؒ نے ان کی تکذیب نہیں کی ہے بلکہ ان سے روایت نہیں لیتے تھے اوراس کی وجہ خود مصنفؒ بیان فرمارہے ہیں کہ یہ اہل الرائے سے متاثر تھے، اس کے علاوہ امام احمدؒ سے بھی ان کی توثیق منقول ہے۔ (تہذیب التہذیب ۴۹۸/۵)۔
اس باب میں مصنفؒ نے کوئی مرفوع حدیث ذکر نہیں کی ہے، بلکہ دو اثر ذکر کیے ہیں، ایک ام حبیبہؓ سے متعلق ہے اور دوسرا حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا سے متعلق ہے، وجہ استدلال دونوں سے یہ ہے کہ یہ حضرات ممانعت کی صورت میں مستحاضہ عورت سے ہرگز وطی نہیں کرسکتے تھے، یقیناً ان کے سامنے حضور اکرم ﷺ کی اجازت ہوگی، خصوصاً جب کہ حائضہ عورت سے قربان کی نفی موجود ہے، لہٰذا ان دونوں صحابیات کے شوہروں کا عمل قابل حجت ہوگا۔ (المنہل ۱۳۱/۳)۔
قال أبو داؤد قال : يحيى بن معين : معلى ثقة : مصنفؒ کی غرض یہ ہے کہ معلّی بن منصور راوی ثقہ ہیں، کسی کو امام احمدؒ کا ان سے روایت نہ کرنا اس شبہ میں نہ ڈالے کہ وہ ان کے نزدیک ضعیف ہیں اس وجہ سے امام نوویؒ نے اس

حدیث پر حسن کا حکم لگایا ہے۔

۳۱۰ ﴿حَدَّثَنَا أحمد بنُ أبي سُرَيْجٍ الرازي نا عبدالله بنُ الْجَهْمِ نا عَمْرو بنُ أبي قَيْسٍ عن عَاصِمٍ عن عِكْرِمَةَ عن حَمْنَةَ بِنْتِ جَحْشٍ أَنَّهَا كَانَتْ مُسْتَحَاضَةً و كان زَوْجُهَا يُجَامِعُهَا.﴾

تقدم تخريجه برقم (٢٨٧).

ترجمہ: حضرت عکرمہ سے روایت ہے کہ حمنہ بنت جحشؓ مستحاضہ تھیں، ان کے خاوندان سے جماع کرتے تھے۔

تشریح مع تحقیق: اس سند میں عبداللہ بن جہم اور عمرو بن ابی قیس دونوں راوی متکلم فیہ ہیں۔

صاحب منہل نے باب کے دونوں اثروں کونقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ان دونوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مستحاضہ عورت سے وطی کرنا جائز ہے، اور جمہور علماءؒ کا یہی مذہب ہے، البتہ ایک جماعت جن میں ابراہیم نخعی اور حکم رحمہما اللہ بھی ہیں، کہتی ہے کہ مستحاضہ سے وطی کرنا جائز نہیں ہے، ابن سیرینؒ سے اس کی کراہت منقول ہے، ابن سیرین نے استدلال میں حضرت عائشہؓ کی ایک روایت ”المستحاضة لايغشاها زوجها“ کو پیش کیا ہے، دوسری دلیل یہ دی ہے کہ دم استحاضہ میں گندگی ہوتی ہے جس طرح حیض میں ہوتی ہے لیکن اس سے کراہت پر استدلال نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ سے کوئی ممانعت منقول نہیں ہے، جب کہ کراہت کے لئے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔

﴿باب مَا جَاءَ فِي وَقْتِ النُفَسَاءِ﴾

اس خون کا بیان جو زچگی کے بعد آتا ہے

۳۱۱ ﴿حَدَّثَنَا أحمد بنُ يُونُسَ نَا زُهَيْرٌ نا عَلِيُّ بنُ عَبْدِ الْأَعْلَى عن أبي سَهْلٍ عن مُسَّةَ عن أم سَلَمَةَ قالت: كَانَتِ النُّفَسَاءُ على عَهْدِ رسولِ الله ﷺ تَقْعُدُ بَعْدَ نِفَاسِهَا أربعين يَوْمًا أو أربعين ليلةً، و كُنَّا نَطْلِي على وُجُوهِنَا الْوَرْسَ تَعْنِي مِنَ الْكَلَفِ.﴾

أخرجه الترمذي في "جامعه" في الطهارة، باب: ماجاء في كم تمكث النفساء؟ (١٣٩) وابن ماجه في "سننه" في الطهارة، باب: النفساء كم تجلس (٦٤٨). انظر "تحفة الأشراف" (١٨٢٨٧). وصحح النووي إسناده في "المجموع" ٢/٥٢٥. "الوَرس": بفتح الواو وإسكان الراء وهو نبت اصفر يصبغ به ويتخذ منه حمرة للوجه لتحسن اللون. "الكَلَف": بالكاف واللام المفتوحتين، حمرة كدرة تعلو الوجه، أو هو لون بين السواد والحمرة كما في "اللسان". قال المجد ابن تيميه في "المنتقى" و معنى الحديث كانت تؤمر أن تجلس إلى الأربعين لئلايكون الخبر كذباً إذ لا يمكن أن يتفق نساء عصر في نفاس أوحيض، انظر "فتح باب العناية" ص **٢٢٥ وكتابنا** "هداية الفتاح" ٨١-٨٢. قال الخطابي: النفاس في قوله أكثر الفقهاء اربعون يوماً وقد روي ذلك عن عمر بن الخطاب وابن عباس

وأنس بن مالك وهو قول سفيان وأصحاب الرأي وأحمد وإسحاق بن راهويه. قال أبو عبيد: وعلى هذا جماعة الناس. وروي عن الشعبي وعضاء، أنهما جعلا النفاس أقصاه شهرين وإليه ذهب الشافعي وقال به مالك في الأول ثم رجع عنه وقال: يسأل النساء عن ذلك ولم يحد فيه حدًا.. .إلخ وحديث مُسّة أثنى عليه محمد بن إسماعيل (البخاري). وقال: (مُسّة) هذه أزدية واسم أبي سهل: كثير بن زياد وهو ثقة وعلى بن عبد الأعلى ثقة. انظر "معالم السنن" ۸۱/۱.

ترجمہ : حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نفاس والی عوتیں زچگی کے بعد چالیس راتیں بیٹھتی تھیں، اور ہم اپنے منہ پر ورس (ایک خوشبودار گھاس) کو ملا کرتے تھے، چھائیں کو دور کرنے کے لئے۔

تشریح مع تحقیق : یہاں پر دو مسئلے قابل غور ہیں ایک تو اقل مدت نفاس کا مسئلہ اور دوسرا اکثر مدت نفاس کا، پہلے مسئلے میں تو تقریباً اجماع ہے کہ اقل مدت نفاس مقرر نہیں ہے، حتی کہ نفاس کا بالکل نہ آنا بھی ممکن ہے البتہ اکثر مدت نفاس میں فقہاء کرامؒ کے درمیان اختلاف ہے۔

اکثر مدت نفاس

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک یہ ہے کہ اکثر مدت نفاس چالیس یوم ہے، یہی اکثر اہل علم کا مسلک ہے نیز امام مالکؒ کی بھی ایک روایت یہی ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اصح قول کے مطابق نفاس کی اکثر مدت ساٹھ دن ہے، امام شعبی اور عطاءؒ سے بھی یہی مروی ہے اور ایک روایت امام مالکؒ کی بھی یہی ہے۔

امام مالکؒ کی تیسری روایت یہ ہے کہ اکثر مدت نفاس بھی متعین نہیں، جب تک عورت کو خون آتا رہے تو وہ نفاس والی ہی شمار ہوگی۔

شراح حضرات نے امام شافعیؒ وغیرہ حضرات کے مسلک کے دلائل کی طرف نشان دہی نہیں کی ہے، بلکہ شرح ترمذی میں تو لکھا ہے کہ اس بارے میں کوئی بھی صریح حدیث مرفوع نہیں ہے، فقہاء کرام نے اپنے اپنے تجربات کی روشنی میں مدتیں مقرر کی ہیں۔

البتہ احنافؒ اور حنابلہؒ کے مسلک پر کئی ایک روایات دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً:

۱- حضرت ام سلمہؓ کی حدیث باب ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں نفاس والی عورتیں چالیس دن تک نماز روزے سے الگ بیٹھی رہتی تھیں۔

۲- طبرانی کی معجم اوسط" میں حضرت جابرؓ کی روایت ہے: "وَقَّتَ رسولُ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم للنفساء أربعين يومًا"۔ (المعجم الاوسط).

۳- حضرت عثمان بن ابی العاص ﷺ کی روایت "وَقَّتَ رسولُ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم للنفساء أربعین یومًا" ۔(مستدرک حاکم)۔

۴- حضرت ابو الدرداء اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی روایت "قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: تَنْتَظِرُ النُّفَسَاءُ أربعین یَوْمًا إلّا أن تَرَی الطُّهْرَ قَبْلَ ذٰلِكَ ، فَإِنْ بَلَغَتْ اربعین یومًا ولَمْ تَرَ الطُّهْرَ فَلْتَغْتَسِلْ ، وهي بِمَنْزِلَةِ الْمُسْتَحَاضَةِ ۔(کامل ابن عدی)۔

۵- حضرت انس ﷺ کی روایت "کَانَ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وَقَّتَ للنفساء أربعین یومًا إلا أن تَرَی الطُّهْرَ قَبْلَ ذٰلِكَ" ۔(ابن ماجہ)۔

ان مذکورہ روایات کی روشنی میں حضرت امام ترمذیؒ نے اپنی جامع میں نقل کیا ہے کہ اکثر صحابہ ﷺ اور تابعینؒ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نفاس والی عورتیں چالیس دن تک نماز کو چھوڑیں گی، مگر یہ کہ چالیس دن سے پہلے ہی خون کا آنا بند ہوجائے ۔(المنہل ۳/۱۳۴)۔

قوله : وكُنَّا نَطْلِي علی وجوهنا الورس الخ : یہ "طَلَا يَطْلِي مجرد سے بھی ہوسکتا ہے اور نَطَّلِي (باب افتعال) سے بھی ہوسکتا ہے، جس کے معنی ہیں کوئی چیز ملنا، پالش کرنا۔

مِنَ الْكَلَف : یہ راوی کی تفسیر ہے، کَلَف وہ نشان اور داغ ہوتے ہیں جو بوقت ولادت بشدت تکلیف کی وجہ سے عورت کے چہرے پر پڑ جاتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ حضرت ام سلمہؓ فرمارہی ہیں ولادت کے زمانے میں جب عورتوں کے چہرے پر نشان پڑ جاتے تھے تو ورس جو ایک مشہور گھاس ہے اس کو پیس کر نفساء اپنے چہروں پر مل لیا کرتی تھیں، جس سے وہ نشانات ختم ہوجاتے تھے۔

۳۱۲ ﴿حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بنُ يَحْيٰی نَا محمد بنُ حَاتِمٍ يَعْنِي حِبِّي نَا عَبْدُ اللّٰہ بنُ الْمُبَارَكِ عن يُونُسَ بنِ نَافِعٍ عن كَثِيرِ بنِ زِيَادٍ قال : ثَنِي الْأَزْدِيَّةُ يَعْنِي مُسَّةَ قَالَتْ : حَجَجْتُ فَدَخَلْتُ عَلٰی أُمِّ سَلَمَةَ فَقُلْتُ : يا أُمَّ المؤمنين ! إنَّ سَمُرَةَ بنَ جُنْدُبٍ يَأْمُرُ النِّسَاءَ يَقْضِينَ صلاةَ الْمَحِيضِ ، فقالَتْ : لا يَقْضِينَ ، كَانَتِ المرأةُ مِنْ نِسَاءِ النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم تَقْعُدُ فِي النِّفَاسِ أرْبَعِينَ لَيْلَةً لا يَأْمُرُهَا النبيُّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بِقَضَاءِ صَلَاةِ النِّفَاسِ.

قال مُحَمَّدٌ يَعْنِي ابنَ حَاتِمٍ : واسْمُهَا مُسَّةُ تُكْنٰی أُمَّ بُسَّةَ .

قال أبوداوُدَ : كثير بنُ زِيَادٍ كُنْيَتُهُ أبو سَهْلٍ.﴾

تفرد به أبو داود بهذا الإسناد. انظر "تحفة الأشراف" (١٨٢٨٨).

ترجمہ: ازدیہ یعنی مُسّہ نے کہا کہ میں حج کو گئی تو ام سلمہؓ کے پاس گئی اور ان سے کہا کہ ام المؤمنین! سمرہ بن جندبؓ عورتوں کو زمانۂ حیض کی نمازیں پوری کرنے کا حکم دیتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ نہ پڑھیں، کیوں کہ حضور اکرم ﷺ کی عورتوں میں سے کوئی حالت نفاس میں چالیس دن تک بیٹھی رہتی تھیں اور آپ ﷺ ان کو حالت نفاس کی نمازوں کو پورا کرنے کا حکم نہیں دیتے تھے۔

محمد بن حاتمؒ نے کہا کہ ازدیہ کا نام مُسّہ اور کنیت ام بسہ تھی۔

ابوداودؒ کہتے ہیں کہ کثیر بن زیاد کی کنیت ابوسہل تھی۔

تشریح مع تحقیق: قوله ء الأزدية يعني مسة: یہ یمن کے قبیلۂ ازد کی طرف منسوب ہے، یونس بن نافع کہہ رہے ہیں کہ کثیر بن زیاد نے ازدیہ سے مراد مُسّہ کو لیا ہے، ان کی کنیت بُسّہ تھی۔

یہاں پر ایک واقعہ کو بیان کیا گیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ قبیلۂ ازد کی ایک عورت جس کا نام مُسّہ ہے وہ حج کے لئے مکۃ المکرمہ آئی، وہاں حضرت ام سلمہؓ بھی موجود تھیں، حضرت مُسّہ نے ام سلمہؓ کو یہ اطلاع دی کہ سمرہ بن جندبؓ یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ حائضہ عورت نمازوں کی قضاء کرے گی، اس پر حضرت ام سلمہؓ نے سمرہ بن جندبؓ کی تردید فرمائی اور فرمایا کہ آپ ﷺ زمانۂ نفاس کی نمازوں کی قضاء کا حکم نہیں فرمایا کرتے تھے، مطلب یہ ہے کہ جب زمانۂ نفاس کی نمازوں کی قضاء نہیں تو زمانۂ حیض کی نمازوں کی قضاء بدرجۂ اولی نہیں ہوگی، کیوں کہ حیض کثیر الوقوع ہے سال میں بارہ مرتبہ آتا ہے، اور نفاس اقل الوقوع ہے، جب اقل الوقوع میں قضاء کا حکم نہیں تو کثیر الوقوع میں قضاء کا حکم کیسے ہوسکتا ہے۔

اب رہا سوال یہ کہ حضرت سمرہ بن جندب ﷺ زمانۂ حیض کی نمازوں کی قضاء کا حکم کیوں دیا کرتے تھے جب کہ صریح احادیث اس کے خلاف ہیں تو اس سوال کا جواب صاحب منہل نے یہ لکھا ہے کہ غالباً حضرت سمرہ کو حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث "كنا نحيض عند رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا تقضي ولا نؤمر بالقضاء" نہیں پہنچی تھی جس کی وجہ سے انہوں نے یہ فتویٰ دیا تھا۔

فقہ الحدیث

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ اور نفساء ایام حیض ونفاس میں نماز نہیں پڑھیں گی اور بعد میں قضاء بھی نہیں کریں گی، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ نفاس کی اکثر مدت چالیس دن ہے۔ (المنہل ۳/۱۳۷)۔

❁ ❁ ❁

﴿بابُ الاغْتِسَالِ مِنَ الْحَيضِ﴾

غسلِ حیض کی کیفیت کا بیان

٣١٣ ﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ عَمْرو الرازِيُّ ثَنا سَلَمَةَ يعني ابنَ الْفَضْلِ أنا محمد يَعْنِي ابنَ إسْحَاقَ عن سُليمانَ بنِ سُحَيْمٍ عن أُمَيَّةَ بِنْتِ أَبِي الصَّلْتِ عن امرأةٍ مِنْ بني غِفَارٍ قد سَمَّاهَا لِي ، قالت : أَرْدَفَنِي رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم على حَقِيبَةِ رَحْلِهِ ، قالَتْ : فَوَاللّٰهِ فَلَمْ يَزَلْ رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إلى الصُّبْحِ ، فأنَاخَ ، و نَزَلْتُ عَنْ حَقِيبَةِ رَحْلِهِ ، فإذَا بِهَا دَمٌ مِنّي وكَانَتْ أوَّلَ حَيْضٍ حِضْتُهَا ، قَالَتْ : فَتَقَبَّضْتُ إلى النَاقَةِ واسْتَحْيَيْتُ ، فَلَمَّا رأى رَسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم مَا بِي ، و رَأَى الدَّمَ قَالَ : مَا لَكِ نَفِسْتِ ؟ قُلْتُ : نعم ، قال : فَأَصْلِحِي مِنْ نَفْسِكِ ثُم خُذِي إناءً مِن ماءٍ فاطْرَحِي فيه مِلْحًا ثُمّ اغْسِلِي مَا أصَابَ الحقيبةَ مِنَ الدَّمِ ، ثُمَّ عُودِي لِمَرْكَبِكِ ، قالَتْ : فلمّا فَتَحَ رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم خَيْبَرَ رَضَخَ لَنَا مِنَ الْفَيْءِ ، قالت : وكَانَتْ لا تَطَّهَّرُ من حَيْضَةٍ إلّا جَعَلَتْ في طُهُورِهَا مِلْحًا ، وأَوْصَتْ بِه أن يُجْعَلَ في غُسْلِهَا حِينَ مَاتَتْ.﴾

تفرد به أبوداود. انظر "تحفة الأشراف" (١٨٣٨١). قوله: إمرأة من بني غفار: يقال اسمها ليلى إمرأة أبي ذر رضي اللّٰه عنهما، صحابية. حقيبة رحله: هي كل ما شدفي مؤخر رحل أوقتب. قال الخطابي: فيه من الفقه أنه استعمل الملح في غسل الثياب وتنقيته من الدم، والملح مطعوم فعلى هذا يجوز غسل الثياب بالعسل إذا كان ثوباً يفسده الصابون، وبالخل إذا أصابه الحبر ونحوه ....إلخ انظر "معالم السنن" ٨٢/١.

ترجمہ : امیہ بنت ابی الصلت سے روایت ہے کہ انہوں نے بنی غفار کی ایک عورت سے سنا، جس کا نام میرے سامنے لیا گیا (ان کا نام لیلیٰ تھا یا آمنہ تھا) کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنی سواری کے پالان پر چڑھالیا، پھر بخدا آپ ﷺ صبح کے وقت اترے، جب آپ ﷺ نے اونٹ کو بٹھالیا اور میں حقیبہ (پالان) سے اتری تو اس میں خون کا نشان پایا، اور یہ میرا پہلا حیض تھا، میں مارے شرم کے اونٹ سے لگ گئی، جب رسول اللہ ﷺ نے یہ حال دیکھا اور خون بھی دیکھا تو فرمایا کہ شاید تجھے حیض آ گیا ہے، میں نے عرض کیا کہ ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے آپ کو درست کر لے، پھر پانی کا ایک برتن لے کر اس میں نمک ڈال، اور پالان میں جو خون لگ گیا ہے اس کو دھو دے، پھر اسی جگہ سوار ہو جا، اس

عورت نے بیان کیا کہ جب آپ ﷺ نے خیبر کو فتح کیا تو ہم کو بھی ایک حصہ دیا، مالِ غنیمت میں سے، پھر جب یہ عورت حیض سے پاک ہوا کرتی تھی تو پانی میں نمک ڈالا کرتی تھی، اور جب مرنے لگی تو وصیت کی کہ غسل کے پانی میں نمک ڈالنا۔

تشریح مع تحقیق : اس باب میں مصنفؒ نے بطور خاص حیض کے غسل کی کیفیت کو بیان کیا ہے، یوں تو حیض کا غسل ہو یا جنابت کا، طریقہ سب کا ایک ہی ہے لیکن چوں کہ غسل حیض میں بعض مخصوص چیزوں کا ذکر ہے جیسے خوشبو سے معطر کپڑے کو شرم گاہ پر رکھنا وغیرہ اس لئے اس کو الگ سے بیان کردیا۔

حدیث کا مضمون بالکل واضح ہے جس میں فعل صحابیہؓ سے غسل حیض پر استدلال کیا گیا ہے، نیز اس حدیث سے صحابیہ کا حدیث پر شدت اہتمام سے عمل کرنے کا پتہ بھی چلا۔

آپ ﷺ زخمیوں کی مرہم پٹی اور دیکھ بھال کے لئے عورتوں کو بھی سفر جہاد میں لے جایا کرتے تھے، پھر ان کو مال غنیمت میں سے کچھ دل جوئی کے لئے دے دیا کرتے تھے، مستقلاً مجاہدین کی طرح عورتوں کو مالِ غنیمت سے نہیں دیا جاتا تھا، کتاب الجہاد میں اس کی تفصیل آرہی ہے۔

۳۱۴ ﴿حَدَّثَنَا عثمانُ بنُ أبي شَيْبَةَ نَا سَلَّامُ بنُ سُلَيْمٍ عن إبراهيمَ بنِ مُهَاجِرٍ عن صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ عَنْ عائشةَ قالت : دَخَلَتْ أسماءُ على رسول الله صلى الله عليه وسلم فَقَالَتْ: يا رسول الله! كَيْفَ تَغْتَسِلُ إِحْدَانَا إِذَا طَهُرَتْ مِنَ المحيض ؟ قال : تَأْخُذُ سِدْرَهَا و مَاءَهَا فَتَوَضَّأُ ثُمَّ تَغْسِلُ رَأْسَهَا و تَدْلُكُهُ تُبْلِغَ الماءَ أصولَ شَعْرِهَا ثُمَّ تُفِيضُ على جَسَدِهَا ، ثُمَّ تَأْخُذُ فِرْصَتَهَا فَتَطَّهَّرُ بِهَا ، قالت : يا رسولُ الله! كَيْفَ أَتَطَهَّرُ بِهَا، قالت عائشةُ : فَعَرَفْتُ الذِي يَكْنِي عَنْه ، فَقُلْتُ لَهَا : تَتَّبِعِيْنَ بِهَا آثَارَ الدَّمِ.﴾

أخرجه البخاري في "صحيحه" في الحيض، باب: ذلك المرأة نفسها إذاتطهرت من الحيض وكيف تغتسل وتأخذ فرصة ممسكة فتتبع أثرالدم (٣١٤)، وباب: غسل المحيض (٣١٥). بنحوه وفي الاعتصام بالكتاب والسنة، باب:الأحكام التي تعرف بالدلائل (٧٣٥٧). ومسلم في "صحيحه" في الحيض (٦٠) والنسائي في "المجتبى" ١٣٥/١ في الغسل والتيمم (٢٥١) و (٤٢٥) لكن من حديث منصور بن صفية عن أمه. انظر "تحفة الأشراف" (١٧٨٥٩).

ترجمہ : حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ اسماء بنت شکل انصاریہ حضور اکرم ﷺ کے پاس آئیں اور پوچھا کہ یارسول اللہ! جب ہم میں سے کوئی حیض سے پاک ہو تو کس طرح غسل کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بیری کا ملا ہوا پانی لے کر پہلے وضو کرے پھر سر دھوئے اور اس کو ملے یہاں تک کہ پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے، پھر اپنے سارے جسم پر پانی ڈالے، پھر اپنا فرصہ لے کر اس سے طہارت کرے، اسماء نے کہا کہ یارسول اللہ! کس طرح طہارت حاصل کروں؟ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں سمجھ گئی اس مطلب کو جس کو آپ نے کنائے سے کہا تھا، میں اس سے کہا جہاں خون ہوا اس

سے صاف کرڈال۔

تشریح مع تحقیق : اس روایت کو مصنفؒ نے تین طرق سے نقل کیا ہے، اس لئے پہلے باقی دو طرق کو بھی نقل کرنا مناسب ہے بعد میں تشریح اور وضاحت کی جائے گی۔

۳۱۵ ﴿حَدَّثَنَا مُسَدَّدُ بنُ مُسَرْهَدٍ نَا أبو عَوَانَةَ عَنْ إبراهيمَ بنِ مُهَاجِرٍ عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ عن عائشَةَ أنَّهَا ذَكَرَتْ نِسَاءَ الأنْصَارِ فَأثْنَتْ عَلَيْهِنَّ ، وقَالَتْ لَهُنَّ مَعْرُوْفًا ، قالت : دَخَلَتْ امْرَأةٌ مِنْهُنَّ على رسول الله ﷺ فَذَكَرَ مَعْنَاهُ إلَّا أنَّهُ قال : فِرْصَةً مُمَسَّكَةً .

قال مُسَدَّدٌ : كَانَ أبو عَوَانَةَ يقولُ : فِرْصَةً ، وكَانَ أبو الأحْوَصِ يَقُوْلُ : قَرْصَةً.﴾

تقدم تخريجه. راجع الحديث السابق.

ترجمہ : حضرت عائشہؓ نے انصاری عورتوں کا تذکرہ کیا تو ان کی تعریف کی اور ان کے حق میں اچھی بات کہی، فرمایا کہ ایک عورت ان میں سے حضور اکرم ﷺ کے پاس گئی، پھر وہی حدیث بیان کی جو اوپر گزری، مگر اس میں اتنا زیادہ ہے کہ فرصہ ممسکہ ہو۔ (مشک لگا ہوا ہو)

مسدد نے کہا کہ ابوعوانہ نے "فرصة" کہا، اور ابوالاحوص نے "قَرْصَة" کہتے تھے۔

تشریح مع تحقیق : یہ سابقہ روایت کا دوسرا طریق ہے اس میں انصاری عورتوں کی تعریف کا ذکر ہے، نیز اختلاف الفاظ کو بیان کرنا بھی مقصود ہے کہ بعض روایتوں میں فرصه ممسكة" ہے اور بعض میں صرف "فرصة" ہے اور بعض میں "قرصة" بالقاف ہے۔ مراد سب کی ایک ہی ہے روئی یا اون کا پھایہ جو خوشبو لگا ہوا ہو۔

۳۱۶ ﴿حَدَّثَنَا عُبَيْدُ الله بنُ مُعَاذٍ نا أبي نَا شُعْبَةُ عن إبراهيمَ يعني ابنَ مُهَاجِرٍ عن صَفِيَّةَ بِنْتِ شيبَةَ عن عائشة أنَّ أَسْمَاءَ سَألَتِ النبيَّ ﷺ بمعناه قال : فِرْصَةً مُمَسَّكَةً ، فقالت : كَيْفَ أتَطَهَّرُ بِهَا ، قال : سبحانَ اللّٰه! تَطَهَّرِي بِهَا ، واسْتَتِرَ بثَوب ، وزَادَ : وسألته عَنِ الْغُسْلِ مِنَ الْجَنَابَةِ ، قال : تأخذِينَ مَائَكِ فَتَطَهَّرِيْنَ أحْسَنَ الطُّهُورِ و أبْلَغَهُ ثُمَّ تُصِبِّيْنَ على رَأسِكِ المآءَ ، ثم تَدْلُكِيْنَهُ حَتّى يَبْلُغَ شُئُوْنَ رَأسِكِ ، ثم تُفِيْضِيْنَ عَلَيكِ الماءَ.

قالت عائشةُ : نعم النساءُ نِساءُ الأنْصَارِ لَمْ يَمْنَعْهُنَّ الحَيَاءُ أن يَسْألْنَ عن الدين و أنْ يَتفقَّهْنَ فِيْهِ.﴾

انظر الحديث قبل السابق. الفرصة: القطعة من القطن أو الصوف . انظر "معالم السنن" ۸۲/۱. قوله: "سبحان اللّٰه"، تعجباً من عدم فهمها المقصود. شؤون رأسك: أي عظامه، وهي أصول فنائله هي أربعة بعضها فوق بعض. انظر "شرح السيوطي على المجتبى" ۱۳۶/۱-۱۳۷.

ترجمہ : حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ اسماء نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا، پھر پہلی حدیث کی طرح روایت کیا، آپ ﷺ نے فرمایا مشک لگا ہوا فرصہ تو اسماء نے کہا کہ اس سے میں کس طرح صفائی کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ! صفائی کرو اور چہرے کو کپڑے سے چھپالیا، اس حدیث میں یہ اور زیادتی ہے کہ انہوں نے غسلِ جنابت کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم پانی لے کر بہترین اور مکمل طریقہ سے طہارت حاصل کرو، پھر اپنے سر پر پانی ڈال کر ملو، حتی کہ پانی بالوں کی جڑوں میں پہنچ جائے، پھر اپنے جسم پر پانی ڈالو، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ انصاری عورتیں بڑی اچھی تھیں، دین کا مسئلہ دریافت کرنے یا اس میں حقیقت کو سمجھنے میں حیاء وشرم مانع نہ ہوتی تھی۔

تشریح مع تحقیق : یہ حدیث سابق کا تیسرا طریق ہے اس میں تفصیل زیادہ ہے، نیز اس میں انصاری عورتوں کی تعریف کی گئی ہے کہ دین کی بات معلوم کرنے میں انہیں حیاء مانع نہیں ہوتی تھی۔

حدیث میں جس اسماء کا واقعہ مذکور ہے یہ اسماء بنت شکل ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں تحریر فرمایا ہے، یہاں پر غسلِ حیض کی ایک خاص کیفیت بیان کی گئی ہے کہ بدن کو خوب مل کر دھونا چاہئے، اور جسم کے مخصوص حصہ پر جہاں جہاں خون کے نشانات ہیں انہیں تلاش کر کے ان پر مشک یا اور کوئی دوسری خوشبودار چیز استعمال کرنی چاہئے، مشک کا خاصہ ہے کہ جلد کی مردنی کو زائل کر کے اس کی شادابی کو بحال کر دیتی ہے اور چوں کہ حیض کے خون میں سمیت ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں مخصوص حصۂ جسم کی جلد سکڑ جاتی ہے، اس لئے مشک کے استعمال کی تاکید کی گئی، دوسری مصلحت یہ ہے کہ اگر مشک کے استعمال کے بعد خون کا دھبہ باقی بھی رہا تو یہ سمجھا جائے گا کہ یہ خون نہیں ہے بلکہ مشک ہے، گویا یہ تعلل نفس کی ایک اچھی صورت ہے، جس کی زوجین کو ضرورت ہو جاتی ہے، کیوں کہ اگر دھبہ باقی رہا اور شوہر کی نظر پڑ گئی تو اس پر انقباض کی کیفیت طاری ہو جائے گی، جو بڑھ کر اختلاف اور تنافر تک پہنچ سکتی ہے۔

تیسری مصلحت یہ ہے کہ ارباب تجارب نے لکھا ہے کہ حیض سے فراغت کے بعد اس حصۂ جسم پر خوشبو کا استعمال علوق نطفہ کے لئے معاون ہے، عورت ان ایام میں ویسے بھی قبولیت نطفہ کی خوب صلاحیت رکھتی ہے، خوشبو کا استعمال اس میں اور بھی معاون ہوگا۔

مضمون حدیث کا مختصراً یہ ہے ایک عورت نے حضور اکرم ﷺ سے غسلِ حیض کے بارے میں دریافت کیا چوں کہ غسل کا معروف طریقہ تو سب کو معلوم ہی تھا اس لئے آپ ﷺ نے اس کو بیان نہیں فرمایا بلکہ غسل حیض میں جو خاص امتیاز تھا اس کو ذکر فرمایا کہ اون یا کپڑے کا ایک مجموعہ لیلو اور اس پر مشک لگا کر طہارت حاصل کرو عورت کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی اس نے پوچھا کہ: "کیف اتطهر" یعنی مشک تو کوئی سیال چیز نہیں ہے اس سے غسل کی کیا کیفیت ہوگی، آپ ﷺ نے پھر وہی فرمایا کہ پاکی حاصل کرلو جب وہ اس پر بھی نہ سمجھ سکیں تو آپ ﷺ نے حیاء کی وجہ سے اپنے چہرۂ مبارک پر کپڑا

ڈال لیا اور فرمایا: سبحان اللہ! یعنی اتنا بھی نہ سمجھی، حالانکہ عورتیں اپنے معاملات کو خوب سمجھتی ہیں، پھر حضرت عائشہؓ نے اس عورت کو اپنی طرف کھینچ لیا اور فرمایا کہ خون کے نشانات تلاش کر کے ان پر رگڑ دینا چاہیے۔

فرصة : فاء میں تینوں حرکتیں جائز ہیں، اس کے معنی ہیں روئی یا اون کا قطعہ، ٹکڑا، مجموعہ، پھایہ، مراد یہاں مشک آلود پھایہ ہے، مُمَسَّكَةً : یہ فرصہ کی صفت بمعنی مشک لگا ہوا پھایہ، اور بعض روایات میں "مِنْ مِسْكٍ" بکسر المیم ہے اس کے معنی بھی مشک لگا ہوا ہونے کے ہی ہیں، ہاں البتہ بعض حضرات نے اس کو بفتح المیم پڑھا ہے، جس کا ترجمہ ہے چمڑا، مطلب یہ ہے کہ چمڑے کا ٹکڑا لیکر اس سے مخصوص حصہ جسم کو رگڑ دے، اور وجہ اس قول کی یہ لکھی ہے کہ مشک ایک گراں قدر چیز ہے اور حضرات صحابہ ؓ عام حالات میں عسرت کی زندگی بسر کرتے تھے اب اتنی مشک کہاں سے آئے گی کہ ہر عورت ہر ماہ استعمال کر سکے، لیکن ان حضرات کا یہ قیاس درست نہیں، اول تو مشک اہل عرب کے یہاں اتنی نایاب چیز نہ تھی وہ تو استعمال طیب کے سلسلے میں بڑے فراخ دل تھے، پھر یہ کہ ہر شخص کے لئے اس کا مہیا کرنا ضروری نہیں قرار دیا گیا، بلکہ جس کے لئے اس کا استعمال وحصول ممکن ہو وہ استعمال کرے ورنہ اس کی جگہ دوسری خوشبوئیں استعمال کی جاسکتی ہیں، اصل مقصد تو بدبو کو دور کر کے جلد پر تروتازگی اور شادابی لانا ہے۔

فقہ الحدیث

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احکام دین سیکھنے میں خوب سعی اور محنت کرنی چاہیے، شرم کی وجہ سے مسائل نہ معلوم کرنا جہالت ہے۔

حیاء کے مواقع پر کنایات کا استعمال کرنا بہتر ہے۔

وضاحت کے لئے بار بار سوال کیا جاسکتا ہے۔

کسی چیز سے تعجب کے وقت سبحان اللہ پڑھنا چاہیے۔

حصولِ طہارت میں خوب مبالغہ کرنا چاہیے۔ (ملخص من المنہل ۱۴۴/۳)

❁ ❁ ❁

﴿بابُ التيمم﴾

تیمّم کا بیان

اس باب کے تحت مصنفؒ دو مسئلوں کو بطور خاص بیان فرمائیں گے ایک مشروعیت تیمّم کو اور دوسرے صفت تیمّم کو، اگرچہ ضمناً اور مسائل بھی آئیں گے، قبل اس کے کہ ہم مصنفؒ کے مقصدِ اصلی پر روشنی ڈالیں ضروری سمجھتے ہیں کہ تیمّم سے متعلق چند مباحث مقدمہ کے طور پر نقل کر دیں تاکہ مسائل تیمّم پر نظر ہو جائے، علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری میں چند مباحث لکھے ہیں، ہم ان کا خلاصہ دوسری کتابوں کی مدد سے یہاں نقل کر دیتے ہیں:

ماقبل سے مناسبت

ماقبل میں طہارت مائیہ صغریٰ و کبریٰ کا بیان تھا، اب طہارت ترابیہ کا بیان ہے جو کہ تیمّم ہے، طہارت مائیہ کو مقدم کیا کیوں کہ وہ اصل ہے اور تیمّم اس کا خلف ہے، نیز اس میں اقتدار بالکتاب بھی ہے اللہ تعالیٰ نے بھی طہارت مائیہ کو مقدم کیا ہے طہارت ترابیہ پر، نیز مصنفؒ نے یہاں پر "باب التيمم" کہا "كتاب التيمم" نہیں کہا کیونکہ کتاب الطہارت کا لفظ اس کو شامل ہے، اس لئے کہ تیمّم بھی طہارت ہی کی ایک قسم ہے۔

اعراب: "بابُ التيمم" مرفوع ہے کیونکہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے تقدیری عبارت ہے: "هذا باب التيمم" اور اضافت "في" کے معنی میں ہے أي هذا باب في بيان أحكام التيمم ، البتہ بعض حضرات نے اس کو منصوب پڑھا ہے، اور وجہ یہ لکھی ہے کہ اس کا عامل مقدر ہے، تقدیری عبارت: "خُذ بابَ التيمم" ہے۔ (عمدۃ القاری ۱۸۵/۳)۔

تیمّم کے لغوی اور اصطلاحی معنی

تیمم أَمَّ سے باب تَفَعُّل کا مصدر ہے، ازروئے لغت اس کے معنی قصد اور ارادہ کرنے کے ہیں۔

اور اصطلاح شریعت میں بغرض طہارت ہاتھ اور چہرے کے مسح کے لئے پاک مٹی کا قصد کرنا تیمم کہلاتا ہے، اس اعتبار سے تیمم کی شرعی اصطلاح میں حقیقت لغوی بھی معتبر ہے۔

تیمّم میں نیت کی ضرورت

تمام فقہاء کرامؒ کا اتفاق ہے کہ تیمّم بغیر نیت کے درست نہیں ہوتا جب کہ وضوء کے سلسلے میں نیت کی شرط پر تمام ائمہ کا اتفاق نہیں ہے، کیوں کہ وضوء کی تعریف میں کوئی ایسی چیز شامل نہیں جس کی بناء پر نیت ضروری قرار دی جائے۔

اصل بات یہ ہے کہ نماز ایک ایسا فریضہ ہے جس کی ادائیگی ۲۴ر گھنٹے میں پانچ مرتبہ ضروری ہے، اور طہارت اس کے لئے شرط ہے طہارت کی بات یہ ہے کہ اگر پانی موجود ہے تو انسان با آسانی اس کے استعمال سے پاکی حاصل کرسکتا ہے، لیکن میسر نہ آئے یا پانی بھی موجود ہو لیکن کسی عذر کے سبب اس کے استعمال کی قدرت نہ ہو تو طہارت کس طرح حاصل کی جائے؟ ایسی صورت میں دو ہی کام کئے جاسکتے ہیں یا تو یہ کہ نماز ترک کردیں یا بغیر وضوء کے نماز ادا کی جائے، لیکن دونوں صورتیں نادرست تھیں لہٰذا ضروری سمجھا گیا کہ کوئی صورت ایسی ضرور ہو جو مجبوری کی حالت میں وضوء کے قائم مقام ہو، چنانچہ تیمم کو وضوء کا قائم مقام کردیا گیا، البتہ فرق یہ رہا کہ چوں کہ پانی تو طہارت اور پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے موضوع ہی ہے اس لئے اس میں نیت کی ضرورت نہیں، لیکن مٹی اس کام کے لئے موضوع نہیں ہوئی تھی اس لئے مٹی سے پاکی حاصل کرنے کے لئے نیت کا ہونا ضروری قرار دیا گیا۔ (ایضاح البخاری ج:۲،ص:۴۹۴)۔

تیمّم کا ثبوت

تیمّم کا ثبوت کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع امت اور قیاس چاروں چیزوں سے ہے، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے: "فَتَيَمَّمُوا صَعِيْدًا طَيِّبًا" اور سنت احادیث باب ہیں، اور تمام صحابہ کرام، تابعین اور فقہاء و محدثین رحمہم اللہ کا اس پر اتفاق ہے کہ محدث اور جنبی کے لئے تیمّم کرنا جائز ہے۔ (عمدۃ القاری ۳/۱۸۵)۔

مشروعیت کا سبب

مشروعیت تیمّم کا سبب حضرت عائشہؓ کے ہار کا گم ہونا ہے، جس طرح افکِ عائشہؓ کے قصہ کی بناء بھی ہار کا گم ہونا ہے، اور یہ دونوں چیزیں غزوۂ مریسیع میں پیش آئیں، جس کو غزوۂ بنی المصطلق بھی کہتے ہیں، البتہ ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ قصۂ افک پیش آنے کے بعد ایک دوسرے سفر میں ہار گم ہوا اور اس وقت تیمّم مشروع ہوا، اور یہی دوسرا قول دلائل کی روشنی میں زیادہ راجح ہے، جیسا کہ عنقریب اس کی تفصیل آئے گی۔

تیمّم کی شرط

تیمّم کی شرط پانی کے استعمال سے عاجز ہونا ہے، اس لئے کہ تیمّم نائب ہے، اصل پر قدرت کے وقت جائز نہ ہوگا۔

تیمّم عزیمت ہے یا رخصت

فقہاء کرام کے اس میں تین قول ملتے ہیں: ۱۔ مطلقاً عزیمت ہے، ۲۔ مطلقاً رخصت ہے، ۳۔ پانی نہ ہونے کے

وقت عزیمت ہے اور پانی کے ہوتے ہوئے مرض وغیرہ کی وجہ سے رخصت ہے۔

تیمّم اس امت کی خصوصیت

تیمم اس امت کے خصائص میں سے ہے، جیسا کہ صحیحین کی ایک حدیث میں اس کی صراحت ہے کہ: "جُعِلَتْ لِي الأرضُ مَسْجِدًا وطَهُورًا" اس میں جُعِلَتْ کا لفظ بتا رہا ہے کہ زمین میں جو شان طہور (پاک کرنے کی خصوصیت) آئی ہے یہ زمین کی اصل سے نہیں آئی ہے بلکہ صرف میرے اور میری امت کے لئے خصوصیت ہے، کہ پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کر کے نماز پڑھی جائے۔

مایجوز به التیمم

صعید طیب سے تیمّم کرنا بالاجماع جائز ہے، لیکن صعید طیب کی تفسیر میں اختلاف ہے۔

دونوں چھوٹے امام (امام شافعیؒ وامام احمدؒ) فرماتے ہیں کہ صعید طیب سے مراد صرف تراب ہے، لہٰذا صرف تراب ہی سے تیمم کیا جاسکتا ہے نیز تراب بھی ذی غبار ہونی چاہئے۔

دونوں بڑے امام (ابوحنیفہؒ و مالکؒ) فرماتے ہیں کہ صعید کا مصداق "وجه الأرض" ہے لہٰذا تیمّم تراب کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہر وہ چیز جو زمین کی جنس سے ہو اس سے تیمّم کرنا جائز ہے، اور جنس الارض سے مراد یہ ہے کہ جو چیز آگ پر گرم کرنے سے نہ پگھلے اور جلانے سے راکھ نہ ہو جیسے جص، حجر وغیرہ تو وہ جنس الارض ہے۔

ان چند مباحث کے بعد احادیث باب کی تشریح مع ترجمہ پیش خدمت ہے۔

۳۱۷ ﴿حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰه بنُ محمد النُّفَيْلِي نَا أبو مُعَاوِيَةَ ح وحدثنا عُثْمَانُ بنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا عَبْدَةُ المعنى وَاحِدٌ عن هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ عَنْ أبيه عن عائِشَةَ قَالَتْ : بَعَثَ رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أُسَيْدَ بنَ حُضَيْرٍ و أُنَاسًا مَعَهُ فِي طَلَبِ قَلَادَةٍ أَضَلَّتْهَا عَائِشَةُ ، فَحَضَرَت الصلاةُ فَصَلَّوْا بِغَيْرِ وُضُوْءٍ فأتوا النبيَّ صلى اللّٰه عليه وسلم فَذَكَرُوْا ذلك له فَأنزِلَتْ آيَةُ التَّيَمُّمِ.

زَادَ ابنُ نُفَيْلٍ : فقال لَهَا أسيد بنُ حُضَيْرٍ : يَرْحَمُكِ اللّٰهُ ما نَزَلَ بِكِ أَمْرٌ تَكْرَهِيْنَهُ إِلّا جَعَلَهُ اللّٰه لِلْمُسْلِمِيْنَ وَلَكِ فيه فَرَجًا.﴾

أخرجه البخاري في "صحيحه" في اللباس، باب استعارة القلادة (٥٨٨٢)، وأخرجه النسائي في "المجتبى من السنن" في الطهارة،

باب: فیمن لم یجد الماء ولا الصعید (۳۲۲). انظر "تحفة الأشراف" (۱۷۰۶۰).

قوله :"فصلوا بغير وضوء" حجة لقول الشافعي فيمن لا يجد ماءً ولا ترابًا أنه لا يترك الصلاة إذا حضر وقتها على حال وذلك أن القوم الذين بعثهم رسول الله صلى الله عليه وسلم في طلب العقد كانوا على غير ماء ولم يكن رخص لهم بعد في التيمم بالتراب، وإنما نزلت آية التيمم بعد، فكانوا في معنى من لا يجد اليوم ماءً ولا ترابًا ولو كانوا ممنوعين من الصلاة وتلك حالهم لأنكره النبي صلى الله عليه وسلم حين أعلموه، ذلك، ولنهاهم عنه فيما يستقبلونه، إذ لا يجوز سكوته على باطل يراه ولا تأخيره البيان في واجب عن وقته، إلا إن الشافعي يرى إعادة هذه الصلاة إذا زالت الضرورة وكان الإمكان. وقد احتج بعض من ذهب إلى أنه لا يصلي إذا لم يجد ماءً ولا ترابًا بقول النبي صلى الله عليه وسلم "لا يقبل الله صلاة بغير طهور" انظر "معالم السنن" ۸۳/۱.

ترجمہ : حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اسید بن حضیرؓ اور ان کے ساتھ دوسرے کئی لوگوں کو وہ ہار تلاش کرنے کے لئے بھیجا جو حضرت عائشہؓ نے گم کردیا تھا، نماز کا وقت ہوا تو لوگوں نے بغیر وضوء کے نماز پڑھی، پھر حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے بیان کیا، تو آیت تیمم نازل ہوئی۔

ابن نفیل نے یہ بھی نقل کیا کہ اسید بن حضیرؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے! تمہارے ساتھ کوئی ایسی بات پیش نہیں آئی جس کو تم ناگوار کردیتی ہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں مسلمانوں کے لئے اور تمہارے لئے بھلائی اور آسانی عطار فرمادی۔

تشریح مع تحقیق : مصنفؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جس حدیث کو یہاں ذکر کیا ہے اس سے تیمم کا ثبوت ہوتا ہے، لیکن یہاں یہ روایت مختصراً ہے، بخاری و مسلم میں یہی روایت تفصیل کے ساتھ مذکور ہے، جس کا مضمون یہ ہے:

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں کسی سفر میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ تھی مقام ذات الجیش یا مقام بیداء میں پہنچ کر گلے کا ہار ٹوٹ کر گر پڑا جس کی تلاش کے لئے وہاں قیام کرنا پڑ گیا رات کی تاریکی میں ہار کی تلاش دشوار تھی اس لئے انتظار کیا گیا، صبح کی روشنی ہو تو ہار تلاش کیا جائے اور جب خود حضور اکرم ﷺ نے قیام کیا تو صحابۂ کرام کو بھی ٹھہرنا پڑا، لیکن یہ مقام ایسا تھا کہ یہاں پانی نہیں تھا، صبح ہوئی تو لوگوں کو پریشانی ہوئی کہ پانی کا کوئی انتظام نہیں ہے اور نماز کا وقت ہوگیا، اس پریشانی میں لوگ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس پہنچے اور شکایت کی کہ آپ کو معلوم نہیں کہ حضرت عائشہؓ کی وجہ سے کیا ہوا؟ ایسی جگہ رکنا پڑ گیا جہاں پانی نہیں ہے، حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عائشہؓ کو ملامت کرنا شروع کردی کہ تمہاری بے احتیاطی کا یہ نتیجہ ہے کہ اس لق و دق میدان میں لوگوں کی نمازیں قضاء ہونے والی ہیں، زبان سے بھی ملامت کی اور ہاتھ سے بھی چوکے لگائے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ چوکے لگانے کے باوجود میں حرکت اس لئے نہیں کرسکتی تھی کہ میری حرکت سے سرکار دوعالم ﷺ کی نیند میں خلل پڑ سکتا تھا، کیوں کہ آپ ﷺ کا سر مبارک میری ران پر تھا، چنانچہ جب آپ

ﷺ صبح کے وقت بیدار ہوئے تو وہاں پر پانی نہیں تھا، اس وقت اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی، چنانچہ صحابہ کرام ﷺ نے تیمم کر کے نماز ادا فرمائی۔

حضرت اسید بن حضیر ﷺ جن کو ہار کی تلاش کے لئے مامور کیا گیا تھا فرماتے ہیں کہ خانوادۂ صدیق سے برکت کا یہ ظہور کوئی نئی بات نہیں ہے، اس خاندان سے ہمیشہ برکتیں ظاہر ہوتی رہی ہیں، یہاں برکت ظاہر ہے کہ سخت پریشانی کی صورت تھی لیکن اللہ نے ایک مرتبہ کی پریشانی کو دور کرنے کے لئے مستقل دستور نازل فرمادیا کہ ایسی صورت میں کسی طرح کی کوئی پریشانی ہی نہ ہو۔

اس تفصیلی روایت سے ترجمۃ الباب ثابت ہو گیا کہ پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کی اجازت ہے، خواہ سفر کے موقع پر یہ صورت پیش آئے یا حضر میں۔

آیت تیمم کا نزول کس سفر میں ہوا؟

سوال یہ ہے کہ یہ واقعہ کس سفر سے متعلق ہے، ہار گم ہونے کا واقعہ صرف ایک بار پیش آیا یا دوبار؟

اس روایت سے صرف اتنی بات معلوم ہوئی کہ ہار گم ہو جانے کے بعد سفر میں تیمم کا حکم نازل ہوا، دوسری روایات سے اتنی بات طے ہے کہ حضرت عائشہؓ کا ہار دوبار گم ہوا ہے، اب یہ بات کہ ایک ہی سفر میں دوبار گم ہوا ہو قیاس سے بعید ہے اس لئے ماننا ہوگا کہ ہار دوبار گم ہوا اور دو سفر میں ہوا، کیونکہ حضرت عائشہؓ سے مختلف روایات جو منقول ہوئی ہیں ان سے یہ بات پورے طور پر معلوم ہو رہی ہے کہ واقعات الگ الگ دو ہیں، غزوہ بنی المصطلق میں بھی حضرت عائشہؓ کے پاس ہار تھا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے لشکر کو کوچ کرنے کا اعلان فرمایا، ادھر مجھے قضائے حاجت کا تقاضہ تھا چنانچہ میں لشکر سے باہر چلی گئی، فارغ ہو کر آئی اتفاق سے ہاتھ جو سینہ پر پہنچا تو خیال آیا کہ اسماءؓ کا مستعار ہار جو میرے پاس تھا موجود نہیں ہے میں اسی فکر میں نکل گئی اور ہار تلاش کر کے لے آئی، لیکن جب پہنچی تو لشکر روانہ ہو چکا تھا، ایک واقعہ تو یہ ہے یہ واقعہ راجح قول کے مطابق مریسیع غزوہ بنی المصطلق کا ہے، اسی واقعہ میں حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائی گئی۔

دوسرا واقعہ جو روایت میں ہے وہ اس کے برخلاف ہے، اس میں ہے کہ ہار گم ہوا تو حضرت عائشہؓ تلاش کرنے کے لئے نہیں گئیں بلکہ نبی کریم ﷺ نے ہار کی تلاش کے لئے قیام فرمایا اور حضرت اسید بن حضیر ﷺ وغیرہ سے ہار کو تلاش کروایا، یہ دونوں واقعات مختلف ہیں۔

وہاں خود حضرت عائشہؓ نے ہار تلاش کیا یہاں حضور ﷺ نے ہار تلاش کروایا، وہاں لشکر کوچ کر گیا تھا اور حضرت عائشہؓ تنہا رہ گئی تھیں، یہاں سب لوگوں کو ہار کی تلاش میں رکنا پڑا، اس لیے یہ کہنا کہ واقعہ ایک ہے روایات کے خلاف ہے۔

معجم طبرانی میں حضرت عائشہؓ کی ایک حدیث ہمارے اس قول کے لئے صراحۃً موید ہے، "حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب میرے ہار گم ہونے کا واقعہ پیش آیا اور بہتان لگانے والوں نے جو چاہا کہا، پھر اس کے بعد دوبارہ دوسرے غزوہ میں میں حضور ﷺ کے ساتھ گئی اور پھر دوبارہ میرا ہار گم ہوگیا، اور لوگوں کو اس کی تلاش کے لئے رکنا پڑا، اس موقعہ پر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا اے بیٹی! تو ہر سفر میں لوگوں کے لئے مشقت کا سبب بن جاتی ہے، تب باری تعالیٰ نے تیمم کی رخصت نازل فرمائی، تو حضرت ابوبکرؓ نے تین بار فرمایا کہ تو بڑی بابرکت ہے۔

اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ ہار دوبار گم ہوا اور تیمم کی یہ آیت دوسرے واقعہ سے متعلق ہے، جو افک کے بعد کا ہے، اب سوال صرف اتنارہ جاتا ہے کہ افک کا واقعہ تو غزوہ بنی المصطلق سے متعلق ہے یہ دوسرا واقعہ جو افک کے بعد پیش آیا ہے کون سے سفر سے متعلق ہے؟

ابن حبیب اور بعض دوسرے مؤرخین کے نزدیک اس واقعہ کا تعلق غزوہ ذات الرقاع سے ہے، اور دلیل یہ ہے کہ غزوہ بنی المصطلق کی آخری تاریخ شعبان ۶ھ ہے، اس سے آگے کی تاریخ کسی بھی مؤرخ نے بیان نہیں کی، اس کے ساتھ یہ بھی دیکھئے کہ حضرت ابوہریرہؓ سے مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ روایت منقول ہے کہ جب آیت تیمم نازل ہوئی تو حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا: "لَمْ أَدْرِ كَيْفَ أَصْنَعُ" میں نہیں جانتا کہ تیمم کس طرح کیا جائے، معلوم ہوا کہ آیت تیمم کے واقعہ میں حضرت ابوہریرہؓ موجود تھے، اور ظاہر ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ خیبر میں حاضر ہوئے ہیں جس کا شمار ۷ھ کے غزوات میں ہے، پھر جب حضرت ابوہریرہؓ شریک ہیں اور غزوہ بنی المصطلق کی آخری تاریخ شعبان ۶ھ ہے تو اس میں حضرت ابوہریرہؓ کی شرکت کیسے ہوسکتی ہے، حضرت ابوہریرہؓ کی شرکت اور حضرت عائشہؓ کی روایت: "خرجت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في غزوة أخرى" دونوں سے یہ بات راجح ہوگئی کہ یہ واقعہ غزوہ ذات الرقاع کا ہے۔

اس سلسلے میں علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے بھی فتح الملہم میں بڑی اچھی بحث کی ہے جو قابل مطالعہ ہے (دیکھئے فتح الملہم ۱/۴۹۳)

آیت تیمم سے آیت نساء مراد ہے یا آیت مائدہ؟

حدیث میں آیا "فانزل الله آية التيمم" کہ اللہ تعالیٰ نے آیت تیمم کو نازل فرمادیا، اب تیمم کے سلسلے میں قرآن پاک میں دو آیتیں ہیں، ایک آیت سورۂ نساء کی ہے اور دوسری آیت سورۂ مائدہ میں ہے، سوال یہ ہے کہ اس موقعہ پر کون سی آیت نازل ہوئی؟ امام بخاریؒ نے تو یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس موقعہ پر سورۂ مائدہ والی آیت نازل ہوئی ہے، کیونکہ امام بخاریؒ

نے آیت کے جو الفاظ نقل کیے ہیں ان میں "منه" ہے اور منه مائدہ میں ہے نساء میں نہیں ہے، اکثر مفسرین نے بھی امام بخاریؒ کی رائے سے اتفاق کیا ہے اور یہی راجح بھی ہے۔

لیکن اس جگہ ایک بہت ہی سخت عویص اشکال ہے جس پر قاضی ابوبکر ابن العربی مالکیؒ نے "احکام القرآن" میں متنبہ کیا ہے، ان کو بڑے اذکیاء امت میں شمار کیا جاتا ہے، وہ اس اشکال کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "هٰذِهٖ مُعْضِلَةٌ مَا وَجَدْتُ لِدَائِهَا مِنْ دَوَاءٍ" کہ یہ ایک ایسی مشکل ہے جس مرض کی میں کوئی دوا نہ پاسکا۔

اشکال یہ ہے کہ اگر اس واقعہ میں سورۂ مائدہ والی آیت نازل ہوئی ہے تو سوال ہے کہ سورہ نساء والی آیت اس سے پہلے نازل ہو چکی تھی یا نہیں؟ اگر نازل ہو چکی تھی اور اس کے بعد آیت مائدہ نازل ہوئی تو یہ کیسے کہا جارہا ہے کہ اس وقت لوگوں کو تیمم کا حکم نہ تھا اس لئے لوگوں کو بہت پریشانی لاحق ہوئی اور بعض نے تو بلا طہارت نماز پڑھ لی، اور اگر معاملہ ایسا نہیں ہے بلکہ سورہ نساء کی آیت مائدہ سے پہلے نازل نہیں ہوئی تو سوال یہ ہے کہ جب اس واقعہ میں سورہ مائدہ کی آیت سے تیمم کا حکم اور اس کی تمام تفصیلات معلوم ہو گئیں تو پھر دوبارہ سورہ نساء کی آیت کی ضرورت کیا تھی؟ خلاصہ یہ ہوا کہ اگر سورہ نساء کی آیت کے نزول کو مقدم مانتے ہیں تو اس موقع پر صحابہ کو پریشانی کیوں ہوئی اور اگر سورہ نساء کو مؤخر مانتے ہیں تو حکم میں تکرار لازم آتا ہے۔

علماء نے دونوں صورتوں میں اشکال کو حل کیا ہے، اگر سورہ نساء کی آیت کا نزول پہلے تسلیم کرلیں تو حضرات صحابہ ﷺ کو پریشانی کا باعث یہ بات ہوسکتی ہے کہ سورۂ نساء کی آیت میں جنابت کا مسئلہ صراحت کے ساتھ نہیں تھا اور سورۂ مائدہ کی آیت میں اب صراحۃً حکم آگیا ہے، لیکن بندے کی سمجھ سے یہ جواب بالاتر ہے کیونکہ یہاں اس واقعہ میں جو مسئلہ پیش آیا وہ حدث اصغر کا ہی تھا، نہ کہ جنابت کا جس کی وجہ سے صحابہ کو پریشانی ہوتی۔

البتہ خود ابن العربی رحمہ اللہ نے جو جواب دیا ہے وہ زیادہ واضح معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ آیت نساء کا صدر "یاایها الذین آمنوا لا تقربوا الصلاة وأنتم سكرى حتى تعلموا ما تقولون" ہے یہاں تک ۳ھ میں یہ حصہ نازل ہو چکا ہے اور بعد کا حصہ "ولا جنبًا إلّا عابري سبيل" سے "إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا" تک جس میں تیمم کا ذکر ہے یہ ٹکڑا حدیث الباب کے واقعہ کے بعد نازل ہوا ہے، اگر یہ شبہ ظاہر کیا جائے کہ جب یہ اخیر کا ٹکڑا بعد میں نازل ہوا ہے تو کس طرح صدر آیت سے مل گیا، سو اس کے نظائر قرآن پاک میں متعدد ہیں۔

اب رہا دوسرا اشکال کہ سورہ مائدہ کی آیت کو نزول کے اعتبار سے مقدم مانیں تو دوبارہ سورۂ نساء میں آیت تیمم کی کیا ضرورت تھی؟ سو اس کا حل یہ ہے کہ واقعۂ تیمم اور اس کی تفصیلات تو سورہ مائدہ میں آگئیں لیکن جب سورۂ نساء میں دوسرا سیاق شروع ہوا "يٰٓاَيُّهَا الذين آمنوا لا تقربوا الصلاةَ وأنتم سُكٰرٰى" تو اس آیت میں اگر "حتى تغتسلوا" پر آیت کو ختم

کردیا جاتا تو یہ شبہ گزر سکتا تھا کہ شاید سورہ مائدہ میں بیان کیا گیا تیمم کا حکم منسوخ ہوگیا کیونکہ یہاں جنابت کے بعد صرف "تغسلوا" لایا گیا ہے، اس شبہ کے ازالہ کے لئے تیمم کی آیت دوبارہ تاکید کے لئے نازل کردی گئی۔ (ایضاح البخاری ۲/۵۰۰)۔

فقہ الحدیث

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ انسان اپنے مال کی حفاظت کرے اگرچہ وہ قلیل ہی کیوں نہ ہو۔
عورتوں کو سفر جہاد وغیرہ میں ساتھ لے جانا جائز ہے۔
اگر کوئی مال گم ہوجائے تو اس کو تلاش کرنا چاہئے۔
عورتوں کے لئے زیورات کو استعمال کرنا ازراہ تجمل جائز ہے۔
تیمم کی مشروعیت کا سبب حضرت عائشہؓ کے ہار کا گم ہونا ہے۔

۳۱۸ ﴿حَدَّثَنَا أحمد بنُ صَالِحٍ نا عَبْدُ اللّٰه بنُ وَهْبٍ حدثني يُوْنُسُ عن ابنِ شِهَابٍ قالَ : إنَّ عَبْدَ اللّٰه بنَ عَبْدِ اللّٰه بنِ عُتْبَةَ حَدَّثَهُ عن عَمَّارِ بنِ يَاسِرٍ أنّه كانَ يُحَدِّثُ أنَّهُمْ تَمَسَّحُوْا وَهُمْ مَعَ رسولِ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بالصَّعِيْدِ لِصَلَاةِ الْفَجْرِ فَضَرَبُوا بأكُفِّهِمْ الصَّعِيْدَ ثُمَّ مَسَحُوْا وُجُوهَهُم مَسْحَةً وَاحِدَةً ثُمَّ عَادُوْا فَضَرَبُوْا بِأَكُفِّهِمْ الصَّعِيْدَ مَرَّةً أخْرىٰ فَمَسَحُوا بأيْدِيْهِمْ كُلِّهَا إلى الْمَنَاكِبِ والآبَاطِ مِن بُطُوْنِ أيْدِيْهِمْ.﴾

أخرجه النسائي في "المجتبى" في الطهارة، باب: الاختلاف في كيفية التيمم (٣١٤). وأخرجه ابن ماجه في "سننه" باب: ما جاء في السبب (٥٦٦). انظر "تحفة الأشراف" (١٠٣٥٨).

ترجمہ : حضرت عمار بن یاسر ؓ بیان فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نے نماز فجر کے لئے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ پاک مٹی سے تیمم کیا تو انہوں نے مٹی پر ہاتھ مار کر منہ پر ایک دفعہ پھیرلیا، پھر دوبارہ مٹی پر ہاتھ مار کر اپنے تمام ہاتھوں پر کندھوں اور بغلوں تک پھیرلیا۔

تشریح مع تحقیق : تَمَسَّحُوا : تَمَسَّحَ بالأرضِ (تفعل، اصله مسح) تَمَسُّحًا : تیمم کرنا،
الصعید : مٹی، روئے زمین، سطح زمین۔

اس حدیث کو ذکر کرنے سے مصنفؒ کا مقصد تیمم کی کیفیت اور طریقہ کو بیان کرنا ہے، کیفیت تیمم میں دو مسئلے مختلف فیہ ہیں ایک تو یہ کہ تیمم میں کتنی ضربیں ہوں گی دوسرے یہ کہ مسح یدین کہاں تک ہوگا۔

کیفیتِ تیمم

پہلے مسئلہ میں علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری میں (۳/۲۰۹) اور معارف السنن (۱/۴۷۷) میں علامہ بنوریؒ نے پانچ

قول نقل کئے ہیں:

۱- امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، لیث بن سعد اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ تیمم کے لئے دو ضربیں ہوں گی، ایک وجہ کے لئے اور ایک یدین کے لئے۔

۲- امام احمد بن حنبلؒ، امام اسحٰق اور امام اوزاعیؒ کے نزدیک ایک ہی ضربہ ہوگا جس سے وجہ اور یدین دونوں کا مسح ہوگا، امام مالکؒ کی ایک روایت بھی اسی کے مطابق ہے۔

۳- حسن بصریؒ اور ابن ابی لیلیؒ کا مسلک یہ ہے کہ دو ضربیں ہوں گی لیکن اس طرح کہ ہر ضربہ میں وجہ اور یدین دونوں کو مسح کیا جائے گا۔

۴- محمد بن سیرینؒ کا مسلک ہے کہ ضربات تین ہوں گی ایک وجہ کے لئے، دوسری یدین کے لئے اور تیسری دونوں کے لئے۔

۵- ابن بَزِیزَہ کا مسلک ہے کہ چار ضربیں ہوں گی دو وجہ کے لئے اور دو یدین کے لئے۔

دوسرا اختلاف مقدار مسح یدین میں ہے اور اس میں چار مذہب ہیں:

۱- مرفقین تک مسح کرنا واجب ہے، یہ قول امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور جمہور کا ہے۔

۲- صرف رسغین تک مسح واجب ہے، یہ مسلک امام احمدؒ، امام اوزاعیؒ اور اہل ظاہر کا ہے۔

۳- رسغین تک واجب اور مرفقین تک مسنون ہے، علامہ ابن رشدؒ نے امام مالکؒ کی ایک روایت یہی قرار دی ہے، امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ تطبیق بین الروایات کا بہترین طریقہ ہے۔

۴- ابن شہاب زہریؒ کا مسلک یہ ہے کہ یدین کا تیمم مناکب و آباط تک ہوگا۔

اختلاف کی اصل دونوں مسئلوں میں جمہور اور امام احمدؒ کے درمیان ہے، جمہور کے نزدیک تیمم میں دو ضربیں ہیں اور یدین کا مسح مرفقین تک ہے، اور امام احمدؒ کے نزدیک ایک ضربہ ہے اور یدین کا مسح رسغین تک ہے۔

امام احمدؒ کا استدلال

امام احمد بن حنبلؒ کا استدلال دونوں مسئلوں میں حضرت عمار بن یاسر ﷺ کی حدیث سے ہے جس کو مصنفؒ آگے نقل کریں گے ان کی روایت میں ایک ضربہ اور صرف مسح الرسغین کا ذکر ہے، حدیث کے الفاظ ہیں: "إن النبي صلى الله عليه وسلم أمره بالتيمم للوجه والكفين" اس میں ہاتھوں کے لئے کفین کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا اطلاق صرف رسغین تک ہوتا ہے، حضرت عمار بن یاسر ﷺ کی یہ حدیث چوں کہ اصح مافی الباب ہے اس لئے امام احمدؒ نے اسے

اختیار فرمایا ہے۔

جمہور کے مستدلات

(۱) سنن دار قطنی (باب التیمم ۱/۱۸۱، حدیث:۲۲) میں اس طرح مروی ہے "عن جابر أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: التيمم ضربة للوجه وضربة للذراعين إلى المرفقين" اس میں ضربتین اور مسح إلی المرفقین کی صراحت ہے اور یہ حدیث صحیح ہے، علامہ زیلعیؒ نصب الرایہ (۱/۱۵۱) پر تحریر فرماتے ہیں: "قال الحاكم: صحيح الإسناد، وقال الدار قطني: رجاله كلهم ثقات.

لیکن اس روایت پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس حدیث میں ایک راوی عثمان بن محمد ہیں جو متکلم فیہ ہیں، لیکن صحیح یہ ہے کہ عثمان بن محمد ثقہ راوی ہیں ابن الجوزی نے جو ان کو متکلم فیہ کہا ہے وہ درست نہیں ہے، علامہ ابن دقیق العید نے ابن الجوزی کی خوب جم کر تردید کی ہے۔ اور کہا ہے کہ ابن الجوزی کا یہ کلام قابل قبول نہیں ہے، اس لیے کہ انہوں نے جرح کی کوئی وجہ بیان نہیں کی۔

دوسرا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ سنن دار قطنی میں یہی روایت موقوفاً بھی ہے اور اس کا موقوف ہونا ہی علماء کی نظر میں زیادہ صحیح ہے، لیکن اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت دونوں طرح صحیح ہے مرفوعاً بھی اور موقوفاً بھی، عثمان بن محمدؒ نے مرفوعاً نقل کی ہے اور ابو نعیم نے موقوفاً، اور یہ دونوں راوی ثقہ ہیں ان میں سے کسی ایک کی روایت کو شاذ نہیں کہہ سکتے، اب جس نے مرفوعاً نقل کی ہے وہ مثبت زیادت ہوا اور قاعدہ ہے کہ ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے، لہٰذا مرفوع روایت بھی صحیح ہے، یہی وجہ ہے کہ مرفوع کے بارے میں امام حاکمؒ نے فرمایا ہے: "صحيح الإسناد" حافظ ذہبیؒ نے بھی اس کی تحسین کی ہے، علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ: "لَا يُلْتَفَتُ إِلَى قَوْلِ مَنْ يَمْنَعُ صِحَّتَهُ"۔ (نصب الرایہ: ۲/۱۵۲)

۲۔ جمہور کی دوسری دلیل مسند بزار میں حضرت عمار بن یاسر ﷺ کی حدیث ہے جس میں وہ فرماتے ہیں: "كنت في القوم حين نزلت الرخصة فأمرنا فضربنا واحدةً لِلْوَجْهِ ثم ضَرْبَةً أخرى لِلْيَدَيْنِ إلى المرفقين"۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی روایات جمہورؒ کے مسلک پر دلالت کرتی ہیں جن کو حضرت محدث سہارن پوریؒ نے بذل المجہود میں تفصیل کے ساتھ مع سند و حوالۂ کتب کے درج فرمایا ہے، اور لکھا ہے کہ یہ روایات اگرچہ قوت اور صحت میں صحیحین کی روایات کے مثل نہیں ہیں تاہم ان کے ضعف کا انجبار تعدد طرق اور موافقت قیاس سے ہورہا ہے، اور وہ اس طرح کہ وضوء جو کہ تیمم کی اصل ہے اس میں ایک ہی پانی کو دو عضو میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے، لہٰذا تیمم میں بھی ایک ہی تراب کو دو عضو میں استعمال کرنا جائز نہ ہونا چاہئے، اسی طرح وضوء میں غسل الیدین إلی المرفقین ہے لہٰذا تیمم میں بھی مسح الیدین إلی المرفقین

ہونا چاہئے، نیز جن روایات میں ضربۂ واحد مذکور ہے وہ مافوق کی نفی پر دلالت نہیں کرتیں، مگر بطریق مفہوم مخالف کے، اور حنفیہ مفہوم سے استدلال کے قائل نہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ضربتین اور مسح إلی المرفقین والی روایات کو لینا ہی احتیاط ہے، اس لئے کہ ضربتین میں ضربۂ واحد بھی شامل ہوجاتی ہے، ایسے مسح الذراعین الی المرفقین میں مسح الکفین داخل ہے، اس کے بعد شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ ضربتین اور مسح الی المرفقین والی روایات صحاح میں مذکور نہیں ہیں، جب کہ ضربہ واحد کی روایات صحیحین میں ہیں، لہٰذا انہیں کو لینا چاہئے؟ جواب یہ ہے کہ کسی روایت کا کتب صحاح میں نہ ہونا اس کی عدم صحت کو مستلزم نہیں ہے۔ (المنہل ۱۵۰/۳)۔

حدیث عمار کی توجیہ

حضرت عمار بن یاسر ﷺ کی جس حدیث سے امام احمدؒ نے استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ آگے یہ روایت تفصیل سے آرہی ہے، کہ حضرت عمار بن یاسر ﷺ نے ناواقفیت کی بنا پر حالت جنابت میں زمین پر لوٹ لگائی تھی اور تمعک کیا تھا اس کی اطلاع جب حضور ﷺ کو دی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: إنّما يكفيك أن تضرب بيديك الأرض ثم تنفخ ثم تمسح بهما وجهك" اس حدیث کا سیاق صاف بتلا رہا ہے کہ آں حضور ﷺ کا اصل مقصد تیمم کے پورے طریقہ کی تعلیم دینا نہیں بلکہ تیمم کے معروف طریقہ کی طرف اشارہ کرنا مقصود تھا، کہ زمین پر لوٹنے کی ضرورت نہیں بلکہ جنابت کی حالت میں بھی تیمم کا وہی طریقہ کافی ہے جو حدث اصغر میں ہے اس کی نظیر ایک اور واقعہ بھی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما غسل جنابت میں بڑے تعمق سے کام لیتے تھے آپ ﷺ کو جب معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "أَمَّا أَنَا فَأُفْرِغُ عَلَى رَأْسِي ثَلَاثَ غُرُفَاتٍ" ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ غسل جنابت میں صرف سر کا دھونا کافی ہے باقی جسم کا دھونا ضروری نہیں، اسی طرح حضرت عمار ﷺ کی حدیث کا بھی یہ مطلب نہیں کہ ایک ضربہ کافی ہے، بلکہ الفاظ مذکورہ سے طریقۂ معروف کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

حضرت عمار ﷺ کی حدیث کی یہ تاویل نہایت موزوں ہے چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ جیسے انصاف پسند شخص نے بھی یہی لکھا ہے کہ یہ کوئی بعید تاویل نہیں ہے۔

دوسرے مسئلہ میں امام زہریؒ نے تیمم کے مناکب وآباط تک مشروع ہونے پر اسی حدیث عمار ﷺ سے استدلال کیا ہے، لیکن جمہور کی طرف سے اس کی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ نزولِ حکمِ تیمم کی ابتدار میں صحابۂ کرام ﷺ کا اپنا اجتہاد تھا جس پر حضور اکرم ﷺ کی تقریر ثابت نہیں، لہٰذا صریح اور صحیح روایات کے مقابلہ میں اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا، نیز حضرت

عمار ؓ کا عمل بھی ان کی اس سابقہ روایت کے خلاف ہے اور جب راوی کا عمل اپنی روایت کے خلاف ہو تو وہ سابقہ روایت کے منسوخ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

اس مسئلے پر امام طحاویؒ نے تفصیلی کلام کیا ہے اس کو دیکھا جائے۔

۳۱۹ ﴿حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بنُ داوُدَ الْمَهْرِيُّ وَعَبْدُ الملك بنُ شُعَيْبٍ عَنْ ابنِ وَهْبٍ نَحْوَ هٰذَا الحديثِ ، قال : قَامَ المسلمونَ فَضَرَبُوا باَكُفِّهِمْ التُّرَابَ وَلَمْ يَقْبِضُوا مِنَ التراب شَيْئًا، فَذَكَرَ نَحْوَهُ ، وَلَمْ يَذْكُرِ المناكِبَ والآبَاطَ ، قال ابنُ اللَّيْثِ إلى ما فَوْقَ المِرْفَقَيْنِ.﴾

تقدم تخريجه في الحديث السابق.

ترجمہ : ابن وہب سے پہلی حدیث کی طرح روایت ہے، اس میں یہ ہے کہ مسلمانوں نے کھڑے ہو کر اپنے ہاتھ مٹی پر مارے اور مٹی بالکل نہیں لی، پھر ماقبل کی طرح ذکر کیا، اور مناکب و آباط کو ذکر نہیں کیا، ابن لیث نے کہا کہ انہوں نے کہنیوں سے اوپر تک مسح کیا۔

تشریح مع تحقیق : یہ پہلی حدیث ہی کا دوسرا طریق ہے، پہلی روایت میں ابن وہبؒ سے نقل کرنے والے احمد بن صالح تھے اور اس میں سلیمان اور عبدالملک ہیں، اس روایت کے اور بھی متعدد طرق ہیں جن کو مصنفؒ آئندہ بیان فرمائیں گے۔

اس طریق میں اور ماقبل کے طریق میں فرق یہ ہے کہ یہاں مناکب و آباط تک مسح مذکور نہیں ہے اور پہلی میں تھا، نیز اس میں یہ بھی اضافہ ہے کہ صحابہ ؓ نے مٹی پر ہاتھوں کو مارا اور مسح کیا، مٹی کو ہاتھ میں نہیں لیا، اس لئے کہ مقصود مسح کے ذریعہ طہارت کا حصول ہے جو ضرب علی الارض سے حاصل ہو جاتا ہے، یہ روایت بعینہ انہی الفاظ کے ساتھ سنن ابن ماجہ میں ہے۔

۳۲۰ ﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ أحمدَ بنِ أبي خَلَفٍ و محمد بنُ يَحْيٰى النَّيسَابُورِي فِي آخَرِيْنَ قالوا : نا يَعْقُوبُ نَا أبي عَنْ صَالِحٍ عَنْ ابنِ شِهَابٍ حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللّٰه بنُ عبداللّٰه عن ابنِ عَبَّاسٍ عن عَمَّارِ بن يَاسِرٍ أنَّ رسولَ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عَرَّسَ بِأوْلَاتِ الْجَيْشِ ومَعَهُ عائشةُ ، فانْقَطَعَ عِقْدٌ لَهَا مِنْ جَزْعِ ظِفَارٍ ، فَحَبَسَ النَّاسَ ابْتِغَاءُ عِقْدِهَا ذلك، حَتّٰى أضَاءَ الفَجْرُ وَلَيْسَ مَعَ الناسِ مآء ، فَتَغَيَّظَ عَلَيْهَا أبوبَكْرٍ ، وقال : حَبَسْتِ الناسَ و لَيْسَ مَعَهُمْ مآء ، فَأنْزَلَ اللّٰه تعالٰى ذِكْرُهُ عَلٰى رَسُوْلِه صلى اللّٰه عليه وسلم رُخْصَةَ التَّطَهُّرِ بالصَّعِيْدِ الطَّيِّبِ ، فقَامَ المسلمون مَعَ رسولِ اللّٰه صلى

اللّٰه عليه وسلم فَضَرَبُوا بِأَيْدِيهِمُ الأَرْضَ ، ثم رَفَعُوا أيْدِيَهُمْ ولم يَقْبِضوا مِنَ التُّرَابِ شَيْئًا فَمَسَحُوا بِهَا وُجُوهَهُمْ و أَيْدِيَهُمْ إلى الْمَناكِبِ ومِنْ بُطُونِ أيديهم إلى الآبَاطِ.

زَادَ ابنُ يَحْيىٰ فِي حديثه : قال ابنُ شهابٍ فِي حَدِيثِهِ وَلَا يَعْتَبِرُ بِهٰذَا الناسُ.

قال أبوْ داوٗد : و كذلك رواه ابنُ إسحاقَ قَالَ فيه عن ابنِ عَبَّاسٍ ، وذَكَرَ ضَرْبَتَيْنِ كَمَا ذَكَرَ يُونُسُ و رَوَاهُ مَعْمَر عن الزهري ضَرْبَتَيْنِ ، وقَالَ مالكٌ عن الزهري عن عُبَيْدِ الله بن عبدِ الله عن أبيه عن عَمّارٍ ، و كذلك قال أبو أُوَيْسٍ عن الزهري ، وشَكَّ فيه ابنُ عُيَيْنَةَ ، قال مَرَّةً عن عُبَيْدِ الله عن أبيهِ ، أو عن عُبَيْدِ الله عن ابن عَبَّاسٍ اضْطَرَبَ فيه، وَمَرَّةً قال : عن أبيه ، ومَرَّةً قال : عن ابنِ عباس اضْطَرَبَ فِيهِ ، و في سَمَاعِهِ عَنِ الزُّهْرِيِّ شَكٌّ ، و لَمْ يَذْكُرْ أَحَدٌ مِنهُمُ الضَّرْبَتَيْنِ إلَّا مَنْ سَمَّيْتُ.

أخرجه النسائي في "المجتبى" في الطهارة، باب: التيمم في السفر (٣١٣). انظر "تحفة الأشراف" (١٠٣٦٨).
عرس: من التعريس وهو نزول المسافر آخر الليل للاستراحة والنوم.
أولات الجيش: موضع بين مكة والمدينة على بريد من المدينة بينها وبين العقيق سبعة أميال.
جزع: بفتح الجيم وسكون الزاي: وهو خرز يماني.
ظِفار: بكسر الظاء وفتحها مدينة بسواحل اليمن. انظر "شرح السندي على المجتبى" ١٦٧/١.

ترجمه : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت عمار بن یاسر ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (غزوہ بنی المصطلق میں) رات کو مقام ذات الجیش میں اترے، آپ ﷺ کے ساتھ حضرت عائشہؓ تھیں، ان کے گلے کا ہار جو عقیق ظفار کا تھا گر گیا، اس کی تلاش نے لوگوں کو روک رکھا، یہاں تک کہ روشنی ہوگئی، اوران کے ساتھ پانی نہ تھا، حضرت ابوبکر صدیق ﷺ حضرت عائشہؓ پر غصہ ہوئے، اور کہا تو نے لوگوں کو روک رکھا ہے اوران کے ساتھ پانی نہیں ہے اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے پاک مٹی سے طہارت حاصل کرنے کی آیتیں اتاریں، مسلمان حضور اکرم ﷺ کے ساتھ کھڑے ہوئے انہوں نے اپنے ہاتھوں کو زمین پر مارا پھر اٹھالئے، مٹی کا کوئی حصہ نہ اٹھایا، پھر اپنے چہروں کا مسح کیا اور اپنے ہاتھوں کا مسح کیا مونڈھوں تک اور ہتھیلیوں سے مسح کیا بغلوں تک۔

ابن یحیٰی رحمہ اللہ کی روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ ابن شہابؒ نے اپنی حدیث میں کہا کہ لوگ اس کا اعتبار نہیں کرتے۔

ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ اسی طرح محمد بن اسحٰق نے روایت کیا ہے اوراس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہوئے دوضرب کو ذکر کیا ہے، مالک نے اس طرح سند ذکر کی ہے: زهري عن عبيد الله بن عبدالله عن أبيه عن عَمّارٍ" اور ابواویسؒ نے بھی زہریؒ سے اسی طرح روایت کیا ہے، اور ابن عیینہ کو اس میں شک واقع ہوا ہے، کبھی تو انہوں نے "عَنْ عُبَيْدِ الله عن أبيه أو عَن عبيد الله عن ابن عباسٍ" شک کے ساتھ کہا، اور کبھی عبيد الله عن

أبیه" کہا اور کبھی عبید الله عن ابن عباسٍ" کہا اس میں اضطراب ہو گیا، اور زہریؒ سے ان کے سماع میں شک ہے، اور جن کے میں نے نام لئے ہیں ان کے علاوہ کسی نے بھی ضربتین (دو ضرب) کو ذکر نہیں کیا ہے۔

تشریح مع تحقیق : یہ حدیث عمار بن یاسر ﷛ کا تیسرا طریق ہے، پہلے دونوں طریق میں ابن شہاب زہری سے روایت کرنے والے یونس بن یزیدؒ تھے اور اس طریق میں صالح بن کیسانؒ ہیں یونس کی روایت میں عبید اللہ بن عبد اللہ اور عمار بن یاسر ﷛ کے درمیان کوئی واسطہ نہ تھا اور اس میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا واسطہ ہے۔

قوله : فِي آخرین : مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کو محمد بن احمدؒ اور محمد بن یحییٰ رحمہ اللہ نے محدثین کی ایک جماعت کے ساتھ مل کر اس حدیث کو بیان کیا، گویا مصنفؒ یہ کہہ رہے ہیں کہ اس روایت کو نقل کرنے والی ایک بڑی جماعت ہے۔

قوله : عَرَّسَ بأولات الحیش الخ عَرَّسَ (تفعیل، اصله عَرَسَ، صحیح سالم) تَعْرِیْسًا : آرام کے لئے آخر شب میں قیام کرنا، أولات الحیش : مدینہ کے جنوب میں تقریباً ایک منزل کے فاصلہ پر ایک وادی ہے، بخاری کی ایک روایت میں "بالبَیْدَاء أو بِذَاتِ الحیش" ہے، مشہور قول کی بنا پر یہ دونوں جگہیں ذوالحلیفہ کے قریب مکہ اور مدینہ کے درمیان میں ہیں اور ایک قول کی بنا پر بیداء بہ نسبت ذوالحلیفہ کے مکہ سے زیادہ قریب ہے۔

قوله : مِنْ جَزْعِ ظَفَارِ : اضافت کے ساتھ ہے، جَزْعٌ : بفتح الجیم و کسرها وسکون الزاء جَزْعَةٌ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں خرز یمانی، خرمہرے، وہ قیمتی پتھر جس سے ہار بنایا جاتا ہے۔ ظَفَار : بفتح الظاء مبنی علی الکسر ہے، جیسا کہ حذام وقطام یمن میں ایک شہر کا نام ہے۔

قوله : قال : حَبَسْتِ النَّاسَ وَلَیْسَ مَعَهُمْ مَاء : یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قافلہ نے ایسی جگہ پر قیام کیوں کیا جہاں پانی کا نظم نہ تھا؟ جواب یہ ہے کہ یہ قیام بالقصد نہ تھا بلکہ ہار کو تلاش کرنے کے لئے مجبوراً یہ قیام ہوا تھا۔

قوله : فَضَرَبُوا بأیدیهم إلی الأرض : حضرت عمار کی حدیث کے اس طریق میں ضربہٗ واحدہ کا ذکر ہے، جب کہ پہلے طریق میں ضربتین کا ذکر تھا نیز اس طریق میں مسح الیدین إلی المناکب والآباط مذکور ہے، جس کے بارے میں ابن شہاب زہریؒ کہہ رہے ہیں "وَلَا یَعْتَبِرُ بِهٰذَا النَّاسُ" یعنی بہت سے فقہاء مسح إلی المناکب والآباط کا اعتبار نہیں کرتے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ "هٰذا" سے ضربہٗ واحدہ کی طرف اشارہ ہے کہ بہت سے علماء ضربہٗ واحدہ پر اکتفاء کے قائل نہیں ہیں، نیز تیسرا احتمال یہ بھی ہے کہ دونوں کی طرف اشارہ ہو۔

فائدہ : یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اس طرح کی عبارت عموماً تضعیف کے لئے ہوتی ہے، لیکن چوں کہ کیفیت تیمم کے بارے میں زہریؒ کا مسلک مسح الی المناکب والآباط ہے اس لئے اس عبارت سے تضعیف کو مراد لینا درست نہ ہوگا، لہٰذا یہ کہا جائے کہ یہ بات امام زہریؒ بطور شکوہ کہہ رہے ہیں کہ مسح الی المناکب والآباط حدیث سے ثابت

ہے لیکن اس کے باوجود لوگ اس کے قائل نہیں ہیں۔ واللہ اعلم

قوله : قال أبو داؤد : وكذلك رواه ابنُ إسحاق الخ : یہاں سے مصنفؒ حدیث کے سندی اور متنی اضطراب کو بیان فرمارہے ہیں اس حدیث کی متعدد اسانید ہیں لیکن سب کا مدار زہریؒ پر ہے، زہریؒ سے نقل کرنے والے متعدد حضرات ہیں، ماقبل میں زہری کے شاگرد صالح بن کیسان تھے، اب مصنفؒ کہہ رہے ہیں کہ جس طرح صالح بن کیسان نے سند میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا واسطہ ذکر کیا ہے اسی طرح محمد بن اسحٰقؒ نے بھی ذکر کیا ہے، لیکن دونوں کے متن میں فرق ہے اور وہ یہ کہ محمد بن اسحٰق کی روایت میں دو ضرب مذکور ہے جیسا کہ زہریؒ کے تیسرے تلمیذ یونس کی روایت میں ضربتین ہے، جب کہ صالح بن کیسان کی روایت میں ضربۂ واحدہ ہے، نیز زہری کے چوتھے تلمیذ معمر نے بھی ضربتین ہی ذکر کیا ہے۔

وقال مالك عن الزهري عن عبيد الله بنِ عَبدِ الله عن أبيه عن عمار الخ: امام مالکؒ زہریؒ کے پانچویں شاگرد ہیں انہوں نے عبید اللہ اور عمار کے درمیان واسطہ تو ذکر کیا لیکن بجائے "ابن عباس" کے "أبيه" کا واسطہ ہے۔

قوله: وكذلك قال أبو أويس الخ : یعنی جس طرح مالکؒ نے "أبيه" کا واسطہ ذکر کیا ہے اسی طرح ابواویسؒ نے بھی سند میں "أبيه" کا واسطہ ذکر کیا ہے۔

قوله : وشكَّ فيه ابنُ عُيَيْنَةَ: سفیان بن عیینہؒ بھی زہری کے تلامذہ میں سے ہیں انہوں نے بھی عبید اللہ اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے درمیان واسطہ تو ذکر کیا ہے لیکن اس واسطہ کی تعیین نہیں کی، بلکہ شک ظاہر کیا ہے کہ واسطہ "أبيه" کا ہے یا "ابن عباس" کا البتہ کبھی کبھی بغیر شک کے أبيه کا واسطہ ذکر کیا اور کبھی ابن عباس رضی اللہ عنہما کا، یہ ان کی سند کا اضطراب ہے۔

قوله : ولم يذكر أحد منهم الضربتين إلا من سَمَّيْتُ : یہاں سَمَّيْتُ کا مصداق زہری کے تین تلامذہ ہیں یونسؒ، ابن اسحٰقؒ اور معمرؒ لیکن مصنفؒ کا یہ دعوائے حصر منقوض ہے کیونکہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن ابی ذئب اور امام طحاویؒ نے صالح بن کیسان کا اضافہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ دونوں حضرات بھی ضربتین ہی نقل کرتے ہیں، گویا اب ضربتین کو نقل کرنے والے پانچ حضرات ہوگئے نہ کہ تین۔ (بذل المجہود ج:١، ص:١٩٢)

٣٢١ ﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ سُلَيْمَانَ الْأَنْبَارِيُّ أَخْبَرَنَا أبو مُعَاوِيَةَ الضَّرِيرُ عن الأَعْمَشِ عن شَقِيْقٍ قال : كُنْتُ جَالِسًا بَيْنَ عَبْدِ الله و أَبِي مُوْسٰى ، فقال أبو مُوْسٰى : يا أَبَا عَبْدِالرحمٰن ! أَرَأَيْتَ أنَّ رَجُلًا أجْنبَ فَلَمْ يَجِدِ المآءَ شَهْرًا أَمَا كَانَ يَتَيَمَّمُ ؟ قَالَ : لَا، وإن لم يَجِدِ المآء شَهْرًا ، فقال أبو موسٰى : فَكَيْفَ تَصْنَعُوْنَ بِهٰذِه الآيَة التي في

سُوْرَةِ الْمَآئِدَةِ : "فَلَمْ تَجِدُوا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا" ؟ فقال عَبْدُ الله : لَوْ رُخِّصَ لَهُمْ فِي هٰذَا لَأَوْشَكُوا إِذَا بَرَدَ عَلَيْهِمُ المآءُ أن يَتَيَمَّمُوْا بالصَّعِيْدِ فقال له أبو موسٰى: أَلَمْ تَسْمَعْ قولَ عَمَّارٍ لِعُمَرَ : بَعَثَنِيْ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم في حَاجَةٍ فَأَجْنَبْتُ فَلَمْ أَجِدِ المآءَ فَتَمَرَّغْتُ فِي الصَّعِيْدِ كَمَا تَتَمَرَّغُ الدَّابَّةُ ، ثُمَّ أَتَيْتُ النبيَّ صلى الله عليه وسلم فذكرتُ ذلك له ، فقال : إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيْكَ أَنْ تَصْنَعَ هٰكَذَا ، فَضَرَبَ بِيَدِه عَلَى الْأَرْضِ فَنَفَضَهَا ، ثُمَّ ضَرَبَ بِشِمَالِه عَلٰى يَمِيْنِه و بِيَمِيْنِه علٰى شِمَالِه عَلَى الكَفَّيْنِ ، ثُمَّ مَسَحَ وَجْهَهُ ، فَقَالَ لَهُ عَبْدُ الله : أَفَلَمْ تَرَ عُمَرَ لَمْ يَقْنَعْ بِقَوْلِ عَمَّارٍ.﴾

أخرجه البخاري في "صحيحه" في التيمم، باب: إذا خاف الجنب على نفسه المرض أو الموت أو خاف العطش تيمم (٣٤٥) و (٣٤٦ و ٣٤٧) وأخرجه مسلم في "صحيحه" في الحيض، باب: التيمم (١١٠ و ١١١) وأخرجه النسائي في "المجتبىٰ" في الطهارة، باب: تيمم الجنب (٣١٩). انظر "تحفة الأشراف" (١٠٨٧٦).

ترجمہ : حضرت شقیق سے روایت ہے کہ میں عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷛ کے پاس بیٹھا تھا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے ابوموسیٰ اشعری ﷛ نے کہا کہ اے ابوعبدالرحمٰن! اگر کسی شخص کو جنابت لاحق ہوجائے اور اسکو ایک ماہ تک پانی نہ ملے تو کیا وہ تیمم نہ کرے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے کہا کہ وہ شخص تیمم نہیں کرے گا خواہ ایک ماہ تک پانی نہ ملے، حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷛ نے فرمایا کہ آپ سورہ مائدہ کی اس آیت کے بارے میں کیا کہیں گے "فلم تجدوا ماءًا فتیمموا صعیداً طیباً" کہ اگر تمہیں پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی کا قصد کرو، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اگر اس بارے میں لوگوں کو رخصت دے دی جائے تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ لوگوں کو جب بھی پانی ٹھنڈا محسوس ہوگا وہ پاک مٹی سے تیمم کرلیا کریں گے، حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷛ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے کہا کہ آپ اس رخصت کو اس مصلحت کے سبب ناپسند قرار دیتے ہیں، ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے کہا جی ہاں! حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷛ نے کہا کیا تم نے وہ بات نہیں سنی جو حضرت عمار ﷛ نے حضرت عمر ﷛ سے کہی تھی کہ مجھے رسول اکرم ﷺ نے کسی کام سے کہیں بھیجا، مجھے وہاں جنابت لاحق ہوگئی اور پانی نہیں ملا، تو میں نے چوپایہ کی طرح زمین پر لوٹ لگائی، پھر میں نے یہ واقعہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے لئے بس اتنا کافی تھا، پھر آپ ﷺ نے ایک بار زمین پر اپنا ہاتھ مارا اور اس سے غبار کو جھاڑ دیا، پھر بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر مارا اور دائیں کو بائیں پر، دونوں پہنچوں پر، پھر اپنے چہرے کا مسح کیا، حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ نے فرمایا کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ حضرت عمر ﷛ حضرت عمار ﷛ کے قول سے مطمئن نہیں ہوئے تھے۔

تشریح مع تحقیق : اس روایت میں جنبی کے لئے تیمّم کے جواز کو بیان کیا گیا ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اور حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷛ کے درمیان ہونے والے مناظرے سے استدلال کیا گیا ہے، ان دونوں حضرات کے مابین مناظرہ کی اصل شکل یہ تھی کہ حضرت ابوموسیٰ ﷛ نے حضرت ابن مسعود ﷛ سے کہا کہ اے ابوعبدالرحمٰن! یہ تو فرمائیے کہ اگر کسی شخص کو جنابت لاحق ہو جائے اور اس کو پانی نہ ملے تو یہ شخص کیا صورت اختیار کرے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ نے جواب دیا کہ نماز نہ پڑھے، اب حضرت ابوموسیٰ ﷛ نے اپنا استدلال پیش فرمایا اور کہا کہ آیت تیمم کے بارے میں آپ کیا کہیں گے یعنی "فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا ماءً فتيمموا صعيدًا طيبًا" اس سے تو تیمم جنب ثابت ہوتا ہے؟ اس پر حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ نے فرمایا کہ بات تو ٹھیک ہے لیکن اگر ہم لوگوں کو تیمّم جنب کی رخصت دے دیں تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ اس سے بے احتیاطی کریں گے، جہاں ذرا سی ٹھنڈ دیکھی وہیں تیمّم کرنے لگیں گے اس مصلحت سے فتویٰ نہیں دیتے، اس پر حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷛ نے اعتراض کیا کہ کیا حضور ﷺ نے جواز کا فتویٰ نہیں دیا تھا؟ آپ ﷺ سے زیادہ مصلحت بین کون ہوگا۔

اس کے بعد حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷛ نے دوسرا استدلال حضرت عمار ﷛ کی حدیث سے کیا جس سے تیمم جنب ثابت ہوتا ہے، وہ یہ کہ ایک سفر میں حضرت عمار ﷛ اور حضرت عمر ﷛ شریک تھے، نہانے کی ضرورت ہوگئی اور پانی موجود نہیں تھا تو حضرت عمر ﷛ نے تو نماز کو مؤخر کر دیا اور حضرت عمار ﷛ نے زمین پر لوٹ لاٹ کر نماز پڑھ لی، جب حضور اکرم ﷺ کے سامنے یہ واقعہ بیان ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت عمار سے یہ نہیں فرمایا کہ جنبی کو تیمّم کی اجازت نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ نے ان کے عمل کی اصلاح فرمادی کہ زمین پر لوٹنے کی ضرورت نہیں تھی بس اس قدر عمل کافی تھا اور اس کے بعد آپ ﷺ نے چہرے اور ہاتھوں پر مسح کر کے دکھلا دیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ نے مناظرانہ اصول کے تحت اس استدلال کا یہ جواب دیا کہ جناب آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت عمر ﷛ نے اس واقعہ کے بارے میں کیا کہا تھا، حضرت عمار ﷛ نے حضرت عمر ﷛ کے سامنے جب اس واقعہ کو بیان کیا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ "اتَّقِ اللّٰهَ يَا عَمَّارُ" اے عمار خدا سے ڈرو، حضرت عمار ﷛ نے کہا کہ اگر آپ کا حکم ہو تو میں آئندہ بیان نہ کروں، کیونکہ اس مرتبہ میں بیان کر کے حق تبلیغ ادا کر چکا ہوں، حضرت عمر ﷛ نے کہا "نُوَلِّيكَ مَا تَوَلَّيْتَ" یعنی میں تم کو واقعہ کے بیان سے نہیں روکتا بلکہ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ واقعہ کے ذکر میں مجھے شامل نہ کیا جائے، بلکہ تم اپنے اعتماد پر جس چیز کو حق سمجھتے ہو اس کو بیان کرو مضائقہ نہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ کے جواب کا خلاصہ یہ ہوا کہ جناب آپ جس واقعہ کو استدلال میں پیش کر رہے ہیں اس کا تو خود صاحب واقعہ منکر ہے پھر وہ کس طرح میرے اوپر حجت ہو سکتا ہے۔

شیخ الاسلام الدہلوی نے نقل کیا ہے کہ ابن ابی شیبہ نے ایک منقطع سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تیمم جنب کے بارے میں اپنے اس فتوے سے رجوع فرمالیا تھا۔

ترتیب واقعہ پر اشکال اور اس کا جواب

اس واقعہ سے یہ معلوم ہوگیا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے سامنے تیمم جنب کے جواز پر استدلال میں دو چیزیں پیش کیں، ایک آیت مائدہ دوسری حدیث عمار، سنن ابی داؤد کی اس روایت میں ترتیب یہی ہے کہ انہوں نے پہلے استدلال بالآیۃ کیا اس کے بعد استدلال بالحدیث، اولاً جب انہوں نے آیت سے استدلال کیا تو اس پر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کی بات کو تسلیم کرلیا، لیکن یہ فرمایا کہ ایک مصلحت سے ہم جواز کا فتویٰ نہیں دیتے، اس ترتیب پر اشکال ہوتا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے سامنے جب تیمم جنب کے جواز کا اعتراف کرلیا تو پھر ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد دوبارہ استدلال بالحدیث کیوں کیا؟

دوسرا اشکال یہ ہوتا ہے کہ جب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تیمم جنب کا اعتراف کرلیا تھا تو بعد میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے جب حدیث عمار پیش کی تو عبداللہ بن مسعود نے اس پر نقد کیوں کیا؟

جواب یہ ہے کہ یہ حدیث بخاری شریف میں بھی ہے ایک جگہ تو اس میں بھی ترتیب استدلال اسی طرح ہے جس طرح یہاں ابوداؤد میں ہے لیکن بخاری شریف کی دوسری روایت میں ترتیب اس کے برعکس ہے، کہ اولاً استدلال بالحدیث کیا پھر جب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس پر نقد کیا تو ثانیاً استدلال بالآیۃ کیا، لہٰذا کہا جائے گا کہ بخاری کی یہ ترتیب صحیح ہے، ابوداؤد کی ترتیب میں قلب ہوگیا ہے۔

اور اگر ابوداؤد کی روایت کی ترتیب کو بھی صحیح مانیں تو ہم نے جس اسلوب سے تشریح کی ہے اس سے سارا اشکال رفع ہوجاتا ہے، اسلئے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے گو شروع میں تیمم جنب کا اعتراف کرلیا تھا لیکن ساتھ ہی یہ بات بھی بیان فرمائی کہ فتوئے جواز خلاف مصلحت ہے، خلاف مصلحت ہونے کی تردید جب ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حدیث عمار رضی اللہ عنہ سے کی تو اس پر عبداللہ بن مسعود نے رضی اللہ عنہ ان کی دلیل پر نقد کردیا، سو ان کا نقد اصل جواز پر نہ ہوا بلکہ انکار مصلحت پر ہوا۔ (الدرج: ۱/ص: ۴۳۰)۔

فقہ الحدیث

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جو آیت تیمم پیش فرمائی اس میں "لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ" کے الفاظ ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ دونوں نے ہی لمس سے مراد جماع لیا ہے، حنفیہ اسی کے قائل ہیں۔

حدیث سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ کسی شرعی مسئلہ میں مناظرہ کرنا جائز ہے جبکہ نیت تحقیق کی ہو نہ کہ فساد کی نیت سے۔ نیز حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ مقیم جنبی کے لئے شدتِ برد کی وجہ سے تیمم کرنا جائز ہے۔ (عمدۃ القاری ۲۳۲/۳، المنہل ۱۵۹/۳)

۳۲۲ ﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ كثيرٍ الْعَبْدِيُّ نَا سُفْيَانُ عن سَلَمَةَ بنِ كُهَيْلٍ عن أبي مَالِكٍ عن عبدِالرحمن بنِ أَبْزَى قال : كُنْتُ عِنْدَ عُمَرَ فَجَاءَهُ رَجُلٌ فقال : إِنَّا نكونُ بالْمَكَانِ الشَّهْرَ أو الشَّهْرَيْنِ ، قال عُمَرُ : أَمَّا أنا فَلَمْ أَكُنْ أُصَلِّي حتّٰى أجِدَ المآءَ ، قال : فقالَ عَمَّارٌ : يا أَمِيرَ المؤمنينَ ! أَمَا تَذْكُرُ إِذْ كُنْتُ أنَا وَأَنْتَ فِي الإِبِلِ ، فَأَصَابتْنَا جَنَابَةٌ فأَمَّا أنَا فَتمعَّكْتُ ، فَأَتَيْنَا النبيَّ صلى الله عليه وسلم فَذَكَرْتُ ذلك لَهُ ، فقَالَ : إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ أَنْ تقولَ هٰكَذَا ، وضَرَبَ بِيَدَيْهِ إلى الأَرْضِ ، ثُمَّ نَفَخَهُمَا ، ثُمَّ مَسَّ بِهِمَا وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ إلى نِصْفِ الذِّرَاعِ فقال عُمَرُ : يَا عَمَّارُ ! اتَّقِ اللّٰهَ ، فقال : يا أَمِيرَ المؤمِنين ! إِنْ شِئْتَ وَاللّٰهِ لم أَذْكُرْهُ أبَدًا ، فقال عُمَرُ : كَلَّا ! وَاللّٰهِ لَنُوَلِّيَنَّكَ مِنْ ذلك مَا تَوَلَّيْتَ .﴾

أخرجه البخاري في "صحيحه" باب: التيمم هل ينفخ فيهما (٣٣٨) وأخرجه مسلم في "صحيحه" في الحيض، باب: التيمم (١١٢ و ١١٣) وأخرجه النسائي في "المجتبى" في الطهارة، باب: التيمم في الحضر (٣١١)، وفي باب: نوع آخر من التيمم والنفخ في اليدين (٣١٥) و(٣١٦) و (٣١٧) و (٣١٨) وأخرجه ابن ماجه في "سننه" في الطهارة وسننها، باب: ما جاء في التيمم ضربة واحدة (٥٦٩). انظر "تحفة الأشراف" (١٠٣٦٢) وهو مكرر عند أبي داود برقم (٣٢٣ و ٣٢٤ و ٣٢٥ و ٣٢٦).

"نولينك": من التولية أي جعلناك واليًا على ما تصديت عليه من التبليغ والفتوى بما تعلم كأنه أراد أنه ما يتذكر فليس له أن يفتي به، لكن لك يا عمار أن تفتي بذلك والله أعلم. انظر "شرح السندي" ١٦٥/١.

ترجمہ : حضرت عبدالرحمٰن بن ابزی سے روایت ہے کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا کہ ایک آدمی نے آکر کہا ہم ایک جگہ (جہاں پانی نہ ہو) ماہ دو ماہ رہتے ہیں اور جنبی ہو جاتے ہیں (تو کیا حکم ہے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تو جب تک نماز نہیں پڑھوں گا جب تک کہ پانی نہ ملے، حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے امیر المؤمنین کیا آپ کو یاد نہیں ہے کہ میں اور آپ اونٹوں میں تھے اور ہم جنبی ہو گئے تھے تو میں تو زمین پر لوٹ گیا تھا، پھر ہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر یہ واقعہ ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں صرف اتنا کر لینا کافی تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ زمین پر مار کر پھونک ماری، پھر اپنے چہرے اور ہاتھوں پر نصف ذراع تک پھیر لیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا! اے عمار اللہ سے ڈرو، انہوں نے کہا کہ اے امیر المؤمنین اگر آپ چاہیں تو بخدا میں اسے کبھی ذکر نہ کروں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ مطلب نہیں ہے بلکہ ہم تمہاری بات کا تمہیں اختیار دیتے ہیں۔

تشریح مع تحقیق : مصنفؒ نے حدیث عمار ؓ کو آٹھ سندوں سے مختلف الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے، الفاظ کے اختلاف ہی کی وجہ سے بعض اہل علم نے حدیث عمار ؓ کی تضعیف کی ہے، لیکن حدیث عمار باوجود اختلاف واضطراب کے قابل عمل اور قابل حجت ہے، یہی وجہ ہے کہ بخاری ومسلم نے بھی صحیحین میں اس کو لیا ہے، تمام طرق کو سامنے رکھتے ہوئے روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ:

ایک شخص نے حضرت عمر ؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے غسل کی ضرورت پیش آگئی ہے اور پانی نہیں ہے تو میں کیا کروں؟ حضرت عمر ؓ نے فرمایا کہ اگر مجھے ایک ماہ تک بھی پانی میسر نہ ہو تو بھی تیمم نہ کروں گا، حضرت عمار بن یاسرؓ وہیں بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے حضرت عمر ؓ سے کہا کیا آپ کو یاد نہیں ہے کہ ایک مرتبہ میں اور آپ اونٹ چرانے کے لئے جنگل گئے تھے اور ہم دونوں کو غسل کی ضرورت پیش آگئی تھی میں نے زمین پر لوٹ کر نماز ادا کر لی تھی مگر آپ نے نماز کو مؤخر کر دیا تھا اس کے بعد جب حضور ﷺ کے سامنے یہ واقعہ پیش ہوا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا بس یہی کافی تھا، پھر آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے، اس کے بعد دونوں ہاتھوں پر پھونک ماری، پھر چہرے اور ہاتھوں کا مسح کیا، آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ تیمم جنابت کو غسلِ جنابت پر قیاس مت کرو بلکہ صرف ایسا کر لینا ہی کافی تھا، روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے ہاتھوں کو مٹی پر مارنے کے بعد پھونک سے ان کی غبار کو اڑا دیا، تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ مٹی کے اثرات کا چہرے اور ہاتھوں پر رہنا ضروری نہیں کیونکہ یہ نظافت اور صفائی کے خلاف ہے، تیمم وضو کا بدل ہے مگر اس کا مقصد چہرے اور ہاتھوں کو مٹی سے ملوث کرنا نہیں ہے۔

تیمم جنابت پر عمر ؓ اور عمار ؓ کا مکالمہ

ان چند روایات میں حضرت عمر ؓ اور حضرت عمار ؓ کا مکالمہ مذکور ہے جس سے جنبی کیلئے تیمم کا مسئلہ ثابت ہوتا ہے، تیمم للجنب کے جواز پر ساری دنیا کا اتفاق ہے، فقط دو صحابیوں سے خلاف منقول ہے، ایک حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے، ان سے حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ نے مناظرہ کیا جیسا کہ ماقبل میں گزر چکا، دوسرے حضرت عمر ؓ ہیں، ان سے حضرت عمار بن یاسر ؓ نے گفتگو کی، جس پر حضرت عمر نے نہ تو رد کیا اور نہ ہی اس کو تسلیم کیا بلکہ گول مول بات بیان فرمائی ممکن ہے کہ حضرت عمر ؓ بھی حضرت ابن مسعود ؓ کی طرح مصلحتاً تیمم للجنب کا انکار کرتے ہوں۔ (عمدۃ القاری ۲/۲۰۹)۔

علت مخفی کی بنا پر کسی حکم کو رد کرنا

حدیث میں ایک لفظ آیا "اتقِ اللہ یا عمّارُ" اس کا کیا مطلب ہے؟ شارحین نے لکھا ہے کہ حضرت عمر ؓ کو شاید یہ

واقعہ یاد نہیں رہا اس لئے فرمایا کہ عمار خدا سے ڈرو کیا کہہ رہے ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ بعض وقت ایک چیز صحیح سند سے آتی ہے مگر کوئی امام اس میں کسی قادح خفی کی وجہ سے اسے رد کر دیتا ہے، اب اگر اصطلاح محدثین کے موافق ہم روایت عمار کو معلول قرار دیں تو اس کی گنجائش ہے، کیونکہ نخبۃ الفکر وغیرہ میں معلول کی تعریف یہی کی ہے کہ سند بظاہر بالکل صحیح اور مستقیم ہو مگر اس میں کوئی علت خفیہ ہو حتیٰ کہ بعض وقت محدث کسی حدیث کو معلول قرار دیتا ہے مگر دوسروں کو اس کی وجوہ سمجھا نہیں سکتا، جیسا کہ صراف اپنی ممارست کی بنار پر دیکھتے ہی سونے پر کھوٹے ہونے کا حکم لگا دیتا ہے اسی طرح محدثین کرام بعض وقت غایت ممارست کی بنار پر محض اپنے ذوقِ سلیم اور وجدان سے کسی حدیث پر معلول کا حکم لگاتے ہیں، اور کوئی وجہ بیان نہیں کرتے تب بھی ان کا قول قابل اعتبار ہوتا ہے، شرح نخبہ میں ہے کہ مثلاً علی بن مدینیؒ جیسا محدث کسی حدیث پر معلول کا حکم لگائے اور کوئی وجہ بیان نہ کرے تو ان کی بات قبول کی جاتی ہے، گویا روایت کو معلول تسلیم کر لیا جاتا ہے، بس جب کہ علی بن مدینی کے حکم لگانے سے بلا دلیل علت قادحہ خفیہ کا ہونا تسلیم کیا جا سکتا ہے تو حضرت عمرؓ جیسے شخص خصوصاً جب کہ وہ صاحبِ واقعہ بھی ہیں وہ عمارؓ کی روایت قبول نہیں کر رہے ہیں "لِقَادِحٍ خَفِيٍّ رَآهُ فِيهِ" جیسا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے فرمایا تو اس کو معلول قرار دینے میں کیا استبعاد ہے، ہم حضرت عمارؓ کی عدالت میں معاذ اللہ کوئی کلام نہیں کرتے وہ صحابی ہیں، عادل ہیں اور ثقہ ہیں، مگر حضرت عمرؓ کی نظر میں اس میں کوئی علت قادحہ ہوگی جس کی بنار پر انہوں نے اس روایت کو قبول نہیں کیا۔ (فضل الباری ۲/۵۱۵)۔

۳۲۳ ﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ العَلَاءِ نا حَفْصٌ نَا الأَعْمَشُ عَنْ سَلَمَةَ بنِ كُهَيْلٍ عن ابنِ أَبْزَى عن عَمَّارِ بنِ يَاسِرٍ في هٰذا الحديثِ ، فقال : يا عَمَّارُ إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ هٰكَذَا ثم ضَرَبَ بِيَدَيْهِ الأرضَ ثُمَّ ضَرَبَ إِحْدَاهُمَا عَلَى الأخرى ، ثم مَسَحَ وَجْهَهُ وذِرَاعَيْهِ إلى نِصْفِ السَّاعِدِ ، ولم يَبْلُغِ الْمِرْفَقَيْنِ ضَرْبَةً وَاحِدَةً.

قال أبوداؤدَ : و رَوَاهُ وَكِيعٌ عن الأَعْمَشِ عن سَلَمَةَ بنِ كُهَيْلٍ عن عبدالرحمن بنِ أَبْزَى.

قال : ورواه جَرِيرٌ عن الأعمش عن سَلَمَةَ بنِ كُهَيْلٍ عن سعيد بنِ عبدالرحمن بن أَبْزَى يَعْنِي عن أبيه.﴾

تقدم تخريجه في الحديث السابق.

ترجمہ : عبدالرحمٰن بن ابزی اس حدیث میں عمار بن یاسرؓ سے یہ ذکر کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا اے عمار تمہیں یہ کر لینا کافی تھا، پھر آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مار کر ایک کو دوسرے پر مارا پھر اپنے چہرے اور آدھی کلائی تک پھیر لیا اور ایک ضرب میں کہنیوں تک نہ پہنچے۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ اسے وکیع نے بطریق اعمش عن سلمہ بن کہیل عن عبدالرحمٰن بن ابزی روایت کیا ہے، اور جریر نے بطریق اعمش عن عن سلمہ عن سعید بن عبدالرحمٰن عن عبدالرحمٰن بن ابزی روایت کیا ہے۔

تشریح مع تحقیق : اس طریق میں اکتفاء بضربۂ واحدہ کا ذکر ہے جس کے قائل حنابلہ ہیں، صاحب منہل لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ تیمم میں استیعاب ضروری نہیں ہے۔

قال أبو دائود ورواه وكيع عن الأعمش الخ : وکیع بن الجراح اور جریر کی روایت کو لانے کی غرض یہ بتلانا ہے کہ حفص بن غیاث اعمش سے روایت کرنے میں منفرد نہیں ہیں بلکہ وکیع اور جریر نے ان کی متابعت کی ہے، نیز اس طرف اشارہ کرنا بھی مقصود ہے کہ اعمش کے تلامذہ اعمش سے روایت کرنے میں مختلف ہیں، چنانچہ ان کے پہلے شاگرد حفص بن غیاث ہیں انہوں نے سلمہ اور عبدالرحمٰن بن ابزی کے درمیان کسی واسطہ کو ذکر نہیں کیا، نیز انہوں نے ابن ابزی کہا، عبدالرحمٰن ابن ابزی نہیں کہا، اور وکیع نے واسطہ کے ذکر نہ کرنے میں تو حفص کی موافقت کی لیکن انہوں نے ابن ابزی کی جگہ ان کا نام عبدالرحمٰن بن ابزی ذکر کیا اور جریر نے سلمہ اور عبدالرحمٰن بن ابزی کے درمیان سعید کا واسطہ ذکر کیا۔ (المنہل العذب المورود ۱۶۲/۳)۔

۳۲۴ ﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ بَشَّارٍ نَا محمدٌ يَعْنِي ابنَ جَعْفَرَ نَا شُعْبَةُ عَنْ سَلَمَةَ عن ذَرٍّ عن ابنِ عبدِالرحمن بنِ أَبْزَى عَنْ أَبِيه عن عَمَّارٍ بِهٰذِهِ الْقِصَّةِ ، فقال : إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ ، وضَرَبَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِيَدِهِ إِلَى الأَرضِ ثم نَفَخَ فِيها ومَسَحَ بِها وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ ، شَكَّ سَلَمَةُ قال : لَا أدرِى فيه إلى المرفقَيْنِ يَعْنِي أو إلى الْكَفَّيْنِ.﴾

تقدم تخريجه.

ترجمہ : عبدالرحمٰن بن ابزی حضرت عمار بن یاسر ﷛ سے اس واقعہ کو نقل کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں یہ کافی ہے اور نبی ﷺ نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا پھر اس میں پھونک مار کر اپنے چہرے اور ہاتھوں پر پھیر لیا، سلمہ کو شک ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہنیوں تک آپ ﷺ نے ہاتھ پھیرا یا ہتھیلیوں تک۔

تشریح مع تحقیق : ذَرّ : بفتح الذال المعجمه وتشديد الراء یہ ذر بن عبداللہ کوفی ہیں ثقہ راوی ہیں، بِهٰذِهِ القصة : کا مصداق حضور ﷺ کا حضرت عمار کو کیفیت تیمم کی تعلیم دینا ہے۔

شَكَّ سَلَمَةُ : سلمہ کو اس بات میں شک ہے کہ ذر بن عبداللہ نے اپنی روایت میں "مَسَحَ بِهِمَا إِلى المرفَقَيْنِ" کہا یا "إلى الكَفَّيْنِ" کہا۔

اس روایت کو لانے کی غرض الفاظ کے اختلاف کو بیان کرنا ہے اور اس بات کو بھی ثابت کرنا ہے کہ آپ ﷺ نے ضربۂ واحدہ سے وجہ اور کفین کا مسح کیا، جیسا کہ امام احمد بن حنبل ؒ کہتے ہیں، اس کا جواب ہم باب کے شروع میں دے چکے ہیں۔

۳۲۵ ﴿حَدَّثَنَا عَلِيُّ بنُ سَهْلٍ الرَّمْلِيُّ نَا حَجَّاجٌ يعني الأَعْوَرَ حدثني شُعْبَةُ بإِسْنَادِهِ بِهٰذَا الحديثِ ، قال : ثُمَّ نَفَخَ فِيْهَا ، ومَسَحَ بِهَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ إلى المرفقينِ أو إلى الذِّرَاعَيْنِ ، قال شعبةُ : كَانَ سَلَمَةُ يقولُ : الكَفَّيْنِ والْوَجْهِ والذِّرَاعَيْنِ ، فقال له مَنْصُورٌ ذَاتَ يَوْمٍ ، انْظُرْ ما تقولُ فإنَّه لا يذكر الذِّرَاعَيْنِ غَيْرُكَ.﴾

تقدم تخريجه.

ترجمہ : حجاج اس روایت کوشعبہ سے اسی سند کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ عمار نے کہا کہ آپ ﷺ نے اس پر پھونک ماری اور چہرے پر اور ہاتھوں پر مرفقین تک پھیر لیا، شعبہ نے کہا کہ سلمہ کہا کرتے تھے کفین، چہرہ اور ذراعین پر ہاتھ پھیرا تو ایک دن منصور نے ان سے کہا دیکھ بھال کر کہو کیا کہہ رہے ہو کیونکہ آپ کے علاوہ ذراعین کو اور کوئی ذکر نہیں کرتا۔

تشریح مع تحقیق : گزشتہ روایت میں یہ بات آئی تھی کہ سلمہ کو اس میں شک ہے کہ ان کے استاذ ذرؒ نے "إلى المرفقين" أو "إلى الكفين" کہا تھا یا کچھ اور، شعبہ کا خیال تھا کہ "إلى الكفين" کہا تھا لیکن اب مصنفؒ اس بات کو صاف کرنا چاہتے ہیں کہ شعبہ کا سمجھنا ٹھیک نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ انہوں نے "إلى المرفقين أو إلى الذراعين" کہا تھا یعنی سلمہ کو شک مرفقین اور ذراعین کے سننے میں تھا نہ کہ مرفقین اور کفین کے سننے میں جیسا کہ شعبہ نے سمجھا۔

قوله : كان سَلَمَةُ يقولُ الخ : یعنی سلمہ بن کہیل اپنی بعض مرویات میں کہتے تھے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے ہاتھ سے کفین، وجہ اور ذراعین کا مسح کر کے دکھلایا، منصور بن معتمر نے جب سلمہ کی اس روایت کو سنا تو فرمایا کہ تم جو روایت بیان کر رہے ہو غور و خوص کر کے کہو، اس لئے کہ ذر بن عبداللہ کے تلامذہ میں سے تمہارے علاوہ کوئی بھی ذراعین کے لفظ کو نقل نہیں کرتا ہے۔

منصور کی اس بات کو نقل کرنے کی غرض مسح علی الذراعین کی زیادتی کو سلمہ کے تفرد کی وجہ سے ضعیف قرار دینا ہے، لیکن صاحب منہل مصنفؒ کی اس تضعیف کا جواب لکھتے ہیں کہ سلمہ کے تفرد کی وجہ سے مسح علی الذراعین کی زیادتی کو ضعیف نہیں قرار دیا جاسکتا، کیونکہ سلمہ ثقہ ہیں اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے بالخصوص اس وقت جب کہ دوسری روایات اس کی مؤید ہوں، اور یہاں ایسا ہی ہے۔ (المنہل ۱۶۴/۳)۔

۳۲۶ ﴿حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا يَحْيىٰ عن شُعْبَةَ حدثني الْحَكَمُ عن ذَرٍّ عن ابنِ عبدالرحمن بنِ أَبْزَى عن أبيه عن عَمَّارٍ في هٰذَا الحديث ، قال : فقَالَ - يعني النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم - : "إنَّمَا كَانَ يَكْفِيْكَ أَنْ تَضْرِبَ بِيَدَيْكَ إلى الأرضِ وَتَمْسَحَ بِهَا وَجْهَكَ وَكَفَّيْكَ" وسَاقَ الحديثَ.﴾

قال أبو داؤد : ورَوَاهُ شُعْبَةُ عن حُصَيْنٍ عن أبي مَالِكٍ سَمِعْتُ عَمَّارًا يَخْطُبُ بِمِثْلِهِ إلّا أنه قال : لَمْ يَنْفُخْ ، وذَكَرَ حُسَيْنُ بنُ محمد عن شُعْبَةَ عن الْحَكَمِ في هٰذَا الحديثِ قَالَ : فَضَرَبَ بِكَفَّيْهِ إلى الأرضِ ونَفَخَ. ﴾

تقدم تخريجه.

ترجمه : عبدالرحمن بن ابزی نے اس حدیث کو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا اس میں ہے کہ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تمہارے لئے کافی تھا کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر مارتے اور اس سے اپنے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں کا مسح کر لیتے، مکمل حدیث بیان کی۔

ابوداؤدؒ نے کہا کہ اس حدیث کو شعبہ نے بواسطۂ حصین ابو مالک سے روایت کیا ہے کہتے ہیں کہ میں نے عمار رضی اللہ عنہ کو اس طرح خطبہ میں بیان کرتے ہوئے سنا ہے، مگر انہوں نے "لم ینفخ" کہا، اور حسین بن محمد نے بواسطۂ شعبہ حکم سے اس حدیث میں یہ ذکر کیا کہ عمار رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر مارا اور پھونک ماردی۔

تشریح مع تحقیق : اس روایت کو لانے کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ ذر بن عبداللہ کے تلامذہ میں اختلاف ہے، چنانچہ سلمہ بن کہیل نے جب ان سے روایت کی تو غایت مسح کو بھی بیان کیا چنانچہ کہا: "ومَسَحَ بها وجهه وكفيه إلى المرفقين" اور حکم نے اپنی روایت میں غایت مسح کو ذکر نہیں کیا۔

قال أبو داؤد : ورواه شعبة الخ : یہاں سے مصنفؒ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے دونوں ہاتھوں کو مٹی پر مار کر نفخ بھی کیا یا نہیں؟ اکثر روایات میں تو نفخ کی صراحت ہے لیکن شعبہ نے عدم نفخ کو ذکر کیا ہے، دار قطنیؒ فرماتے ہیں کہ شعبہ کی یہ روایت موقوف ہے، نیز اس میں ابو مالک راوی ہیں جن کے عمار سے سماع میں نظر ہے اس لئے عدم نفخ کی روایت دوسری روایات صحیحہ کی بنیاد پر شاذ ہوگی ہمارے مصنفؒ بھی اس کی تائید کر رہے ہیں چنانچہ آگے حکم کی روایت کو لائے اور اس میں نفخ کی صراحت ہے۔

۳۲۷ ﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ الْمِنْهَالِ نا يزيد بن زُرَيْعٍ عن سَعِيْدٍ عن قَتَادَةَ عن عَزْرَةَ عن سَعِيْدِ بنِ عبدالرحمن بنِ أبْزَى عن أبيه عن عَمَّارِ بنِ يَاسِرٍ قال : سَأَلْتُ النبيَّ صلى الله عليه وسلم عن التَّيَمُّمِ فَأَمَرَنِي بِضربَةٍ وَاحِدَةٍ لِلْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ. ﴾

تقدم تخريجه.

ترجمه : حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے تیمم کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے مجھے چہرے اور کفین کے لئے ضرب واحد کا حکم دیا۔

تشریح مع تحقیق : یہی وہ روایت ہے جس سے امام احمد بن حنبلؒ نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ تیمم میں ضربۂ واحدہ ہوگی جس سے وجہ اور کفین کا مسح کیا جائے گا، دلائل کی پختہ ہونے کے اعتبار سے حافظ ابن حجرؒ نے اسی مذہب کو اقوی قرار دیا ہے، لیکن صاحب منہل تحریر فرماتے ہیں کہ ضربتین والی حدیث بھی صحیح ہے گو بخاری و مسلم نے اس کی تخریج نہیں کی ہے، نیز مسح الیدین الی المرفقین والی روایات اصول اور قیاس کے زیادہ موافق ہیں۔

نظر طحاوی

چنانچہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ شرح معانی الآثار میں تحریر فرماتے ہیں کہ تیمم کے اندر تخفیف مطلوب ہے اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اعضاء وضوء میں سے بعض اعضاء کو تیمم سے ساقط کر دیا جیسا کہ رأس اور رجلین، جب تیمم کے اندر تخفیف مقصود ہے تو جن اعضاء پر تیمم لازم ہے ان کے تیمم کا وظیفہ وضوء کے وظیفہ سے تجاوز نہیں کر سکتا، لہٰذا مناکب والآباط تک مسح کا قول باطل ہو گیا۔

پھر ہم نے غور کر کے دیکھا کہ جن اعضاء وضوء سے تیمم ساقط ہوتا ہے تو پورے اعضاء کا تیمم ساقط ہوتا ہے ان میں سے بعض تیمم ساقط نہیں ہوتا جیسا کہ رأس اور رجلین کہ ان میں سے ہر ایک پر سے عملی طریقہ پر تیمم ساقط ہے اور جن پر تیمم لازم ہے ان میں سے بعض حصہ پر تیمم لازم نہیں ہوتا، بلکہ پورے پر ہوتا ہے جیسا کہ چہرہ، تو ثابت ہوا کہ جب کسی حصہ سے تیمم کا وظیفہ ساقط ہوتا ہے تو کل سے ساقط ہوگا اور جب کسی حصہ پر تیمم لازم ہوتا ہے تو کل پر لازم ہوتا ہے، اس اصول کے تحت اگر یدین پر تیمم کو لازم سمجھا جائے تو پورے کے پورے ہاتھوں پر لازم ہوگا، یعنی مرفقین تک نہ کہ رسغین تک۔

۳۲۸ ﴿حَدَّثَنَا موسیٰ بنُ إسماعيل نَا أَبَانُ قال : سُئِلَ قَتَادَةُ عن التيمم فِي السَّفَرِ ، فقال : حَدَّثَنِي مُحَدِّثٌ عن الشعبي عن عبدِالرحمن بنِ أَبْزَى عن عَمَّارِ بنِ يَاسِرٍ أَنَّ رسولَ اللّٰه صلىٰ اللّٰه عليه وسلم قال : إِلَى المِرْفَقَيْنِ.﴾

انفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (١٠٣٦٢).

ترجمہ : ابان کہتے ہیں کہ قتادہؒ سے تیمم فی السفر کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ ایک محدث نے مجھ سے بطریق شعبی عن عبدالرحمٰن عن عمار بن یاسر ﷺ یہ حدیث بیان کی کہ حضور ﷺ نے مسح الی المرفقین کا حکم فرمایا۔

تشریح مع تحقیق : حضرت قتادہ سے جب کیفیت مسح کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں ایک محدث جو کہ غیر معروف ہیں کے حوالہ سے مرفقین تک مسح کی روایت ذکر کی، جس سے حنفیہ کا مسلک ثابت ہوا، اب اگر کوئی یہ کہے کہ اس میں محدث مجہول ہیں لہٰذا روایت قابل حجت نہ رہی تو جواب یہ ہے کہ ان کی جہالت مضر نہیں ہے کیونکہ لفظ

محدث خود الفاظ تعدیل میں سے ہے، پھر مصنفؒ نے یہ روایت متابعت کے طور سے ذکر کی ہے نہ کہ اصل کے طریقہ پر اور متابعت میں اس طرح کی جہالت معتبر ہوتی ہے۔ (المنہل ۳/۱۶۸)۔

﴿بابُ التَّيَمُّمِ في الْحَضَرِ﴾

حضر میں تیمّم کرنے کا بیان

۳۲۹ ﴿حَدَّثَنَا عَبْدُالملك بنُ شُعَيْبِ بنِ اللَّيْثِ قال: ثَنِي أبِي عن جَدِّي عن جعفر بنِ رَبِيْعَةَ عن عبدِالرحمن بن هُرْمُزٍ عن عُمَيْرٍ مَوْلٰى ابنِ عَبَّاسٍ أنّه سَمِعَهُ يَقُوْلُ: أَقْبَلْتُ أنَا وَعَبْدُ اللّٰه بنُ يَسَارٍ مَوْلٰى مَيْمُوْنَةَ زَوْجِ النبي صلى اللّٰه عليه وسلم حَتّٰى دَخَلْنَا على أبي الْجُهَيْمِ بنِ الحَارِثِ بنِ الصِّمَّةِ الأَنْصَارِيِّ فقالَ أبو الْجُهَيْمِ: أَقْبَلَ رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم مِنْ نَحْوِ بِئْرِ جَمَلٍ فَلَقِيَهُ رجلٌ فَسَلَّمَ عليه فَلَمْ يَرُدَّ رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم حتى أتى على جِدَارٍ فَمَسَحَ بِوَجْهِهٖ و يَدَيْهِ ثُمَّ رَدَّ عليه السَّلَامَ.﴾

أخرجه البخاري في "صحيحه" في التيمم، باب: التيمم في الحضر إذا لم يجد الماء وخاف فوت الصلاة (۳۳۷) وأخرجه مسلم في "صحيحه" في الحيض، باب: التيمم (۱۱٤) وأخرجه النسائي في "المجتبیٰ" في الطهارة، باب: التيمم في الحضر (۳۱۰). انظر "تحفة الأشراف" (۱۱۸۸۵).

ترجمه: عمیر مولی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں اور عبداللہ بن یسار جو ام المؤمنین حضرت میمونہؓ کے مولی تھے حضرت ابوالجہیم ؓ کے پاس آئے تو ابوالجہیم ؓ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ بیر جمل (مدینہ کے پاس ایک جگہ ہے) کی طرف آئے، ایک شخص ملا تو اس نے سلام کیا، آپ ﷺ نے جواب نہ دیا یہاں تک کہ آپ ﷺ ایک دیوار کے پاس تشریف لائے اور اپنے چہرے اور دونوں ہاتھوں پر مسح کیا اس کے بعد سلام کا جواب دیا۔

تشریح مع تحقیق: تیمّم کی آیت میں چونکہ سفر کی قید کا ذکر ہے اس لئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضر یعنی اپنے گھر اور بستی میں تیمّم کی اجازت ہوگی یا نہیں؟ امام ابوداوٗدؒ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جب حضر میں پانی میسر نہ آئے اور خوف ہو کہ اگر اور انتظار کیا جائے تو عبادت فوت ہو جائے گی تو ایسی صورت میں حضر میں بھی تیمّم کر سکتا ہے۔

حضر میں تیمّم کی اجازت

آیت تیمّم میں سفر کی قید کی وجہ یہ ہے کہ پانی نہ ملنے کی صورت عموماً مسافروں کو ہی پیش آتی ہے، چنانچہ مسلک جمہورؒ

یہ ہے کہ جن وجوہ کی بنیاد پر تیمم کی اجازت سفر میں ہے اگر وہ حضر میں بھی پیش آجائیں تو تیمم کی اجازت دے دی جائے گی، امام مالکؒ حضر میں تیمم کے ساتھ نماز کے قائل ہیں لیکن اگر اس نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے ہی پانی مل جائے تو نماز کا اعادہ مستحب سمجھتے ہیں، حافظ ابن حجرؒ امام شافعیؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ پانی نہ ملے تو حضر میں بھی تیمم کر کے نماز ادا کی جاسکتی ہے، مگر پانی میسر ہونے کے بعد اس نماز کا اعادہ واجب ہے، احنافؒ کہتے ہیں کہ حضر میں پانی نہ ملے تو پانی کا انتظار کیا جائے جب یقین ہو جائے کہ اس سے زیادہ انتظار میں نماز فوت ہو جائے گی تو تیمم کر کے نماز ادا کر سکتا ہے امام احمدؒ کا راجح قول امام مالکؒ کی طرح ہے۔

پانی نہ ملنے کی صورتیں

قرآن پاک میں تیمم کا حکم ارشاد فرمانے سے پہلے کہا گیا کہ "فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً" اب پانی نہ ملنے کی کئی صورتیں ہیں: (۱) پانی ہی نہ ہو۔ (۲) پانی ہے لیکن اس کا استعمال نہیں کر سکتا، مثلاً رسی وغیرہ نہیں ہے کہ کنویں میں ڈول ڈال سکے۔ (۳) حالت سفر میں پانی ہے مگر اس کے استعمال کر لینے سے پیاسے رہنے کا خطرہ ہے۔ (۴) پانی کے پاس درندہ بیٹھا ہے جس کی وجہ سے پانی نہیں لے سکتا۔

تیمم فی الحضر کے اسباب

تیمم فی الحضر کے چار اسباب ہیں:

۱- عدم وجدان الماء جس کی تفصیل ابھی گزری۔
۲- مرض، مثلاً ایک شخص اتنا بیمار ہو کہ پانی کے استعمال سے اس کے مرض میں شدت پیدا ہو جائے گی۔
۳- شدت برد، یعنی سردی بہت ہو تو پانی کے موجود ہوتے ہوئے بجائے غسل کے تیمم کیا جا سکتا ہے۔
۴- ایسی عبادت کے فوت ہونے کا خوف جس کی قضاء اور بدل نہیں یہ چار اسباب ایسے ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کی وجہ سے بھی حالت حضر میں تیمم کیا جا سکتا ہے۔

حدیث باب کا مضمون

ابو جہیم ﷺ فرماتے ہیں حضور اکرم ﷺ جب بیر جمل (بیر جمل نام سے یہ کنواں مدینہ کے قریب ہے اس کنویں میں اونٹ گر گیا تھا جس کی وجہ اس کا نام بیر جمل پڑ گیا تھا) کی طرف تشریف لا رہے تھے تو ایک صحابی آپ ﷺ سے ملے،

روایات سے تعین ہوگیا ہے کہ وہ صحابی خود ابوجہیم ؓ ہی تھے انہوں آپ ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کیا آپ ﷺ اس وقت باوضو نہ تھے، اور سلام اللہ کا اسم ہے، حضور ﷺ نے بلاوضو اللہ تعالیٰ کا نام زبان پر لانا مناسب نہ سمجھا، چلتے چلتے جب سلام کہنے والے یہ صحابی ایک گلی میں مڑنے لگے تو آپ ﷺ کو خیال ہوا کہ سلام کا جواب باقی رہ جائے گا چنانچہ فوراً ایک دیوار پر تیمم فرما کر "وَعَلَيْكُم السَّلَامُ" ارشاد فرمایا، اور فوراً جواب نہ دینے کی وجہ بھی ارشاد فرمادی کہ بلاوضو اللہ کا نام زبان پر لانا مجھے پسند نہ تھا اس لئے میں نے سلام کا جواب دینے میں تاخیر کی۔

اب اس حدیث سے امام ابوداوُدؒ نے یہ استدلال کیا کہ مدینہ میں پانی موجود تھا اور یہ واقعہ حضور اکرم ﷺ کے سفر کا نہیں، معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے حضر میں تیمم فرمایا، لہٰذا ترجمۃ الباب ثابت ہوگیا۔

حدیث باب سے امام طحاویؒ کا استنباط

امام طحاویؒ نے حدیث باب سے یہ قاعدہ کلیہ مستنبط کیا ہے کہ جو عبادات فائت لاالی خلف کی قبیل سے ہیں یعنی جن عبادات کے فوت ہونے کے بعد قضا نہیں ہے مثلاً صلاۃ الجنازہ، صلاۃ العیدین وغیرہ ان کو وضو کر کے ادا کرنے کی صورت میں اگر فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو پانی کے موجود ہوتے ہوئے فوراً تیمّم کر کے ان عبادات کو ادا کر سکتے ہیں یہ احناف کا مسلک ہے ائمہ ثلاثہ اس کے قائل نہیں ہیں، اسی لیے امام نوویؒ نے اس حدیث کی یہ توجیہ کی ہے کہ آپ ﷺ کا تیمم فرمانا پانی نہ ہونے کی وجہ سے تھا، لیکن امام نوویؒ کی یہ بات خلاف ظاہر ہے، اس لئے کہ یہ مدینہ کا واقعہ ہے اور آبادی میں تو پانی ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری ۳/۲۰۵)۔

۳۳۰ ﴿حَدَّثَنَا أحمد بنُ إبراهيمَ الْمَوْصِلِيُّ أبوعَلِيٍّ أَنَا محمد بنُ ثَابِتٍ العَبْدِيُّ نَا نَافِعٌ قال: انْطَلَقْتُ مَعَ ابنِ عُمَرَ فِي حَاجَةٍ إلى ابنِ عَبَّاسٍ فَقَضٰى ابنُ عُمَرَ حَاجَتَهُ وكَانَ مِنْ حَدِيثِهِ يَوْمَئِذٍ أَنْ قَالَ: مَرَّ رَجُلٌ على رسولِ الله صلى الله عليه وسلم في سِكَّةٍ مِنَ السِّكَكِ وقَدْ خَرَجَ مِن غَائِطٍ أو بَوْلٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَلم يَرُدَّ عليه، حتى إذَا كَادَ الرَّجُلُ أَنْ يَتَوَارَى في السِّكَّةِ ضَرَبَ بِيَدَيْهِ على الحَائِطِ ومَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ، ثُمَّ ضَرَبَ بِهما ضَرْبَةً أخرى فَمَسَحَ ذِرَاعَيْهِ ثم رَدَّ على الرَّجُلِ السَّلَامَ، وقال: إنّه لَم يَمْنَعْنِي أَنْ أَرُدَّ عليك السلام إلّا أني لم أكُنْ على طُهْرٍ

قال أبو داؤد: سَمِعْتُ أحمد بنَ حَنْبَلٍ يقولُ: رَوَى محمد بنُ ثابتٍ حدِيثًا مُنْكَرًا في التيمم، قال ابنُ دَاسَةَ: قال أبو داؤد: لَمْ يُتَابَعْ محمد بنُ ثَابِتٍ في هٰذِه القِصَّةِ

عَلٰى ضَرْبَتَيْنِ عن النبي صلى الله عليه وسلم ، و رَوَوْهُ فِعْلَ ابنِ عُمَرَ.﴾

تفرد به أبو داود: انظر "تحفة الأشراف" (٨٤٢٠).

ترجمه : حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ایک کام سے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گیا، ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنا کام پورا کرلیا، اس دن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث یہ تھی کہ ایک شخص گلی کوچہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پاخانہ یا پیشاب سے فارغ ہوکر نکلے تھے، اس شخص نے سلام کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہ دیا، جب وہ شخص کسی راہ میں غائب ہونے کے قریب ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ دیوار پر مارے اور چہرے پر مسح کیا، پھر دوسری بار ہاتھوں کو دیوار پر مارا اور دونوں ہاتھوں پر مسح کیا، اس کے بعد سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ میں نے اس لئے جواب نہیں دیا تھا کہ میں پاک (باوضو) نہ تھا۔

ابوداؤد نے کہا کہ میں نے احمد بن حنبلؒ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ محمد بن ثابتؒ نے تیمم کی سلسلے میں ایک حدیث منکر روایت کی ہے۔

ابن داسہ کہتے ہیں کہ امام ابوداؤدؒ نے فرمایا کہ اس واقعہ میں ضربتین پر محمد بن ثابت کی کسی نے متابعت نہیں کی، بلکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فعل روایت کیا ہے۔

تشریح مع تحقیق : قوله : و كان من حديثه يومئذٍ : یہاں ضمیر کا مرجع ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں نہ کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، اس لئے کہ یہ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے طریق ہی سے مروی ہے نہ کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے طریق سے۔

مضمون حدیث تو واضح ہے اور اس سے حنفیہ کی تائید ہوتی ہے اس لئے کہ اس میں ضربتین اور مسح إلی المرفقین مذکور ہے، لیکن امام ابوداؤد اور دیگر محدثین نے اس پر کلام کیا ہے، چنانچہ مصنفؒ نے امام احمد بن حنبلؒ کا یہ دعویٰ نقل کیا کہ یہ حدیث منکر ہے، امام احمدؒ کا یہ دعویٰ دلائل کی روشنی میں کیا حیثیت رکھتا ہے اس کو سمجھنے کے لئے سب سے پہلے ہم حدیث منکر کی تعریف نقل کرتے ہیں پھر دیکھتے ہیں کہ یہ حدیث منکر کا مصداق ہے یا نہیں؟

منکر کی معتمد علیہ تعریف وہ ہے جس کو حافظ ابن حجرؒ نے شرح نخبۃ الفکر میں نقل کیا ہے: هُوَ ما رَوَاهُ الضَّعِيفُ مُخَالِفًا لِمَا رَوَاهُ الثِّقَةُ " اس تعریف سے معلوم ہوا کہ حدیث منکر کے لئے دو چیزیں ہیں ایک راوی کا ضعف اور دوسرے ثقہ رواۃ کی مخالفت، اور صحیح بات یہ ہے کہ یہاں دونوں چیزیں ہی مفقود ہیں، اس لیے کہ اس حدیث کا کوئی راوی بھی ضعیف نہیں ہے، محمد بن ثابت کے بارے میں کلام کیا گیا ہے، لیکن وہ بھی صدوق درجہ کے راوی ہیں، اس لئے امام نسائی،

امام دارمی اور یحیٰ بن معین جیسے ائمہ جرح وتعدیل نے ان کی توثیق کی ہے، رہی دوسری بات کہ یہ ثقہ رواۃ کی مخالفت کرتے ہیں یا نہیں؟ تو اس بارے میں بذل المجہود میں لکھا ہے کہ یہاں مخالفت ثقات بھی نہیں ہے، اس لئے کہ محمد بن ثابت نے ضربۂ واحدہ کا اضافہ کیا ہے کہ دوسرے حضرات صرف ایک ضرب کا ذکر کرتے ہیں انہوں نے ضربتین ذکر کیا، لہٰذا ایک ضرب کی زیادتی نقل کردی اور کسی ثقہ راوی کی زیادتی کا نام مخالفت نہیں ہے، "بل هو إثبات أمرٍ لم يكن في غيره" ہے، پس وہ روایت جس میں ضربہ واحد مذکور ہے ضربۂ ثانیہ کے ذکر سے ساکت ہے، خلاصہ یہ ہوا کہ ضرب ثانی ثقہ کی زیادتی ہے جو کہ مقبول ہوتی ہے۔

ہماری اس تقریر کی روشنی میں حدیث باب پر مطلقاً نکارت کا اطلاق کرنا صحیح نہیں ہے، منکر کی تعریف ہی اس پر صادق نہیں آتی۔

دوسرا دعویٰ یہاں خود مصنفؒ نے کیا ہے کہ ضربتین کے رفع پر محمد بن ثابتؒ کی کسی نے متابعت نہیں کی ہے، نافع کے جتنے بھی تلامذہ ہیں وہ سب اس حدیث ضربتین کو ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فعل قرار دیتے ہیں مرفوع کوئی نہیں کہتا، جب کہ محمد بن ثابت تنہا ایسے راوی ہیں جو اس کو مرفوعاً ذکر کرتے ہیں۔

تو اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ اصل قصہ تو دوسرے حضرات سے بھی مرفوعاً مذکور ہے البتہ ذراعین کا ذکر صرف محمد بن ثابت کی روایت میں ہے تو تفرد صرف ذکر ذراعین میں ہوا لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل مسح الی الذراعین پر تھا اسی طرح ان کا فتویٰ بھی یہی تھا، اب ظاہری بات ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما حضور ﷺ کی مخالفت تو کر نہیں سکتے، لہٰذا یہی کہا جائے گا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضور ﷺ کو ذراعین پر مسح کرتے دیکھا ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل اور فتویٰ محمد بن ثابت کی روایت کی صحت کی دلیل ہے۔ واللہ اعلم (نصب الرایہ ۱/۱۵۳، بذل ۱/۲۰۱)۔

۳۳۱ ﴿حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بنُ مُسَافِرٍ نا عَبْدُاللهِ بنُ يَحْيٰى الْبُرُلُسِيُّ أنا حَيْوَةُ ابنُ شُرَيْحٍ عن ابنِ الْهَادِ قال : إنَّ نَافِعًا حَدَّثَهُ عن ابنِ عمر قال : أَقْبَلَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم مِنَ الْغَائِطِ فَلَقِيَهُ رَجُلٌ عِنْدَ بِئْرِ جَمَلٍ فَسَلَّمَ عليه فَلَمْ يَرُدَّ عليه رسولُ الله صلى الله عليه وسلم حتى أَقْبَلَ على الْحَائِطِ فَوَضَعَ يَدَهُ على الْحَائِطِ ثُمَّ مَسَحَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ ثُمَّ رَدَّ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم على الرَّجُلِ السَّلَامَ.﴾

تقدم تخريجه في الحديث السابق.

ترجمہ : حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ پاخانے سے ہو کر آئے ایک شخص آپ ﷺ سے بیر جمل کے پاس ملا، اس نے سلام کیا، آپ ﷺ نے جواب نہیں دیا، یہاں تک کہ آپ ﷺ ایک دیوار کے پاس

آئے اور اپنے ہاتھ کو دیوار پر رکھ کر چہرے اور دونوں ہاتھوں کا مسح کیا، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو سلام کا جواب دیا۔

تشریح مع تحقیق : الْبُرُلُّسِيُّ : بضم الباء والراء وتشديد اللام المضمومه ، یہ برلس کی طرف نسبت ہے، جو مصر کے شمالی علاقے کا ایک شہر ہے۔

یہ حدیث مذکورہ حدیث ہی کا طریق ثانی ہے، اس میں نافع سے روایت کرنے والے ابن الہاد ہیں اور گزشتہ روایت میں محمد بن ثابت تھے ان دونوں میں متن کے اعتبار سے تھوڑا سا فرق یہ ہے کہ پہلی روایت میں ضربتین مذکور تھا اور اس میں ضربۂ واحدہ مذکور ہے۔

مصنفؒ کی غرض اس کے ذکر سے یہ ہے کہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما جو مرفوعاً ہے اس میں ضربۂ واحدہ ہے اور حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما جو موقوفاً ہے اس میں ضربتین ہے، محمد بن ثابت نے ضربتین والی روایت موقوفہ کو مرفوعاً ذکر کر دیا۔

﴿بابُ الْجُنُبِ يَتَيَمَّمُ﴾

جنبی کے تیمّم کرنے کا بیان

۳۳۲ ﴿حَدَّثَنَا عمرو بنُ عَوْنٍ نا خَالِدٌ ح وحدثنا مُسَدَّدٌ قال : نَا خَالِدٌ يعني ابنَ عَبْدِ الله الْوَاسِطِيَّ عن خَالِدِ الْحَذَّاءِ عن أبي قِلَابَةَ عن عَمْرِو بنِ بُجْدَانَ عَنْ أبي ذَرٍّ قال : اجْتَمَعَتْ غُنَيْمَةٌ عِنْدَ رسولِ الله صلى الله عليه وسلم فقال : يا أبَا ذَرٍّ ! أُبْدُ فيها فَبَدَوْتُ إلى الرَّبَذَةِ فَكَانَتْ تُصِيْبُنِي الجنابةُ ، فَأَمْكُثُ الْخَمْسَ وَالسِّتَّ فَأَتَيْتُ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم ، فقال أبوذَرٍّ : فَسَكَتُّ ، فقال : ثَكِلَتْكَ أبَا ذَرٍّ لِأُمِّكَ الْوَيْلُ ، فَدَعَا لي بِجَارِيَةٍ سَوْدَاءَ فَجَاءَتْ بِعُسٍّ فيه مآء فَسَتَرَتْنِي بِثَوْبٍ ، و اسْتَتَرْتُ بالرَّاحِلَةِ واغْتَسَلْتُ ، فَكَأَنِّي أَلْقَيْتُ عَنِّي جَبَلًا فقال : الصَّعِيْدُ الطَّيِّبُ وَضُوْءُ الْمُسْلِمِ وَلَوْ إلى عَشْرِ سِنِيْنَ ، فإذَا وَجَدْتَ المآءَ فَأَمِسَّهُ جِلْدَكَ فإنَّ ذلك خَيْرٌ ، وقال مُسَدَّدٌ : غُنَيْمَةٌ من الصَّدَقَةِ وَحَدِيْثُ عَمْرٍو أَتَمُّ.﴾

أخرجه الترمذي في "جامعه" في الطهارة، باب: ما جاء في التيمم للجنب إذا لم يجد الماء (١٢٤) وأخرجه النسائي في "المجتبى" باب: الصلوات بتيمم واحد (٣٢١). انظر "تحفة الأشراف" (١١٩٧١).

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ بکریاں جمع ہوگئیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوذر! جنگل میں ان کو لے جاؤ، میں مقام ربذہ کی طرف جنگل میں چلا گیا، وہاں مجھے غسل کی حاجت ہوا کرتی اور میں پانچ پانچ چھ چھ روزیوں ہی رہا کرتا (یعنی غسل نہ کرتا تھا پانی نہ ہونے کی وجہ سے) جب میں حضور ﷺ کے پاس آیا (اور آپ ﷺ سے واقعہ بیان کیا تو) آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوذر! میں چپ رہا، آپ ﷺ نے فرمایا کہو، تم کو تمہاری ماں روئے اور تمہاری خرابی ہو، پھر آپ ﷺ نے ایک کالی باندی کو بلایا جو پیالے میں پانی لے کر آئی، اس نے ایک کپڑے کی آڑ کی اور دوسری طرف سے میں نے اونٹ کی آڑ کی، اور میں نہایا گویا پہاڑ میرے اوپر سے اتر گیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ پاک مٹی مسلمان کا وضوء ہے اگرچہ دس برس تک پانی نہ پائے، جب پانی ملے تو اس کو اپنے بدن پر لگالے، یہ بہتر ہے، مسدد کی روایت میں ہے کہ وہ بکریاں صدقے کی تھیں، اور عمرو کی حدیث مکمل ہے۔

تشریح مع تحقیق: اگر جنبی آدمی کسی بھی وجہ سے پانی نہ پاسکے یا اس کے استعمال پر قدرت نہ رکھ سکے تو وہ تیمم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے، یہ ایک اجماعی مسئلہ ہے اور احادیث صحیحہ مشہورہ سے ثابت ہے، صرف دو صحابہ: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے خلاف منقول ہے کہ یہ دونوں حضرات تیمم للجنب کے عدم جواز کے قائل تھے، لیکن صاحب منہل تحریر فرماتے ہیں کہ انہوں نے بھی اپنے قول سے رجوع کرلیا تھا۔

عَمرو بن بُجدان: ابن حبانؒ نے ان کا ذکر کتاب الثقات میں کیا ہے، اسی طرح عجلیؒ نے ثقہ قرار دیا ہے، البتہ امام احمد بن حنبلؒ اور ابن القطان نے ان کو "لا یُعْرَفُ" کہا ہے، اسی طرح امام ذہبیؒ نے بھی الکاشف میں مجہول الحال قرار دیا ہے، امام ترمذیؒ نے ان کی اس حدیث کی تحسین کی ہے، اسی طرح ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکمؒ نے مستدرک میں اس حدیث کی تخریج کی ہے، البتہ ابن القطان نے عمرو بن بجدان کی وجہ سے اس کی تضعیف کی ہے، لیکن محدثین نے ان کی تضعیف کو قبول نہیں کیا ہے۔

قوله: اجْتَمَعَتْ غُنَيْمَةٌ: غُنیمہ تصغیر ہے غنم کی، افادۂ تقلیل کے لئے اس کو مصغر لایا گیا ہے، اور "تاء" کو اس میں اس لئے لاحق کیا گیا ہے کہ غنم اسم مؤنث ہے جو جنس کیلئے موضوع ہے مذکر و مؤنث دونوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، اور ہر وہ اسم جمع جس کا لفظاً کوئی واحد نہ آتا ہو جب مصغر لایا جاتا ہے تو اس میں تاء مؤنث کا الحاق ضروری ہوا کرتا ہے۔

قوله: أُبْدُ فِيهَا: محذوف سے متعلق ہے، اور "في" اس میں مصاحبت کے لئے ہے، أي "اخْرُجْ إلى البَدْوِ مُصَاحِبًا الْغَنَمِ" اور "أُبْدُ" بضم الهمزه بَدَا يَبْدُوا سے صیغۂ امر ہے: جنگل میں جانا، جنگل میں مقیم ہونا، بَدَا الْقَوْمُ بَدْوًا وبَدَاوَةً: لوگ جنگل کی طرف چلے گئے و تَبَادَى الرَّجُلُ: تَشَبَّهَ بأهل الْبَادِيَةِ: دیہاتیوں کی طرح ہونا۔

قوله: الرَّبَذَةُ: بفتح الراء والباء والذال: مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک آبادی ہے، حضرت ابوذر

غفاری ؓ کی قبر اسی جگہ میں ہے، پانی نہ ملنے کی وجہ سے حضرت ابوذر غفاری ؓ اس جگہ کئی کئی دن بغیر غسل کے نماز پڑھ لیا کرتے تھے، جب ان کو کچھ خلجان ہوا تو حضور ﷺ کی خدمت میں آئے۔

قوله : فقال أبو ذرٌّ : یعنی حضور ﷺ نے واقعہ سن کر فرمایا: أَنت أبو ذرٌّ؟ اس پر ابوذر ؓ پہلے تو خاموش رہے بعد میں جواب دیا کہ نَعَم۔

قوله : ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ : ترجمہ ہوگا تم کو تمہاری والدہ گم کرے، باب سمع سے آتا ہے، بمعنی گم کرنا، کھونا، یہ ایک مثل ہے عرب میں غصہ یا رنج یا افسوس کے وقت بولی جاتی ہے، اس سے بددعا مقصود نہیں ہے، آپ ﷺ نے ان پر افسوس کیا کہ انہوں نے بغیر طہارت کے نماز پڑھی اور تیمم کا مسئلہ معلوم نہیں کیا۔

قوله : بِعُسٍّ : بضم العين وتشديد السين بمعنی پانی کا بڑا پیالہ، ٹب، جمع عساس بروزن سہام اور اعساس بروزن افعال آتی ہے۔

قوله : اسْتَتَرْتُ بالرَّاحِلَةِ : آپ ﷺ نے ان کے غسل کے لئے ایک بڑے برتن میں پانی منگایا اور چوں کہ باقاعدہ کوئی غسل خانہ نہ تھا اس لئے وقتی طور پر پردے کی آڑ میں غسل کیا، ایک طرف سواری کو بٹھالیا اور دوسری طرف باندی کپڑا لے کر کھڑی ہوگئی۔

قوله : فَكَأَنِّي أَلْقَيْتُ عني الْجَبَل : جنابت کو جبل (پہاڑ) سے تشبیہ دی ہے وجہ شبہ ثقل ہے، گویا ابوذر ؓ یہ فرما رہے ہیں کہ میں نے غسل کے بعد اپنی طبیعت میں ایسا ہلکا پن محسوس کیا جیسے میں نے اپنے اوپر سے پہاڑ اتار کر رکھ دیا ہو۔

قوله : وَضُوء المسلم : بفتح الواؤ بمعنی وضور کا پانی، وہ چیز جس سے وضور کیا جائے، تراب بمنزلہ پانی کے ہے کہ جس طرح پانی سے پاکی حاصل ہوتی ہے اسی طرح مٹی سے بھی پاکی حاصل ہوتی ہے، بعض حضرات نے وضور بضم الواؤ پڑھا ہے جس کے معنی ہیں "استعمال الصعيد على الوجه المخصوص كوضوء المسلم" اس صورت میں یہاں تشبیہ بلیغ ہوگی بہر صورت جملہ کا مفہوم یہ ہوگا کہ تیمم کرنا رافع حدث ہے۔ (المنہل)۔

قوله : وَلَوْ إِلَى عَشْرَ سِنِيْنَ الخ بسكون الشين المعجمه : مراد یہاں دس کے ساتھ تحدید نہیں ہے بلکہ کثرت ہے اور مطلب یہ ہے کہ عادم الماء کے لیے جائز ہے کہ وہ یکے بعد دیگرے تیمم کرتا رہے اگر چہ پانی نہ ملنے کی مدت دس سال ہو جائے، یہ مطلب نہیں ہے کہ ایک مرتبہ تیمم کرنا دس سال کے لئے کافی ہے۔ (المنہل العذب المورود ۲/۱۷۹)

قوله : قال مُسَدَّدٌ : غُنَيْمَةٌ مِن الصَّدقة : یہاں مصنفؒ کے دو استاذ ہیں ایک عمرو بن عونؒ اور دوسرے مسددؒ، مصنفؒ نے دونوں کی روایت کے الفاظ کے فرق کو بیان کیا ہے کہ عمرو کی روایت میں غنیمة مطلقاً آیا تھا اور مسدد کی روایت میں مقید ہے کہ یہ بکریاں صدقہ کی تھیں، پھر مصنفؒ یہ فرمائیں گے کہ عمرو کی روایت بہ نسبت مسدد کے اکمل ہے۔

فقہ الحدیث

حدیث بالا سے مندرجہ ذیل چند مسائل کا استنباط ہوتا ہے۔

۱- مال کی بڑھوتری اور اس کی حفاظت کرنی چاہیئے، اس لئے کہ حضور ﷺ نے حضرت ابوذر ﷺ کو مقام ربذہ میں بکریوں کو لے کر بھیجا تھا، تاکہ ان کی حفاظت بھی ہو سکے اور اضافہ بھی ہو جائے۔

۲- چھوٹوں کو بڑوں کی خدمت کرنی چاہیئے۔

۳- ستر کو چھپانا ضروری ہے۔

۴- متیمم ایک تیمم سے چند نمازیں پڑھ سکتا ہے۔

۵- پانی کے پائے جانے سے تیمم ٹوٹ جاتا ہے۔

۶- مُحدِث اور جنبی تیمم میں برابر ہیں۔

۳۳۳ ﴿حَدَّثَنَا موسٰى بنُ إسْمَاعِيْلَ نَا حَمَّادٌ عن أَيُّوْبَ عن أبي قِلَابَةَ عن رَجُلٍ مِنْ بني عَامِرٍ قال : دَخَلْتُ فِي الإِسْلَامِ فَأَهَمَّنِيْ دِيْنِيْ فَأَتَيْتُ أبَا ذَرٍّ فقال أبو ذَرٍّ : إنِّي اجْتَوَيْتُ المدينةَ فَأَمَرَ لِي رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بِذَوْدٍ وبِغَنَمٍ فقال لي : اشْرَبْ مِنْ أَلْبَانِهَا ، وأشُكُّ فِي أبْوَالِهَا ، فقال أبو ذرٍّ : فَكُنْتُ أَعْزُبُ عن المآءِ ومَعِي أَهْلِيْ فَتُصِيْبُنِي الْجَنابَةُ فَأصَلِّي بِغَيرِ طُهُوْرٍ ، فَأَتَيْتُ رسولَ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بِنِصْفِ النَّهَارِ وهو في رَهْطٍ مِن أَصْحَابِه وهو فِي ظِلِّ الْمَسْجِدِ ، فقال صلى اللّٰه عليه وسلم : أبو ذَرٍّ ، فَقُلْتُ : نَعَمْ هَلَكْتُ يا رسول اللّٰه ! قال : ومَا أَهْلَكَكَ ؟ قُلْتُ : إنِّي اعْزُبُ عن المآءِ ومَعِي أَهْلِي فَتُصِيْبُنِي الْجَنَابَةُ فَأُصَلِّي بِغَيْرِ طُهُوْرٍ ، فَأَمَرَ لِي رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بمآءٍ ، فَجَاءَتْ بِهِ جَارِيَةٌ سَوْدَاءُ بِعُسٍّ يَتَخَضْخَضُ بِمَا هُوَ بِمَلْآنَ فَتَسَتَّرْتُ إلى بَعِيْرِي فَاغْتَسَلْتُ ثُمَّ جِئْتُ فقال رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم : يا أَبَا ذَرٍّ إنَّ الصَّعِيْدَ الطيِّبَ طَهُوْرٌ وإنْ لَمْ تَجِدِ المآءَ إلى عَشْرِ سِنِيْنَ فإذَا وَجَدْتَ المآء فَأَمِسَّهُ جِلْدَكَ.

- قَالَ أبو داؤدَ : و رَوَاهُ حَمَّادُ بنُ زيدٍ عن أَيُّوْبَ لَمْ يَذْكُرْ أَبْوَالَهَا فِي هٰذَا الحديثِ.

قال أبو داؤد : أَبْوَالُهَا هٰذا لَيْسَ بِصَحِيْحٍ ولَيْسَ في أَبْوَالِهَا إلَّا حَدِيْثُ أَنَسٍ ، تَفَرَّدَ به

أهل البَصْرَةِ.

أخرجه الترمذي في الطهارة، باب: ما جاء في التيمم للجنب إذا لم يجد الماء (١٢٤) والنسائي في "المجتبى" في الطهارة، باب: الصلوات بتيمم واحد (٣٢١). انظر "تحفة الأشراف" (١١٩٧١).

ترجمه : بنی عامر کے ایک شخص سے روایت ہے کہ میں مسلمان ہوا تو مجھے دین کے کاموں کا شوق ہوا، چنانچہ میں ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے مدینہ کی آب وہوا موافق نہ آئی (مجھے پیٹ کی بیماری ہوگئی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے چند اونٹوں اور بکریوں کے دودھ کے پینے کا حکم دیا، حماد نے کہا کہ مجھے شک ہے کہ شاید یہ بھی کہا (کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا) پیشاب پینے کا، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں پانی سے دور رہتا تھا، اور میرے ساتھ میرے اہل خانہ بھی تھے، مجھے نہانے کی حاجت ہوتی تو میں بغیر طہارت کے نماز پڑھ لیا کرتا تھا، جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو وہ دوپہر کا وقت تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم چند صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیٹھے تھے مسجد کے سایہ میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوذر! میں نے کہا ہاں یارسول اللہ! میں تباہ ہوگیا فرمایا کیوں؟ میں نے کہا کہ میں پانی سے دور تھا میرے ساتھ میرے اہل خانہ بھی تھے، مجھے نہانے کی حاجت ہوتی تو میں بغیر طہارت کے ہی نماز پڑھ لیا کرتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے واسطے پانی لانے کا حکم دیا، ایک کالی لونڈی پیالے میں پانی لے کر آئی، پیالہ ہل رہا تھا، بھرا ہوا نہ تھا، میں نے ایک اونٹ کی آڑ لی اور غسل کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوذر! پاک مٹی پاک کرنے والی ہے، اگرچہ تم دس برس تک پانی نہ پاؤ، جب پانی ملے تو اپنے بدن پر بہالو۔

ابوداؤد نے کہا: حماد بن زید نے اس حدیث کو ایوب سے روایت کیا، اور اس میں پیشاب پینے کا ذکر نہیں کیا ہے۔

ابوداؤد نے کہا کہ پیشاب کا ذکر صحیح نہیں ہے، پیشاب پینے کا ذکر تو صرف حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے اس حدیث کو صرف اہل بصرہ نے روایت کیا ہے۔

تشریح مع تحقیق : یہ حدیث سابق ہی کا طریق ثانی ہے، اس میں یہ بات بطور خاص آئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو مقام ربذہ میں اس لئے بھیجا تھا کہ مدینہ کی آب وہوا ان کو موافق نہ آئی تھی، اور پیٹ خراب ہوگیا تھا، نیز اس روایت میں یہ تفصیل بھی آئی کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوپہر کے وقت پہنچے تھے، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں صحابہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا تھا کہ ابوذر! تم نے ایسا کیا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں، پہلی روایت میں خاموشی کا ذکر تھا، تطبیق دونوں روایتوں میں یہ ہوگی کہ پہلے حضرت ابوذر خاموش رہے تھوڑی دیر بعد فرمایا: ہاں، نیز اس میں یہ بھی صراحت ہے کہ پانی کا پیالہ (ٹب) بھرا ہوا نہ تھا بلکہ تھوڑا خالی تھا جس کی وجہ سے پانی ہلتا ہوا نظر آرہا تھا۔

قولہ : يَتَخَضْخَضُ : خضخضت دلوي في المآء : ڈول کو پانی میں حرکت دینا، تَخَضْخَضَ المآء : پانی کا حرکت کرنا، ہلنا۔

قال أبو داؤد : ورواه حماد بنُ زيدٍ عن أيوب لم يذكر أبوالها في هذا الحديث : اس قال ابوداؤد کا حاصل یہ ہے کہ حماد بن سلمہ اور حماد بن زید دونوں نے اس حدیث کو ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے، فرق دونوں کی روایت میں یہ ہے کہ حماد بن سلمہ نے لفظ "أبوَالُهَا" کو بطریق شک ذکر کیا اور حماد بن زید نے مطلقاً اس لفظ کو ذکر ہی نہیں کیا، پس حماد بن زید کا لفظ "ابوالها" کو ذکر نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس لفظ کا ذکر اس حدیثِ ایوب میں صحیح نہیں ہے لِأَنَّ اليَقِيْنَ قَاضٍ عَلَى الشَّكِّ۔

مصنفؒ کی رائے بھی یہی ہے کہ حدیثِ باب میں لفظ "أبوالها" کا ذکر صحیح نہیں ہے، یہ تو صرف حضرت انس ﷺ کی اس مشہور اور معروف حدیث میں ہے جس کو صحاح ستہ میں نقل کیا گیا ہے، یعنی حدیث عرنیین۔

قولہ : تفرد به أهل البصرة : اس کا تعلق حدیث باب سے ہے نہ کہ حضرت انس ﷺ کی حدیث سے، اس لئے کہ حدیث باب ہی کی سند شروع سے اخیر تک بصریوں کی ہے، مصنف رحمۃ اللہ علیہ اپنے اس کلام سے لطائف اسناد کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔

﴿بَابٌ إِذَا خَافَ الْجُنُبُ الْبَرْدَ أَ يَتَيَمَّمُ﴾

جب جنبی کو سردی کا خوف ہو تو تیمّم کر سکتا ہے؟

۳۳۴ ﴿حَدَّثَنَا ابنُ المثني نا وَهْبُ بنُ جَرِيْرٍ نا أَبِي قال : سَمِعْتُ يَحيٰى بنَ أَيُّوْبَ يُحَدِّثُ عن يزيد بنِ أبي حَبِيْبٍ عن عِمْرَانَ بنِ أَبِي أَنَسٍ عن عَبْدِالرحمن بنِ جُبَيْرٍ عن عَمْرِو بنِ العَاصِ قال : احْتَلَمْتُ في لَيْلَةٍ بَارِدَةٍ فِي غَزْوَةِ ذَاتِ السَّلَاسِلِ فَأَشْفَقْتُ إِن اغْتَسَلْتُ أَنْ أَهْلِكَ ، فَتَيَمَّمْتُ ثُمَّ صَلَّيْتُ بأصحابِي الصُّبْحَ ، فَذَكَرُوْا ذلك لرسولِ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فقال : يَا عَمْرُو ! صَلَّيْتَ بِأَصْحَابِكَ وأَنْتَ جُنُبٌ ؟ فَأَخْبَرْتُهُ بالذِي مَنَعَنِي مِنَ الإِغْتِسَالِ ، وقُلْتُ : إِنِّي سَمِعْتُ اللّٰهَ يَقولُ : "وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللّٰه كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا" فَضَحِكَ رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ولَمْ يَقُلْ شَيْئًا.

قال أبو داوُدَ : عَبْدُ الرحمن بنُ جُبَيْرٍ مِصْرِيٌّ مَوْلى خَارِجَةَ بنِ حُذَافَةَ وَلَيْسَ هُوَ ابنُ جُبَيْرِ بنِ نُفَيْرٍ.﴾

انفرد به أبو داود: انظر "تحفة الأشراف" (١٠٧٥٠).

قال الخطابي: فيه من الفقه: أنه جعل عدم إمكان استعمال الماء كعدم عين الماء، وجعله بمنزلة من خاف العطش ومعه ماء، فأبقاه لشفته وتيمم خوف التلف. وقد اختلف العلماء في هذه المسألة: فشدد فيه عطاء بن أبي رباح وقال: يغتسل وإن مات واحتج بقوله: (وَإِنْ كُنتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا) ونحوه قول الحسن. وقال مالك وسفيان: يتيمم وهو بمنزلة المريض، وأجازه أبو حنيفة في الحضر. وقال صاحباه: لا يجزيه في الحضر وقال الشافعي: إذا خاف على نفسه من شدة البرد تيمّم وصلى وأعادَ كل صلاة صلاها كذلك. انظر "معالم السنن" ١/٨٨.

ترجمہ : حضرت عمرو بن العاص ؓ سے روایت ہے کہ غزوہ ذات السلاسل میں ایک سرد رات میں مجھے احتلام ہو گیا، مجھے اس بات کا خوف ہوا کہ اگر غسل کیا تو ہلاک ہو جاؤں گا، میں نے تیمم کر کے اپنے ساتھ والوں کو صبح کی نماز پڑھائی، انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے بیان کیا، آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ عمرو! تم نے اپنے ساتھیوں کو جنبی ہونے کی حالت میں نماز پڑھائی ہے، میں نے غسل نہ کرنے کا سبب بیان کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اپنے کو قتل مت کرو، اللہ تم پر رحم کرنے والا ہے، رسول اللہ ﷺ ہنسنے لگے اور کچھ نہ فرمایا۔

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن جبیر مصری خارجہ بن حذافہ کے آزاد کردہ غلام ہیں، وہ جبیر بن نفیر نہیں ہیں۔

تشریح مع تحقیق : اس ترجمہ سے امام ابوداؤد کا مقصد یہ ہے کہ مرض، موت اور پیاس تینوں اندیشوں کے لئے تیمّم جائز ہے، بعض حضرات جو یہ کہتے ہیں کہ جب تک جنبی کو اندیشۂ موت یا کسی عضو کے تلف ہونے کا خطرہ لاحق نہ ہو اس وقت تک اس کے لئے تیمّم جائز نہیں ہے، ان حضرات کا یہ قول صحیح نہیں، حدیث باب سے اس کی تردید ہوتی ہے۔

حضرت عمرو بن العاص ؓ کا اجتہاد

روایت میں ذکر کردہ واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ۸ھ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سو مہاجرین وانصار کو قبائل لخم وجذام وغیرہ کی طرف حضرت عمرو بن العاص ؓ کی قیادت میں روانہ فرمایا، ان حضرات نے ان قبائل کے مشرکین سے موضع سلاسل میں مقابلہ کیا، سلاسل ایک چشمہ کا نام ہے، اس کے اور مدینہ کے درمیان دس دن کی مسافت کا فاصلہ ہے، اسی لئے اس کو غزوہ ذات السلاسل کہتے ہیں، بعض حضرات نے وجہ تسمیہ یہ لکھی ہے کہ اس لڑائی میں مشرکین نے آپس میں ایک کو دوسرے سے باندھ لیا تھا تا کہ ان میں سے کوئی بھاگ نہ سکے، اور بعض کہتے ہیں کہ اس میدان میں ریت کے ٹیلوں

کا سلسلہ دور تک چلا گیا ہے جو چلنے میں پاؤں کو زنجیر کی طرح آگے بڑھانے سے مانع ہوتے ہیں، اس لئے ان ٹیلوں کو ذات السلاسل کہتے ہیں۔

بہر حال اس غزوہ کے موقعہ پر ایک شدید سرد رات میں حضرت عمرو بن العاص کو نہانے کی حاجت ہو گئی حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے تیمم کر کے نماز پڑھا دی، لوگوں کو ناگواری ہوئی کہ پانی موجود تھا لیکن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے غسل نہیں کیا، چنانچہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں شکایت کی گئی آپ ﷺ نے باز پرس کی اور فرمایا کہ عمرو! کیا یہ صحیح ہے کہ تم نے جنابت کی حالت میں پانی کے ہوتے ہوئے تیمم کر کے اپنے رفقاء کو نماز پڑھا دی؟ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنا عذر پیش کیا کہ سردی بہت شدید تھی، اور اپنے عمل کے جواز میں سرکار رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں ایک آیت پیش فرمائی کہ باری تعالیٰ فرماتا ہے: "لَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا" یعنی خداوند قدوس رحیم وکریم ہے کیسی ہی ضرورت کیوں نہ سامنے ہو لیکن اگر ہلاکت تک نوبت پہنچ سکتی ہو تو رک جاؤ۔

اس آیت کے پیش کرنے کا مقصد بظاہر یہی ہے کہ اگر میں غسل کرتا تو ہلاکت واقع ہو سکتی تھی، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے اس بیان کو سن کر آپ ﷺ نے تبسم فرمایا، اور خاموش ہو گئے اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو کوئی ملامت نہیں کی، گویا آپ ﷺ نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کے عمل کی توثیق کر دی، اگر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کا اجتہاد غلط ہوتا تو آپ ﷺ یقیناً اس پر ملامت فرماتے۔

اس سے مصنفؒ کا مدعا ثابت ہو گیا، کہ اگر موت کا اندیشہ ہو تو جنبی کو تیمم کی اجازت ہے۔

فقہ الحدیث

صاحب منہلؒ نے حدیث باب سے گیارہ مسائل کا استنباط کیا ہے:

۱- حضور ﷺ کے زمانہ میں اجتہاد کا وقوع۔
۲- حقیقت حال پر واقفیت کے لئے باز پرس کرنا۔
۳- مدعی علیہ سے معلومات کرنا اور خصم کے دعوے پر اکتفا نہ کرنا۔
۴- مدعی علیہ کا اپنے دفاع کے لئے آیت قرآنی سے استدلال کرنا۔
۵- حاکم کا صحیح دلیل کو قبول کرنا۔
۶- حضور ﷺ کا سکوت حکم کے ثبوت کا اقرار ہوتا ہے۔
۷- پانی کے استعمال کے عدم امکان کی وجہ سے تیمم کا جواز۔

۸- تیمّم کے ذریعہ پڑھی گئی نماز کا اعادہ نہ کرنا۔
۹- صلاۃ المتوضی خلف المتیمم کا جائز ہونا۔
۱۰- شدت برد کی وجہ سے پانی کے ہوتے ہوئے تیمّم کرنا۔
۱۱- تمسک بالعمومات کا حجت صحیحہ ہونا۔ (المنہل العذب المورود ۳/۱۸۷)۔

۳۳۵ ﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ سَلَمَةَ المرادِيُّ نا ابنُ وَهْبٍ عن ابنِ لَهِيْعَةَ وعَمرو بنِ الْحَارِثِ عن يَزِيْدَ بنِ أَبِي حَبِيْبٍ عن عِمْرَانَ بنِ أَبِي أَنَسٍ عن عبدِالرحمن بن جُبَيْرٍ عن أبي قَيْسٍ مَوْلَى عَمْرو بنِ العَاصِ أنَّ عمرو بنَ الْعَاصِ كَانَ عَلَى سَرِيَة ، وذَكَرَ الحديثَ نَحْوَهُ ، قال: فَغَسَلَ مَغَابِنَهُ وتَوَضَّأَ وُضُوْئَهُ لِلصَّلَاةِ ثُمَّ صَلَّى بهم ، فذَكَرَ نَحْوَهُ ولم يَذْكُرِ التَّيَمُّمَ.
قال أبو داؤد : و رُوِيَتْ هٰذِه القِصَّةُ عن الأَوْزَاعِي عن حَسَّانَ بنِ عَطِيَّةَ قال فيه : فَتَيَمَّمَ.﴾

تقدم تخريجه في الحديث السابق.

ترجمه : ابوالقیس سے روایت ہے کہ عمرو بن العاص ؓ ایک دستہ کے سالار تھے، پھر پہلی حدیث کی طرح روایت کی، (ابن لہیعہ نے) کہا کہ انھوں نے اپنے چڈھے (میل کچیل جمع ہونے کی جگہ) کو دھویا اور نماز جیسا وضو کر کے نماز پڑھائی، اور تیمّم کا ذکر نہیں کیا۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ واقعہ بواسطۂ اوزاعی، حسان بن عطیہ سے منقول ہے اس میں ہے کہ تیمّم کیا۔

تشریح مع تحقیق : اَلْمَغَابِنُ : مَغْبِن کی جمع ہے بمعنی بغل، ران کا اندرونی حصہ، وہ جگہ جہاں میل کچیل اکٹھا ہو جاتا ہے مراد یہ ہے کہ شرم گاہ کے اردگرد کے حصہ کو دھویا اور وضو کیا۔

اس حدیث میں ایک چیز آئی کہ حضرت عمرو بن العاص ؓ نے غسل مغابن کیا اور وضو کر کے نماز پڑھا دی، تیمّم کا اس میں کوئی ذکر نہیں ہے، اب مسئلہ پیچیدہ ہو جاتا ہے کہ تیمّم تو غسل کے قائم مقام ہو جاتا ہے، لیکن وضو تو کسی کے نزدیک بھی تیمّم کے قائم مقام نہیں ہو سکتا، بظاہر یہاں دونوں روایتوں میں تعارض ہو گیا کہ پہلی روایت میں تیمّم کا ذکر ہے اور اس میں صرف غسل مغابن اور وضو کا، امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے تو دونوں روایتوں میں تطبیق یہ دی کہ حضرت عمرو بن العاص ؓ نے غسل مغابن اور تیمّم دونوں کیا ہوگا، البتہ امام بخاریؒ اور امام ابوداؤدؒ نے پہلی روایت کو راجح قرار دیا ہے، جس کی تائید مسند احمد کی روایت سے ہوتی ہے کہ اس میں یہ روایت ابن لہیعہ ہی کے طریق سے مروی ہے اس میں تیمّم کا ذکر ہے۔

قال أبو داؤد : ورويت هذه القصة عن الأوزاعي الخ : مصنفؒ کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ سند میں یزید بن

ابی حبیب سے نقل کرنے والے تین حضرات ہیں: (۱) یحییٰ بن ایوب، (۲) عبداللہ بن لہیعہ، (۳) عمرو بن الحارث، تینوں کی روایتوں میں اختلاف یہ ہے کہ جب یحییٰ بن ایوب نے یزید بن ابی حبیب سے اس روایت کو نقل کیا تو عبدالرحمٰن بن جبیر اور عمرو بن العاص کے درمیان کوئی واسطہ ذکر نہیں کیا، اور انہوں نے تیمّم کا بھی ذکر کیا، البتہ غسل مغابن اور وضو کا ذکر ان کی روایت میں نہیں ہے، اور جب اس روایت کو ابن لہیعہ اور عمرو بن حارث نے روایت کیا تو عبدالرحمٰن بن جبیر اور عمرو بن العاص کے درمیان ابوالقیس کا واسطہ ذکر کیا، اور دوسرے غسل مغابن اور وضو کا ذکر کیا تیمم کے ذکر کو چھوڑ دیا، اس کے برخلاف جب اوزاعی نے اس روایت کو حسان بن عطیہ سے نقل کیا تو انہوں نے تینوں چیزوں: غسلِ مغابن، وضوء، اور تیمم کا ذکر کیا۔ (المنہل ۱۸۹/۳)۔

﴿بابٌ في الْمَجْرُوْحِ يَتَيَمَّمُ﴾

زخمی کے تیمّم کرنے کا بیان

۳۳۶ ﴿حَدَّثَنَا موسٰى بنُ عَبْدِالرحمن الْأَنْطَاكِيُّ ثَنَا محمد بنُ سَلَمَةَ عن الزُّبَيْرِ بنِ خُرَيْقٍ عن عَطَاءٍ عن جابِرٍ قال : خَرَجْنَا فِي سَفَرٍ فَأَصَابَ رَجُلًا مِنَّا حَجَرٌ فَشَجَّهُ فِي رَأْسِهٖ ثُمَّ احْتَلَمَ فَسَأَلَ أَصْحَابَهُ فقال : هَلْ تَجِدُوْنَ لِي رُخْصَةً فِي التَّيَمُّمِ ؟ قالوا : ما نَجِدُ لَكَ رُخْصَةً و أَنْتَ تَقْدِرُ على المآءِ ، فاغْتَسَلَ فَمَاتَ ، فَلَمَّا قَدِمْنَا على النبي صلى الله عليه وسلم أُخْبِرَ بِذٰلِكَ ، فقال : قَتَلُوْهُ قَتَلَهُمُ اللّٰهُ ، أَلَا سَأَلُوا إِذْ لم يَعْلَمُوا ، فَإِنَّمَا شِفَاءُ العِيِّ السُّوَالُ ، إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيْهِ أَنْ يَتَيَمَّمَ وَيَعْصِرَ أَو يَعْصِبَ ، شَكَّ مُوْسٰى، عَلٰى جُرْحِهٖ خِرْقَةً ، ثُمَّ يَمْسَحُ عَلَيْهَا وَيَغْسِلُ سَائِرَ جَسَدِهٖ.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (٢٤١٣).

ترجمہ : حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم سفر میں نکلے، ہم میں سے ایک شخص کے پتھر لگا، اس کا سر پھوٹ گیا پر اس کو احتلام ہوا اس نے لوگوں سے معلوم کیا کہ کیا تم میرے لئے تیمّم کی رخصت دیتے ہو، انہوں نے کہا کہ نہیں، تمہارے لئے پھر تیمّم کیسے درست ہوگا تم تو پانی پر قادر ہو، اس نے غسل کیا اور مر گیا، جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہوں نے اس کو قتل کیا اللہ ان کو قتل کرے، جب ان کو مسئلہ معلوم نہ تھا تو پوچھ لینا تھا، کیوں کہ نہ جاننے کا علاج پوچھنا ہے، اس شخص کو تیمّم کر لینا اور اپنے زخم پر کپڑا باندھ کر مسح کر لینا

اور باقی سارا بدن دھوڈالنا کافی تھا۔

تشریح مع تحقیق : یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ موت کے اندیشہ کے لئے تیمم کرنا جائز ہیں، مصنفؒ اس باب میں صراحۃً اس مسئلہ کو ذکر فرمائیں گے، مصنفؒ نے جن الفاظ کے ساتھ ترجمۃ الباب قائم کیا ہے اس میں نسخوں کے درمیان اختلاف ہے، ہمارے ہندوستانی نسخے میں، اسی طرح المنہل کے نسخے میں تو "المجروح" ہے، بعض نسخوں میں "المعذور" ہے اور بعض میں "المجدور" ہے، اب معذور کا لفظ تو مجروح اور مجدور دونوں کو شامل ہے، اسی طرح مجروح کا لفظ مجدور (چیچک والا) اور معذور کو شامل ہے، اور مجدور کے جسم پر بھی کبھی کبھی زخم ہوجاتے ہیں اس لئے اس کو مجروح اور معذور ہی کا حکم دیا جائے گا، خلاصہ یہ ہوا کہ تینوں الفاظ کے ذریعہ ترجمۃ الباب قائم کرنا صحیح ہے۔

قوله : في سفر الخ : حال ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے، أي خرجنا مسافرين اور یہ بھی احتمال ہے کہ حرف "في" تعلیلیہ ہو اور تقدیری عبارت یہ ہوگی: خرجنا لإرَادَةِ سَفَرٍ.

قوله : فَشَجَّهُ فِي رَأسِهِ الخ شَجَّه (ن، مضاعف) شَجًّا، وشَجَّ فِي رَأسِهِ : سر کو زخمی کرنا، سر کی کھال پھاڑنا، مطلب یہ ہے ایک شخص کو پتھر لگا اور اس کے سر کو زخمی کردیا، اتفاق سے پھر اس شخص کو احتلام بھی ہوگیا اس نے لوگوں سے تیمم کرنے کی اجازت چاہی لیکن عدم علم کی وجہ سے رفقاء نے اجازت نہ دی، اس نے غسل کرلیا، پانی زخم پر پہنچا اور دماغ میں سرایت کرگیا اور انتقال ہوگیا۔

قوله : قتلوه الخ : حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے اس شخص کو قتل کردیا، قتل کی نسبت صحابہ کی طرف اس لئے کی کہ بظاہر یہی لوگ ان صحابی کی موت کا سبب بنے۔

قوله : قَتَلَهُمُ اللّٰهُ الخ : یہ جملہ آپ ﷺ نے بطور زجر و توبیخ کے فرمایا حقیقت مقصود نہ تھی۔

اس جگہ صاحب منہل تحریر فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط ہوا کہ اگر مفتی غلط فتویٰ دے دے اور اس کی وجہ سے کسی کی ہلاکت واقع ہوجائے تو مفتی پر دیت یا قصاص نہیں ہے۔

قوله : إنّما شِفَاء العِيّ السُّوَالُ الخ عِيٌّ : بكسر العين المهمله وتشديد الياء بمعنی کلام پر عدم قدرت، مفید مطلب کام سے عجز و بے بسی، مراد جہالت اور عدم علم ہے، مطلب یہ ہے کہ جہل کی بیماری سے شفا صرف اور صرف تعلم اور اہل علم سے سوال کرنے میں ہے، اگر کسی کو کوئی بات معلوم نہ ہو تو معلوم کرلینا چاہئے، بغیر علم کے دوسروں کو مسئلہ بتانا سنگین جرم ہے۔

قوله : وشَكَّ مُوسیٰ الخ : یعنی راوی موسیٰ کو شک ہے کہ حضور ﷺ سے يَعْصِبُ کا لفظ منقول ہے یا "يَعْصِرُ" کا، مطلب دونوں کا ایک ہی ہے کہ زخم کے اوپر کپڑے کی پٹی باندھ لے۔

فقہ الحدیث

اس حدیث کے ذیل میں ایک اہم فقہی مسئلہ کی بحث آتی ہے وہ یہ کہ اگر کسی شخص کے جسم کا بعض حصہ زخمی ہو اور بعض صحیح، اور اس کو غسل کی حاجت ہو جائے تو وہ کیا کرے، آیا جمع بین الغسل والتیمم کرے یا صرف تیمم پر اکتفاء کرے، فقہاء کرام کے درمیان اس سلسلے میں اختلاف ہے۔

حضرت امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ایسا شخص تیمم بھی کرے اور اس زخم کی جگہ کو چھوڑ کر باقی بدن کو دھوئے بھی، یعنی جمع بین الغسل والتیمم کرے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جسم کے کچھ حصہ پر زخم اور کچھ حصہ کے صحیح ہونے کی صورت میں "اکثر" کا اعتبار کیا جائے گا، یعنی اگر جسم کا اکثر حصہ اچھا ہے تو اس کو دھویا جائے گا، اور جس حصہ پر زخم ہے اس پر مسح کر لیا جائے، اور اگر زیادہ تر حصہ پر زخم ہے تو صرف تیمم کیا جائے اور دھونے کو ساقط سمجھا جائے، غسل اور تیمم کو جمع نہیں کیا جائیگا۔

شافعیہ اور حنابلہ کا مستدل

شافعیہ اور حنابلہ نے اپنے مسلک پر حدیث باب سے استدلال کیا ہے، اس لئے کہ حضور ﷺ نے جمع بین الغسل والتیمم کا حکم فرمایا ہے۔

ہماری طرف سے حدیث باب کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اس لئے کہ اس میں زبیر بن خریق راوی متکلم فیہ ہیں، امام دار قطنیؒ فرماتے ہیں کہ "ليس بالقوي" اسی طرح حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب میں امام ابوداوٗدؒ کا بھی یہی قول نقل کیا ہے، انہیں کی وجہ سے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (تہذیب التہذیب ۱۸۶/۲)۔

امام نوویؒ المجموع کے اندر تحریر فرماتے ہیں کہ حدیث الباب بالاتفاق ضعیف ہے، اور جن حضرات نے ان زبیر بن خریق کو ثقہ قرار دیا ہے انہوں نے اصول کا خیال نہیں رکھا کہ جرح مقدم ہوتی ہے تعدیل پر۔ (المنہل ۱۹۴/۳)

دراصل اس حدیث کے متن میں رواۃ کا اختلاف واضطراب ہے بعض حضرات نے اس میں جمع بین الغسل والتیمم ذکر کیا ہے اور بعض نے صرف غسل کو، جیسا کہ باب کی اگلی روایت میں آ رہا ہے۔

بذل المجہود میں اس حدیث کا ایک دوسرا جواب یہ لکھا ہے کہ یہاں "أن يتيمم ويعصر" میں "واؤ" أو کے معنی میں ہے، اور مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے شخص مذکور کے لئے حصولِ طہارت کے دو طریقے بیان فرمائے، ایک یہ کہ

صرف تیمم کرے، دوسرے یہ کہ زخم پر پٹی باندھنے کے بعد اس پر مسح کرے اور باقی بدن کو دھوئے، آپ ﷺ کی مراد یہ نہیں ہے کہ دونوں کو جمع کیا جائے۔ (بذل المجہود ١/٢٠٥)۔

حنفیہ کے جواب پر ابن حجر مکی شافعی کا رد

ابن حجر مکی شافعی نے حنفیہ کے اس جواب پر رد کیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، ان کا کہنا ہے کہ اس حدیث پر امام ابوداوٗد نے سکوت اختیار کیا ہے لہٰذا یہ حدیث حجت ہے۔

ابن حجرؒ پر رد کرتے ہوئے ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ امام ابوداوٗدؒ کا سکوت دوسرے محدثین کی تضعیف صریح کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

شارح الدر المنضود فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ تسلیم ہی نہیں کہ مصنفؒ نے اس حدیث پر سکوت کیا ہے اس لئے کہ مصنفؒ نے تو اس میں اختلاف روایت کو ذکر کیا ہے اولاً تو بایں سند روایت کیا "عن الزبير بن خريق عن عطاء عن جابر" اور اس میں جمع بین التیمم والغسل مذکور ہے، پھر اس کو ذکر کیا "عن الأوزاعي أنه بلغه عن عطاء بن أبي رباح عن ابن عباس" اس میں جمع بین الغسل والتیمم نہیں ہے، بلکہ صرف غسل ہے، لہٰذا حدیث میں سنداً ومتناً اضطراب ہوگیا، لہٰذا یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ مصنفؒ نے اس پر سکوت اختیار کیا ہے۔ (الدر ٢/٤٤٠)۔

حنفیہ اور مالکیہ کا استدلال

١- بدل اور مبدل منہ کا جمع کرنا صحیح نہیں ہے، اور اس حدیث پر عمل کرنے میں بدل اور مبدل منہ پر عمل کرنا لازم آرہا ہے، جو خلاف قیاس واصول ہونے کی وجہ سے متروک ہے، نیز حدیث ضعیف بھی ہے کما مر۔

٢- مامور بہ وہ غسل ہے جو مبیح للصلاۃ ہو اور جو مبیح للصلاۃ نہ ہو اس کا وجود وعدم برابر ہے۔ (بذل المجہود)۔

٣٣٧ ﴿حَدَّثَنَا نَصر بنُ عَاصِمٍ الْأَنْطَاكِيُّ ثَنَا محمد بنُ شُعَيْبٍ أَخْبَرَنِي الْأَوْزَاعِيُّ أَنّه بَلَغَهُ عن عطاء بنِ أَبي رَبَاحٍ أَنّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللّٰه بنَ عباسٍ قال : أَصَابَ رَجُلًا جُرْحٌ فِي عَهْدِ رسولِ اللّٰه ﷺ ثُمّ احْتَلَمَ فَأُمِرَ بالإِغْتِسَالِ فاغْتَسَلَ فَمَاتَ فَبَلَغَ ذلك رسولَ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فقال : قَتَلُوْهُ قَتَلَهُمُ اللّٰه أَلَمْ يَكُنْ شِفَاءُ العِيِّ السُّوَالُ.﴾

أخرجه ابن ماجه في "سننه" في الطهارة، في المجروح تصيبه الجنابة فيخاف على نفسه إن اغتسل (٥٧٢). انظر "تحفة الأشراف" (٥٩٠٤ و ٥٩٧٢).

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ایک آدمی زخمی ہوا، پھر اسے احتلام ہوا، لوگوں نے اسے غسل کرنے کو کہا، جب اس نے غسل کیا تو انتقال ہو گیا، حضور ﷺ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: انہوں نے اس کو مار ڈالا، اللہ ان کو مار ڈالے، کیا ناواقفیت کا علاج معلوم کر لینا نہیں ہے۔

تشریح مع تحقیق : دراصل یہ لوگ تیمم کے بارے میں نازل ہونے والی آیت کے الفاظ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً " سے یہ سمجھے کہ تیمم کی سہولت بس اسی صورت میں ہے جب پانی موجود نہ ہو اگر پانی دستیاب ہو تو پھر تیمم جائز نہیں ہے، اس وقت تک ان لوگوں کے علم میں یہ نہیں آیا تھا کہ اس آیت کے تحت تیمم کی جو سہولت مشروع ہوئی ہے وہ اس صورت کے لئے بھی ہے اگر پانی موجود ہو مگر اس پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو یا پانی کا استعمال جسم کو نقصان اور ضرر پہنچاتا ہو، چنانچہ ان لوگوں نے اسی لاعلمی کے سبب اُن صاحب کو تیمم سے باز رکھا، اور وہ صاحب جب نہائے تو پانی نے ان کے زخم کو اتنا بگاڑ دیا کہ وہ انتقال کر گئے۔

حدیث کے اس طریق ثانی میں صرف واقعہ کا ذکر ہے، یہ نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو کس چیز کا حکم فرمایا غسل یا تیمم یا دونوں کا، یہ حدیث سنن ابن ماجہ میں بھی ہے، جس میں صرف غسل کا ذکر ہے تیمم کا نہیں، معلوم ہوا کہ حدیث کے متن میں اضطراب ہے۔

﴿بابُ المتيمم يجد المآء بعد مايصلي في الوقت﴾

نماز پڑھ لینے کے بعد تیمّم کرنے والے کے وقت میں پانی پالینے کا بیان

۳۳۸ ﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ إسْحَاقَ الْمُسَيَّبِيُّ نَا عَبْدُ اللّٰه بنُ نَافِعٍ عن اللَّيْثِ بنِ سَعْدٍ عن بَكْرِ بنِ سَوَادَةَ عن عطاء بنِ يَسَارٍ عن أبي سَعِيْد الْخُدْرِي قال : خَرَجَ رَجُلَانِ فِي سَفَرٍ فَحَضَرَتِ الصلاةُ و لَيْسَ مَعَهُمَا ماءٌ فَتَيَمَّمَا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَصَلَّيَا ثم وَجَدَا المآءَ في الْوَقْتِ فَاَعَادَ اَحَدُهُمَا الصلاةَ وَالْوُضُوْءَ ولم يُعِدِ الآخَرُ ، ثُمَّ أَتَيَا رسولَ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فَذَكَرَا ذلك لَهُ ، فقال لِلَّذِي لم يُعِدْ : اَصَبْتَ السُّنَّةَ ، وأَجْزَأَتْكَ صَلَاتُكَ ، وقَالَ لِلَّذِي تَوَضَّأَ وَاَعَادَ : لَكَ الْأَجْرُ مَرَّتَيْنِ.

قال أبو داوُدَ : وغَيْرُ ابنِ نَافِعٍ يَرْوِيْهِ عن اللَّيْثِ عن عَمِيْرَةَ ابنِ أبِي نَاجِيَةَ عن بكر بنِ سَوادَةَ عَنْ عَطاء بنِ يَسَارٍ عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم.

قال ابو داؤد : ذِكْرُ ابي سَعِيْدٍ فِي هٰذا الحديث لَيْسَ بِمَحْفُوْظٍ ، وهو مُرْسَلٌ.

اخرجه النسائي في "المجتبى" في الطهارة، باب: التيمم لمن يجد الماء بعد الصلاة (٤٣١). انظر "تحفة الأشراف" (٤١٧٦).

ترجمہ : حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو شخص سفر میں تھے، نماز کا وقت ہوگیا اور پانی نہ ملا، دونوں نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی، پھر پانی ملا اور وقت باقی تھا، ایک شخص نے تو وضوء اور نماز کا اعادہ کیا اور دوسرے نے نہیں، پھر دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے واقعہ بیان کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا جس نے دوبارہ نماز نہیں پڑھی کہ تو نے سنت پر عمل کیا اور تیری پہلی نماز ہی کافی ہوگئی، اور اس شخص سے فرمایا جس نے وضوء کیا اور پھر نماز پڑھی کہ تیرے لئے دوہرا ثواب ہے۔

ابوداؤد فرماتے ہیں کہ نافع کے علاوہ دوسرے لوگ اس حدیث کو بواسطۂ لیث، عمیرہ بن ابی ناجیہ، بکر بن سوادہ، عطاء بن یسار، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

ابوداؤد فرماتے ہیں کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا ذکر اس حدیث میں محفوظ نہیں ہے بلکہ یہ مرسل ہے۔

تشریح مع تحقیق : تیمم کے سلسلے کا یہ آخری باب ہے، اس میں مصنف نے ایک حدیث کو دو طریق سے ذکر کیا ہے۔

قولہ : أَصَبْتَ السُّنَّةَ الخ : تم نے سنت کو پالیا یعنی شریعت کا حکم وہی تھا جو تم نے کیا کہ پانی دستیاب نہ ہونے کی صورت میں تیمم کر کے نماز پڑھ لی جائے اور پھر پانی دستیاب ہونے پر وضوء کر کے اس نماز کو دوبارہ لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔

قولہ : لك الأجر مَرَّتَيْنِ : تمہیں دوبار ثواب ملا یعنی تم نے تیمم کر کے جب نماز پڑھی تو وہ فرض ادا ہوئی، اور اس کا ثواب تمہیں ملا، پھر تم نے پانی پانے کے بعد جب دوبارہ نماز پڑھی تو وہ نفل قرار پائی، اور اس کا ثواب بھی تمہیں ملا۔

مسئلۂ باب کی صورتیں اور ان کا حکم

اصلاً مسئلہ کی تین صورتیں ہیں:

۱- تیمم کر کے نماز شروع کرنے کے بعد قبل الفراغ من الصلاۃ اگر پانی ملے تو علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ امام مالک اور داؤد ظاہری کے نزدیک اسی تیمم سے نماز پوری کرے قطع نہ کرے بلکہ قطع کرنا حرام ہے، دلیل یہ ہے کہ تیمم اس کی صحت کے شرائط پائے جانے کے بعد کیا گیا تھا، جو ایک عمل ہے اور ابطال عمل جائز نہیں ہے لقولہ تعالٰی : "لَا تُبْطِلُوا اَعْمَالَكُمْ" .

لیکن حضرت امام ابوحنیفہ، احمد، ثوری، اوزاعی اور مزنی وغیرہ کے نزدیک نماز کو قطع کردے اور وضوء کر کے نماز

پڑھے، دلیل یہ ہے کہ بوقت وجود الماء اس پر "فاغسلوا" کا حکم عود کر آئے گا۔

مالکیہ اور ظاہریہ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہاں اگر چہ ظاہراً ابطال ہے لیکن درحقیقت اتمام ہے۔

۲- دوسری صورت یہ ہے کہ تیمم کر کے اب تک نماز شروع نہیں کی کہ پانی مل گیا تو باتفاق ائمہ اربعہ اس پر وضو کرنا واجب ہے اصل پر قدرت کے وقت نائب پر عمل نہیں کیا جاتا۔

۳- تیمم کر کے نماز پڑھنے کے بعد پانی ملا ہو اور وقت بھی باقی ہو تو طاؤس عطار، مکحول اور زہری وغیرہ کے نزدیک اعادۂ صلاۃ واجب ہے لقوله عليه السلام: "فإذَا وُجِدَ الماءُ فَلْيتقِ اللّٰه وليمسه بِشْرَتَهُ" نیز نماز کے لئے وضو شرط ہے اب اس پر یہ قادر ہوا لہٰذا وضو کر کے نماز پڑھے، جب کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک اعادۂ صلاۃ واجب نہیں ہے، ائمہ اربعہ کی دلیل حدیث باب ہے۔

ان حضرات کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ نص صریح "أصَبْتَ السُّنَّةَ" کے ہوتے ہوئے قیاس معتبر نہیں، اور جہاں تک حدیث "فإذَا وجد الماء الخ" کا تعلق ہے تو یہ حدیث مقید ہے حدیث باب سے۔

نیز حدیث "لا تصلوا صلاةً في يومٍ مَرَّتَيْنِ" بھی ائمہ اربعہ کے مسلک پر دلالت کرتی ہے۔

مصنف ؒ نے ترجمۃ الباب میں اسی تیسری صورت کو ملحوظ رکھا ہے۔

فقہ الحدیث

حدیث باب مندرجہ ذیل مسائل پر دلالت کرتی ہے:

۱- حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں بھی اجتہاد ہوتا تھا اور آپ ﷺ اس پر نکیر نہیں فرماتے تھے۔

۲- فقدان ماء کے وقت تیمم کرنا جائز ہے۔

۳- اہم مسائل میں اپنے بڑوں کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

۴- اللہ تعالیٰ کام کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔

۵- علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ معالم السنن میں لکھتے ہیں کہ تیمم کرنے والے کے لئے سنت ہے کہ اول وقت میں نماز پڑھ لے۔ (معالم السنن ۱/۲۱۰، المنہل ۳/۱۹۶)۔

قال أبو داؤد: وغير ابن نافع يرويه عن الليث الخ: یعنی اس حدیث کو عبد اللہ بن نافع کے علاوہ دیگر حضرات نے بھی لیث سے روایت کیا ہے جیسا کہ یحییٰ بن بکیر اور عبد اللہ بن مبارک نے۔

مصنف ؒ کی غرض اس کلام سے یہ بیان کرنا ہے کہ اس حدیث کی سند میں اختلاف ہے، اور یہ اختلاف دو طرح سے

ہے، ایک تو یہ کہ لیث کے بعد تلامذہ نے اس حدیث کو لیث سے مرسلاً نقل کیا ہے اور بعض نے مسنداً ذکر کیا ہے، دوسرا اختلاف یہ ہے کہ ابن نافع نے لیث اور بکر بن سوادہ کے درمیان کوئی واسطہ ذکر نہیں کیا، اور عبداللہ السبارک وبکیر بن عبداللہ نے لیث اور بکر بن سوادہ کے درمیان عمیرہ بن ابی ناجیہ کا واسطہ ذکر کیا ہے۔

قال أبوداؤد : وذكر أبي سعيد في هذا الحديث غير محفوظ : ابھی اختلاف فی السند بیان کیا گیا تھا کہ بعض حضرات نے اس کو مسنداً ذکر کیا ہے اور بعض نے مرسلاً، اب مصنفؒ یہ فیصلہ فرمارہے ہیں کہ اس روایت کا مرسل ہونا ہی صحیح ہے مسنداً ہونا غیر محفوظ ہے۔

مصنفؒ کے فیصلہ پر رد

مصنفؒ نے جو فیصلہ کیا ہے وہ دلائل کی روشنی میں صحیح نہیں ہے، اس کے لئے کہ ابن السکن نے اپنی صحیح میں اس حدیث کو متصلاً مسنداً ذکر کیا ہے، اور یہ بات معلوم ہے کہ صحیح ابن السکن میں صحت کا التزام کیا گیا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ حاکم نے بھی مستدرک میں اس روایت کی تخریج کی ہے اور اس کو علی شرط الشیخین (بخاری ومسلم) قرار دیا ہے، تیسرے یہ کہ علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے نیل الاوطار میں لکھا ہے کہ اس کا مسنداً ہونا قوی ہے اگرچہ بعض طرق سے مرسلاً بھی ہے۔
(المنہل ۳/۱۹۷، نیل الاوطار: ۱/۲۱۶)

۳۳۹ ﴿حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰه بنُ مَسْلَمَةَ ثَنَا ابنُ لَهِيعَةَ عَنْ بَكْرِ بنِ سَوَادَةَ عن أبي عَبْدِاللّٰه مولى إسماعيلَ بنِ عُبَيْدٍ عن عَطَاء بنِ يَسَارٍ أن رَجُلَيْنِ مِنْ أصحاب رسولِ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بِمَعْنَاهُ.﴾

تقدم تخريجه في الحديث السابق.

ترجمہ : عطاء بن یسار ؒ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کے صحابہ میں سے دو آدمی (سفر کے لئے نکلے) پھر پہلی روایت کے ہم معنی روایت کی۔

تشریح مع تحقیق : أبي عبدالله : امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ غیر معروف ہیں، حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ مجہول ہیں، اسی طرح ابن لہیعہ بھی مختلف فیہ راوی ہیں۔

یہ حدیث اول ہی کا طریق ثانی ہے، اس دوسرے طریق کو ذکر کرنے کا مقصد روایت میں ایک تیسرے اختلاف کو بیان کرنا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ابن لہیعہ نے لیث سے روایت کرنے میں ابن نافع کی مخالفت کی ہے، اور یہ مخالفت دو طرح سے کی ہے، ایک تو یہ کہ ابن لہیعہ نے بکر بن سوادہ اور عطاء کے درمیان ابوعبداللہ مولی اسماعیل کا اضافہ کردیا ہے جو

کہ ابن نافع کی روایت میں نہیں ہے، دوسرے یہ کہ ابن نافع نے صحابی کا نام ذکر کرتے ہوئے روایت کو مسند قرار دیا اور ابن لہیعہ نے مرسلاً نقل کیا ہے۔

لیکن یاد رہے کہ ابن لہیعہ کی مخالفت بوجہ ان کے کمزور ہونے کے قابل قبول نہیں ہے، ابن نافع کی روایت پر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

الحمدللہ تیمم کا بیان پورا ہوا

کتبہ عبدالرزاق قاسمی
خادم حدیث جامعہ اسلامیہ عربیہ قاسم العلوم
جامع مسجد امروہہ
۲۸؍شوال ۱۴۲۷ھ پیر

﴿بَابٌ فِي الْغُسْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ﴾

جمعہ کے دن غسل کرنے کا بیان

۳۴۰ ﴿حَدَّثَنَا أَبُوْ تَوْبَةَ الرَّبِيْعُ بنُ نَافِعٍ نَا مُعَاوِيَةُ عن يَحْيٰى قال : أَخْبَرَنِي أبو سَلَمَةَ بنُ عَبْدِالرحمن أنَّ أبا هُرَيْرَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّ عمر بن الْخَطَّابِ بَيْنَا هو يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِذْ دَخَلَ رَجُلٌ ، فقال عُمَرُ : أ تَحْتَبِسُوْنَ عن الصَّلَاةِ ، فَقَالَ الرَّجُلُ : مَا هُوَ إِلَّا أَنْ سَمِعْتُ النِّدَاءَ فَتَوَضَّأْتُ ، قال عُمَرُ : وَالْوُضُوْءُ أَيْضًا ، أَوَ لَمْ تَسْمَعُوا رسولَ الله صلى الله عليه وسلم يقولُ : إِذَا أَتٰى أَحَدُكُمْ إلى الْجُمُعَةِ فَلْيَغْتَسِلْ.﴾

أخرجه البخاري في "صحيحه" في كتاب الجمعة، باب: ٥ (٨٨٢) وأخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الجمعة، باب: كتاب الجمعة (١٩٥٣). انظر "تحفة الأشراف" (١٠٦٦٧).

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہ ﷜ سے روایت ہے کہ جمعہ کے دن حضرت عمر بن الخطاب ﷜ خطبہ دے رہے تھے، کہ ایک آدمی آیا، حضرت عمر ﷜ نے فرمایا کیا تم نماز سے روک لئے جاتے ہو؟ اس شخص نے کہا کہ میں نے اذان سنی پھر وضو کیا، حضرت عمر ﷜ نے فرمایا کیا صرف وضو ہی کیا ہے، کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ جب کوئی جمعہ کو آئے تو غسل کرے۔

تشریح مع تحقیق : ماقبل میں مصنف ؒ نے وضو، غسلِ فرض اور تیمم وغیرہ کے مسائل کو تفصیل سے بیان فرمایا اور اب غسلِ مسنون کو بیان فرمارہے ہیں اور وجہ ظاہر ہے کہ سنت کا درجہ فرض کے بعد ہی ہوتا ہے، امام بخاری ؒ نے غسلِ جمعہ کے مسائل کو کتاب الصلاۃ میں ذکر فرمایا ہے لیکن ہمارے مصنف ؒ نے طہارت کی مناسبت سے اس جگہ غسلِ جمعہ کو بیان کیا ہے، مزید مسائل جمعہ کتاب الصلاۃ میں ذکر فرمائیں گے۔

فقہ الحدیث

غسلِ جمعہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس سلسلے میں فقہاءِ کرام کے درمیان اختلاف ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ ؒ، امام شافعی ؒ، امام احمد ؒ اور جمہور سلف وخلف کا اس پر اتفاق ہے کہ غسلِ یوم جمعہ واجب نہیں بلکہ سنت ہے، البتہ ظاہر یہ اس کے وجوب کے قائل ہیں، حضرت امام مالک ؒ کی طرف بھی یہ قول منسوب ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ

مالکیہ بھی جمہور کے ساتھ ہیں۔ (معارف السنن ۳۲۰/۴)۔

قائلین وجوب حدیث باب میں "فلیغتسل" کے صیغۂ امر سے استدلال کرتے ہیں۔ نیز ان کا استدلال صحیحین میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: أنّ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قَالَ: "غُسْلُ یَوْمِ الجمعة وَاجِبٌ علی کُلِّ مُحْتَلِمٍ". (بخاری: ۱۲۰/۱)۔

جمہور کے دلائل

۱- سنن ترمذی (۹۱/۱ باب فی الوضوء یوم الجمعه) میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: قال رسولُ اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: "مَنْ تَوَضَّأَ یَوْمَ الْجُمُعَةِ فَبِهَا و نِعِمَتْ و مَنْ اغْتَسَلَ فَالْغُسْلُ أَفْضَلُ" یہ روایت سنن ابوداؤد میں آ رہی ہے۔

۲- ترمذی شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الوضوءَ ثُمَّ أتی الجمعةَ فَدَنَا واسْتَمَعَ وأَنْصَتَ غُفِرَ لَهُ ما بَیْنَهُ و بَیْنَ الجمعة وزِیَادَةُ ثَلٰثَةِ أیّامٍ" اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف وضوء کا ذکر فرمایا ہے اور غسل کا کوئی تذکرہ نہیں ہے، معلوم ہوا کہ جمعہ کے لیے مستقلاً غسل ضروری نہیں۔

۳- صحیح مسلم (۲۸۰/۱) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "قال: بَیْنَمَا عمر بن الخطاب یخطب الناس یوم الجمعة إذ دخل عثمان بن عفان فعرض به عمر فقال: ما بال رجال یتأخرون بعد النداء فقال عثمان: یا أمیر المؤمنین! ما زدت حین سمعت النداء أن توضأت ثم أقبلت، فقال عمر: والوضوء أیضًا، ألم تسمعوا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول: إذا جاء أحدکم إلی الجمعة فلیغتسل".

وجہ استدلال ظاہر ہے کہ اگر غسل جمعہ واجب ہوتا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ غسل کو ہرگز نہ چھوڑتے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ان کو لوٹ کر غسل کر کے آنے کا حکم دیتے، إذ لیس فلیس۔

جہاں تک قائلین وجوب غسل کے دلائل کا تعلق ہے تو ان کا جواب یہ ہے کہ غسل کا وجوبی حکم شروع میں ایک عارض کی وجہ سے تھا جب وہ عارض ختم ہوگیا تو حکم بھی ختم ہوگیا، جس کی تفصیل آئندہ روایات میں آ رہی ہے۔

دوسرا جواب یہ بھی ہے کہ احادیث میں غسل کے بارے میں جہاں جہاں صیغۂ وجوب آیا ہے وہ وجوب پر محمول نہیں بلکہ استحباب پر محمول ہے۔

فائدہ: صاحب منہل نے یہ نقل کیا ہے کہ جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کے نزدیک یہ غسل خاص ہے اس شخص کے لئے جو جمعہ کے لئے آئے اس لئے کہ یہ غسل للصلاۃ ہے نہ کہ غسل للیوم، امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی المیزان میں ائمہ اربعہ

کا مسلک یہی نقل کیا ہے۔

۳۴۱ ﴿حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ مَسْلَمَةَ بنِ قَعْنَبٍ عن مالِكٍ عن صَفْوَانَ بنِ سُلَيْمٍ عن عطاء بن يَسَارٍ عن أبي سعيد الخدري أنّ رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال : غُسْلُ يَوْمِ الجمعةِ وَاجِبٌ على كُلّ مُحْتَلِمٍ.﴾

أخرجه البخاري في "صحيحه" في كتاب الأذان، باب وضوء الصبيان ومتى يجب عليهم الغسل والطهور وحضورهم الجماعة والعيدين والجنائز وصفوفهم (٨٥٧) وأيضًا في الكتاب نفسه باب هل على من لم يشهد الجمعة غسل من النساء والصبيان وغيرهم (٨٩٥) وفي كتاب الشهادات باب بلوغ الصبيان وشهادتهم برقم (٢٦٦٥) وأخرجه مسلم في "صحيحه" في الجمعة، باب وجوب غسل الجمعة على كل بالغ من الرجال وبيان ما أمروا به (٥-٨٤٦) وأخرجه النسائي في "المجتبىٰ" في كتاب الجمعة، باب إيجاب الغسل يوم الجمعة (١٣٧٦) وأخرجه ابن ماجه في "السنن" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء في كتاب الغسل يوم الجمعة (١٠٨٩). انظر "تحفة الأشراف" (٤١٦١).

ترجمہ : حضرت ابوسعید خدری ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر بالغ شخص پر جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے۔

تشریح مع تحقیق : مُحْتَلِمٍ : اسم فاعل ہے بمعنی بالغ، عموماً بلوغ کی نشانی احتلام ہوتی ہے اس لئے یہاں اس لفظ کو لایا گیا ہے، یہ روایت بھی ظاہریہ کی مستدل ہے لیکن جواب اس کا یہ ہے کہ یہاں واجب کا لفظ ثابت کے معنی میں ہے اور تاکید استحباب مراد ہے۔

اور اگر اس وجوب کو وجوب شرعی ضروری کے معنی میں بھی لے لیں تو کہا جائے کہ حکم وجوبی اب منسوخ ہے۔ (بذل، ہدایہ، تعلیق)۔

۳۴۲ ﴿حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بنُ خَالِدٍ الرَّمَلِيّ نا الْفَضْلُ يَعْنِي ابنَ فَضَالَةَ عن عَيَّاشِ بن عَبَّاسٍ عن بُكَيْرٍ ونَافِعٍ عن ابنِ عُمَرَ عن حَفْصَةَ عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال : على كُلِّ مُحْتَلِمٍ رَوَاحُ الْجُمُعَةِ ، وعلى كُلِّ مَنْ رَاحَ إلى الجُمُعةِ الغُسْلُ.

قال أبو داؤدَ : إذَا اغْتَسَلَ الرَّجُلُ بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ أَجْزَأَهُ مِنْ غُسْلِ الجمعةِ وإنْ أجْنَبَ.﴾

أخرجه النسائي في "الكبرىٰ" في الجمعة، باب: التشديد في التخلف عن الجمعة (٨). وفي "المجتبى من السنن" ٨٩/٣ في الجمعة، باب: التشديد في التخلف عن الجمعة (١٣٧٠). انظر "تحفة الأشراف" (١٥٨٠٦).

ترجمہ : حضرت حفصہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر (جب معذور نہ ہو) جمعہ کے لئے جانا ہے، اور ہر جانے والے پر غسل ہے۔

ابوداودؒ فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن اگر چہ جنابت کا غسل ہو طلوع فجر کے بعد غسل کرے گا تو کافی ہے۔

تشریح مع تحقیق : رَوَاحٌ : مصدر ہے رَاحَ (ن، معتل العین) رواحًا : جانا، صاحب مصباح لکھتے ہیں کہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ "رواح" کا اطلاق آخر نہار میں جانے پر ہوتا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ رواح اور غُدو دونوں کا اطلاق مطلق ذہاب پر ہوتا ہے خواہ صبح میں ہو یا شام میں۔

قولہ : "علی کل من راح إلی الجمعة الغسل" جار مجرور سے مل کر محذوف کے متعلق ہے اور خبر مقدم ہے اور "الغسل" مبتدا مؤخر ہے، تقدیری عبارت ہوگی: "الغسل واجب علی من راح إلی الجمعة".

صاحب منہل تحریر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مریض، مسافر، عورت اور غلام کے علاوہ کے ساتھ مخصوص ہے، اس لئے کہ ان حضرات پر جمعہ کی نماز واجب نہیں ہے اگر چہ یہ بالغ ہوں، اس کی مزید تفصیل "باب الجمعة للمملوك والمرأة" کے تحت آرہی ہے۔

یہ حدیث تاکید غسلِ جمعہ پر محمول ہے۔

قال أبو داؤد : "إذا اغتسل الرجل بعد طلوع الفجر أَجْزَأَهُ مِنْ غُسْلِ الجمعة وَ إِنْ أَجْنَبَ" یہاں سے مصنفؒ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ غسل جمعہ للیوم ہے للصلاۃ نہیں اور اس کا وقت طلوع فجر سے شروع ہوتا ہے لہٰذا جو شخص طلوع فجر کے بعد غسل کرے اس کا غسل جمعہ کے لئے کافی ہو جائے گا۔

امام ابوداودؒ جو نقل فرمار ہے ہیں یہ درحقیقت امام محمدؒ، حسن بن زیاد اور داؤد ظاہری کا مسلک ہے، ائمہ اربعہ کا مسلک یہ ہے کہ یہ غسل للصلاۃ ہے للیوم نہیں، چنانچہ بعض علماء نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ غسل بعد صلاۃ الجمعہ معتبر نہیں ہے، علامہ شامیؒ نے فتاویٰ شامی میں یہی بات لکھی ہے۔

مصنفؒ نے دوسری بات یہ بیان فرمائی کہ غسلِ جنابت غسل جمعہ کے لئے کافی ہو جاتا ہے، البتہ حنفیہ مطلقاً کفایت کے قائل ہیں خواہ دونوں کی نیت کرے یا صرف جنابت کی نیت کرے، جب کہ ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ کفایت کے لئے دونوں کی نیت ضروری ہے۔

۳۴۴ ﴿حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ خَالِدِ بْنِ عبدِالله بْنِ مَوْهَبِ الرَّمْلِيُّ الْهَمْدَانِيُّ وعَبْدُ العزيز بْنُ يَحْيَى الْحَرَّانِي قَالَا : نَا محمد بنُ سَلَمَةَ ح وحدثنا موسى بنُ إسماعِيلَ نا حَمَّادٌ - وهٰذَا حديثُ محمد بنِ سَلَمَةَ - عن محمد بنِ إسْحَاقَ عن محمد بنِ إبرَاهِيمَ عن أبي سَلَمَةَ بنِ عبدِالرحمن - قال يزيدُ وعَبْدُ العزيز في حديثِهِمَا : عن أبي سَلَمَةَ بنِ عبدِالرحمن وأبي أمَامَةَ بنِ سَهْلٍ - عن أبي سَعيد الْخُدْرِي و أبي هُرَيْرَةَ

قَالَا : قال رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم : "مَنْ اغْتَسَلَ يَوْمَ الجمعةِ ، ولَبِسَ مِنْ أحْسَنِ ثِيَابِهِ ومَسَّ مِنْ طِيْبٍ إنْ كَانَ عِنْدَهُ ، ثُمَّ أتى الجمعةَ فَلَمْ يَتَخطَّ أعْنَاقَ الناسِ، ثم صَلَّى ما كَتَبَ اللّٰه لهُ ، ثم أنْصَتَ إذَا خَرَجَ إمَامُهُ حتى يَفْرُغَ من صَلَاتِهِ ، كَانَتْ كفارةً لِمَا بَيْنَهَا وبَيْنَ جُمُعَتِهِ التي قَبْلَهَا.

قال : ويَقُولُ أبو هريرةَ : وزِيَادَةُ ثَلَثَةِ ايَّامٍ ، ويَقُوْلُ : "إنَّ الْحَسَنَةَ بِعَشْرِ أمْثَالِهَا".

قال أبو داؤد : وحديثُ محمد بنِ سَلَمَةَ أتَمُّ ، ولَمْ يَذْكُرْ حَمَّادٌ كَلَامَ أبي هُرَيْرَةَ.

أخرجه مسلم في "صحيحه" مختصرًا في كتاب الجمعة، باب: فضل من استمع وأنصت في الخطبة (١٩٨٤)، انظر "تحفة الأشراف" (١٢٦٤٥).

ترجمہ : حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے جمعہ کے دن غسل کیا اور اپنے کپڑوں میں سے اچھے کپڑے پہنے اور خوشبو لگائی اگر اس کو میسر تھی پھر نماز جمعہ کے لئے مسجد میں آیا اور (مسجد میں یہ احتیاط کی کہ پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں کی) گردنوں کے اوپر سے پھلانگتا ہوا (آگے کی صفوں میں) نہیں گیا (بلکہ جہاں جگہ پائی اسی پر اکتفار کیا) پھر (سنتوں اور نفلوں کی) جتنی نماز اللہ نے اس کے لئے مقدر کر رکھی تھی وہ پڑھی، پھر جب امام خطبہ پڑھنے کے لئے (منبر پر) آیا تو خاموش رہا یہاں تک کہ نماز پڑھ کر فارغ ہوا تو اس شخص کی یہ نماز اس کے ان گناہوں کا کفارہ ہو جائے گی جو اس جمعہ اور اس سے پہلے جمعہ کے درمیان اس سے سرزد ہوئے ہوں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین دن کے گناہ اور معاف ہوں گے کیونکہ ایک نیکی کا ثواب دس گنا ہوتا ہے تو دس روز کے گناہ معاف ہوں گے۔

ابوداؤدؒ نے کہا کہ محمد بن سلمہ کی حدیث مکمل ہے اور حماد نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا کلام ذکر نہیں کیا۔

تشریح مع تحقیق : قولہ : مِنْ طِيْبٍ : مراد طیب الرجال یعنی وہ خوشبو جو مردوں کے لئے جائز ہے جس میں خوشبو تو ہو لیکن رنگ نہ ہو، اس لئے کہ رنگ والی خوشبو عورتوں کی ہوتی ہے، أنْصَتَ : أي اسْتَمَعَ نَصَتَ (ض، صحيح مسالم) نَصْتًا ، وأنْصَتَ (افعال) : إنصاتًا خاموش رہ کر غور سے کوئی بات سننا، یہ فعل لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔

قولہ : حتى يَفْرُغَ مِنْ صَلَاتِهِ : اي يَنْتَهِي الإمامُ مِنْهَا : یعنی جب تک امام نماز سے فارغ نہ ہو جائے تب تک خاموش رہے، اور مسلم کی روایت میں ہے: "حَتّى يَفْرُغَ مِنْ خُطْبَتِهِ" اس کا مفاد یہ ہوگا کہ خطبہ کے بعد تکبیر تحریمہ سے

پہلے کلام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

قولہ : كَانَتْ كفارةً لِمَا بَيْنَهَا الخ : یعنی حدیث میں مذکورہ چیزوں کے کرنے سے وہ گناہ ختم ہو جاتے ہیں جو اس جمعہ کے وقت سے پہلے جمعہ تک سرزد ہوئے تھے، علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ معالم السنن میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس جمعہ کی نماز گزشتہ جمعہ کی نماز سے لے کر موجودہ جمعہ کی نماز کے وقت تک کے گناہوں کا کفارہ یہ اعمال ہو جاتے ہیں، اس صورت میں کل سات دن کے گناہوں کا کفارہ ہوا، اور اگر دونوں طرف سے جمعہ کے دن کو ساقط کر دیں تو صرف چھ دن رہ جائیں گے اور اگر دونوں جمعہ کے پورے دن مراد لئے جائیں تو آٹھ دن ہو جائیں گے، پہلی صورت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ذکر کردہ زیادتی کو ملا کر کل دس دن ہوں گے، اور دوسری صورت میں نو دن ہوں گے اور تیسری صورت میں گیارہ دن ہو جائیں گے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی تفصیل کے مطابق پہلی صورت کو اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے یعنی ہر جمعہ کا نصف نصف دن مراد لے کر تین دن کی زیادتی کر دی جائے تا کہ "اَلْحَسَنَةُ بِعشر أمثالها" کا صحیح مصداق ہو سکے۔

قولہ : قال : ويقول أبو هريرة الخ : محمد بن سلمہ نے اپنی متصل سند سے حضرت ابو ہریرہ ﷺ کے بارے میں یہ نقل کیا کہ حضرت ابو ہریرہ ﷺ جب اس حدیث کو بیان کرتے تو فرماتے کہ مزید تین دن کے گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں اور ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوتا تھا: مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا"۔

یہاں پر یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ حدیث میں صرف ایک ہفتہ کے گناہوں کی تکفیر مذکور ہے پھر حضرت ابو ہریرہ ﷺ اپنی طرف سے تین دن کی زیادتی کیسے نقل کر رہے ہیں؟

جواب یہ ہے کہ یہ تین یوم کی زیادتی ان کی اپنی جانب سے نہیں ہے بلکہ یہ بھی مرفوعاً ہی ثابت ہے جیسا کہ مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے، البتہ الحسنة بعشر أمثالها" حضرت ابو ہریرہ ﷺ کی جانب سے مدرج ہے۔

قولہ : وحديثُ محمد بنِ سَلَمَةَ أَتَمُّ الخ : مصنفؒ کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ اس سند میں مصنفؒ کے تین استاذ ہیں: ۱۔ یزید بن خالد، ۲۔ عبد العزیز، یہ دونوں روایت کرتے ہیں محمد بن سلمہ سے اور سند میں ابو سلمہ کے ساتھ ابو امامہ کا بھی اضافہ کرتے ہیں، مصنفؒ کے تیسرے استاذ ۳۔ موسیٰ بن اسماعیل ہیں، یہ حماد بن سلمہ سے روایت کرتے ہیں اور سند میں ابو امامہ کا نام ذکر نہیں کرتے، پھر محمد بن سلمہ اور حماد بن سلمہ دونوں محمد بن اسحاق سے روایت کرتے ہیں، فرق ان دونوں حضرات کی روایت میں یہ ہے کہ محمد بن سلمہ کی روایت میں حضرت ابو ہریرہ ﷺ کی بیان کردہ زیادتی بھی مذکور ہے اور حماد بن سلمہ کی روایت میں یہ زیادتی نہیں ہے، ہمارے مصنفؒ نے زیادتی کی وجہ سے محمد بن سلمہ کی حدیث کے الفاظ کو نقل کیا ہے۔ (المنہل ج:۳، ص:۲۰۷)۔

فقہ الحدیث

اس حدیث سے مندرجہ ذیل مسائل کا اثبات ہوتا ہے:

۱- جمعہ کے دن غسل کا استحباب۔

۲- جمعہ کے لئے عمدہ کپڑوں کا پہنا۔

۳- خوشبو کا لگانا۔

۴- بیٹھے ہوئے لوگوں کی گردنوں کو نہ پھلانگنا۔

۵- مسجد میں داخل ہونے کے بعد جتنی میسر ہو سکے نماز پڑھنا۔

۶- امام کے منبر پر بیٹھ جانے کے بعد خاموش رہنا۔

۳۴۴﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ سَلَمَةَ المراديُّ نا ابنُ وَهْبٍ عن عَمْرو بنِ الحَارِثِ أنَّ سعيد بنَ أبي هِلَالٍ وبُكَيْرِ بنِ عَبْدِ الله بنِ الْأَشَجِّ حَدَّثَاهُ عن أبي بكر بنِ الْمِنْكَدِرِ عن عَمرو بنِ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيِّ عن عبدِالرحمن بنِ أبي سَعِيد الخُدْرِي عن أبيه أنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قال : الْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ ، والسِّوَاكُ ، و يَمَسُّ مِنَ الطِّيْبِ ما قُدِّرَ لَهُ ، إلَّا أنَّ بُكَيْرًا لم يَذْكُرْ عَبْدَ الرحمن ، وقال في الطِّيْبِ : ولَوْ مِنْ طِيْبِ الْمَرْأَةِ.﴾

أخرجه البخاري في "صحيحه" في كتاب الجمعة، باب: الطيب للجمعة (۸۸۰) وأخرجه مسلم في "صحيحه" في الجمعة، باب: الطيب والسواك يوم الجمعة (۱۹۵۷) وأخرجه النسائي في "المجتبى" في كتاب الجمعة، باب: الأمر بالسواك يوم الجمعة (۱۳۷٤) وأخرجه أيضًا في الكتاب نفسه، باب: الهيأة للجمعة (۱۳۸۲). انظر "تحفة الأشراف" (٤۱۱٦).

قال الخطابي: "قلت: وقرانه بين غسل الجمعة وبين لُبس أحسن ثيابه ومسه للطيب يدل على أن الغسل مستحب كاللباس والطيب. وقوله: كانت كفارة لما بينها وبين جمعته التي قبلها، يريد بذلك ما بين الساعة التي تُصَلّٰى فيها الجمعة إلى مثلها من الجمعة الأخرىٰ، لأنه لو كان المراد به ما بين الجمعتين على أن يكون الطرفان وهما يوما الجمعة غير داخلين في العدد، لكان لا يحصل من عدد المحسوب لم أكثر من ستة أيام. ولو أراد ما بينهما على معنى إدخال الطرفين فيه بلغ العدد ثمانية، فإذا ضمت إليها الثلاثة الأيام المزيدة التي ذكرها أبو هريرة صار جملتها إما أحد عشر يومًا على أحد الوجهين، وإما تسعة أيام على الوجه الآخر. فدل أن المراد به ما قلنا على سبيل التكسير لليوم ليستقيم الأمر في تكميل عدد العشرة".

وقد اختلف الفقهاء فيمن أقر لرجل ما بين درهم إلى عشرة دراهم. فقال أبو حنيفة: يلزمه تسعة دراهم. وقال أبو يوسف

ومحمد: يلزمه عشرة دراهم ويدخل فيه الطرفان والواسطة. انظر "معالم السنن" ۹۱/۱.

ترجمہ : حضرت ابوسعید خدری ﷺ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن ہر بالغ پر غسل کرنا اور مسواک کرنا ہے، اور خوشبو لگائے جو اس کو نصیب ہو، مگر بکیر نے عبدالرحمٰن کو ذکر نہیں کیا، اور خوشبو کے بارے میں کہا: اگرچہ عورت ہی کی خوشبو ہو۔

تشریح مع تحقیق : اس روایت میں تین چیزوں پر زور دیا گیا ہے ایک تو غسلِ جمعہ پر، دوسرے مسواک پر، اور تیسرے خوشبو کے استعمال پر، جمعہ کے دن ان تینوں چیزوں کا استعمال کرنا بطور خاص مسنون ہے، اور حکمت ان کے مامور بہ ہونے میں یہ ہے کہ اس دن مصلی حسنِ ہیئت اور اچھی حالت میں بارگاہ ایزدی میں حاضر ہوتا کہ اس کی ذات سے انس وملائکہ میں سے کسی کو بھی تکلیف نہ ہو، فرشتے تو اس دن مساجد کے دروازوں پر کھڑے ہو جاتے ہیں جو نماز کے لئے آنے والوں کے نام لکھتے رہتے ہیں، یہ فرشتے بسا اوقات مصافحہ بھی کرتے ہیں، اس لے صفائی ستھرائی کا انتہائی اہتمام کرنا چاہئے۔

قوله : مَا قُدِّرَ لَهُ : یہ "يَمَسُّ" کا مفعول ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے، مسلم اور نسائی کی روایت میں "مَا قَدَرَ عَلَيْهِ" کے الفاظ ہیں، اب دونوں روایتوں کے پیش نظر قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ یہاں دو احتمال ہیں: (۱) اس سے مقصود تکثیر طیب ہے کہ جتنی خوشبو لگا سکے لگائے بخل سے کام نہ لے، (۲) اس جملہ سے مقصود تاکید ہے کہ جس طرح ممکن ہو لگانی چاہئے، البتہ یہ دوسرا احتمال مصنفؒ کی نقل کردہ زیادتی "ولو من طيب المرأة" کی وجہ سے زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ طیب المرأة کا استعمال مرد کے لئے مکروہ ہے، اس موقع پر اس کو بھی جائز قرار دینا تاکید کی ہی دلیل ہے۔ (المنہل ۳/۲۰۷)۔

قوله : إِلَّا أَنَّ بُكَيْرًا لم يذكر عبدالرحمن الخ : مصنفؒ کی غرض اس کلام سے یہ بیان کرنا ہے کہ سند میں ابوبکر بن المنکدر کے دو شاگرد ہیں، ایک سعید بن ابی ہلال اور دوسرے بکیر بن عبداللہ، ان دونوں کا آپس میں سنداً اور متناً اختلاف ہے۔

سند کا اختلاف تو یہ ہے کہ سعید بن ابی ہلال نے عمرو بن سلیم اور ابوسعید خدری ﷺ کے درمیان عبدالرحمٰن کا واسطہ ذکر کیا ہے اور بکیر بن عبداللہ نے یہ واسطہ چھوڑ دیا، صحیح بخاری اور صحیح ابن خزیمہ میں بھی یہ روایت ہے اس میں بھی یہ واسطہ مذکور نہیں ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سعید بن ہلال اس واسطے کے ذکر کرنے میں منفرد ہیں، واسطہ کا نہ ہونا ہی صحیح ہے، لیکن حافظ ابن حجرؒ نے دونوں سندوں کو صحیح قرار دیا ہے اور تطبیق یہ دی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ عمرو بن سلیم نے اولاً اس روایت کو ابوسعید خدری ﷺ سے بواسطہ عبدالرحمٰن سنی ہو پھر براہ راست حضرت ابوسعید خدری ﷺ سے ہی سن لیا ہوگا، اور یہ تاویل کوئی

بعید نہیں ہے، اس لئے کہ عمرو بن سلیم کی پیدائش حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہو چکی تھی، اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی وفات ۶۳ھ میں ہوئی ہے۔

اور متن کا اختلاف یہ ہے کہ بکیر بن عبداللہ نے اپنی روایت میں "ويَمَسُّ طِيبًا" کے بعد "وَلَوْ مِنْ طِيبِ المرأة" کا اضافہ کیا ہے جب کہ یہ زیادتی سعید کی روایت میں نہیں ہے۔

فقہ الحدیث

حدیث کے ظاہر سے ان حضرات نے استدلال کیا ہے جو حضرات غسل یوم الجمعہ کے وجوب کے قائل ہیں، اس لئے کہ اس میں بروایت بخاری "واجب" کا لفظ آیا ہے، لیکن قائلین عدم وجوب کی طرف سے جواب یہ ہے کہ یہاں واجب سے مراد تاکید ہے کہ غسلِ جمعہ ایسی سنت ہے جس کا ترک مناسب نہیں ہے، بلکہ یہ حدیث تو عدم وجوب ہی کی دلیل ہے اس لئے کہ یہاں غسل جمعہ کو مسواک اور خوشبو کے استعمال کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مسواک کرنا اور خوشبو لگانا واجب نہیں، لہٰذا غسل بھی واجب نہ ہوگا، اس لئے کہ غیر واجب کے ساتھ ملا کر لفظ واحد کے تحت بیان نہیں کیا جاتا۔

نیز اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی مستنبط ہوا کہ غسل جمعہ ہر بالغ کے لئے ہے خواہ وہ جمعہ کا ارادہ کرے یا نہ کرے، البتہ جو شخص جمعہ کے لئے جائے اس کے لئے مؤکد ہوگا۔ (المنہل ۲۰۸/۳)

۳۴۵ ﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ حَاتِمٍ الْجَرْجَرَائِيُّ حِبِّي ثَنَا ابنُ المبارَكِ عن الأَوْزَاعِي حدثني حَسَّانُ بنُ عَطِيَّةَ حَدَّثَنِي أبو الأشْعَثِ الصَّنْعَانِيُّ حدثني أَوْسُ بنُ أَوْسٍ الثَّقَفِيُّ قال: سمعتُ رسولَ اللّٰه صلى الله عليه وسلم يَقُولُ: مَنْ غَسَّلَ يَوْمَ الجمعةِ واغْتَسَلَ ثُمَّ بَكَّرَ وابْتَكَرَ، ومَشَى و لَمْ يَرْكَبْ، وَ دَنَا مِنَ الإمَامِ و اسْتَمَعَ و لَمْ يَلْغُ كَانَ لَهُ بِخُطْوَةٍ عَمَلُ سَنَةٍ أَجْرُ صِيَامِهَا و قِيَامِهَا.﴾

أخرجه الترمذي في "جامعه" في الصلاة، باب: ما جاء في فضل الغسل يوم الجمعة (٤٩٦) وأخرجه النسائي في "المجتبى" في الجمعة، باب: فضل يوم الجمعة (١٣٨٠) وفي فضل المشي إلى الجمعة (١٣٨٣). وباب: الفضل في الدنو من الإمام (١٣٩٧) وفي الجمعة من الكبرى فضل الغسل (٣١) وفضل المشي إلى الجمعة (٣٥) والدنو من الإمام يوم الجمعة (٦٦ و٦٧) وفضل الإنصات وترك اللغو (٧٣) وأخرجه ابن ماجه في إقامة الصلاة والسنة فيها، وباب: ما جاء في الغسل يوم الجمعة (١٠٨٧). انظر "تحفة الأشراف" (١٧٣٥).

قال الخطابي: قوله: "غسل واغتسل.." الحديث اختلف الناس في معناهما فمنهم من ذهب إلى أنه من الكلام المظاهر الذي

يراد به التوكيد ولم تقع المخالفة بين المعنيين لاختلاف اللفظين. وقال: ألا تراه يقول في هذا الحديث: "و مشى ولم يركب" ومعناهما واحد، وإلى هذا ذهب الأثرم صاحب أحمد.

وقال بعضهم: قوله "غسل" معناه غسل الرأس خاصة. وذلك لأن العرب لهم لمم وشعور، وفي غسلها مؤونة، فأفرد ذكر غسل الرأس من أجل ذلك. وإلى هذا ذهب مكحول. وقوله: واغتسل معناه غسل سائر الجسد.. وزعم بعضهم أن قوله: "غسل" معناه أصاب أهله قبل خروجه إلى الجمعة، ليكون أملك لنفسه وأحفظ في طريقه لبصره. قال: ومن هذا قول العرب: فحل غسلة إذا كان كثير الضرب وقوله: "بكر وابتكر" : زعم بعضهم أن معنى بكر أدرك باكورة الخطبة وهي أولها، ومعنى ابتكر قدم في الوقت، وقال ابن الأنباري: معنى بكر: تصدق قبل خروجه وتأول في ذلك ما روي في الحديث من قوله: و"باكروا بالصدقة فإن البلاء لا يتخطاها". انظر "معالم السنن".

ترجمہ : حضرت اُوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص جمعہ کے دن غسل کرائے اور خود غسل کرے اور سویرے سے (مسجد) جائے اور شروع سے خطبہ پائے اور (مسجد) پیدل جائے سوار نہ ہوا ہو اور امام کے قریب رہے، اور (ادب وخاموشی کے ساتھ امام کی طرف متوجہ ہوکر) خطبہ سنے اور کوئی لغویات یا لغو حرکت نہ کرے تو اس شخص کے لئے اس کے ہر قدم کے بدلے ایک سال کے روزوں اور قیام لیل کا ثواب ہے۔

تشریح مع تحقیق : محمد بن حاتم الجرجرائي : یہ ثقہ راوی ہیں بغداد اور واسط کے درمیان ایک شہر "جرجرایا" کی طرف نسبت ہے، حِبِّي (بكسر الحاء وضمها) یہ ان کا لقب ہے۔ (تہذیب)

قوله : مَنْ غَسَّلَ يَوْمَ الجمعة واغْتَسَلَ الخ: غَسَّلَ (تفعيل) الرَّجُلُ امرأتَه : اپنی بیوی کو غسل کروانا، مطلب یہ ہے کہ جمعہ کے لئے جانے سے پہلے اپنی بیوی سے صحبت کرے تا کہ اس کے غسل کا باعث ہو، اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کو بیوی سے صحبت کرنا بہتر ہے، اور بہتر اس لئے ہے کہ اس سے دل میں زنا کا خطرہ بھی نہیں گزرتا، جب یہ راستہ میں جمعہ کی نماز کے لئے جائے گا تو اس کی نظر نیچی رہے گی، اور نماز میں حضور قلب خوب ہوگا۔

اور "غسل کرائے" کے دوسرے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ اپنے کپڑوں کو دھوئے یا سر وغیرہ کو خطمی سے اچھی طرح دھوئے صاف کرے۔

اور ایک قول اس کے معنی کے سلسلے میں یہ ہے کہ اس سے مراد اعضاء وضو کو دھونا ہے اس صورت میں غسل مسنون کی طرف اشارہ ہوگا، اس لئے کہ ابتداء غسل میں وضو سنت ہے۔

اور "اغتسل" کے معنی ہر صورت میں خود غسل کرنے کے ہیں۔

بعض فقہاء نے "غسل" کی جگہ "عسل" ذکر کیا ہے اور عسل کے معنی ہیں: "جَامَعَ" یعنی صحبت کرنا، لیکن عَسَلَ تصحیف ہے صحیح "غسل" ہی ہے۔ (المنہل، مرقاۃ)

قولہ : بکر وابتکر الخ : اول کا تعلق نماز سے ہے کہ نماز جمعہ کے لئے اول وقت سویرے ہی مسجد چلا جائے اور "اِبْتَكَرَ" کا تعلق خطبہ سے ہے کہ امام کے خطبہ کو شروع سے پالے، اس لئے کہ "ابتکر" ماخوذ ہے "باکورۃ" سے جس کے معنی ہیں ہر چیز کا اول، اور بعض حضرات نے "بکر" اور "ابتکر" دونوں کے ایک ہی معنی بیان کئے ہیں اور یہ تاکید پر محمول ہے کہ نماز جمعہ کے لئے سویرے جانا چاہئے۔

ومَشَى ولم يَرْكَبْ الخ : جمعہ کی نماز کے لئے پیدل جانا افضل ہے یہاں پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب پہلے یہ فرمایا گیا کہ پیدل جائے تو پھر "ولم یرکب" کہ سوار نہ ہوا ہو، کی قید کیوں لگائی یہ تو بظاہر زائد معلوم ہوتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قید زائد نہیں ہے بلکہ اس سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اس شخص نے اپنے مقام سے مسجد تک کا پورا راستہ پیدل طے کیا ہو سوار بالکل نہ ہوا ہو، جب کہ اگر یہ قید نہ ہوتی تو مشی کا لفظ جو عام تھا اس سے مفہوم لیا جاسکتا تھا کہ چاہے پورا راستہ پیدل چلے چاہے کچھ دور پیدل اور کچھ دور سواری پر جائے۔

قولہ : ودَنَا مِن الإمام واستمع الخ : حصولِ اجر کے لئے دونوں چیزوں کا ہونا ضروری ہے اول یہ کہ امام سے قریب رہے دوسرے یہ کہ خطبہ کو غور سے سنے، ہمارے اکابرین میں حضرت شیخ زکریاؒ کا معمول مدینہ منورہ میں قیام کے دوران یہ تھا کہ آپ ایسی جگہ کا انتخاب فرماتے جہاں سے امام نظر آتا رہے اور خطبہ توجہ سے سنا جائے۔

قولہ : ولم يَلْغُ : لَغَا فُلَانٌ (ن) لَغْوًا : بیہودہ بات کرنا، بے کار بات کرنا، مطلب یہ ہے کہ خطبہ کے دوران بیکار بات نہ کرے، خطبہ کے دوران گفتگو کرنا ممنوع ہے، احناف، مالکیہ اور جمہور کہتے ہیں کہ خطبہ کے وقت کلام کرنا حرام ہے البتہ شوافع کراہت تنزیہی کے قائل ہیں۔

قولہ : بِكُلِّ خُطْوَةٍ الخ (بضم الخاء المعجمه وفتح الواؤ وسكون الطاء بَيْنَهُمَا) : وہ فاصلہ جو چلتے وقت دونوں قدموں کے درمیان ہوتا ہے، جمع خُطى وخُطَوَات آتی ہے، جیسا کہ غُرفة کی جمع غُرَف وغُرَفَات آتی ہے۔

قولہ : أَجْرُ صِيَامِهَا : یہ مرفوع ہے "عمل" سے بدل واقع ہونے کی وجہ سے۔

مطلب یہ ہے کہ ایسے شخص کو جمعہ کی نماز کے لئے چلنے میں ہر ہر قدم پر ایک سال کے روزوں اور تہجد کی نماز کا ثواب ملتا ہے، اگر ایک قدم پر ایک روزے اور ایک تہجد کا ثواب ملتا تب بھی بہت تھا چہ جائے کہ ایک سال کا ثواب ملے، اور یہ بھی اعمال کے اجر کا اصل ثواب ہے اس میں جو اللہ تعالیٰ تضاعف فرمائے گا وہ الگ ہے۔

صاحب مرقاۃ المفاتیح حضرت ملا علی القاریؒ نے بعض ائمہ سے یہ نقل کیا ہے: "لَمْ نَسْمَعْ فِي الشريعةِ حَدِيْثًا صَحِيْحًا مُشْتَمِلًا عَلى مِثْلِ هٰذَا الثواب" کہ ثواب اعمال کے سلسلے میں کوئی صحیح حدیث اس سے زیادہ فضیلت کی ہم نے نہیں سنی ہے، ضعیف روایات تو بہت ہیں لیکن صحیح کی قید کے ساتھ کسی اور عمل پر اتنی زیادہ فضیلت نہیں ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح ۲/۴۳۷)۔

فقہ الحدیث

جمعہ کے دن غسل کرنا سنت ہے۔

صلاۃ جمعہ کے لئے مسجد جانے میں جلدی کرنا چاہئے۔

صلاۃ جمعہ کے لئے مسجد پیدل چل کر جانا چاہئے نہ کہ سوار ہوکر۔

مسجد میں امام کے قریب بیٹھ کر خطبہ غور سے سننا چاہئے۔

خطبہ سننے کے علاوہ کسی دوسرے کام میں مشغول نہ ہونا چاہئے۔

۳۴۶ ﴿حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بنُ سَعْدٍ ثنا اللَّيْثُ عن خَالِدِ بنِ يَزِيْدَ عن سَعِيْدِ بنِ أبي هِلَالٍ عن عُبَادَةَ بنِ نُسَيٍّ عن أَوْسٍ الثَّقَفِيِّ عن رسولِ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أَنَّهُ قَالَ : مَنْ غَسَلَ رَأْسَهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ واغْتَسَلَ ثُمَّ سَاقَ نَحْوَه.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (١٧٣٥).

ترجمہ : حضرت اوس ثقفی ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے جمعہ کے دن اپنے سر کو دھویا اور غسل کیا، پھر راوی نے سابقہ روایت کی طرح حدیث بیان کی۔

تشریح مع تحقیق : یہ حضرت اوس ثقفی ﷛ کی حدیث کا طریق ثانی ہے، اس میں غَسلِ رأس کی تصریح ہے، جس سے ان حضرات کی تائید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ سابقہ روایت میں "غَسَّلَ" سے مراد سر کو خطمی وغیرہ سے دھونا ہے۔

۳۴۷ ﴿حَدَّثَنَا ابنُ أبي عقيلٍ ومحمد بنُ سَلَمَةَ المِصْرِيَّانِ قالا : ثنا ابنُ وَهْبٍ قال ابنُ عَقِيْلٍ : قالَ أَخْبَرَنِي أُسَامَةُ يَعْنِي ابنَ زَيْدٍ عن عَمْرِو بنِ شُعَيْبٍ عن أبِيه عن عبدِاللّٰه بنِ عَمْرِو بنِ العَاصِ عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنّه قال : مَنْ اغْتَسَلَ يومَ الجمعةِ ومَسَّ مِنْ طِيْبِ امْرَأَتِه إنْ كَانَ لَهَا ، وَلَبِسَ مِنْ صَالِحِ ثيابِه ثُمَّ لَمْ يَتَخطَّ رقابَ الناسِ ولم يَلْغُ عِنْدَ الْمَوْعِظَةِ كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا بَيْنَهُمَا ، وَمَنْ لَغَا وَتَخَطّى رِقَابَ الناسِ كَانَتْ لَهُ ظُهْرًا.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (٨٦٥٩).

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ﷛ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے جمعہ کے دن غسل کیا اور اپنی بیوی کی خوشبو کو لگایا اگر اس کے پاس ہو اور اپنے عمدہ لباس کو پہنا، اور

لوگوں کی گردنوں کو نہیں پھلانگا اور (امام کی) نصیحت کے وقت لغویات نہیں کی، تو دونوں جمعہ کے درمیان (کے گناہوں) کا کفارہ ہو جائے گا اور جس نے لغویات کی اور لوگوں کی گردنوں کو پھلانگا اس کی ظہر کی نماز ہوگی۔

تشریح مع تحقیق : قوله : 'قال ابن أبي عَقِيلٍ أَخْبَرَنِي : منصفؒ کی غرض اس عبارت سے یہ ہے کہ ابن عقیل کی روایت میں ابن وہب نے یہ صراحت کی ہے کہ اسامہ ابن زید نے تحدیث کی صراحت کی ہے، اور محمد بن سلمہؒ نے اس کو معنعن روایت کیا ہے۔

قوله : وَمَسَّ من طيب امرأته الخ : یعنی اگر اس شخص کے پاس اپنی مردوں والی خوشبو نہ ہو تو اپنی بیوی کی خوشبو لگا سکتا ہے، اور مردوں کی خوشبو وہ ہے جس میں رنگ نہ ہو۔

عند الموعظة : موعظہ سے مراد خطبہ ہے، خطبہ کا نام موعظہ اس لئے رکھا کہ یہ وعظ و نصیحت پر مشتمل ہوتا ہے۔

قوله : كانت له ظهراً الخ : مطلب یہ ہے کہ ثواب کے اعتبار سے اس کی جمعہ کی نماز مثل ظہر کے ہو جائے گی، جو فضیلت جمعہ کی نماز پر ملنے والی تھی ایسے شخص کو یہ فضیلت حاصل نہ ہوگی، اس لئے کہ ان مذکورہ امور کو چھوڑنے کی وجہ سے یہ فضیلت فوت ہو جائے گی۔ (المنہل العذب ۲۱۲/۳)۔

۳۴۸ ﴿حَدَّثَنَا عثمان بنُ أبي شَيْبَةَ نا محمد بنُ بِشْرٍ نا زَكَرِيَّا نا مُصْعَبُ بنُ شَيْبَةَ عن طَلْقِ بنِ حَبِيبٍ العَنَزِيِّ عن عَبْدِالله بنِ الزُّبَيْرِ عن عائشةَ أَنَّها حَدَّثَتْهُ أنَّ النبيَّ صلى اللّٰه عليه وسلم كَانَ يَغْتَسِلُ مِنْ أَرْبَعٍ : مِنَ الْجَنَابَةِ ، و يَوْمَ الجمعةِ ، ومِنَ الْحَجَامَةِ و مِنْ غُسْلِ الْمَيِّتِ.﴾

أخرجه المصنف في الجنائز، باب: في الغسل من غسل الميت (٣١٦٠)، وقال:حديث مصعب ضعيف ليس العمل عليه وأحمد في "المسند" ١٥٢/٦. انظر "تحفة الأشراف" (١٦١٩٤). وصححه ابن خزيمة (٢٩٦)، والحاكم في "المستدرك" ١٦٣/١ وصححه على شرط الشيخين وأقره الذهبي لكن في سنده مصعب بن شيبة: ضعيف.

ترجمہ : حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ حضور ﷺ چار چیزوں سے غسل کیا کرتے تھے: ایک جنابت سے، دوسرے جمعہ کے واسطے، تیسرے پچھنے لگا کر اور چوتھے میت کو نہلا کر۔

تشریح مع تحقیق : مصعب بن شيبة : یحییٰ بن معین اور عجلیؒ نے ان کی توثیق کی ہے، جب کہ امام نسائی نے ان کو منکر الحدیث قرار دیا ہے، اسی طرح امام دارقطنی اور ابو حاتم رازیؒ نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریب میں لکھا ہے: لَيِّنُ الحديث (تهذيب ۴۴۹/۵)

قوله : كان يغتسل من أربع : حضور ﷺ نے کبھی کسی میت کو غسل نہیں دیا، اس لئے اس روایت کا مطلب یہ ہے

کہ "کان یامر بالغسل" کہ آپ ﷺ ان چار چیزوں کی وجہ سے غسل کرنے کا حکم فرماتے تھے، حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب میں مصعب بن شیبہ کے ترجمہ میں یہی الفاظ: کان یامر بالغسل من اربع" نقل کئے ہیں۔

قولہ: من الجنابة الخ: غسلِ جنابت کی فرضیت میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے، یہ غسل بالاتفاق فرض ہے۔

قولہ: ویوم الجمعة الخ: غسلِ جمعہ کی سنیت کے بارے میں تفصیلی بحث گزر چکی ہے۔

قولہ: ومِنَ الْحِجَامَةِ: بکسر الحاء، حَجَمَ يَحْجُمُ (ن صحیح سالم) حَجْمًا وحِجَامًا: پچھنے لگوانا۔

پچھنے لگوانے کے بعد بھی غسل کرنا مستحب ہے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ بسا اوقات خون کی چھینٹیں جسم پر پڑ جاتی ہیں، اور ہر چھینٹ کو الگ الگ صاف کرنا یا دھونا مشکل ہوتا ہے اسلئے نظافت اور صفائی کا تقاضہ یہ ہے کہ غسل ہی کرلیا جائے۔

قولہ: ومِنْ غُسْلِ الميت: غسلِ میت کی وجہ سے غسل کرنا علماء کے درمیان مختلف فیہ ہے، اس سلسلے میں تین مذہب ہیں:

۱- حضرت ابو ہریرہ ﷺ اور حضرت علی ﷺ فرماتے ہیں کہ میت کو غسل دینے کے بعد غسل کرنا واجب ہے، ان حضرات کا استدلال دو حدیثوں سے ہے، ۱- حدیث باب، ۲- مسند احمد (۷۷۵۸/۲۸۱/۳) کی روایت ہے: "مَنْ غَسَلَ مَيِّتًا فَلْيَغْتَسِلْ۔

۲- ائمہ ثلاثہ: امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک یہ ہے کہ غسلِ میت کے بعد غسل کرنا مستحب ہے، ان حضرات نے حدیث باب کو استحباب پر محمول کیا ہے۔

۳- احناف کہتے ہیں کہ اصالۃً تو مستحب بھی نہیں ہے البتہ خروج عن الخلاف کے طور پر مستحب ہے، عدم استحباب کی وجہ یہ ہے کہ احادیث میں اغتسال سے مراد ہاتھوں کا دھونا ہے، اس لئے کہ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد منقول ہے: "إِنَّ مَيِّتَكُمْ يَمُوْتُ طَاهِرًا فَحَسْبُكُمْ أَنْ تَغْسِلُوا أَيْدِيَكُمْ" حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ (المنہل ۲۱۲/۳)۔

جہاں تک فریق اول کے دلائل کا تعلق ہے تو امام ابوداودؒ نے "من غسل ميتًا فليغتسل" کو منسوخ قرار دیا ہے، اور حدیث باب مصعب بن شیبہ کی وجہ سے ضعیف ہے، جس سے وجوب کو ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غسل میت کی وجہ سے غسل کرنے کا حکم کسی بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

۳۴۹ ﴿حَدَّثَنَا محمودُ بنُ خالِدٍ الدِّمَشْقِيُّ نا مَرْوَانُ ثَنَا عَلِيُّ بنُ حَوْشَبٍ سَأَلْتُ مَكْحُولًا عن هذا القَوْلِ: "غَسَّلَ واغتَسَلَ"؟ فقال: غَسَّلَ رَأْسَهُ وغَسَلَ جَسَدَهُ.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (١٩٤٧١).

ترجمہ : علی بن حوشب کہتے ہیں کہ میں نے مکحول سے حضور ﷺ کے قول: "غَسَّلَ واغْتَسَلَ" کے بارے میں پوچھا (کہ اس کا مطلب کیا ہے؟) تو انہوں نے جواب دیا کہ اپنے سرکو خوب دھوئے اور اپنے بدن کو دھوئے۔

۳۵۰ ﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ الْوَلِيْدِ الدِّمَشْقِيُّ ثنا أبو مُسْهِرٍ عن سَعِيْدِ بنِ عَبْدِالعزيز في قوله : "غَسَّلَ واغْتَسَلَ" قال : قال سَعِيْدٌ : غَسَّلَ رَاسَهُ وغَسَلَ جَسَدَهُ.﴾

تفرد به أبو داود، انظر "تحفة الأشراف" (١٨٦٩١).

ترجمہ : سعید بن عبدالعزیز نے غَسَّلَ واغْتَسَلَ" کے یہ معنی بیان کئے کہ اپنے سرکو خوب دھوئے اور سارے بدن کو دھوئے۔

تشریح مع تحقیق : حدیث نمبر ۳۴۵ میں "غَسَّلَ واغْتَسَلَ" آیا تھا جس کے معنی میں تین احتمال بیان کئے گئے تھے، جن میں ایک یہ تھا کہ سرکو خطمی سے اچھی طرح دھوئے اور پورے بدن پر پانی بہائے، مصنفؒ ان دو اثروں کو لا کر اسی معنی کی تائید کر رہے ہیں کہ مکحولؒ اور سعید بن عبدالعزیزؒ یہ دونوں حضرات بھی اس جملے کے یہی معنی بیان کرتے تھے۔

مصنفؒ کے لئے مناسب تھا کہ ان دونوں آثار کو حضرت اوس بن اوس ثقفی ﷺ کی اسی حدیث ۳۴۵ کے بعد نقل کرتے، جیسا کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں کیا ہے۔ واللہ اعلم

۳۵۱ ﴿حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بنُ مَسْلَمَةَ عن مَالِكٍ عَنْ سُمَيٍّ عن أبي صَالِحٍ السَّمَّانِ عن أبي هُرَيْرَةَ أنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قال : مَنْ اغْتَسَلَ يَوْمَ الجمعةِ غُسْلَ الْجَنَابَةِ ثُمَّ رَاحَ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَدَنَةً ، ومَنْ رَاحَ في السَّاعَةِ الثانيةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَقَرَةً ، ومَنْ رَاحَ في السَّاعَةِ الثَّالِثَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ كَبْشًا أَقْرَنَ ، ومن رَاحَ في السَّاعَةِ الرَّابِعَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ دَجَاجَةً ، ومَنْ رَاحَ في السَّاعَةِ الْخَامِسَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَيْضَةً ، فإذا خَرَجَ الإمامُ حَضَرَتِ الْمَلَائِكَةُ يَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ.﴾

أخرجه البخاري في "صحيحه" في الجمعة، باب: فضل الجمعة (٨٨١) وأخرجه مسلم في "صحيحه" في الجمعة، باب: الطيب والسواك يوم الجمعة (١٩٦١) وأخرجه النسائي في "المجتبى" في الجمعة، باب (١٤) وقت الجمعة، وفي الجمعة من "الكبرى" وقت الجمعة (٤٣) وأخرجه الترمذي في "جامعه" في الصلاة، باب: ما جاء في التكبير إلى الجمعة (٤٩٩). انظر "تحفة الأشراف" (١٢٥٦٩).

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن غسلِ جنابت کرے اور اول وقت جمعہ کو چلا جائے تو گویا اس نے ایک اونٹ کی قربانی کی، جو دوسری ساعت میں جائے تو گویا اس نے ایک گائے کی قربانی کی، اور جو تیسری ساعت میں جائے تو گویا اس نے ایک سنگ والے مینڈھے کی قربانی کی، اور جو چوتھی ساعت میں جائے تو گویا اس نے ایک مرغی کو راہ خدا میں قربان کیا، اور جو پانچویں ساعت میں جائے تو گویا اس نے ایک انڈا اللہ کی راہ میں قربان کیا، جب امام (خطبہ کے لئے) نکل جاتا ہے تو ملائکہ بھی (مسجد کے دروازوں سے ہٹ کر) خطبہ سننے کے لئے آجاتے ہیں۔

تشریح مع تحقیق : قوله : مَنْ اغْتَسَلَ : لفظ من عام ہے جس میں ہر وہ شخص شامل ہے جس میں تصدق کی اہلیت ہو خواہ وہ مذکر ہو یا مؤنث ہو، مریض ہو یا مسافر ہو۔

قوله : غسل الجنابة : غُسْلَ منصوب ہے أي من اغتسل غسلاً كغسل الجنابة : اور یہاں کیفیت میں تشبیہ دی جا رہی ہے، یعنی جو شخص جمعہ کے دن اسی اہتمام سے غسل کرے جس طرح غسلِ جنابت کیا کرتے ہیں، اس معنی کی تائید مصنف عبدالرزاق کی ایک حدیث سے ہوتی ہے جس کے الفاظ ہیں: "فاغْتَسَلَ أحدُكُم كَمَا يَغْتَسِلُ مِن الجنابَةِ"۔

اور دوسرا احتمال اس کے معنی میں یہ ہے کہ یہاں حقیقۃً غسلِ جنابت ہی مراد ہے اور اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جمعہ کے دن جماع کرنا چاہئے تاکہ راستہ میں نظر نیچی رہے اور نماز میں حضور قلب ہو، اس معنی کی تائید حضرت اوسؓ کی حدیث سابق سے ہوتی ہے جس میں "مَنْ اغْتَسَلَ وغَسَّلَ" آیا ہے۔ (عمدۃ القاری ۱۸/۵)۔

لیکن اکثر شارحین نے پہلے معنی کو راجح قرار دیا ہے، بلکہ امام نوویؒ نے تو پہلے احتمال ہی کو صحیح لکھا ہے اور دوسرے احتمال کو باطل قرار دیا ہے۔

قوله : ثُمَّ رَاحَ الخ : رَاحَ يَرُوحُ رَوَاحًا : شام کے وقت جانا، بعد الزوال جانا، مطلقاً جانا خواہ صبح میں جائے یا شام میں، اس لفظ کے معنی چوں کہ متعدد ہیں اس لئے اس کی مراد میں بھی اختلاف ہے کہ یہاں جمعہ کی نماز کے لئے جانے سے کس وقت جانا مراد ہے۔

حضرت امام مالک، حسین الکرابیسی اور امام الحرمین فرماتے ہیں کہ حدیث میں ساعات سے مراد لحظات لطیفہ ہیں، جن کی ابتدار زوال شمس کے بعد ہوتی ہے کیونکہ رواح کے اصل معنی ہی خروج بعد الزوال کے ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کی رائے بھی یہی ہے، ان حضرات کے نزدیک تبکیر الی الجمعہ مستحب نہ ہوگی۔

جمہور علماء کہتے ہیں کہ ساعات سے مراد ساعات زمانیہ ہیں اور ان ساعات کی ابتدار اول نہار (بعد طلوع الشمس) سے ہوتی ہے اور لحظات لطیفہ مراد نہیں ہیں، بلکہ ساعۃ کے جو مشہور معنی ہیں وہی مراد ہیں، اس لئے کہ رواح کے معنی لغت

میں مطلق ذہاب کے بھی آتے ہیں، خواہ قبل الزوال ہو یا بعد الزوال، اور یہی معنی حدیث کے زیادہ موافق ہیں اس لئے کہ حضور ﷺ یہی خبر دینا چاہتے ہیں کہ جو شخص جمعہ کی نماز کے لئے صبح سویرے نکلے تو اس کے لئے یہ فضیلت ہے کہ گویا اس نے ایک اونٹ کو راہِ خدا میں قربان کر دیا، ظاہر سی بات ہے کہ بعد الزوال نکلنے میں یہ فضیلت حاصل نہ ہوگی، لہٰذا رواح کو ما بعد الزوال پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے، نیز ساعات کا ذکر تو تبکیر إلی الجمعہ کی ترغیب کے لئے ہے، اور اس لئے ہے کہ صف اول میں پہنچ کر انتظارِ صلاۃ اور اشتغال بالذکر کی فضیلت حاصل ہو جائے، اور بعد الزوال جمعہ کے لئے جانے میں یہ تمام فضائل حاصل نہ ہوں گی۔

پھر علماء کرام کے درمیان اس میں اختلاف ہے کہ ساعات کا اعتبار طلوع فجر سے ہے یا طلوع شمس سے، امام نوویؒ اور امام رافعیؒ نے طلوع فجر کا اعتبار کیا ہے، البتہ ماوردیؒ فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ ان ساعات کی ابتداء طلوع شمس سے ہے، طلوع فجر اور طلوع شمس کا درمیانی وقفہ غسل وغیرہ کے لئے ہے۔

علامہ عینیؒ نے امام رافعیؒ سے نقل کیا کہ ساعات سے مراد ساعات فلکیہ نہیں ہیں بلکہ ترتیب درجات مراد ہیں، اور پہلے آنے والے کی بعد میں آنے والے پر فضیلت کو بیان کرنا ہے، کہ جو شخص ان ساعات میں سے پہلی ساعت میں آئے گا اس کو ایک اونٹ کی قربانی کا ثواب ملے گا اور جو شخص پہلے ساعت ہی میں دوسرے نمبر آئے گا اس کو بھی ایک اونٹ کی قربانی کا ثواب ملے گا البتہ فرق یہ ہوگا کہ اول نمبر پر آنے والے کو فربہ اور عمدہ اونٹ کی قربانی کا ثواب ملے گا دوسرے نمبر پر آنے والے کو اس سے کم درجہ کے اونٹ کی قربانی کا ثواب ملے گا اسی طرح دوسری ساعت میں جتنے لوگ آئیں گے سب کو گائے کی قربانی کا ثواب ملے گا فرق صرف عمدہ اور گھٹیا کا درجہ بدرجہ ہوتا رہے گا۔ (عمدۃ القاری ۶/۱۹)۔

یہاں پر یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ نہار بارہ گھنٹہ کا ہوتا ہے جیسا کہ نسائی شریف کی روایت میں ہے: "يَوْمُ الجمعة ثِنْتَا عَشْرَةَ سَاعَةً"۔ لہٰذا اول نہار سے لے کر زوال تک چھ ساعتیں ہوں گی، البتہ یہاں حدیث میں پانچ ساعتیں مذکور ہیں، چھٹی ساعت کا ذکر نسائی شریف کی روایت میں ہے، چنانچہ اس میں ذکر شاۃ کے بعد "ثُمَّ كَالْمُهْدِيْ بَطَّةً ثُمَّ كالمُهْدِي دَجَاجَةً ثُمَّ كالمُهْدِيُ بَيْضَةً" ہے۔

قوله: فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَدَنَةً الخ: قَرَّبَ تَصَدَّقَ کے معنی میں ہے، اور مطلب صرف یہ بیان کرنا ہے کہ ساعت اولیٰ میں آنے والے کو اتنا ثواب ملے گا جتنا اونٹ کو صدقہ کرنے کا ثواب ہوتا ہے، اور مقصد اس تشبیہ سے تبکیر إلی الجمعہ کی ترغیب دینا ہے۔

قوله: كَبْشًا أَقْرَنَ: كبشًا کی صفت أَقْرَن لا کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ مینڈھا خوبصورت اور عمدہ ہو۔

قوله: دجاجة: بفتح الدال و كسرها، مذکر و مؤنث سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور "تا" اس میں وحدت

کے لئے ہے تانیث کے لئے نہیں ہے۔

قولہ : حضرت الملائکۃ الخ : مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ جب امام منبر پر آجاتا ہے تو فرشتے اپنے رجسٹروں کو بند کر لیتے ہیں اور ذکر یعنی خطبہ کو سننے لگتے ہیں، علامہ نوویؒ لکھتے ہیں کہ جن رجسٹروں میں فرشتے حاضرین جمعہ کے ثواب کو لکھتے ہیں ان کو اس وقت بند کرنا شروع کر دیتے ہیں جب امام منبر کی طرف چلنا شروع کرتا ہے، اور اس وقت تک بالکل بند کر دیتے ہیں جب امام منبر پر بیٹھ جاتا ہے اس کے بعد جمعہ کی نماز میں آنے والوں کے لئے مخصوص ثواب نہیں لکھا جاتا، البتہ جمعہ کی نماز ان بعد میں آنے والوں کی بھی ادا ہو جاتی ہے اور اس پر ثواب بھی ملتا ہے لیکن حدیث میں مذکور فضیلت سے یہ لوگ محروم رہ جاتے ہیں۔

اور فرشتوں سے مراد یہاں وہ فرشتے ہیں جن کی ڈیوٹی حاضرین جمعہ کے ثواب کو لکھنا ہے، محافظ فرشتے یہاں مراد نہیں ہیں۔

فقہ الحدیث

جمعہ کے دن غسل کرنا باعث فضیلت ہے۔

نماز جمعہ کے لئے سویرے نکلنا چاہئے۔

ثواب اعمال کی بقدر دیا جاتا ہے۔

جمعہ کی نماز میں مخصوص فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ (المنہل ۳/۲۱۷)۔

❁ ❁ ❁

﴿باب الرخصة في ترك الغسل يوم الجمعه﴾

جمعہ کے دن غسل نہ کرنے کے جائز ہونے کا بیان

۳۵۲ ﴿حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ ثَنَا حَمَّاد بنُ زَيْدٍ عن يَحْيٰى بنِ سَعِيدٍ عن عَمْرَةَ عن عَائِشَةَ قالت : كَانَ النَاسُ مُهَّانَ أَنْفُسِهِمْ فَيَرُوْحُوْنَ إلى الجمعةِ بِهَيْآتِهِم فَقِيْلَ : لَوْ اغْتَسَلْتُمْ.﴾

أخرجه البخاري في "صحيحه"، باب: وقت الجمعة إذا زالت الشمس (۹۰۳) وأخرجه مسلم في "صحيحه" في الجمعة، باب: وجوب غسل الجمعة على كل بالغ من الرجال وبيان ما أمروا به. انظر "تحفة الأشراف" (۱۷۹۳۵).

ترجمہ : حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ لوگ اپنے ہاتھ سے محنت مزدوری کرتے تھے پھر جمعہ کو اسی حالت میں چلے جاتے، تو ان سے کہا گیا کہ کاش تم غسل کر لیتے۔

تشریح مع تحقیق : مُهَّانٌ : بضم الميم وتشديد الهاء : مَاهِنٌ کی جمع ہے جیسا کہ کُتَّابٌ کَاتِبٌ کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں اپنا کام کرنے والے، خدمت گزار، بعض حضرات نے اس کو مِهَان بروزن صیام بھی پڑھا ہے اور بخاری کی ایک روایت میں مِهْنَةٌ ہے یہ بھی ماھن کی جمع ہے۔

مطلب حدیث کا یہ ہے کہ فتوحات کے زمانہ سے قبل ابتدار اسلام میں لوگ اپنے خادم خود ہی تھے، ان کے نوکر چاکر نہیں تھے، اپنے محنت اور مشقت کے کام خود ہی کر لیا کرتے تھے، جس سے بدن اور کپڑوں میں بو پیدا ہو جاتی تھی، اور چوں کہ اس وقت تک آپ ﷺ کی طرف سے غسل کا حکم نہیں ہوا تھا اس لئے صحابہ ﷺ اسی حال میں جمعہ کے لئے پہنچ جاتے تھے، اس لئے آپ ﷺ نے ہدایت فرمائی: لو اغتسلتم کہ اگر تم غسل کر کے آیا کرتے تو "لَكَانَ حَسَنًا" بہتر ہوتا۔

غسلِ جمعہ کے سلسلے میں روایات دو قسم کی ہیں ایک تو وہ روایات جن سے غسل جمعہ کی وجوبیت کی طرف اشارہ ملتا ہے، مصنفؒ نے باب سابق میں اس قسم کی روایات کو ذکر کر دیا، اور دوسری وہ روایات ہیں جن سے عدم وجوب ثابت ہوتا ہے ان کو مصنفؒ اس باب میں ذکر فرما رہے ہیں، چنانچہ حضرت عائشہؓ کی حدیث مذکور عدم وجوب ہی کی دلیل ہے، اس لئے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کو رائحہ کریہہ کے ازالہ کی وجہ سے غسل کا حکم دیا اور وہ بھی لزومی طور پر نہیں بلکہ اپنی خواہش اور تمنا کا اظہار کیا کہ اگر غسل کر لیتے تو عمدہ ہوتا ہے، آپ ﷺ کا انداز بیان خود دلالت کرتا ہے کہ یہ حکم وجوبی نہیں ہے۔

اسی وجہ سے جمہور علماء کا مسلک ہے کہ جمعہ کا غسل سنت ہے واجب نہیں ہے تا کہ تمام روایات پر عمل ہو سکے۔

۳۵۳ ﴿حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰه بنُ مَسْلَمَةَ ثَنَا عَبْدُالعَزِيْزِ يَعْنِي ابنَ محمدٍ عن عَمْرٍو يَعْنِي ابنَ أبي

عَمْرٍو عن عِكْرِمَةَ أنَّ نَاسًا مِنْ أهْلِ العِرَاقِ جَاؤا ، فَقَالُوا : يا ابنَ عَبَّاسٍ ! أترَى الغُسْلَ يَوْمَ الجمعةِ وَاجِبًا ؟ قال : لَا ، وَلٰكِنَّهُ أَطْهَرُ و خَيْرٌ لِمَنْ اغْتَسَلَ ، ومَنْ لَمْ يَغْتَسِلْ فَلَيْسَ عَلَيْهِ بِوَاجِب ، وسَأُخْبِرُكُمْ كَيْفَ بَدْأُ الْغُسْلِ : كَانَ النَّاسُ مَجْهُوْدِيْنَ يَلْبَسُوْنَ الصُّوْفَ و يَعْمَلُوْنَ عَلٰى ظُهُوْرِهِم ، وكَانَ مَسْجِدُهُمْ ضَيِّقًا مُقَارِبَ السَّقْفِ، إنَّمَا هُو عَرِيْشٌ ، فَخَرَجَ رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم في يَوْمٍ حَارٍّ وعَرِقَ النَّاسُ في ذٰلك الصُّوْفِ حَتّٰى ثَارَتْ مِنْهُمْ رِيَاحٌ ، آذٰى بِذٰلِك بَعْضُهُمْ بَعْضًا فَلَمَّا وَجَدَ رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم تِلْكَ الرِّيْحَ قالَ : أيُّهَا النَّاسُ ! إذَا كَانَ هٰذَا الْيَوْمُ فاغْتَسِلُوا وَلْيَمَسَّ أحَدُكُمْ أفْضَلَ مَا يَجِدُ مِنْ دُهْنِهِ وطِيْبِهِ.

قال ابنُ عَبَّاسٍ : ثُمَّ جَاءَ اللّٰه تعالٰى ذِكْرُهُ بِالْخَيْرِ و لَبِسُوا غَيْرَ الصُّوْفِ ، وكُفُوا الْعَمَلَ، و وَسَّعَ اللّٰه مَسْجِدَهُمْ و ذَهَبَ بَعْضُ الذي كَانَ يُؤْذِي بَعْضُهُمْ بَعْضًا مِنَ العَرَقِ.﴾

أخرجه أبو داود في الأدب، باب: الاستئذان في العورات الثلاث (٥١٩٢) انظر "تحفة الأشراف" (٦١٨٠).

قال الخطابي: "مُهّان" جمع ماهن وهو الخادم يريد أنهم كانوا يتولون المهنة لأنفسهم في الزمان الأول حين لم يكن لهم خدم يكفونهم المهنة، والإنسان إذا باشر العمل الشاق حمى بدنه وعرق سيّما في البلد الحار، فربما تكون منه الرائحة الكريهة فأمروا بالاغتسال تنظيفًا للبدن وقطعًا للرائحة. انظر "معالم السنن" ١/ ٩٥.

ترجمہ : حضرت عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن کچھ عراقی لوگ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آئے اوران سے پوچھا کہ حضرت! کیا آپ اس کے قائل ہیں کہ جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: نہیں (واجب تو نہیں ہے) لیکن خوب پاک کرنے والا ضرور ہے چنانچہ جو شخص جمعہ کے دن نہالے تو بہت خوب، اور جو شخص غسل نہ کرے تو اس پر واجب بھی نہیں، اور میں تم لوگوں کو بتلاتا ہوں کہ جمعہ کے دن غسل کرنے کا معاملہ کس طرح اٹھا تھا، (اور شروع میں کس سبب سے اس کا حکم دیا گیا تھا) ہوا یہ تھا کہ (صحابہ میں سے) جو لوگ (معاشی طور پر پست تھے ان کی زندگی فقر و مشقت میں گھری ہوئی تھی، وہ) محنت کش تھے، کمبل پہنتے تھے اور پیٹھوں پر بوجھ لاد کر ڈھوتے تھے، ادھر وہ لوگ جس مسجد میں نماز پڑھنے آتے تھے (یعنی مسجد نبوی) وہ نیچی چھت کی اور بہت تنگ تھی، (یوں سمجھو کہ) بس (کھجوروں کی ٹہنیوں کا) ایک چھپر تھا (جمعہ کی نماز میں جب بہت زیادہ لوگ آجاتے تھے تو پوری مسجد ٹھسا ٹھس ہوجاتی تھی اور گرمیوں کے دنوں میں تو اندر کا ماحول ہوا کی کمی اور لوگوں کے پسینہ کی بو سے بہت مکدر ہوجاتا تھا) چنانچہ (ایک جمعہ کو) جب کہ وہ سخت گرمی کا دن تھا رسول اللہ ﷺ جب مسجد میں آئے تو لوگ اپنے کمبل کے لباسوں میں

پسینہ سے شرابور تھے اور ان کے بدن اور کپڑوں کی بو پھیلی ہوئی تھی، اور اس کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے سے تکلیف محسوس کر رہے تھے، پھر جب حضور ﷺ کو بھی یہ بو محسوس ہوئی تو فرمایا: اے لوگو! جب یہ جمعہ کا دن آئے تو نہا لیا کرو اور تم میں سے جو بھی شخص تیل اور خوشبو (عطر وغیرہ) میں سے کچھ پائے تو (سر پر) تیل اور (بدن پر) خوشبو لگا لے۔

(آگے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا: اور پھر اللہ تعالیٰ نے جب ان لوگوں کی حالت میں بہتری پیدا فرمادی تو وہ کمبل کے بجائے دوسرے کپڑے پہننے لگے، (محنت مزدوری کے) کاموں سے ان کو راحت مل گئی، ان کی مسجدوں میں وسعت اور کشادگی ہوگئی، اور بعض لوگوں کے پسینہ وغیرہ کی وجہ سے دوسروں کو جو اذیت پہنچتی تھی اس کا بھی ازالہ ہوگیا۔

تشریح مع تحقیق : مَجْهُوْدِيْنَ : اسم مفعول کا صیغہ ہے بمعنی وہ لوگ جو مشقت میں پڑے ہوں،

عَرِيْشٌ : ہر سایہ دار چیز جیسے شامیانہ، چھپر، سائبان، جمع عُرُشٌ آتی ہے۔

كُفُوا العَمَلَ : بصیغۂ مجہول، كَفَى فُلَانًا الْأَمْرَ : کسی معاملہ کسی کو بے نیاز کر دینا، یعنی صحابہ کام سے بے نیاز کر دیئے گئے، ان کے پاس خدام ہوگئے جو ان کے کاموں کو انجام دینے لگے۔

اس روایت میں مسلمانوں کی ابتدار حالت کو بیان کیا گیا ہے، کہ پہلے غربت تھی جس کی وجہ سے وہ اپنے تمام امور خود انجام دیتے تھے لیکن جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں پر فتوحات کے دروازے کھول دیئے، اور مسلمانوں کو مالی وسعت وفراخی سے نواز دیا تو پھر محنت کش مسلمانوں کی اقتصادی اور مالی حالت بھی خوب سدھر گئی اور ان کو محنت ومشقت کے کاموں کے بجائے معیشت کے دوسرے بہتر ذرائع حاصل ہوگئے، تو اب مسجد بھی کشادہ ہوگئی اور پسینہ کی بو بھی جاتی رہی۔

بہر حال حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پورے کلام کا حاصل یہ ہے کہ زیادہ پسینہ کی بو کے سبب سے پہلے ابتدار اسلام میں جمعہ کا غسل واجب تھا مگر جب اس میں کمی واقع ہوگئی تو غسل کے وجوب کا حکم تو منسوخ ہوگیا اور سنت ہونا باقی رہا، سو اب غسلِ جمعہ واجب نہیں ہے بلکہ مسنون ہے، یعنی ایجاب غسل کا حکم معلل بعلۃ ہے شروع میں علت پائی جاتی تھی اس لئے واجب تھا اور اب علت موجود نہیں ہے لہٰذا واجب نہیں۔

لیکن حضرت نے بذل المجہود میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کی طرف سے غسل کا حکم بطریق ایجاب تھا ہی نہیں بلکہ اس لئے تھا کہ کسی کو اذیت نہ پہنچے۔

۳۵۴ ﴿حَدَّثَنَا أَبُو الوليد الطَّيَالِسِيُّ نَا هَمَّامٌ عن قَتَادَةَ عن الْحَسَنِ عن سَمُرَةَ قال : قال رسولُ الله ﷺ : مَنْ تَوَضَّأَ فَبِهَا ونِعِمَتْ ، ومَنْ اغْتَسَلَ فَهُوَ أَفْضَلُ.﴾

أخرجه الترمذي في "جامعه" في الصلاة، باب: ما جاء في الوضوء يوم الجمعة (٤٩٧) وأخرجه النسائي في "المجتبى" في

الجمعة، باب: الرخصة في ترك الغسل يوم الجمعة (١٣٧٩) وفي الجمعة من "الكبرىٰ" الرخصة في ترك الغسل يوم الجمعة (٣٠).

انظر "تحفة الأشراف" (٤٥٨٧).

قال الخطابي: قوله: "فبها": قال الأصمعي: معناه فبالسنة أخذ، وقوله: "ونعمت" يريد ونعمت الخصلة، ونعمت الفعلة أو نحو ذلك، وإنما ظهرت التاء التي هي علامة التأنيث لإظهار السنة، أو الخصلة، أو الفعلة، وفيه البيان الواضح أن الوضوء كاف للجمعة، وأن الغسل لها فضيلة لا فريضة. انظر "معالم السنن" ١/٩٥.

ترجمہ : حضرت سمرہ بن جندب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے جمعہ کے دن وضوء کیا اس نے فرض ادا کیا اور خوب فرض ہے وہ، اور جس نے (نماز جمعہ کے لئے) غسل کیا تو وہ بہتر ہے۔

تشریح مع تحقیق : نعمت کو دو طرح پڑھ سکتے ہیں: "نَعِمَتْ بفتح النون و كسر العين اور اصل یہی ہے، اور نِعْمَتْ بکسر النون وسکو العین۔

اس عبارت کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں: (۱) فَبِهَا ونَعِمَتْ کے معنی ہیں: فَبِالْفَرِيْضَةِ أَخَذَ و نَعِمَتِ الفَرِيْضَةُ ، اسی کی روشنی میں حدیث کا ترجمہ بھی کیا گیا ہے، (۲) دوسرا مطلب ہے: فبالسُّنَّةِ أَخَذَ ونعمت السنّةُ هِيَ ، لیکن اس صورت میں اشکال یہ ہے کہ سنت تو غسل ہے نہ کہ وضوء اس لئے پہلے معنی ہی صحیح ہیں، بعض حضرات نے اس کے تیسرے معنی اور لکھے ہیں کہ اصل تقدیری عبارت ہے: فبالرخصةِ أخَذَ ونعمت الرخصة۔

یہ حدیث اس بات پر صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہے کہ جمعہ کے دن کا غسل سنت ہے واجب نہیں۔

فائدہ : حدیث کی سند میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے نقل کرنے والے حضرت حسن بصریؒ ہیں، محدثین کا اس میں اختلاف ہے کہ حسن بصری کا سماع سمرہ بن جندب سے ہے یا نہیں؟ حافظ زیلعیؒ نے نصب الرایہ (۱/۸۹) میں اس سلسلے میں تین مذہب نقل کئے ہیں:

۱- حسن بصریؒ کا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مطلقاً سماع ثابت ہے، ابن المدینی اور امام بخاریؒ کا یہی مذہب ہے، حاکم نے بھی المستدرک میں اسی قول کو اختیار کیا ہے، اور حسن عن سمرہ کے طریق سے بہت سی روایات کو نقل کر کے ان پر صحت کا حکم لگایا ہے۔

۲- حسنؒ نے سمرہ رضی اللہ عنہ سے کوئی روایت نہیں سنی ہے، ابن حبان نے اسی قول کو اختیار کیا ہے، یہی قول ابن معین اور شعبہ کا بھی ہے۔

۳- حسنؒ نے سمرہ رضی اللہ عنہ سے صرف ایک حدیث "حدیث عقیقہ" سنی ہے جس کو امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے، یہ قول امام نسائی کا ہے امام دارقطنی کا میلان بھی اسی طرف ہے۔ (الحدیث الحسن ص: ۱۱۷)۔

صاحب منہل کہتے ہیں کہ میری نظر میں قولِ اول زیادہ پسندیدہ ہے اسلئے کہ مثبت نافی پر مقدم ہوتا ہے۔ (المنہل ۳/۲۲۲)۔
حدیث باب ابوداؤد کے علاوہ امام ترمذی، امام نسائی اور امام دارمیؒ نے بھی تخریج کی ہے اور ترمذی نے اس کو حسن قرار دیا ہے، نیز دوسرے صحابہ سے بھی یہ روایت مروی ہے۔

﴿بابُ في الرجل يُسْلِمُ فيُؤمَرُ بالغُسْلِ﴾

اس شخص کا بیان جو اسلام لائے تو اس کو غسل کا حکم دیا جائے

۳۵۵ ﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ كثيرٍ العَبْدِيُّ أنَا سُفْيَانُ نَا الْأَغَرُّ عن خَلِيْفَةَ بنِ حُصَيْنٍ عن جَدِّهٖ قَيْسِ بنِ عَاصِمٍ قال : أَتَيْتُ النبيَّ صلى الله عليه وسلم أُرِيْدُ الإسْلامَ فَأَمَرَنِي أنْ أَغْتَسِلَ بمآءٍ وسِدْرٍ.﴾

أخرجه الترمذي في "جامعه" في الصلاة، باب: ما ذكر في الاغتسال عندما يسلم الرجل (٦٠٥). وأخرجه النسائي في "المجتبى" في الطهارة، باب: ذكر ما يوجب الغسل وما لا يوجبه (١٢٦). غسل الكافر إذا أسلم (١٨٨). انظر "تحفة الأشراف" (١١١٠٠).

ترجمہ : حضرت قیس بن عاصم ﷺ سے روایت ہے کہ انہوں نے جب اسلام قبول کیا تو نبی ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ پانی اور بیری کے پتوں سے غسل کریں۔

تشریح مع تحقیق : قوله : فَأَمَرَنِي أَنْ أغتسل بمآءٍ وسِدْرٍ : اس حدیث کی شرح میں دو احتمال ہیں، ایک تو یہ کہ قیس بن عاصم فرماتے ہیں کہ میں اسلام لانے کی غرض سے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا چنانچہ اسلام لے آیا اس کے بعد حضور اکرم ﷺ نے مجھے غسل کرنے کا حکم دیا، اس مطلب کی تائید ترمذی اور نسائی کی روایت سے ہوتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: "أنه أَسْلَمَ فَأَمَرَهُ النبيُّ صلى الله عليه وسلم بالغُسْلِ" کہ پہلے یہ مسلمان ہوئے اس کے بعد حضور ﷺ نے غسل کرنے کا حکم فرمایا۔

دوسرا احتمال اس کی شرح میں یہ ہے کہ حضرت قیس حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اسلام لانے کے ارادے سے، تو آپ ﷺ نے پہلے ان کو غسل کرکے آنے کا حکم دیا، اس کے بعد آپ اسلام لے کر آئے، بخاری شریف میں حضرت ثمامہ بن اثال کے اسلام لانے کا واقعہ اس دوسرے احتمال کی تائید کرتا ہے چنانچہ بخاری کے الفاظ ہیں: فقال أطلقوا ثُمَامَةَ فانطَلَقَ إلى نَخْلٍ قريب مِن المجسد فَاغْتَسَلَ ثم دَخَلَ المسجد فقال : أشهد أن لا إلٰه إلّا الله

واشهد انّ محمدًا رسول اللّٰه"۔
اس دوسرے احتمال پر فقہی طور سے یہ اشکال ہوتا ہے کہ کافر جب اسلام لانے کا ارادہ کرے تو اسلام لانے سے پہلے اسکو غسل کا حکم دینا صحیح نہیں کیونکہ اس سے تاخیر اسلام لازم آئے گی اور اسلام لانے میں کسی قسم کی تاخیر کی گنجائش نہیں ہے۔

فقہ الحدیث

حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ کافر جب مسلمان ہو تو اس پر غسل کرنا واجب ہے۔
حضرت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر حالت کفر میں اس کو جنابت لاحق ہوئی ہو تو اسلام لانے کے بعد غسل کرنا واجب ہے ورنہ مستحب ہے۔
حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص حالت کفر میں جنبی ہوا ہو اور غسل جنابت نہ کیا ہو تو اسلام لانے کے بعد غسل کرنا واجب ہے اور اگر حالت کفر ہی میں غسل کر چکا ہو تو اب واجب نہیں ہے۔

حنابلہ کے دلائل

۱۔ مشرک حالت کفر میں جنابت سے خالی نہیں ہوتا، اور مشرک کا حالت کفر میں غسل کرنا صحیح نہیں ہوتا اس لئے کہ اغتسال من الجنابت فرض ہے جس کی ادائیگی ایمان لانے کے بعد ہی ہو سکتی ہے، جیسا کہ نماز اور زکوٰۃ وغیرہ فرائض کی ادائیگی ایمان کے بعد صحیح ہوتی ہے۔
۲۔ حضرت ثمامہ ؓ کا واقعہ بخاری شریف میں مذکور ہے کہ جب وہ اسلام لائے تو آپ ﷺ نے غسل کرنے کا حکم دیا۔
۳۔ معجم طبرانی میں ہے کہ جب واثلہ اور قتادہ اسلام لائے تو حضور ﷺ نے ان کو غسل کرنے کا حکم دیا۔
۴۔ حدیث باب میں بھی غسلِ اسلام کا حکم ہے۔

مالکیہ اور شافعیہ کا استدلال

ان حضرات کا استدلال اس طرح ہے کہ جو کافر جنبی ہو گیا تو اب حالت کفر میں اس کا غسل معتبر نہیں اس لئے کہ غسل فرض ہے اور فرض کی ادائیگی کے لئے ایمان شرط ہے، لہٰذا جب ایمان ہوگا اسی وقت اس کا غسل معتبر ہوگا۔
نیز حضور ﷺ نے ہر اسلام لانے والے کو غسل کا حکم نہیں فرمایا، بلکہ بعض کو حکم دیا اور بعض کو نہیں دیا، چنانچہ فتح مکہ کے

موقع پر ایک بڑی جماعت مسلمان ہوئی لیکن آپ ﷺ نے کسی کو بھی غسلِ اسلام کا حکم نہیں دیا، اگر مطلقاً غسلِ اسلام واجب ہوتا تو ہر ایک کو حکم دیا جاتا۔

جہاں تک جنبی فی حال الکفر کو غسلِ اسلام کے وجوب کا تعلق ہے تو وہ دوسرے دلائل قویہ کی بنیاد پر ہے۔

احناف کی دلیل

احناف کے دلائل بھی وہی ہیں جو شوافع اور مالکیہ کے ہیں، البتہ احناف حالت کفر میں کئے گئے غسلِ جنابت کا اعتبار کرتے ہیں، اس لئے کہ غسل میں نیت کی ضرورت نہیں پڑتی، بلکہ پانی بذات خود مطہر ہے، برخلاف نماز وغیرہ کے، کہ اس میں نیت کی ضرورت پڑتی ہے اور ہر وہ عبادت جس میں نیت کی ضرورت پڑے اس کے لئے ایمان کا ہونا شرط ہے، اور جس میں نیت کی ضرورت نہ ہو اس کے لئے ایمان کا ہونا شرط نہیں ہے۔ (المنہل ۲۲۴/۳)۔

۳۵٦ ﴿حَدَّثَنَا مَخْلَدُ بنُ خَالِدٍ نا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أنا ابنُ جُرَيْجٍ قَالَ: أُخْبِرْتُ عَنْ عُثَيْمِ بنِ كُلَيْبٍ عن أبيه عن جَدِّهِ أنَّه جَاءَ إلى النبيِّ صلى الله عليه وسلم فقال: قَدْ أَسْلَمْتُ، فقال لَهُ النبيُّ ﷺ: أَلْقِ عَنْكَ شَعْرَ الكُفْرِ يقول: احْلِقْ، قال: وأَخْبَرَنِي آخَرُ أنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قال لِآخَرَ مَعَهُ: أَلْقِ عَنْكَ شَعْرَ الكُفْرِ وَاخْتَتِنْ.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (١١١٦٨).

ترجمہ: عثیم بن کلیب سے روایت ہے کہ ان کے دادا حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے کہ میں مسلمان ہوگیا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کفر کے بالوں کو نکال ڈال (یعنی منڈا دے) اور ایک اور شخص جو ان کے ساتھ تھا اس سے فرمایا کہ کفر کے بال نکال ڈال اور ختنہ کر۔

تشریح مع تحقیق: قوله: أُخبِرتُ عن عُثَيم: **بصیغہ مجہول** ابن جریج کو خبر دینے والے ابراہیم بن محمد ہیں جو ضعیف راوی ہیں، اور عثیم منسوب إلی الجد ہیں، ان کا اصل نسب: عُثَیم بنُ کثیر بن کُلَیب ہے، حافظ ابن حجرؒ نے تقریب التہذیب میں ان کو مجہول قرار دیا ہے، یہاں پر بعض حضرات کو یہ وہم ہوگیا ہے کہ ابن جریج بھی عثیم کے تلامذہ میں سے ہیں، حالانکہ یہ غلط ہے، اس لئے کہ ابن جریج کا "أُخبِرتُ" کہنا اس بات میں صریح ہے کہ ان دونوں کے درمیان واسطہ ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کردیا کہ یہ واسطہ ابراہیم بن محمد کا ہے۔

قوله: عن أبيه: أبيه کا مصداق کثیر بن کلیب ہیں، جو صدوق درجہ کے راوی ہیں۔

قوله: عن جدّه: جد کا مصداق کلیب ہیں جو صحابی ہیں، ان سے کل تین احادیث مروی ہیں۔ (تہذیب التہذیب ۴/۱۰۰)۔

قولہ : أَلْقِ عَنْكَ شَعْرَ الْكُفْرِ الخ : صاحب منہل لکھتے ہیں کہ شعر الکفر سے مراد وہ بال ہیں جو کفار کی خاص علامت ہوتے ہیں، جیسا کہ ہندوستان میں کافر لوگ اپنے سر پر چھوٹی سی چوٹی رکھتے ہیں جس کو وہ حلق کراتے وقت بھی نہیں کٹاتے، اور یہ کفر و اسلام کے درمیان امتیازی علامت ہوتی ہے، اس لئے حضور اکرم ﷺ نے کلیب اور ان کے ساتھی کو ان علامتی بالوں کو کٹانے کا حکم فرمایا۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ شعر الکفر سے مراد مونچھوں اور بغلوں اور زیر ناف کے بال ہیں، اور حضور ﷺ نے از راہ نظافت ان کے حلق کا حکم فرمایا۔

اور آپ ﷺ نے اختتان کا حکم فرمایا یہ اس صورت پر محمول ہے جب اسلام قبول کرنے والا اس کی تکلیف کو برداشت کر سکتا ہو ورنہ چھوڑ دیا جائے گا، اختتان پر تفصیلی کلام جلد اول میں گزر چکا ہے، دیکھ لیا جائے۔

قولہ : قال : وأخبرني أخر الخ : یعنی کثیر بن کلیب نے کہا کہ مجھے میرے والد کلیب کے علاوہ ایک دوسرے صحابی نے یہ خبر دی کہ آپ ﷺ نے کلیب کے ساتھی کو حلقِ شعر اور اختتان دونوں کا حکم دیا۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

بظاہر حدیث کی ترجمۃ الباب سے کوئی مناسبت نہیں ہے اس لئے کہ اس میں غسلِ اسلام کا کوئی ذکر نہیں، البتہ بطریق قیاس یہ مناسبت ثابت ہو سکتی ہے کہ جب زمانۂ کفر کے بالوں کے ازالہ کا حکم ہے تو اسی طرح اور بھی اوساخِ بدن کا ازالہ بذریعہ غسل ہونا چاہئے، اس لئے کہ نظافت اسلام میں مندوب ہے۔ (المنہل ۲۲۵/۳)۔

﴿بابُ المرأةِ تغسِلُ ثوبَها الذي تلْبَسُهُ في حَيْضِهَا﴾

عورت کے لئے زمانۂ حیض میں پہنے ہوئے کپڑے کو دھونے کا بیان

۳۵۷ ﴿حَدَّثَنَا أحمد بنُ إبراهيمَ نا عَبْدُ الصمدِ بنُ عَبْدِ الْوَارِثِ حَدَّثَنِي أبي قَالَ : حَدَّثَتْنِي أُمُّ الْحَسَنِ يَعْنِي جَدَّةَ أبي بَكْرٍ الْعَدَوِيِّ عن مُعَاذَةَ قَالَتْ : سُئِلَتْ عَائِشَةُ عن الْحَائِضِ يُصِيبُ ثَوْبَهَا الدَّمُ ؟ قالت : تَغْسِلُه ، فإنْ لم يَذْهَبْ أثَرُهُ فَلْيُتَغَيِّرْهُ بشيئٍ مِنْ صُفْرَةٍ وقالت : لَقَدْ كُنْتُ أَحِيْضُ عِنْدَ رسولِ الله صلى الله عليه وسلم ثَلَاثَ حِيَضٍ جَمِيْعًا لَا أَغْسِلُ لِي ثَوْبًا.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (١٧٩٧١).

ترجمہ : حضرت معاذہ کہتی ہیں کہ حضرت عائشہؓ سے اس حائضہ کے بارے میں پوچھا گیا جس کے کپڑوں پر دم حیض لگ جائے حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اسے دھو ڈالے، اور اگر اس کا اثر نہ زائل ہو تو اس کو صفرہ (زرد چیز) سے بدل دے، مجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس تین حیض اکٹھے آجاتے تھے اور میں اپنا کپڑا بالکل نہیں دھوتی تھی۔

تشریح مع تحقیق : اس باب میں مصنفؒ نے کل آٹھ روایتیں ذکر فرمائی ہیں، اور مقصد دم حیض سے کپڑے کو پاک کرنے کا طریقہ بتلانا ہے، اصل میں مصنفؒ نے اب تک نجاسات معنویہ سے طہارت کے طریقوں کو بیان کیا تھا جس میں وضوء اور غسل کا تفصیلی بیان آیا، اب نجاسات حسیہ سے طہارت کے مسائل پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں، نماز جیسی اہم عبادت کے لئے حیض جیسی نجاست حسیہ سے کپڑوں اور بدن کا پاک ہونا ضروری ہے، اس لئے سب سے پہلے اسی کو بیان فرمارہے ہیں۔

قوله : أم الحسن يعني جدة أبي بكر الخ : یہ راویہ مجہولہ ہیں، حافظ ابن حجرؒ نے تقریب میں اور امام ذہبی نے الکاشف میں ان کو مجہولین کی فہرست میں شمار کیا ہے۔

قوله : تَغْسِلُه الخ : یعنی اگر مدت حیض میں حائضہ کے کپڑوں پر حیض کا خون لگ جائے تو اس کو پانی سے دھولینا ضروری ہے لیکن اگر دھونے کے بعد بھی خون کا اثر باقی رہ جائے تو اس پر زعفران جیسی کوئی خوشبو مل لینی چاہئے، تاکہ نجاست کے وساوس ہی کا ازالہ ہو جائے۔

قوله : لا أغسل لي ثوبًا الخ : حضرت عائشہؓ مدت حیض کے گزرنے کے بعد اپنے کپڑوں کو نہیں دھوتی تھیں کیونکہ کمالِ احتیاط کی وجہ سے ان کے کپڑوں پر دم حیض کا کوئی دھبہ نہیں لگتا تھا اور اگر کبھی لگ جاتا تو اس کو دھو بھی لیتی تھیں جیسا کہ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے لیکن حکم میں مرفوع کے ہے، اس لئے کہ زمانہ حیض میں پہنے ہوئے کپڑوں کا نہ دھونا حضور ﷺ کی موجودگی میں ہوتا تھا اور آپ ﷺ انکار نہیں فرماتے تھے، اگر زمانہ حیض میں صرف پہننے کی وجہ سے کپڑے ناپاک ہو جاتے تو آپ ﷺ یقیناً دھونے کا حکم فرمادیتے۔

فقہ الحدیث

حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ دم حیض ناپاک ہے، نیز دم حیض کو دھونے کے بعد اگر اس کا اثر اور رنگ باقی رہ جائے تو وہ مضر نہیں البتہ اس پر خوشبو وغیرہ مل لینا بہتر ہے، حضرت عائشہؓ کے فعل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ عورت کو

نجاست سے تحفظ کی مکمل کوشش کرنی چاہئے۔

۳۵۸ ﴿حَدَّثَنَا محمدُ بنُ كثِيرٍ العَبْدِيُّ أنا إبراهيم بنُ نَافِعٍ قال : سَمِعْتُ الْحَسَنَ يَعْنِي ابنَ مُسْلِمٍ يَذْكُرُ عن مُجَاهِدٍ قال : قَالَتْ عَائِشَةُ : مَا كَانَ لِإِحْدَانَا إِلَّا ثَوْبٌ وَاحِدٌ تَحِيضُ فيه فَإِنْ أَصَابَهُ شَيْئٌ مِنْ دَمٍ بَلَّتْهُ بِرِيقِهَا ثُمَّ قَصَعَتْهُ بِرِيقِهَا.﴾

أخرجه البخاري في "صحيحه" باب: هل تصلي المرأة في ثوب حاضت فيه (٣١٢). انظر "تحفة الأشراف" (١٧٥٧٥).

قال الخطابي: معناه: دلكته به ومنه قصع القملة إذا شدخها بين أظفاره، فأما قصع الرطبة فهو بالفاء وهو أن يأخذها بين اصبعه فيغمزها أدنى غمز فتخرج الرطبة خالعة قشرها. انظر "معالم السنن" ٩٦/١.

ترجمہ : حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ازواج مطہرات کے پاس صرف ایک کپڑا ہوتا تھا، جس میں ہمیں حیض بھی آتا تھا اگر اس کپڑے میں کچھ خون لگ جاتا تو اپنے لعاب دہن سے اسے تر کر کے ناخن سے کھرچ دیتی تھی۔

تشریح مع تحقیق : حضرت عائشہؓ فرما رہی ہیں کہ ہمارے پاس ایک ہی کپڑا ہوتا تھا جسے ہم حیض اور طہر دونوں میں استعمال کرتے تھے، البتہ ایام حیض کے بعد یہ دیکھ لیا جاتا تھا کہ اس کپڑے پر کہیں آلودگی تو نہیں ہے، اگر کپڑے پر حیض کے خون کا کوئی دھبہ ہوتا تو "بَلَّتْهُ بِرِيْقِهَا" اس کو اپنے تھوک سے تر کرتی اور اس کے بعد اس کو اپنے ناخنوں سے مل دیتی۔

اس روایت سے احناف کی مسلک کی تائید ہوتی ہے کہ نجاست سے پاک کرنے کے لئے پانی متعین نہیں ہے بلکہ ہر بہنے والی چیز سے نجاست کو زائل کر سکتے ہیں، جیسا کہ اس روایت میں لعاب دہن کے استعمال کی صراحت ہے۔

شوافع چوں کہ غیر ماء سے ازالۂ نجاست کے قائل نہیں ہیں اس لئے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں اس روایت کی تاویل یہ کی ہے کہ لعاب دہن کا استعمال اس لئے تھا کہ اس کی شوریت کی وجہ سے خون کا دھبہ جلد دور ہو جاتا تھا اس سے کلی طور پر نجاست دور نہیں ہوتی۔

صاحب عمدۃ القاری اس حدیث کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کا ارشاد اس دور سے متعلق ہے جو تنگی کا دور تھا جس میں حیض اور طہر کا لباس الگ الگ نہ ہوتا تھا، لیکن فتوحات کے بعد یہ شکل نہ رہی، جیسا کہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کا ارشاد ہے کہ میں حیض شروع ہونے کے بعد اٹھی "فَأَخَذْتُ ثِيَابَ حَيْضَتِي" اور حیض کے ایام کے کپڑے پہن کر آئی، اس سے معلوم ہوا کہ ان کے یہاں ایام حیض اور ایام طہر کا لباس الگ تھا، اس سے بالکل صاف معلوم ہوا کہ قول عائشہؓ کا تعلق بدر اسلام سے ہے جو فی الواقع شدت اور تنگی کا دور تھا، اگر اللہ تعالیٰ وسعت اور کشائش عطا فرمائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ایام حیض اور ایام طہر کا لباس الگ الگ نہ رکھا جائے۔ (عمدۃ القاری ۱۳۲/۳)۔

قوله : بَلَّته : یہ باب نصر سے آتا ہے بمعنی تر کرنا، بھگونا، بخاری کی روایت میں بَلَّتْهُ کی جگہ "قَالَتْ بِرِيقِهَا" ہے مراد وہاں پر بھی تر کرنا ہی ہے۔

قوله : قَصَعَتْهُ بِرِيقِهَا الخ : ایک نسخہ میں "بظفرها" ہے یعنی خون آلود کپڑے کو لعاب دھن سے تر کر کے چٹکی میں لے کر ناخن سے اس کو کھرچ دیتی تھیں، بخاری شریف کی روایات میں قَصَعَتْهُ کی جگہ فَمَصَعَتْهُ کے الفاظ ہیں، لیکن معنی دونوں کے ایک ہی ہیں۔

۳۵۹ ﴿حَدَّثَنَا يعقوبُ بنُ إبراهيمَ ثنا عَبْدُالرحمنِ يَعْنِي ابنَ مَهْدِيٍّ ثنا بَكَّارُ بنُ يَحْيٰى، حَدَّثَنِي جَدَّتِي قالت : دَخَلْتُ عَلٰى أمِّ سَلَمَةَ فَسَأَلَتْهَا امْرَأَةٌ مِنْ قُرَيْشٍ عن الصلاةِ في ثوبِ الحائِضِ ؟ فَقَالَتْ أمُّ سَلَمَةَ : قَدْ كَانَ يُصِيبُنَا الْحَيْضُ عَلٰى عَهْدِ رسولِ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فَتَلْبَثُ إحدانا أَيَّامَ حَيْضِهَا ثُمَّ تَطَهَّرُ فَتَنْظُرُ الثَّوْبَ الذي كَانَتْ تَقَلَّبُ فِيْهِ، فَإِنْ أَصَابَهُ دَمٌ غَسَلْنَاهُ وإنْ لم يَكُنْ أَصَابَهُ شيئ تركْنَاهُ، ولم يَمْنَعْنَا ذلك مِنْ أَنْ تُصَلِّيَ فيه، وأمَّا الْمُمْتَشِطَةُ فَكَانَتْ إحْدَانَا تَكُوْنُ مُمْتَشِطَةً، فإذَا اغْتَسَلَتْ لم تَنْقُضْ ذلك ولكِنَّهَا تَحْفِنُ على رَأْسِهَا ثلاثَ حَفَنَاتٍ، فإذَا رَأَتِ الْبَلَلَ في أُصُوْلِ الشَّعْرِ دَلَكَتْهُ ثُمَّ أَفَاضَتْ على سَائِرِ جَسَدِهَا.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (۱۸۲۹۸).

ترجمہ : بکّار بن یحییٰ کہتے ہیں کہ مجھ سے میری دادی نے بیان کیا کہ میں ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کے پاس گئی، ان سے قریش کی ایک عورت نے سوال کیا حیض کے کپڑوں میں نماز پڑھنے کے سلسلے میں حضرت ام سلمہؓ نے کہا کہ ہم کو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں حیض آتا تھا، جب تک حیض آتا ٹھہرے رہتی، جب پاک ہوجاتی تو ان کپڑوں کو دیکھتی جو حیض کی حالت میں پہنے ہوتی تھی، اگر اس میں کہیں خون لگ گیا ہوتا تو اسکو دھو کر اس میں نماز پڑھ لیتی، اور اگر اس میں خون نہ لگا ہوتا تو چھوڑ دیتی اور انہیں میں نماز پڑھتی تھی اور وہ (حالت حیض میں کپڑوں کا پہننا) ہم کو (حیض کی حالت میں پہنے ہوئے کپڑوں میں) نماز پڑھنے سے نہیں روکتا تھا، اور ہم میں سے جس عورت کے بال گندھے ہوئے ہوتے وہ جب غسل کرتی تو اپنی چوٹی نہ کھولتی البتہ تین لپ پانی لے کر اپنے سر پر ڈالتی، جب تری بالوں کی جڑوں تک پہنچ جاتی تو ان کو ہاتھ سے ملتی اس کے بعد اپنے سارے بدن پر پانی ڈالتی۔

تشریح مع تحقیق : قوله : ثُمَّ تَطَهَّرُ : مضارع کا صیغہ ہے باب تفعل سے، ایک "تاء" تخفیفاً محذوف ہے۔

قوله : تقلّبُ فيه : اس میں بھی ایک "تاء" محذوف ہے، مراد زمانۂ حیض میں کپڑوں کو پہنے ہوئے ادھر ادھر آنا جانا ہے۔

قوله : الممتشطة : موصوف محذوف ہے أي المرأة الممتشطة اور یہ "امتشاط" سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، مراد وہ عورت ہے جس نے کنگھا کر کے اپنے بالوں کو باندھ رکھا ہو، غسلِ جنابت یا حیض کے لئے بندھے ہوئے بالوں کا کھولنا ضروری نہیں ہے جب کہ بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچ گیا ہو، تفصیل اس کی گزر چکی ہے۔

فقہ الحدیث

اس حدیث سے فقہاء نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ ایام حیض کا مستعمل کپڑا اگر خون آلودہ ہو گیا ہو تو اتنے حصہ کو دھویا جائے اور اگر آلودگی سے محفوظ ہے تو وہ پاک ہے اور اس میں نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

رجال الحدیث

سند میں بکار بن یحیٰ اور ان کی جدّہ دونوں مجہول ہیں، لیکن چونکہ مضمون روایت دیگر صحیح روایات سے مؤید ہے اس لئے قابلِ عمل ہے۔

۳۶۰ ﴿حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰه بنُ محمدِ النُّفَيْلِيُّ ثَنَا محمد بنُ سَلَمَةَ عن محمد بنِ إسحاقَ عن فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ عن أَسْمَاءَ بِنتِ أبي بَكْرٍ قَالَتْ : سمعتُ امرأةً تَسْأَلُ رسولَ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كَيْفَ تَصْنَعُ إِحْدَانَا بِثَوْبِهَا إِذَا رَأَتِ الطُّهْرَ أَتُصَلِّي فيه قال : تَنْظُرُ فإِنْ رَأَتْ فيه دَمًا فَلْتَقْرُصْهُ بِشَيْئٍ مِنْ مَآءٍ و لْتَنْضَحْ مَا لَمْ تَرَ و لْتُصَلِّي فيه.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (۱۵۷٤۳).

ترجمہ : حضرت اسماء بنت ابی بکر کہتی ہیں کہ میں نے ایک عورت کو حضور ﷺ سے یہ سوال کرتے ہوئے سنا کہ جب ہم سے کوئی عورت پاکی (طہر کے زمانہ) کو دیکھے تو وہ اپنے (حیض کے زمانے کے) کپڑے کا کیا کرے؟ کیا اسی میں نماز پڑھ لے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے دیکھو اگر اس میں خون نظر آئے تو تھوڑے سے پانی سے اسے کھرچ دو اور چھینٹا مار دو جب تک نظر نہ آئے، پھر اس میں نماز پڑھ لو۔

تشریح مع تحقیق : اگلی روایت بھی اسی حدیث کا طریق ثانی ہے لہٰذا اس کا ترجمہ نقل کرنے کے بعد دونوں کی تشریح ایک ساتھ کی جائے گی۔

۳۶۱ ﴿حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰه بن مَسْلَمَةَ عن مَالِكٍ عن هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ عن فَاطِمَةَ بِنْتِ المنذِرِ

عن أسماءَ بنتِ أبي بكرٍ أنها قالت: سَأَلَتْ امرأةٌ رسولَ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فقالت: يا رسولَ اللّٰه! أ رَأَيْتَ إحدانَا إذَا أصابَ ثَوبَهَا الدَّمُ مِنَ الحِيْضَةِ كَيْفَ تَصْنَعُ؟ قال: إذَا أَصَابَ احْدَاكُنَّ الدَّمُ مِنَ الْحَيْضِ فَلْتَقْرُصْهُ ثُمَّ لِتَنضَحْهُ بالمآءِ ثُمَّ لِتُصَلِّي.

أخرجه البخاري في "صحيحه" في كتاب الوضوء، باب: غسل الدم (٢٢٧) وفي كتاب الحيض (٣٠٧) وأخرجه مسلم في "صحيحه" في الطهارة، باب: نجاسة الدم وكيفية غسله ١١٠، (٢٩١)، وأخرجه في "جامعه" في كتاب الطهارة، باب: ما جاء في غسل دم الحيض من الثوب (١٣٨). وأخرجه النسائي في كتاب الطهارة، باب: دم الحيض يصيب الثوب (٢٩٢) في كتاب الحيض والاستحاضة، باب: دم الحيض يصيب الثوب (٢٩٣) وأخرجه ابن ماجه في كتاب: الطهارة وسننها، باب: ما جاء في دم الحيض يصيب الثوب (٩٢٦). انظر "تحفة الأشراف" (١٥٧٤٣).

قال الخطابي: أصل القرص أن يقبض بأصبعه على الشيء ثم يغمزه غمزًا جيدًا والنضح: الرش وقد يكون أيضًا بمعنى الغسل والصب، انظر "معالم السنن" ٩٧/١.

ترجمہ: حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت (وہ خود اسماء تھیں) نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ بتلایئے ہم میں سے کسی عورت کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو وہ کیا کرے؟ آپ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو اس کو کھرچ ڈالے پھر پانی سے دھو کر اس میں نماز پڑھ لے۔

تشریح مع تحقیق: حضرت اسماءؓ کی اس حدیث کو امام شافعیؒ نے بھی ذکر کیا ہے، اس میں صراحت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے والی خود حضرت اسماء ہی تھیں، صحیحین میں بھی یہ روایت مخرج ہے، امام نوویؒ پر حیرت اور تعجب ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو صحیح السند ہونے کے باوجود ضعیف قرار دیا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ کوئی بعید بات نہیں ہے کہ راوی حدیث اپنے آپ کو مبہم طور پر بغیر اپنا نام لئے ذکر کرے، یہاں حضرت اسماءؓ نے ایسا ہی کیا جو حیاء کے عین مطابق ہے۔

مضمون حدیث واضح ہے کہ جب ایک عورت نے (خود اسماء نے) سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: فلتقرُصْهُ ثم لتنضَحْهُ" کہ کپڑے پر لگے ہوئے حیض کے خون کو کھرچ ڈالے پھر پانی ڈال کر دھو دے، یہاں پر "نضح" کا ترجمہ بالاتفاق دھونا ہی ہے، کھرچنے کی ضرورت اس لئے ہے کہ خون منجمد ہو جاتا ہے، پانی میں بھگو کر اس اثر کو زائل کرنے کی ضرورت ہے، جو کپڑے کے تاروں میں جذب و پیوست ہو جاتا ہے، یہاں سے ترجمۃ الباب بھی ثابت ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیض کے خون آلود کپڑے کو دھونے کا حکم دیا۔ (عمدۃ القاری ۶۳۱/۲)۔

دھونے میں تین کے عدد کی شرعی حیثیت

اس حدیث سے ایک یہ بات ثابت ہوئی کہ ازالہ نجاست کے لئے ناپاک چیز کو پاک کرنے کے لئے کوئی عدد شرط نہیں ہے، بلکہ اصل مقصد ازالہ نجاست اور صفائی ہے، پس اگر نجاست محسوس اور مرئی ہو تو جب زوال نجاست ہو جائے گا پاکی حاصل ہو جائے گی اور اگر نجاست غیر محسوس اور غیر مرئی ہو جیسے پیشاب کپڑے وغیرہ میں جذب ہو جائے تو زوال نجاست کے ظن غالب سے کپڑا پاک ہو جائے گا، سہولت کے پیش نظر تین مرتبہ دھو کر نچوڑ دینے کو غلبۂ ظن کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے۔

فقہ الحدیث

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے عمدۃ القاری (۶۳۰/۲) پر لکھا ہے کہ اس حدیث سے فقہائے امت نے متعدد شرعی احکام مستنبط کئے ہیں:

۱- عورت کو مرد سے براہ راست دینی مسائل معلوم کرنا جائز ہے۔
۲- شرعی ضرورت کے موقعہ پر مرد کے لئے عورت کی آواز کو سننا جائز ہے۔
۳- زمانہ حیض میں عورت کو نماز پڑھنا حرام ہے، حتی کہ اثناء نماز میں اگر حیض جاری ہو جائے تو باجماع امت اس کی نماز فاسد ہو جائے گی خواہ فرض نماز ہو یا نفل۔
۴- زمانہ حیض ختم ہوتے ہی نماز فرض ہو جاتی ہے۔
۵- خون ناپاک ہے جس چیز کو تر خون لگ جائے وہ ناپاک ہو جاتی ہے۔ (المنہل ۲۳۲/۳)۔

۳۶۲ ﴿حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ ثَنَا حَمَّادٌ ح وحدثنا مُسَدَّدٌ قال : حدثنا عِيسٰى بنُ يُونُسَ ح وحدثنا موسى بنُ إسماعيلَ نا حَمَّادٌ يَعْنِي ابنَ سَلَمَةَ عن هِشَامٍ بِهٰذَا المعنى قالا : حُتِّيهِ ثم اقْرُصِيهِ بالمآءِ ثم انْضَحِيهِ.﴾

أخرجه النسائي في "المجتبى" في الحيض، باب: دم الحيض يصيب الثوب (٣٩٢). انظر الحديث السابق و "تحفة الأشراف" (١٥٧٤٣).

ترجمہ : حضرت ہشام سے بھی اسی طرح (سابقہ روایت کی طرح) مروی ہے، اس میں ہے کہ کھرچ ڈال پھر پانی ڈال کر مل، پھر دھو دے۔

تشریح مع تحقیق : یہاں سند میں دو جگہ "ح" تحویل ہے جس سے مصنفؒ نے یہ اشارہ کیا ہے کہ

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث تین طرق سے مروی ہے، جن میں سے وہ دو طریق مسدد سے مروی ہیں ایک موسیٰ بن اسماعیل سے، اور مدار سب کا ہشام پر ہے، اور اس سے پہلے جو روایت کی گئی تھی اس کی سند کا مدار محمد بن اسحاق پر تھا، گویا مدار سند اس جگہ دو ہوئے ایک ہشام بن عروہ اور دوسرے محمد بن اسحاق، اب مصنفؒ اس طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ محمد بن اسحاق نے ہشام کی مخالفت کی ہے وہ اس طرح کہ ان کی روایت میں "ولتنضح ما لم تر" کا اضافہ ہے جب کہ ہشام کی روایت اس اضافہ سے خالی ہے۔

قوله : "قالا" : حُتِّيهِ الخ : یہاں "قالا" کی ضمیر یا تو راجع ہے مسدد اور موسیٰ بن اسماعیل کی طرف، یا راجع ہے حماد بن زید اور حماد بن سلمہ کی طرف۔

حُتِّيهِ : صیغۂ امر ہے، حَتَّ (ن صحیح مضاعف) حَتًّا : کھرچنا، حَكّ بھی اسی معنی میں آتا ہے، اور یہ کھرچنا عام ہے پتھر سے ہو یا لکڑی سے یا ناخن سے۔

اقرصیه : یہ بھی صیغۂ امر ہے قَرَصَ (ن صحیح سالم) قرصًا : پانی ڈال کر انگلیوں کے پوروں سے خوب رگڑنا، ملنا۔

انضحیه : یہ بھی صیغۂ امر ہے نَضَحَ (ف صحیح سالم) نَضْحًا : چھینٹا مارنا، لیکن یہاں یہ لفظ غَسَلَ کے معنی میں ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حیض کا خون نجس ہوتا ہے حتی الامکان اس کے ازالہ میں مبالغہ کرنا چاہئے۔

۳۶۳ ﴿حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ ثَنَا يَحْيٰى يعني ابنَ سعيدٍ القَطَّانُ عن سفيانَ قال : ثَنِي ثَابِتٌ الحَدَّادُ ثَنِي عَدِيّ بنُ دِيْنَارٍ ، قال : سمعتُ أمَّ قَيسٍ بِنتِ مِحْصَنٍ تَقُوْلُ : سَأَلْتُ النبيَّ ﷺ عن دَمِ الْحَيْضِ يَكُوْنُ فِي الثوبِ ، قال : حُكِّيْهِ بِضِلَعٍ واغْسِلِيْهِ بماءٍ وسِدْرٍ .﴾

أخرجه النسائي في "المجتبى" في الطهارة، باب: دم الحيض يصيب الثوب (٢٩١) و(٢٩٣) وأخرجه ابن ماجه في الطهارة وسننها، باب: ما جاء في دم الحيض يصيب الثوب (٦٢٨). انظر "تحفة الأشراف" (١٨٣٤٤).

قال الخطابي: قوله: "اغسليه بماء" دليل على أن النجاسات إنما تزال بالماء دون غيره من المائعات لأنه إذا أمر بإزالتها بالماء فأزالها بغيره كان الأمر باقيًا لم يمتثل، وإذا وجب ذلك عليه في الدم بالنص كان سائر النجاسات بمثابة لا فرق بينهما في القياس، وإنما أمر بحكه بالضلع ليتقلع المتجسد منه اللاصق بالثوب ثم تتبعه بالماء ليزيل الأثر. انظر "معالم السنن" ٩٧/١.

ترجمه : حضرت ام قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے کپڑے میں لگے ہوئے دمِ حیض کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ لکڑی سے اس کو کھرچ دو اور پانی و بیری سے اس کو دھو دو۔

تشریح مع تحقیق : الضِّلَع : بکسر الضاد وفتح اللام، اس کے لغوی معنی ہیں پسلی، لیکن یہاں عُود یعنی لکڑی کے معنی میں ہے۔

امام خطابی نے معالم السنن میں لکھا ہے کہ لکڑی کے ذریعہ کھرچنے سے کپڑے میں جما ہوا خون بآسانی چھوٹ جاتا

ہے، پھر بعد میں پانی ڈالنے سے نجاست کا اثر بالکل زائل ہو جاتا ہے، پھر مزید انقاء کے لئے پانی میں بیری کے پتوں کو ڈال لینا چاہئے، موجودہ دور میں صابون وغیرہ کو استعمال کر لینا چاہئے۔

۳۶۴ ﴿حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ ثَنَا سفيانُ عن ابنِ أبي نَجيحٍ عن عطاءٍ عن عائِشَةَ قالت : كَانَ يكون لِإحْدَانَا الدِّرْعُ ، فيه تَحِيضُ وفيه تُصِيبُهَا الجنابَةُ ، ثم تَرَى فيه قَطْرَةً مِنْ دَمٍ فَتَقْصَعُهُ بِرِيقِهَا.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (١٧٣٨١).

ترجمہ : حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم میں سے کسی کے پاس صرف ایک کرتہ ہوتا اسی کو حیض میں پہنتی، اسی میں جنابت ہوتی اگر کہیں اس میں ایک قطرہ خون کا لگا ہوا ہوتا تو تھوک لگا کر اس کو مل ڈالتی۔

تشریح مع تحقیق : قوله : كَانَ يكون لإحدانا الخ : یہاں كَانَ تامہ ہے جس کو خبر کی ضرورت نہیں، بلکہ اسم ہی پر تام ہو جاتا ہے، اور "یکون" ناقصہ ہے "الدرع" اس کا اسم ہے اور "لِإحْدَانَا" اس کی خبر ہے۔

حضرت عائشہؓ کے بیان کا مطلب یہ ہے کہ ازواج مطہرات کے پاس شروع زمانۂ اسلام میں بسا اوقات ایک ہی کپڑا ہوتا تھا، حالت حیض وطہر میں اسی کو استعمال کیا جاتا تھا، اگر زمانۂ حیض کے دوران اس میں خون کا کوئی دھبہ یا نشان لگ جاتا تو اس کو لعاب دہن کے ذریعہ تر کر کے مل دیا جاتا تھا۔

اس حدیث میں صرف لعاب دہن سے رگڑنے کا ذکر ہے دھونے کا کوئی ذکر نہیں ہے، اس کی کئی وجہ ہو سکتی ہیں:

۱- یہ لعاب دہن سے اس کو تر کرنا اور رگڑنا زمانۂ حیض میں تھا انقطاع حیض کے بعد نہیں، لہٰذا کپڑے کو پاک کرنے کی ضرورت نہیں۔

۲- بوجہ دم کے مقدار قلیل ہونے کے، جو کہ شرعاً معاف ہے۔

۳- گو اس روایت میں غسل مذکور نہیں ہے لیکن مراد ضرور ہے۔

۴- احناف یہ کہتے ہیں کہ غیر ماء بھی چوں کہ مزیل نجاست ہے اس لئے لعاب دہن پر اکتفاء کر لیا۔ (المنہل، الدر)

۳۶۵ ﴿حَدَّثَنَا قتيبةُ بنُ سعيدٍ، حدثنا ابنُ لهيعةَ، عن يزيد بنِ أبي حبيب عن عيسى بن طلحةَ عن أبي هريرةَ أنَّ خَوْلَةَ بِنْتَ يَسَارٍ أَتَتِ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فقالت: يا رسولَ اللّٰه! إنّه ليس لي إلّا ثوبٌ واحِدٌ وأنا أَحِيْضُ فيه، فكيف أَصْنَعُ؟ قال: إذا طَهَرْتِ فاغْسِلِيهِ، ثم صَلِّي فيه، فَقَالَتْ: فإن لم يخرج الدَّمُ؟ قال: يكفيكِ غَسْلُ الدَّمِ ولا يَضُرُّكِ أَثَرُهُ.﴾ (أخرجه أحمد في مسنده حديث/ ٨٥٤٩)

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (١٤٢٨٦). وهذا الحديث زيادة من النسخة الهندية، وغير موجود في النسخة المصرية.

ترجمه : حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت خولہ بنت یسار حضور ﷺ کی خدمت میں تشریف لائیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے پاس صرف ایک کپڑا ہے جس میں مجھے حیض آتا ہے اب میں کیا کروں؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تم حیض سے پاک ہو جاؤ تو اس کو دھو کر نماز پڑھ لو انھوں نے کہا کہ اگر چہ خون نہ نکلے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمکو خون کا دھو لینا کافی ہے اس کا نشان کوئی مضر نہیں ہے۔

تشریح حدیث: یہ حدیث ہمارے ہندوستانی نسخہ میں نہیں ہے بلکہ مصری نسخے سے نقل کردی گئی ہے، مضمون اس کا واضح ہے۔

﴿بابُ الصلاةِ في الثوبِ الذي يُصِيبُ أَهْلَه فيه﴾

جس کپڑے میں بیوی سے جماع کرے اس میں نماز پڑھنے کا بیان

٣٦٦ ﴿حَدَّثَنَا عِيْسٰى بنُ حَمَّادٍ المِصْرِيُّ أنا اللَّيْثُ عن يزيدَ بنِ أبي حَبِيْبٍ عن سُوَيْدِ بنِ قَيْسٍ عَنْ معاويةَ بنِ حُدَيْجٍ عن معاويةَ بنِ أبي سفيانَ أَنَّه سَأَلَ أُخْتَهُ أمَّ حَبِيْبَةَ زَوْجَ النبي صلى الله عليه وسلم : هَلْ كَانَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم يُصَلِّي فِي الثَّوْبِ الذي يُجَامِعُهَا فيه ؟ فقالت : نَعَمْ ، إذَا لَمْ يَرَ فيه أَذًى.﴾

أخرجه النسائي في "المجتبى" في الطهارة، باب: المني يصيب الثوب (٢٩٣) وأخرجه ابن ماجه في "سننه" في الطهارة وسننها، باب: الصلاة في الثوب الذي يجامع فيه (٥٤٠). انظر "تحفة الأشراف" (١٥٨٦٨).

ترجمه : حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے اپنی بہن حضرت ام حبیبہؓ جو کہ حضور ﷺ کی زوجہ تھیں، سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ اس کپڑے میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے جس کو پہن کر ان سے صحبت کرتے تھے، ام حبیبہؓ نے کہا کہ ہاں! جب اس میں نجاست نہ ہوتی۔

تشریح مع تحقیق : معاوية بن حديج : بضم الحاء وفتح الدال مصغرًا ، ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے، امام بخاریؒ اور ابو حاتم رازی وغیرہ نے ان کو صحابی قرار دیا ہے، جب کہ ابن حبان نے ان کو تابعی لکھا ہے، ہمارے ہندی نسخہ میں حُدَيج" کی جگہ "خُديج" بالخاء ہو گیا ہے جو کہ تصحیف ہے اصل بالحاء ہی ہے۔

مصنفؒ نے اس باب کے تحت یہ مسئلہ ثابت کیا ہے کہ آدمی جس کپڑے کو پہن کر اپنی بیوی سے جماع کرے وہ کپڑا پاک رہتا ہے مگر یہ کہ اس پر نجاست لگ جائے، اگر اس پر نجاست یعنی منی لگ جائے تو وہ کپڑا ناپاک ہو جائے گا، جس میں

بغیر دھوئے نماز پڑھنا ٹھیک نہیں ہوگا۔

احناف نے اس روایت سے نجاستِ منی پر استدلال کیا ہے، اس لئے کہ حضرت ام حبیبہؓ نے منی پر اذی کا اطلاق کیا ہے اور یہ بھی بتلایا ہے کہ اگر کپڑے پر منی لگی ہوتی تو آپ ﷺ اس میں نماز نہیں پڑھتے، اگر منی پاک ہوتی تو آپ ﷺ اسی میں نماز پڑھ لیتے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں اس استدلال کو بعید قرار دیا ہے، لیکن علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری میں حافظؒ کی بات کو رد کردیا ہے اور لکھا ہے: هذه مكابرة فيما قاله"۔ (المنہل ۲۳۷/۳)

﴿بابُ الصلاة في شُعُر النساء﴾

عورتوں کے کپڑوں پر نماز پڑھنے کا بیان

۳۶۷ ﴿حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بنُ معاذٍ نَا أبي نَا أَشْعَثُ عن محمد بنِ سِيْرِيْنَ عن عَبْدِ اللهِ بن شَقِيْقٍ عن عَائشَةَ قَالَتْ : كَانَ رسول الله صلى الله عليه وسلم لايُصلّي في شُعُرِنَا أو لُحُفِنَا ، قال عُبَيْدُ اللهِ : شَكَّ أبي.﴾

أخرجه الترمذي في "جامعه" في الصلاة، باب: في كراهية الصلاة في لحف النساء (٦٠٠) وأخرجه النسائي في "المجتبى" في الزينة، باب: (١١٥) للحف (٥٣٨١) انظر "تحفة الأشراف" (١٦٢٢١).

قال الخطابي: "الشُّعُر": جمع شعار، على زنة كتاب وكتب، وهو الثوب الذي يلي البدن، وأما الدثار، بزنة الكتاب أيضًا، فهو ما يلبسه فوق الشعار: انظر "معالم السنن" ٩٧/١. قال في "النهاية" إنما امتنع من الصلاة فيه مخافة أن يكون أصابها شيء من دم الحيض.

ترجمہ : حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے شعار یا لحاف میں نماز نہیں پڑھتے تھے، عبید اللہ نے کہا کہ میرے والد معاذ کو شک ہوا (کہ حضرت عائشہؓ نے "في شعرنا" کہا یا "لحفنا" کہا)

تشریح مع تحقیق : شُعُرٌ : شِعَار کی جمع ہے: بدن سے لگا ہوا کپڑا، تحتانی لباس، اس کے مقابل "دِثَار" آتا ہے یعنی اوپر والا کپڑا، لیکن یہاں شعار سے دثار مراد لیا گیا ہے، جیسے چادر، دوپٹہ اور کمبل وغیرہ۔

صاحب منہل لکھتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ اپنی بیویوں کے کپڑوں میں اسلئے نماز نہیں پڑھتے تھے کہ ان میں دم حیض کے لگے ہوئے ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، کیونکہ جماع کے وقت چادر وغیرہ میں نجاست لگ ہی جاتی ہے۔ (المنہل ۲۳۸/۳)۔

صاحب الدرر المنضود نے حضرت گنگوہیؒ کے حوالے سے اس کی دو وجہ اور بھی لکھی ہیں ایک یہ کہ عورتوں کے مزاج میں طہارت کے مسئلے میں احتیاط نہیں ہوتی، لہٰذا مردوں کو ان کے کپڑوں کے استعمال میں احتیاط کرنی چاہئے۔

دوسری وجہ یہ لکھی ہے کہ ہر ملبوس میں لابس کی بو ہوتی ہے، تو ایسی صورت میں عورت کی چادر وغیرہ میں نماز پڑھنے میں شغل بال کا اندیشہ ہے کہ خیال اس کی طرف جائے گا۔ (الدر المنضود ۱/۲۵۶)۔

صاحب انوار المحمود نے یہاں ایک اشکال یہ کیا ہے حدیث سے ترجمۃ الباب کے ثبوت میں تردد ہے وہ اس لئے کہ ترجمۃ الباب میں "شعر" میں نماز پڑھنا مذکور ہے، اور حدیث میں "شعرنا او لحفنا" شک کے ساتھ ہے، لہٰذا حدیث میں شعر کا لفظ مشکوک ہوا تو ترجمہ کا ثبوت بھی مشکوک ہوگا۔

لیکن جواب اس اشکال کا یہ ہے کہ اگر حدیث میں لفظ "شعر" ہے تب تو ترجمۃ الباب کے ثبوت میں کوئی اشکال نہیں، اور اگر لفظ "لحف" ہے تو یہ کہا جائے گا کہ "لحف" کی عمومیت میں شعر داخل ہوتا ہے، یا یہ کہا جائے کہ جب لحاف کا حکم یہ ہے تو شعار کا حکم بدرجہ اولیٰ یہی ہوگا اس لئے کہ شعار نجاست کے زیادہ قریب ہوتا ہے بہ نسبت لحاف کے۔ (انوار المحمود ۱/۱۴۸)۔

نیز یہ حکم استحباب پر محمول ہے، یا اس صورت پر جب کہ کپڑے پر منی کا لگا ہوا ہونا یقینی ہو۔ واللہ اعلم

قوله : "قال عبيد الله : شَكَّ أبي الخ" : منصفؒ کے استاذ عبید اللہ بن معاذ کہتے ہیں کہ میرے والد معاذ بن معاذ بن حسان کو اپنے استاذ اشعث بن عبد الملک سے نقل کرنے میں یہ شک واقع ہوا ہے کہ حضرت نے "في شعرنا کہا تھا یا في لحفنا" کہا تھا۔

۳۶۸ ﴿حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بنُ عَلِيٍّ نَا سليمانُ بن حَرْبٍ نا حَمَّادٌ عَنْ هِشَامٍ عَنِ ابنِ سيرينَ عَنْ عَائشةَ أنَّ النبي صلى الله عليه وسلم كَانَ لَا يُصَلِّي فِي مَلَاحِفِنَا.

قال حَمَّادٌ: وسمعتُ سعيدَ بنَ أبي صَدَقَةَ قال : سَأَلْتُ مُحَمَّدًا عَنْهُ فَلَمْ يُحَدِّثنِي وقال: سَمِعْتُه مُنْذُ زَمَانٍ ولا أَدْرِي مِمَّنْ سَمِعْتُه ، ولا أَدْرِي أَسَمِعْتُهُ مِنْ ثَبْتٍ أو لَا ، فَسَلُوا عَنْهُ.﴾

تقدم تخريجه في الحديث السابق. تفرد به أبو داود بهذا الإسناد. انظر "تحفة الأشراف" (۱۷۵۸۹).

ترجمه : حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ ہمارے لحافوں میں نماز نہیں پڑھتے تھے۔

حماد نے کہا کہ میں نے سعید ابن ابی صدقہ سے سنا انہوں نے محمد بن سیرین سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے بیان نہیں کیا، اور کہا کہ ایک مدت پہلے اس کو میں نے سنا تھا معلوم نہیں کہ جس سے میں نے سنا تھا وہ ثقہ ہے یا نہیں، تحقیق کرلو۔

تشریح مع تحقیق : مَلَاحِف : مِلْحَفَةٌ کی جمع ہے، بمعنی لحاف، صاحب منہل لکھتے ہیں کہ یہ لفظ عام ہے لحاف اور ان تمام کپڑوں کو شامل ہے جو لباس ملبوس کے اوپر استعمال کیے جاتے ہیں، اس حدیث کی تخریج امام ترمذیؒ

نے بھی کی ہے اور اس پر صحت کا حکم لگایا ہے۔

قوله: قال حَمَّادٌ : وسمعت سعيد بن أبي صدقة الخ : مصنفؒ کی غرض اس کلام سے سند میں انقطاع کو بیان کرنا ہے، وہ اس طرح کہ حماد بن زید نے اس حدیث کو "عن هشام عن ابن سيرين عن عائشة" کے طریق سے بیان کیا ہے، جب کہ محمد بن سیرین نے حضرت عائشہؓ سے کوئی حدیث نہیں سنی ہے، لہٰذا سند میں منقطع ہوگئی۔

پھر مصنفؒ اس انقطاع کو سعید بن ابی صدقہ کے قول سے ثابت کر رہے ہیں، کہ سعید نے محمد بن سیرین سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اس حدیث کے بیان کرنے سے معذرت کر دی کہ میں نے یہ حدیث بہت دن پہلے سنی تھی لیکن یاد نہیں رہا کہ کس سے سنی تھی اور جس سے سنی تھی وہ ثقہ تھے یا غیر ثقہ۔

یہاں پر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس سند میں انقطاع صرف حماد بن زید کے طریق میں ہے اس سے پہلی سند میں جو اشعث بن عبدالملک سے ہے وہ انقطاع سے محفوظ ہے، کیوں کہ اس میں محمد بن سیرین اور عائشہؓ کے درمیان عبداللہ بن شقیق کا واسطہ موجود ہے، جو ثقہ راوی ہیں، اور سند ثانی کا انقطاع سند اول کے حق میں مضر نہ ہوگا، اس لئے کہ محمد بن سیرین کو ایک عرصہ کے بعد نسیان طاری ہوا ہے شروع میں ان کو یہ سند محفوظ تھی، تو جس راوی نے ان سے سند کو متصلاً ذکر کیا تو اس کی روایت شروع زمانہ کی ہوئی، لہٰذا ان کا قول اس شخص پر حجت ہوگا جو نسیان کے بعد نقل کر رہا ہے۔ (المنہل ۲/۲۳۹)

﴿باب الرخصة في ذلك﴾

عورتوں کے کپڑوں پر نماز پڑھنے کے جواز کا بیان

۳۶۹ ﴿حَدَّثَنا محمد بنُ الصَّبَّاحِ بنِ سُفْيَانَ نا سُفْيَانُ عن أبي إسحاقَ الشَّيْبَانِيِّ سَمِعَهُ مِنْ عبدِاللّٰه بنِ شَدَّادٍ يُحَدِّثُهُ عن مَيْمُونَةَ أنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم صَلّٰى وَعَلَيْهِ مِرْطٌ، وَعَلٰى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ مِنْهُ، وهِيَ حَائِضٌ وهُوَ يُصَلِّي وهو عَلَيْهِ.﴾

أخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة، باب: في الصلاة في ثوب الحائض (٦٥٣). انظر "تحفة الأشراف" (١٨٠٦٣).

ترجمہ : حضرت میمونہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی ایک چادر اوڑھ کر جس کو آپ ﷺ کی ایک زوجہ بھی اوڑھے ہوئے تھیں، اور وہ حائضہ تھیں۔

تشریح مع تحقیق : مطلب یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے، برابر میں کوئی زوجۂ محترمہ موجود تھیں، باب کی اگلی روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ حضرت عائشہؓ تھیں، اور ابن ماجہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت میمونہ تھیں، آپ ﷺ پر جو چادر تھی اس کا کچھ حصہ آپ ﷺ کی ان زوجہ کے اوپر بھی تھا۔

فقہ الحدیث

حدیث باب سے ایک چادر میں مرد و عورت کا اشتراک بحالت صلاۃ ثابت ہوگیا، البتہ اس کی تعیین نہیں ہوئی کہ یہ چادر آپ ﷺ کی تھی یا کسی زوجہ محترمہ کی تھی، اس کے ثبوت وتعیین کے لئے اگلی روایت آرہی ہے۔

۳۷۰ ﴿حَدَّثَنَا عثمانُ بنُ أبي شَيْبَةَ نَا وَكِيعُ بنُ الجَرّاحِ نَا طَلحةُ بنُ يَحيٰى عن عُبَيْدِ اللّٰه بنِ عَبْدِاللّٰه بنِ عُتبَةَ عن عائشةَ قَالَتْ : كَانَ رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يُصَلِّي بالليلِ وأنَا إلٰى جَنْبِهِ و أنَا حَائِضٌ وعَلَيَّ مِرْطٌ لِي وَ عَلَيْهِ بَعْضُهُ.﴾

أخرجه مسلم في "صحيحه" في الصلاة، باب: الاعتراض بين يدي المصلي (٢٧٤). والنسائي في (المجتبیٰ" في القبلة، صلاة الرجل في ثوب بعضه على امرأته (٧٦٧). وابن ماجه في "سننه" في الطهارة وسننها، باب: في الصلاة في ثوب الحائض (٦٥٢). انظر "تحفة الأشراف" (١٦٣٠٨).

ترجمہ : حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ رات میں نماز پڑھتے تھے اور میں آپ ﷺ کے برابر میں لیٹی ہوتی تھی، اور میں حائضہ ہوتی تھی، مجھ پر میری چادر ہوتی جس کا کچھ حصہ حضور ﷺ پر بھی ہوتا تھا۔

تشریح مع تحقیق : یہ روایت اس بارے میں صریح ہے کہ حضور ﷺ حضرت عائشہؓ کی چادر میں ہی نماز پڑھ لیتے تھے، لیکن یہ اس حالت پر محمول ہے جب کہ چادر میں نجاست کے نہ لگنے کا یقین ہو۔

صاحب منہل لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے آپ ﷺ کی کمالِ تواضع اور اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ حسنِ معاشرت کا پتہ چلتا ہے۔ (المنہل ۳/۲۴۱)۔

﴿باب المني يُصِيبُ الثوبَ﴾

کپڑے پر منی کے لگ جانے کا بیان

۳۷۱ ﴿حَدَّثَنَا حَفْصُ بنُ عُمَرَ عن شُعْبَةَ عن الْحَكَمِ عن إبْرَاهِيمَ عن هَمَّامِ بنِ الحارِثِ أنَّه كَانَ عِندَ عائشةَ فَاحْتَلَمَ فَأبْصَرَتْهُ جاريةٌ لِعَائشَةَ وهو يَغْسِلُ أثَرَ الْجَنابَةِ مِنْ ثَوْبِهِ أو يَغْتَسِلُ ثَوْبَهُ ، فَأَخْبَرَتْ عائشَةَ ، فقالت : لَقَدْ رَأَيْتُنِي وأنَا أَفْرِكُهُ مِن ثوبِ رسولِ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم.﴾

أخرجه مسلم في "صحيحه" في الطهارة، باب: حكم المني (١٠٦ و ١٠٧) وأخرجه النسائي في "المجتبیٰ" في الطهارة وسننها، باب: في فرك المني من الثوب (٢٩٦ و٢٩٧ و٢٩٨) وأخرجه ابن ماجه في "سننه" في الطهارة وسننها، باب: في فرك المني من الثوب (٥٣٧). انظر "تحفة الأشراف" (١٧٦٧٦).

ترجمہ : ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ ہمام بن حارث حضرت عائشہؓ کے پاس (مہمان) تھے ان کو احتلام ہوا، حضرت عائشہؓ کی ایک باندی نے ان کو کپڑے سے جنابت کے اثر (منی) کو دھوتے ہوئے دیکھا اور حضرت عائشہؓ سے کہہ دیا، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے خود کو دیکھا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے اس کو مل ڈالتی تھی۔

تشریح مع تحقیق : اس روایت سے تو معلوم ہو رہا ہے کہ مہمان حضرت ہمام بن حارث تھے اور مسلم شریف کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے مہمان عبداللہ بن شہاب خولانی تھے جن کو احتلام ہو گیا تھا، امام نوویؒ نے اس کو تعدد واقعہ پر محمول کیا ہے۔

قوله : أفركه : باب نصر اور ضرب دونوں سے آتا ہے، بمعنی ناخن سے کھرچنا۔

اس باب میں مصنفؒ نے حضرت عائشہؓ کی حدیث کو تین سندوں سے نقل کیا ہے، اور مقصد منی کی پاکی اور ناپاکی کے مسئلہ کو بیان کرنا ہے، مسئلہ مختلف فیہ ہے، مناسب ہے کہ پہلے حدیثوں کا ترجمہ اور تشریح کی جائے اور اس کے بعد مسئلہ مختلف فیہ پر سیر حاصل بحث کی جائے، لہٰذا پہلے تینوں حدیثوں کا ترجمہ پیش خدمت ہے اسکے بعد مسئلہ کی وضاحت ہے۔

۳۷۲ ﴿حَدَّثَنَا موسٰى بنُ إسماعيلَ نَا حَمَّادُ بن سَلَمَةَ عن حَمَّادِ بنِ أبي سُلَيْمَانَ عن إبراهيمَ عن الْأَسْوَدِ أنَّ عائشةَ قَالَتْ : كُنْتُ أَفْرُكُ الْمَنِيَّ من ثوبِ رسولِ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فَيُصَلِّي فيه.

قال أبو داؤد: وَافَقَهُ مُغِيرَةُ ، وأبو مَعْشَرٍ، و وَاصِلٌ، و رَوَاهُ الْأَعْمَشُ كَمَا رَوَاهُ الْحَكَمُ.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (١٥٩٣٧).

ترجمہ : حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں حضور اکرم ﷺ کے کپڑے سے منی کو کھرچ دیا کرتی تھی، تو آپ ﷺ اسی کپڑے میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔

ابوداؤدؒ کہتے ہیں کہ حماد بن ابی سلیمان کی موافقت مغیرہؒ، ابومعشرؒ اور واصلؒ نے کی ہے، اور سلیمان **اعمش نے اس** روایت کو حکمؒ کی طرح روایت کیا ہے۔

تشریح مع تحقیق : اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فرک بھی پاکی کا طریقہ ہے، اس لئے **اگر فرک** (کھرچنا) مطہر نہ ہوتا تو آپ ﷺ اس کپڑے میں نماز نہ پڑھتے۔

قوله : قال أبو داؤد : مصنفؒ یہاں سے بیان کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث کے پہلے طریق میں ابراہیم نخعیؒ سے روایت کرنے والے حکمؒ تھے اور اس طریق میں ابراہیم نخعیؒ سے نقل کرنے والے حماد بن ابی سلیمان ہیں۔

اب اختلاف یہ ہے کہ حکمؒ نے جب اس حدیث کو اپنے استاذ ابراہیم نخعیؒ سے روایت کیا تو حضرت عائشہؓ اور ابراہیم

نخعیؒ کے درمیان ہمام بن حارث کا واسطہ ذکر کیا ہے، اور جب حماد بن ابی سلیمان نے نقل کیا تو ابراہیم نخعی اور حضرت عائشہؓ کے درمیان اسودؒ کا واسطہ ذکر کیا ہے۔

اب مصنفؒ یہ فرما رہے ہیں کہ یہ تینوں (مغیرہ، ابومعشر، واصل) حضرات حماد بن ابی سلیمان کی موافقت اور متابعت کرتے ہیں، اور اعمش نے حکم کی موافقت کی ہے، تو گویا حماد کی متابعت کرنے والی ایک جماعت ہوئی، لہٰذا حکم کی متابعت کرنے والے صرف اعمش ہیں۔

صاحب منہلؒ یہ فرماتے ہیں کہ ابراہیم نخعیؒ کے تلامذہ کا یہ اختلاف حدیث کے لئے مضر نہیں ہے، کیونکہ سب کے سب رواۃ یہاں پر ثقات ہیں، اور یہ کہا جائے گا کہ ابراہیم نخعیؒ نے دونوں (اسود، ہمام) سے اس روایت کو سنا ہے، لہٰذا اس اختلاف کو اضطراب پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔

مصنفؒ نے مغیرہ، ابومعشر اور واصلؒ کی جن روایتوں کا حوالہ دیا ہے صاحب منہل نے ان کی تخریج کی ہے کہ مغیرہ، ابومعشر اور واصل کی حدیثوں کو امام مسلمؒ نے نقل کیا ہے، اور اعمش کی روایت کی تخریج امام ترمذیؒ نے کی ہے، سب کا متن قریب قریب ہے، لیکن ان سب محوّل روایات میں مہمان کا نام نہیں، اور ابوداوٗد کی روایت میں تعیین ہے۔

۳۷۳ ﴿حَدَّثَنَا عبدالله بنُ محمد النُّفَيْلِيُّ نَا زُهَيْرٌ ح وثنا محمد بنُ عُبَيْدِ بنِ حِسَابِ البَصْرِيُّ نا سُلَيْمٌ يَعْنِي ابنَ أَخْضَرَ الْمَعْنَى - والإخبار في حديث سليم - قَالَا : حدثنا عَمْرُو بنُ مَيْمُونِ بنِ مِهْرَانَ قال : سَمِعْتُ سليمانَ بنَ يَسَارٍ يقولُ : سمعتُ عائشةَ تَقُوْلُ : إِنَّهَا كَانَتْ تَغْسِلُ المنِيَّ مِنْ ثوبِ رسولِ الله صلى الله عليه وسلم، قالت : ثُمَّ أَرَى فيه بُقْعَةً أو بُقَعًا.﴾

أخرجه البخاري في "صحيحه" في كتاب: الوضوء باب: غسل المني وفركه وغسل ما يصيب من المرأة (٢٢٩ و ٢٣٠) وفي الكتاب نفسه، باب: غسل الجنابة أو غيرها فلم يذهب اثره (٢٣١ و ٢٣٢) وأخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الطهارة، باب: غسل الثوب من المني (٦٧٠ و ٦٧١). وأخرجه الترمذي في "جامعه" في كتاب: الطهارة، باب: غسل المني من الثوب (١١٧) وأخرجه النسائي في كتاب الطهارة، باب: غسل المني من الثوب (٢٩٤) وأخرجه ابن ماجه في "سننه" في كتاب الطهارة وسننها، باب: المني يصب الثوب (٥٣٦). انظر "تحفة الأشراف" (١٦١٣٥).

ترجمہ: حضرت سلیمان بن یسارؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ وہ (عائشہؓ) حضور ﷺ کے کپڑوں سے منی کو دھوتی تھیں، پھر آپ ﷺ کے کپڑوں میں ایک دھبہ کو یا چند دھبوں (نشانات) کو دیکھتی تھی۔

تشریح مع تحقیق : قوله : "المَعْنَى" : یعنی سُلیم اور زہیر دونوں کی روایت کے معنی ایک ہی ہیں۔

قوله : والإِخبَارُ في حديثِ سُلَيمٍ الخ : یعنی سلیم کی سند حضرت عائشہؓ تک بصیغۂ اخبار ہے جب کہ زہیر کی سند معنعن ہے، اس جملہ سے مصنفؒ کی غرض یہ ثابت کرنا ہے کہ سلیمان بن یسار کا حضرت عائشہؓ سے سماع ہے، ایسا نہیں ہے جیسا کہ امام بزارؒ اور امام احمدؒ کا خیال ہے کہ سلیمان بن یسارؒ کا سماع حضرت عائشہؓ سے نہیں ہے۔

قوله : كانت تغسل المني الخ : علماء نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ کے کپڑے پر جو منی لگ جاتی تھی وہ جماع سے لگتی تھی، اس لئے کہ احتلام آپ ﷺ کے حق میں ناممکن تھا، اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ وہ منی احتلام کی ہوتی تھی اور آپ ﷺ کو احتلام ہوجانا شیطانی اثر سے نہیں تھا، بلکہ بعض اوقات منی کی زیادتی سے ایسا ہوجاتا تھا۔

قوله : "بُقعَةً أو بُقَعًا" : یہ یا تو حضرت عائشہؓ کا کلام ہے اور دو حالتوں پر محمول ہے کہ کبھی دھلنے کا ایک نشان رہتا اور کبھی چند نشانات باقی رہتے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی راوی کا شک ہو، اور "بُقعَة" بضم الباء وسکون القاف واحد ہے اس کی جمع "بُقَع" آتی ہے، بقعہ دراصل زمین کے اس حصہ کو کہتے ہیں کہ جس کا رنگ قریبی زمین سے مختلف ہو، یہاں اس لفظ سے مراد کپڑے کا وہ حصہ ہے جو دھلنے کی جگہ سے گیلا ہوکر خشک حصہ سے ممتاز ہو چنانچہ سنن ابن ماجہ میں اسی روایت میں یہ الفاظ ہیں: "وأنا أرى أثر الغَسلِ يَعْنِي لم يَجِفّ" یعنی میں کپڑے میں دھونے کا اثر دیکھتی تھی کہ وہ خشک نہیں ہوا ہے۔ باب کی احادیث کی اس مختصر سی وضاحت کے بعد مسئلہ مختلف فیہ پیش خدمت ہیں:

منی کی طہارت اور نجاست سے متعلق اختلاف

شافعیہ، حنابلہ اور ظاہریہ کے نزدیک انسان کی منی پاک ہے، ان کے نزدیک منی ناک کی رینٹ کے حکم میں ہے۔

حنفیہ، مالکیہ اور اوزاعیؒ کے نزدیک منی ناپاک ہے، لیکن ان کے درمیان تفصیل یوں ہے کہ حنفیہ کے نزدیک تر منی کا دھونا واجب ہے اور خشک منی کا کھرچ دینا کافی ہے اور امام مالکؒ واوزاعیؒ کے نزدیک خشک وتر ہر طرح کی منی کو دھلنا واجب ہے۔ (اوجز المسالک ۱/۱۴۲، نیل الاوطار ۱/۵۳)۔

حنابلہ اور شوافع کے دلائل

حنابلہ اور شوافع نے ان تمام روایات سے استدلال کیا ہے جن میں منی کے فرک کا ذکر آیا ہے، کیوں کہ اگر منی نجس ہوتی تو فرک (کھرچنا) کافی نہ ہوتا، بلکہ خون کی طرح غسل ضروری ہوتا، وہ فرماتے ہیں کہ فرک بھی نظافت کے لئے ہے

اسی طرح جن روایات میں غسل کا حکم ہے وہ بھی نظافت پر محمول ہیں، ان کا ایک استدلال حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ایک اثر سے بھی ہے جسے امام ترمذیؒ نے تعلیقاً ذکر کیا ہے: قال ابن عباسٍ : "المني بمنزلة المخاط فَأَمِطْهُ عَنْكَ ولو بإذخرة"، سنن دارقطنی میں یہ مرفوعاً وموقوفاً دونوں طرح مروی ہے، اس میں امام شافعیؒ نے "بمنزلة المخاط" سے طہارت کو ثابت کیا ہے، اور "أمطه عنك" کو نظافت پر محمول کیا ہے۔

استدلال بالقیاس کے طور پر امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ہم منی کو کس طرح نجس کہہ سکتے ہیں، جب کہ انبیاء کرام جیسی پاکیزہ اور مقدس شخصیات کی تخلیق اسی سے ہوئی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو طہارتین یعنی الماء والطین سے پیدا کیا ہے، لہٰذا ان کی نسل کی تخلیق بھی شئ طاہر سے ہوگی جو کہ منی ہے۔

حنفیہ کے دلائل

۱- صحیح ابن حبان میں حضرت جابر بن سمرہ ﷺ کی روایت ہے "قال : سَأَلَ رجل النبيَّ صلى الله عليه وسلم أصلِّي في الثوب الذي آتِي فيه أهْلِي ؟ قال : نعم إلّا أنْ تَرَى فيه شَيْئًا فَتَغسِلَهُ. (موارد الظمآن ۸۲/۱)۔

یہ روایت حنفیہ کے مسلک پر صراحۃً دلالت کرتی ہے کہ منی نجس ہے۔

۲- سنن ابوداؤد ہی میں "باب الصلاة في الثوب الذي يصيب أهله فيه" کے تحت یہ روایت گزر چکی ہے کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان نے اپنی بہن ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ اس کپڑے کو پہن کر نماز پڑھ لیا کرتے تھے جس میں آپ ﷺ جماع کرتے تھے؟ حضرت ام حبیبہؓ نے جواب دیا "نَعَمْ إذَا لَمْ يَرَ فيه أذىً" کہ ہاں، مگر جب کہ اس کپڑے میں کسی گندگی یعنی منی کو دیکھتے تو اس میں نماز نہیں پڑھتے تھے۔

۳- احادیث الباب بھی حنفیہ کی مستدل ہیں جن میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں حضور ﷺ کے کپڑے سے منی کو دھوتی تھی حتی کہ آپ کے کپڑے میں دھلنے کا نشان بھی نظر آتا تھا۔

۴- حنفیہ نے ان تمام احادیث سے بھی استدلال کیا ہے جن میں منی کے فرك یا غسل یا حط یا سلت کا حکم دیا گیا ہے، اس مجموعہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ منی کو کپڑے پر چھوڑنا گوارہ نہیں کیا گیا، اگر یہ ناپاک نہ ہوتی تو کہیں نہ کہیں بیان جواز کے لئے یہ ثابت ہوتا کہ اس کو کپڑے پر یا جسم پر چھوڑ دیا گیا، اور شافعیہ کا فرک کو نظافت پر محمول کرنا اس لئے بعید ہے کہ اگر منی طاہر ہوتی تو پورے ذخیرۂ احادیث میں کسی نہ کسی جگہ کم از کم بیان جواز ہی کے لئے اس کو قولاً یا فعلاً طاہر قرار دیا جاتا۔ وإذ ليس فليس.

۵- قرآن پاک میں منی کو ماء مهين کہا گیا ہے یہ بھی اس کی نجاست کے لئے مؤید ہے۔

۶- قیاس بھی مسلک حنفیہ کو راجح قرار دیتا ہے کیونکہ بول، مذی، ودی سب بالاتفاق نجس ہیں، حالانکہ ان کے خروج سے صرف وضوء واجب ہوتا ہے تو منی بطریق اولیٰ نجس ہونی چاہئے کیوں کہ اس کے خروج سے تو غسل واجب ہوتا ہے۔ قاله الطحاوی

شافعیہ کے دلائل کا جواب

جہاں تک احادیث فرک سے امام شافعیؒ کے استدلال کا تعلق ہے تو ان کا جواب یہ ہے کہ اشیاء نجسہ کی تطہیر کے طریقے مختلف ہوتے ہیں بعض جگہ تطہیر کے لئے غسل ضروری ہے بعض جگہ نہیں، چنانچہ روئی کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے دھن دیا جائے اسی طرح زمین یُبس سے پاک ہوجاتی ہے بالکل اسی طرح منی سے طہارت حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ فرک کردیا جائے، بشرطیکہ وہ خشک ہوگئی ہو۔

اس کی دلیل طحاوی شریف میں حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے: "كُنتُ أَفْرُكُ المنيَّ من ثوبِ رسولِ الله صلى الله عليه وسلم إذَا كَانَ يَابِسًا وأَغْسِلُهُ إذَا كَانَ رَطْبًا". اس کی سند بھی بالکل صحیح ہے۔ (آثار السنن ۱/۱۵)۔

رہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثر سے استدلال کا تعلق تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول سنن دارقطنی میں مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طرح مروی ہے، محدثین نے رفع کی تضعیف کی ہے، چنانچہ امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں: "لم يرفعه غير إسحاق الأزرَق عن شريك" یہ بات معلوم ہے کہ شریک راوی ضعیف ہیں اور ثقات کی مخالفت کررہے ہیں، پھر خود شریک اس روایت کو محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے روایت کررہے ہیں "وهو سيئ الحفظ" كما في التقريب۔

نیز اگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثر کو صحیح بھی مان لیا جائے تو ان کے اس قول: المني بمنزلة المخاط" کی تاویل یہ کی جائے گی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا منشاء منی کی طہارت کو بیان کرنا نہیں ہے بلکہ وجہ شبہ لزوجت اور استقذار ہے، یا یہ کہا جائے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا منشاء یہ بیان کرنا ہے کہ منی کو فرک کے ذریعہ دور کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ مخاط اگر غلیظ ہو اور خشک ہوجائے تو فرک سے اس کا ازالہ ہوجاتا ہے۔

علاوہ ازیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس ایک اثر کے مقابلہ میں دوسرے صحابہ کے آثار موجود ہیں جن میں غسل کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت انسؓ اور حضرت عمارؓ وغیرہ سے اس قسم کے آثار منقول ہیں۔ (نصب الرایہ ۱/۲۱۱)۔

شافعیہ اور حنابلہ کا ایک استدلال قیاسی تھا کہ منی سے چوں کہ انبیاء کرام جیسی مقدس ہستیوں کی تخلیق ہوئی ہے اس

لئے وہ ناپاک نہیں ہوسکتی۔

لیکن ان کا یہ استدلال بدیہی البطلان ہے کیونکہ یہ امر طے شدہ ہے کہ انقلاب ماہیت سے شی نجس طاہر ہوجاتی ہے لہٰذا جب منی منقلب الی اللحم ہوئی تو قلب ماہیت کی وجہ سے اس میں طہارت آگئی۔

اور اگر یہ فرض کرلیں کہ انقلاب ماہیت کے بعد بھی کسی شی کی نجاست پر اثر نہیں پڑتا تو بھی منی ناپاک ہی ہے کیونکہ منی متولد من الدم ہے اور دم بالاتفاق نجس ہے، اس لحاظ سے بھی منی نجس ہونی چاہئے ورنہ خون کو بھی طاہر کہا جائے، کیونکہ منی اسی سے بنتی ہے اور اس کا کوئی قائل نہیں ہے۔ فما ھو جوابکم فھو جوابنا.

علاوہ ازیں منی سے جس طرح انبیاء کرام کی تخلیق ہوئی اسی طرح کفار اور کلاب وخنازیر کی بھی تخلیق ہوئی ہے اگر پہلے قیاس کے تقاضہ سے منی کو پاک کہا جائے تو دوسرے قیاس کے تقاضہ سے اس کو نجس مانا جائے، بہر حال یہ قیاسات ایسے ہی ہیں، خود محققین شوافع بھی ان کو پسند نہیں کرتے۔ (ماخوذ من درس الترمذی)۔

اختلاف کا اصل سبب

یہاں پر منی کی طہارت وعدم طہارت کے بارے میں اختلاف رائے کا اصل سبب دو چیزیں ہیں، ایک تو حضرت عائشہؓ کی مذکورہ احادیث کا اضطراب متن کہ کسی روایت میں ان کا یہ قول منقول ہے کہ میں حضور اکرم ﷺ کے کپڑوں سے منی کو دھویا کرتی تھی اور آپ ﷺ اسی کپڑے کو پہن کر نماز پڑھتے تھے، اور بعض روایات میں ہے کہ میں آپ ﷺ کے کپڑے سے منی کو مل دیا کرتی تھی۔

دوسری وجہ اختلاف رائے کہ یہ ہے کہ منی میں دو حیثیتیں پائی جاتی ہیں، ایک یہ کہ منی ان احداث اور ناپاک فضلات کے مشابہ ہے جن کے نکلنے سے بدن حکمی طور پر ناپاک ہوجاتا ہے دوسرے یہ کہ منی ان پاک فضلات کے مشابہ ہے جو بدن سے نکلتے ہیں جیسے دودھ وغیرہ پس فقہاء کے جس طبقہ نے ان مختلف باتوں کو اس طرح جمع کیا کہ دھونے کی روایت نظافت پر محمول ہے اور فرک کی روایت پاکی پر محمول ہے اس نے منی کو پاک قرار دیا، اس لئے کہ اس طبقہ کے نزدیک مل دینا (فرک کرنا) پاک کرنے کے طریقوں میں سے نہیں ہے اور ان حضرات نے منی کو دودھ جیسا پاک فضلہ قرار دیا۔

اور جن حضرات نے دھونے کی حدیث کو ازالہ نجاست کے مفہوم میں لیا اور روایت کو راجح قرار دیا اور ان کے نزدیک منی پاک فضلوں کی بہ نسبت ناپاک فضلات کے زیادہ مشابہ تھی انہوں نے کہا کہ منی نجس ہے، ایسے جن فقہاء کی رائے یہ ہے کہ فرک اور مل دینا بھی ازالہ نجاست کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے ان کے نزدیک دھونے کی روایت کی طرح فرک کی روایت بھی منی کی نجس ہونے کی دلیل ہے، حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہی ہے۔ (فضل الباری ۲/۳۹۷)۔

موجودہ زمانہ میں منی کے دھلنے پر فتویٰ

اوپر یہ ثابت کیا گیا ہے کہ خشک منی کو کپڑے سے کھرچ دینے سے کپڑا پاک ہوجاتا ہے یہ اس زمانہ کے اعتبار سے تھا کیوں کہ اس زمانہ میں لوگوں کی منی گاڑھی ہوتی تھی اور اب قوی کمزور ہوگئے ہیں اور منی پتلی ہوتی ہے اور منی کا اکثر حصہ کھرچنے سے زائل نہیں ہوتا، اس لئے اب احناف کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ کھرچ دینا کافی نہیں ہے بلکہ دھلنا واجب ہوگا جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

﴿بابُ بَوْلِ الصبِّي يُصِيبُ الثوب﴾

بچے کے پیشاب کا کپڑے کو لگ جانے کا بیان

۲۷۴ ﴿حدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰه بنُ مَسْلَمَةَ عن مَالِكٍ عن ابنِ شِهَاب عن عُبَيْدِ اللّٰه بنِ عَبْدِ اللّٰه بنِ عُتْبَةَ بنِ مَسْعُوْدٍ عن أمِّ قَيْسِ بِنْتِ مِحْصَنٍ أنَّهَا أتَتْ بابنٍ لَهَا صَغِيْرٍ لم يأكُلِ الطَّعَامَ إلي رسولِ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فأجْلَسَهُ رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم في حِجْرِه فبَالَ على ثَوْبِهٖ، فَدَعَا بماءٍ فَنَضَحَهُ ولم يَغْسِلْهُ.﴾

أخرجه البخاري في "صحيحه" في كتاب: الوضوء باب: بول الصبيان (٥٨٢٦) وأخرجه مسلم في "صحيحه" في كتاب الطهارة، باب: حكم بول الطفل الرضيع وكيفية غسله (٦٦٣ و ٦٦٤) وفي كتاب: السلام، باب: التداوي بالعود الهندي وهو: الكست (٥٧٢٦) وأخرجه الترمذي في "جامعه" في كتاب الطهارة، باب: ما جاء في نضح بول الغلام قبل أن يطعم (٧١) وأخرجه للنسائي في "المجتبى" في كتاب: الطهارة، باب: بول الصبي الذي لم يأكل الطعام (٣٠١) وأخرجه ابن ماجه في "سننه" في كتاب الطهارة وسننها، باب: ما جاء في بول الصبي الذي لم يطعم (٥٢٤). انظر "تحفة الأشراف" (١٨٣٤٢).

ترجمہ : حضرت ام قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ اپنے ایک چھوٹے بچے کو جو کھانا نہیں کھاتا تھا رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں لائیں، رسول اللہ ﷺ نے اس کو اپنی گود میں بٹھایا، اس نے آپ ﷺ کے کپڑوں پر پیشاب کردیا، آپ ﷺ نے پانی منگایا، اور اس پر دھار دیا، دھونے کی طرح نہیں دھویا۔

تشریح مع تحقیق : جمہور فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ پیشاب بچے اور بچی دونوں ہی کا ناپاک ہے، البتہ بچے کے پیشاب میں بچی کے پیشاب کے مقابلہ میں طریقۂ تطہیر میں تخفیف ہے، اور اسے بچی کے پیشاب کی طرح

مل مل کر دھونے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اگر بچہ غذا نہ کھاتا ہو تو یہ کافی ہے کہ اس کو دھار دیا جائے ملنے کی ضرورت نہیں، یہ شریعت نے تخفیف رکھی ہے، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ لڑکے کا پیشاب نجس نہیں، بلکہ ناپاک ضرور ہے مگر پاکی کے طریقہ میں تخفیف ہے۔

پھر جمہور کے مابین بول صبی سے طہارت حاصل کرنے کے طریقہ میں اختلاف ہے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک بولِ غلام کو دھونے کے بجائے اس پر پانی کے چھینٹے مار دینا کافی ہے، جبکہ بولِ جاریہ میں غسل ہی ضروری ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک بولِ جاریہ کی طرح بولِ غلام کا غسل بھی ضروری ہے، البتہ بولِ غلام کے غسل میں زیادہ مبالغہ کی ضرورت نہیں، بلکہ غسلِ خفیف کافی ہے۔

امام شافعیؒ و امام احمدؒ کا استدلال

یہ حضرات ان تمام روایات سے استدلال کرتے ہیں جن میں بولِ غلام کے لئے نضح یا رش کے الفاظ آئے ہیں، یا جن میں غسلِ معتاد کی نفی ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ کا استدلال

حنفیہ کا استدلال اول تو ان احادیث سے ہے جن میں مطلقاً پیشاب سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے، اور اسے نجس قرار دیا گیا ہے، یہ احادیث عام ہیں ان میں کسی خاص بول کی تخصیص نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ بولِ غلام کے سلسلے میں حدیث میں: "صَبَّ عليه الماءَ" اور "أَتْبَعَهُ الماءَ" بھی وارد ہوا ہے جو غسل پر صریح ہے، ایسی احادیث کے تمام طرق کی تخریج صحیح مسلم میں ہے۔

شوافع اور حنابلہ کے دلائل کا جواب

ان حضرات کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ جن احادیث میں نضح اور رش کے الفاظ آئے ہیں اور ان سے مراد غسلِ خفیف ہے اور احادیث میں اس کی بہت سی نظیریں موجود ہیں جیسا کہ وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ" والی روایت میں آتا ہے "كُنَّا نَمْسَحُ عَلَى أَرْجُلِنَا" حالانکہ وہاں غسل ہی تھا مگر غسلِ معتد بہ نہ تھا، اس کو مسح سے تعبیر کر دیا، اسی طرح ترمذی "باب في المذي يصيب الثوب" میں ہے کہ حضور ﷺ نے مذی سے تطہیر کا طریقہ بتلاتے ہوئے فرمایا: "يكفيك أن تأخذ كَفًّا من ماءٍ فتنضح به ثوبك حيث ترى أنه أصاب منه" اس روایت کے تحت امام ترمذیؒ فرماتے ہیں:

"وقد اختلف أهل العلم في المذي يصيب الثوب ، فقال بعضهم: لا يجزئ إلا الغسل وهو قول الشافعي وإسحاق" ظاہر ہے کہ یہاں امام شافعیؒ نے نضح کو غسلِ خفیف کے معنی میں لیا ہے۔

اسی طرح مسلم شریف (۱۴۳/۱) باب المذی کے تحت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: أرسلنا المقداد بن الأسود إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فسأله عن المذي يخرج من الإنسان كيف يفعل به ؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : توضأ وانضح فرجك" اس کے تحت امام نوویؒ لکھتے ہیں: أما قوله عليه السلام "وانضح فرجك" فمعناه : اغسله ، فإن النضح يكون غسلاً ويكون رشًا....".

تو جس طرح ان مقامات پر لفظ نضح اور رش کو غسل کے معنی میں لیا ہے تو اگر مختلف روایات میں تطبیق کے لئے حنفیہ حدیث میں نضح کو غسل کے معنی میں لے لیں تو اس میں کیا حرج ہے۔

مسلک احناف پر اشکال اور اس کا جواب

باقی رہا حدیث کا جملہ "وَلَمْ يَغْسِلْهُ" کہ جب بچے نے آپ ﷺ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا اور آپ ﷺ نے پانی منگا کر اس پر چھڑک دیا اس کو دھویا نہیں تو اس سے مل کر مبالغہ کے ساتھ دھونے کی نفی ہے نہ مطلقاً دھونے کی نفی مراد، چنانچہ مسلم شریف کے بعض طرق میں "وَلَمْ يَغْسِلْهُ غَسْلًا" کے الفاظ ہیں، غَسْلًا مفعول مطلق ہے جو تاکید پر دلالت کرتا ہے اس میں اصل فعل یعنی غسل کی نفی نہیں ہے، بلکہ صرف مبالغہ کی نفی ہے، اب یہ مفہوم ہوا کہ دوسری نجاستوں کو دھونے کی طرح مبالغہ کے ساتھ نہیں دھویا۔ (المنہل ۲۴۸/۳)۔

تطہیر میں تخفیف کیوں؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صبی کے پیشاب میں صبیہ (لڑکی) کی بہ نسبت تخفیف کیوں رکھی گئی ہے؟ اس سلسلے میں شارحین کی مختلف رائیں ہیں۔

بعض شارحین بخاری یہ بیان کرتے ہیں کہ چوں کہ لڑکے سے تعلق خاطر زیادہ ہوتا ہے، اس کو گود میں زیادہ لیا جاتا ہے اور جب گود میں لیا جائے گا تو ابتلاء بھی اس کی وجہ سے زیادہ ہوگا، اور جب کسی معاملہ میں ابتلاء زیادہ ہو تو شریعت اس میں تخفیف کر دیتی ہے، لڑکی کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔

حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عینیؒ یہی کہتے ہیں کہ اس سلسلے میں باتیں تو بہت بیان کی گئی ہیں مگر مذکورہ بات زیادہ قوی ہے، لیکن ہم اس کی قوت کو سمجھنے سے قاصر ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ بسا اوقات لڑکی سے دل چسپی اور تعلقِ خاطر زیادہ ہوتا ہے، پھر

ماں کا تعلق تو دونوں سے یکساں ہوتا ہے بلکہ ماں کو تو لڑکیوں ہی سے زیادہ تعلق رہتا ہے اور اس مسئلہ میں اگر محتاج رعایت ہے تو ماں ہی ہے کیوں کہ اصل ابتلاء تو اسی کو پیش آتا ہے۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ مزاجوں میں فرق کی وجہ سے جاریہ اور غلام میں یہ فرق کیا گیا ہے، لڑکے مزاج میں حرارت غالب ہوتی ہے اور غلبۂ حرارت کی بناء پر اس کا مزاج لطیف ہوتا ہے کیونکہ حرارت کی تاثیر لطافت پیدا کرنا ہے اس لئے لڑکے کے پیشاب میں بھی لطافت پیدا ہوگی صرف پانی کے دھار دینے سے اس کے اجزاء کپڑے سے نکل جائیں گے، برخلاف لڑکی کے کہ اس کے مزاج میں برودت غالب ہوتی ہے اور برودت کا اثر کثافت ہے اس لئے اس کے مزاج کے مطابق لڑکی کے پیشاب میں کثافت، لزوجت اور غلظت ہوگی، صرف پانی کے دھار سے ازالہ نہ ہو سکے گا، بلکہ پانی کے ساتھ اس ملنا بھی ضروری ہوگا، اسی مزاج کو سامنے رکھ کر شریعت کے دونوں احکام میں فرق کر دیا۔ (مرقاۃ المفاتیح ۱۸۶/۲)۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ مخرج کے فرق کی وجہ سے ان کا پیشاب زیادہ جگہ میں پھیل جاتا ہے، اس لئے لڑکی کے پیشاب کے دھلنے میں مبالغہ کی ضرورت ہے۔ (طحاوی شریف)۔

ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ حضرت امام شافعیؒ سے ان کے شاگرد ابوالیمان المصری نے اس فرق کی حکمت دریافت کی تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ وجہ اس کی یہ ہے کہ بولِ جاریہ پیدا ہوا ہے لحم ودم سے، اور بولِ غلام ماء وطین سے، لہٰذا دونوں کے پیشاب کی صفت اور خاصیت میں فرق کی وجہ سے حکم میں بھی فرق ہوا، اس کے بعد امام شافعیؒ نے اپنے شاگرد سے پوچھا: "فَهِمْتَ ؟ شاگرد نے عرض کیا: "ما فَهِمْتُ" امام صاحب نے فرمایا کہ مطلب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے اور حوا علیہا السلام کی تخلیق پسلی سے ہوئی ہے، لہٰذا بولِ غلام کی تخلیق ماء وطین سے اور بولِ انثیٰ کی تخلیق لحم ودم سے ہوئی ہے۔ (الدر ۱/۳۶۲)

حضور ﷺ کی گود میں پیشاب کرنے والوں کی تعداد

ایسے بچے جنہوں نے بچپن کی حالت میں حضور اکرم ﷺ کی گود میں پیشاب کیا ہے ان کی تعداد پانچ ہے: (۱) حسن ؓ، (۲) حسین ؓ، (۳) عبداللہ بن زبیر ؓ، (۴) ابن ام قیس ؓ، (۵) سلیمان بن ہشام ؓ،

۳۷۵ ﴿حَدَّثَنَا مُسَدَّدُ بنُ مُسَرْهَدٍ والرَّبِيعُ بنُ نَافِعٍ أبو تَوْبَةَ الْمَعْنَى قَالَا : نَا أبوالأَحْوَصِ عن سِمَاكٍ عن قَابُوسَ عَنْ لُبَابَةَ بنتِ الْحَارِثِ قالت : كَانَ الْحُسَيْنُ بنُ عَلِيٍّ فِي حِجْرِ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَبَالَ عَلَيْهِ ، فَقُلْتُ : أَلْبَس ثَوْبًا واعْطِنِي إِزَارَكَ حَتّٰى أَغْسِلَهُ ، قَال : إِنَّمَا يُغْسَلُ مِنْ بَوْلِ الْأُنْثَى ويُنْضَحُ

مِنْ بَوْلِ الذَّكَرِ. ﴾ (مسند احمد، وابن ماجہ، ابن خزیمہ)۔

أخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة، باب: ما جاء في بول الصبي الذي لم يطعم (٥٢٢).

ترجمہ : حضرت لبابہ بنت حارث فرماتی ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کی گود میں تھے تو انہوں نے حضور ﷺ پر پیشاب کر دیا، میں نے عرض کیا کہ آپ دوسرا کپڑا زیب تن فرمالیں اور اپنے اس ازار کو (جس پر پیشاب کر دیا ہے) مجھے دے دیں تاکہ میں اس کو دھو دوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ دھویا تو لڑکی کے پیشاب سے جاتا ہے، لڑکے کے پیشاب سے تو چھینٹا مارا جاتا ہے۔

تشریح مع تحقیق : احادیث میں بولِ صبی کے بارے میں مختلف الفاظ وارد ہوئے ہیں: (۱) أَتْبَعَهُ الماءَ، (۲) صَبَّ عليه الماءَ، (۳) نَضَحَ، (۴) رَشَّ، أُتبِعَ اور صَبَّ یہ دونوں لفظ مسلکِ حنفیہ کے مؤید ہیں، أتبع الماء کے معنی پانی دھارنے اور ڈالنے کے ہیں، اور صَبَّ کے معنی بہانے کے، رَشَّ اور نَضَحَ کے معنی پانی چھڑکنے کے بھی ہیں اور دھونے کے بھی ہیں، اس لئے احناف ان کو غسلِ خفیف پر محمول کرتے ہیں۔

اس صورت میں حدیث باب ہمارے خلاف نہیں ہے، اس لئے کہ حضور ﷺ نے یہ فرمایا کہ لڑکے کے پیشاب کی وجہ سے اس طرح دھونے کی ضرورت نہیں ہے جس طرح لڑکی کے پیشاب کی وجہ سے دھویا جاتا ہے، لڑکی کے پیشاب کو تو ناپاک کپڑے کی طرح مبالغہ کے ساتھ دھویا جاتا ہے۔

۳۷۶ ﴿حَدَّثَنَا مجاهد بنُ موسٰى وعَبَّاسُ بنُ عَبْدِالعَظِيْمِ المعنى قَالَا : نَا عَبْدُالرحمن بنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنِي يَحْيٰى بنُ الْوَلِيْدِ حدثني مُحِلُّ بنُ خَلِيْفَةَ حَدَّثَنِي أَبُو السَّمْحِ قَالَ : كُنْتُ أَخْدُمُ النبيَّ صلى الله عليه وسلم فَكَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَغْتَسِلَ قَالَ : وَلِّنِي قَفَاكَ فَأُوَلِّيْهِ قَفَايَ فَأَسْتُرُهُ بِهِ فَأُتِيَ بِحَسَنٍ أو حُسَيْنٍ ، فَبَالَ على صَدْرِهِ ، فَجِئْتُ أَغْسِلُهُ ، فقال : يُغْسَلُ مِنْ بَوْلِ الجَارِيَةِ ويُرَشُّ مِنْ بَوْلِ الغُلَامِ.
قال عَبَّاسٌ : حَدَّثَنَا يَحْيٰى بنُ الوَلِيْدِ ، قال أبو داوُدَ : وهُوَ ابنُ الزَّعْرَاءِ ، وقال هارونُ بنُ تَمِيْمٍ عن الْحَسَنِ قال : الْأَبْوَالُ كُلُّهَا سَوَاءٌ . ﴾ (نسائی، ابن ماجہ، صحیح ابن خزیمہ)۔

أخرجه النسائي في "المجتبى" في كتاب الطهارة، باب: بول الجارية (٣٠٣)، انظر "تحفة الأشراف" (١٢٠٥٢).

قال الخطابي: في "زهر الربى في شرح المجتبى" (١٥٨/١): أبو السمح، قال أبو زرعة الرازي: لا أعرف اسم أبي السمح هذا ولا أعرف لـه غير هذا الحديث. وقال الصغاني في "العباب" لم يوقف على اسمـه وفي "الاستيعاب" قيـل: اسمـه إياد. قال البزار: لا يعلم حديث أبي السمح عن النبي صلى الله عليه وسلم إلا بهذا الحديث وليس له إسناد إلا هذا ولا نحفظه إلا من حديث

عبدالرحمٰن بن مهدي.

ترجمہ : ابوالسمح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں آیا کرتا تھا، جب آپ ﷺ غسل کرنے کا ارادہ کرتے تو فرماتے کہ پیٹھ موڑ کر کھڑے ہو جاؤ میں پیٹھ موڑ کر کھڑا ہو جاتا اور آڑ کیے رہتا، ایک بار حسن یا حسین آئے اور آپ کے سینے مبارک پر پیشاب کر دیا میں دھونے کے لیے آیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ لڑکی کا پیشاب دھویا جاتا ہے اور لڑکے کے پیشاب پر پانی چھڑک دینا کافی ہے۔

عباس نے کہا: ہم سے یحییٰ بن الولید نے حدیث بیان کی۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ یحییٰ ابوالزعرار ہیں، ہارون بن تمیم نے حسن سے بیان کیا کہ پیشاب سب برابر ہیں۔

تشریح مع تحقیق : مُحِلّ : بضم المیم و کسر الحاء و تشدید اللام یہ محل بن خلیفہ الطائی کوفی ہیں اکثر ائمہ جرح و تعدیل نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے البتہ ابن عبدالبرؒ نے ان کی تضعیف کی ہے۔

أبو السمح : بفتح السين وسكون الميم : بعض حضرات نے ان کا نام ایاد اور بعض نے ابوذر بتلایا ہے، یہ حضور ﷺ کے خادم اور آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام ہیں، ابوزرعہ رازی فرماتے ہیں ہیں کہ ہمارے علم میں اس حدیث کے علاوہ ان کی اور کوئی حدیث نہیں ہے۔ (تہذیب التہذیب ۳۷۲/۶)۔

قوله : وَلِّني قَفَاكَ : صیغۂ امر ہے، وَلَّى الشَّيْءَ وعن الشيء تولية : پیٹھ پھیرنا، مطلب یہ ہے کہ شروع زمانۂ اسلام میں غسل خانوں کا نظم تو تھا نہیں اس لئے تستر اور پردہ کرنے کے لئے کسی چیز یا شخص سے آڑ کر لی جاتی تھی، جیسا کہ بعض گاؤں میں عورتیں چارپائیاں کھڑی کر کے پردہ کر لیتی ہیں اور غسل کر لیتی ہیں۔

پس اسی طرح حضور ﷺ جب غسل فرماتے تو اپنے خادم ابوالسمح رضی اللہ عنہ سے فرماتے کہ بھئی میری طرف اپنی گردن کر لو یعنی پشت میری طرف ہو جائے اور چہرہ دوسری طرف ہو جائے تاکہ تمہاری آڑ میں میں غسل کر سکوں، سنن ابن ماجہ کی روایت میں یہ صراحت ہے کہ ابوالسمح حضور ﷺ کی طرف کو پشت کر کے کھڑے ہو جاتے اور کپڑا پھیلا کر پردہ کر لیا کرتے تھے، معلوم ہوا کہ ابوداؤد کی اس روایت میں کچھ حذف ہے۔

اس حدیث سے علماء نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ کھلی جگہ میں غسل کے وقت پردہ کرنا ضروری اور واجب ہے، البتہ اکیلے میں ننگا ہو کر غسل کیا جائے تو یہ جائز ہے لیکن ستر ڈھانپ کر غسل کرنا افضل ہے، اگرچہ اکیلے میں کسی انسان کی موجودگی نہیں ہوتی جس سے شرم کی جائے مگر اللہ کے سامنے برہنہ غسل کر رہا ہے اس سے تو بہر صورت شرم ہونی ہی چاہئے۔

قوله : وقال هارون بن تميم عن الحسن : الأبوال كلها سواء : یعنی ہارون بن تمیم نے اپنے استاذ حسن بصریؒ کا یہ فتویٰ نقل کیا ہے کہ تمام پیشاب خواہ لڑکے کا ہو یا لڑکی کا، نجس ہونے میں سب برابر ہیں، ہر ایک کو زائل کرنا اور

دھونا ضروری ہے، یہی فتویٰ امام طحاویؒ نے بھی حسن بصریؒ سے نقل کیا ہے اس میں ہے کہ جاریہ کے پیشاب کو خوب مبالغہ سے دھویا جائے گا اور غلام (بچے) کے پیشاب پر پانی دھار دیا جائے گا، تفصیل اس کی ہمارے یہاں گزر چکی ہے۔

۳۷۷ ﴿حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نا يَحْيٰى عن ابنِ أبي عَرُوْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عن أبي حرب بنِ أبي الأَسْوَدِ عن أبيه عن عَلِيٍّ قال : يُغْسَلُ بَوْلُ الجَارِيَةِ و يُنْضَحُ بَوْلُ الغُلَامِ مَالَمْ يَطْعَمْ.﴾

أخرجه الترمذي في الصلاة، باب: ما ذكر في نضح بول الغلام الرضيع (٦١٠) وابن ماجه في "السنن" في الطهارة، باب ما جاء في بول الصبي الذي لم يطعم (٥٢٥). انظر "تحفة الأشراف" (١٢/٤٨٢).

ترجمہ : حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بچی کے پیشاب کو دھویا جائے گا اور بچے کے پیشاب کو دھارا جائے گا جب تک وہ کھانا نہ کھائے۔

تشریح مع تحقیق : مطلب یہ ہے کہ صبی اور صبیہ کے پیشاب کو دھونے میں فرق صرف جب تک ہی کیا جائے گا جب وہ کھانا کھانا شروع نہ کرے، جب وہ کھانا کھانے لگے تو پھر دونوں کا حکم یکساں ہوگا۔

۳۷۸ ﴿حَدَّثَنَا ابنُ الْمُثَنّٰى نَا مُعَاذُ بنُ هِشَامٍ حَدَّثَنِي أبي عن قَتَادَةَ عن أبي حرب بنِ أبي الأَسْوَدِ عن أبيه عن عَلِيِّ بنِ أبي طَالِبٍ أنَّ نَبِيَّ صلى الله عليه وسلم قال : فَذَكَرَ مَعْنَاهُ ، وَلَم يَذْكُرْ "مَالَمْ يَطْعَمْ" زَادَ : قال قَتَادَةُ : هٰذَا مَالَمْ يَطْعَمَا الطَّعَامَ فإذَا طَعِمَا غُسِلَا جَمِيْعًا.﴾

تقدم تخريجه في الحديث السباق.

ترجمہ : حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: پھر سابقہ حدیث کے ہم معنی روایت کی، اور "مالم یطعم" کا ذکر نہیں کیا، (ہشام نے اپنی حدیث میں یہ) زیادتی نقل کی کہ قتادہ نے کہا کہ یہ (فرق) جب تک ہے جب تک دونوں (لڑکا، لڑکی) کھانا نہ کھائیں، جب کھانا کھانے لگیں تو دونوں کو (یکساں) دھویا جائے گا۔

تشریح مع تحقیق : مصنفؒ کی غرض اس روایت کو لانے سے یہ بیان کرنا ہے کہ قتادہ کے دو شاگرد ہیں ایک پہلی سند میں سعید بن ابی عروبہ اور دوسرے اس سند میں ہشام دستوائی، ان دونوں کی روایت میں فرق ہے، پہلا فرق تو یہ ہے کہ ابن ابی عروبہ نے اس روایت کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر موقوفاً نقل کیا ہے جب کہ ہشام نے مرفوعاً نقل کیا ہے، دوسرا فرق یہ ہے کہ ابن ابی عروبہ نے "مالم یطعم" کی قید کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقولہ قرار دیا، جب کہ ہشام نے اپنے استاذ قتادہ کا مقولہ قرار دیا، تیسرا فرق یہ ہے کہ سعید بن ابی عروبہ کی روایت میں "مالم یطعم" واحد کا صیغہ ہے اور ہشام کی روایت میں تثنیہ کا صیغہ ہے۔ (بذل المجہود ۱/۲۲۰)۔

اس حدیث کے سلسلے میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تلخیص الحبیر میں لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے مگر اس کے مرفوع اور موقوف ہونے میں اختلاف ہے بخاریؒ نے اس کی صحت کو راجح قرار دیا ہے۔ (المنہل ۳/۲۵۴)۔

۳۷۹ ﴿حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰه بنُ عَمرو بنِ ابي الحَجَّاجِ نَا عَبْدُ الوَارِثِ عن يُوْنُسَ عن الحَسَنِ عن امِّهٖ قَالت : انَّهَا ابْصَرَتْ امَّ سَلَمَةَ تَصُبُّ المآءَ عَلٰى بَوْلِ الغُلَامِ مالم يَطْعَمْ فإذَا طَعِمَ غَسَلَتْهُ ، وكَانَتْ تَغْسِلُ بَوْلَ الجَارِيَةِ.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (١٨٢٥٦).

ترجمه : حضرت حسن بصریؒ اپنی والدہ (خیرہ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ام سلمہؓ (ام المؤمنین) کو دیکھا کہ وہ لڑکے کے پیشاب پر پانی بہاتی تھیں جب تک وہ کھانا نہ کھائے، جب وہ کھانا کھانے لگتا تو دھوتی تھیں، اور لڑکی کے پیشاب کو دھوتی تھیں۔

تشریح مع تحقیق : حضرت حسن بصریؒ کی والدہ تابعیہ ہیں، حضرت ام سلمہؓ کے یہاں بہت آمد و رفت تھی، بچے و بچی کے پیشاب کو دھونے کے سلسلے میں ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کا جو عمل تھا اس کو نقل کیا ہے، حضرت ام سلمہؓ کا یہ عمل بھی احناف کے خلاف نہیں ہے، اس لئے کہ صَبّ کا لفظ غسلِ خفیف کے معنی میں ہے، کہ بچے کے پیشاب میں اس مبالغہ کی ضرورت نہیں ہے جو بچی کے پیشاب کو دھلنے میں ہوتا ہے، بلکہ دونوں میں فرق ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

﴿بابُ الأرضِ يُصِيبُهَا البَوْلُ﴾

اس زمین (کو پاک کرنے) کا بیان جس کو پیشاب لگ جائے

۳۸۰ ﴿حَدَّثَنَا أحمد بنُ عَمرِو بنِ السَّرْحِ وابنُ عَبْدَةَ فِي آخَرِيْنَ – قال : وهٰذَا لَفْظُ ابنِ عَبْدَةَ – قال : أنَا سُفْيَانُ عن الزهريِّ عن سعيد بنِ الْمُسَيَّبِ عن أبي هُرَيْرَةَ أنَّ أَعْرَابِيًّا دَخَلَ الْمَسْجِدَ ورسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم جَالِسٌ فَصَلّٰى – قال ابنُ عَبْدَةَ : رَكْعَتَيْنِ – ثُمَّ قَالَ : اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِي ومُحَمَّدًا ، و لَا تَرْحَمْ مَعَنَا احَدًا ، فقال النبيُّ صلى اللّٰه عليه وسلم : لَقَدْ تَحَجَّرْتَ وَاسِعًا ، ثُمَّ لم يَلْبَثْ أَنْ بَالَ في نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَاسْرَعَ النَّاسُ إِلَيْهِ ، فَنَهَاهُمُ النَّبِيُّ صلى اللّٰه عليه وسلم وقال : إنَّمَا بُعِثْتُم مُيَسِّرِيْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوا مُعَسِّرِيْنَ ، صُبُّوا عليه سَجْلًا مِنْ مَاءٍ ، أو قال : ذَنُوْبًا مِنْ مَاءٍ.﴾

أخرجه الترمذي في الطهارة، باب: ما جاء في البول يصيب الأرض (١٤٧) والنسائي في كتاب السهو، باب: الكلام في الصلاة (١٢١٦). انظر "تحفة الأشراف" (١٣١٣٩).

ترجمه : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی دیہاتی مسجد میں آیا اور حضور ﷺ بیٹھے ہوئے تھے، اس نے نماز پڑھی، ابن عبدہ نے کہا کہ دو رکعتیں پڑھیں، پھر کہا کہ اے اللہ! مجھ پر اور محمد ﷺ پر رحم کر اور ہمارے ساتھ کسی پر رحم نہ کر، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو نے کشادہ (رحمت) کو تنگ کر دیا، پھر تھوڑی ہی دیر میں اس اعرابی نے مسجد کے ایک کونے میں پیشاب کر دیا، لوگ اس کی طرف دوڑے (اس کے منع کرنے کو) آپ ﷺ نے لوگوں کو منع کیا، اور فرمایا کہ تم لوگوں پر آسانی کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو، اس لئے نہیں کہ دشواری کرو پانی کا ایک ڈول اس پر بہادو (یا یہ فرمایا کہ) پانی کا بھرا ہوا ڈول اس پر بہادو۔

تشریح مع تحقیق : اس باب کو قائم کر کے مصنفؒ زمین کی پاکی کے طریقے کو بیان فرمانا چاہتے ہیں کہ اگر زمین پر پیشاب جیسی ناپاک چیز لگ جائے تو اس کو کس طرح پاک کیا جائے گا، مسئلہ کی مکمل وضاحت حدیث کی تشریح اور فوائد کے بعد آئے گی، حدیث باب کو مصنفؒ نے دو سندوں سے بیان کیا ہے، یہ روایت کتب ستہ کی ہے البتہ الفاظ میں تقدیم و تاخیر کا فرق ہے۔

قوله : إِنَّ اَعْرَابِيًّا الخ : اعرابی مفرد اور اعراب اس کی جمع ہے، اعراب جنگلوں اور دیہاتوں میں رہنے والوں کو کہا جاتا ہے، یہ دیہاتی کون تھے؟ صاحب نیل الاوطار نے اس بارے میں محدثین کے مختلف اقوال ذکر کئے ہیں ابو موسیٰ مدینی نے بیان کیا کہ یہ اعرابی ذوالخویصرہ یمنی تھے، عبد اللہ بن نافع کہتے ہیں کہ یہ اقرع بن حابس تمیمی تھے۔

حافظ ولی الدین عراقی نے اس بارے میں توقف کیا ہے کہ یہ شخص ذوالخویصرہ ہوں، وہ کہتے ہیں کہ ذوالخویصرہ تو منافق تھا اور جس شخص سے یہ واقعہ پیش آیا ہے وہ بہت اچھے مسلمان تھے، اس لئے کہ جب یہ مسجد میں داخل ہوئے تو آتے ہی دو رکعت نماز پڑھی، اسی طرح ابن ماجہ کی روایت سے بھی اس کا ایک اچھا مسلمان ہونا معلوم ہوتا ہے۔

بعض حضرات نے ان کا نام عیینہ بن حصن بھی بتلایا ہے کما فی البذل۔

قوله : اللّٰهم ارحمنی الخ : بخاری شریف کی اکثر روایات میں یہ زیادتی نہیں ہے، البتہ سنن ابن ماجہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: "اللّٰهم اغْفِرْلي ولِمُحَمَّدٍ ولَا تَغْفِرْ لِأَحَدٍ مَعَنَا، فَضَحِكَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم۔

قوله : لقد تَحَجَّرْتَ وَاسِعًا : مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت تو بہت وسیع ہے تم نے اس وسیع رحمت کو اپنے اور میرے ساتھ خاص کر کے تنگ کر دیا، اصل میں یہ نئے نئے مسلمان تھے انہوں نے یہ سمجھا کہ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی رحمت کو عام کر دیا تو ہر ایک کے حصہ میں تھوڑی تھوڑی آئے گی، اس لئے کہا کہ اے اللہ! اپنی رحمت صرف ہم دونوں پر

تقسیم فرما۔ حضور ﷺ نے یہ جملہ فرما کر ان کے خیال کی تردید کردی کہ اللہ کی رحمت تو بہت وسیع ہے۔

قوله : ثُمَّ لم يَلْبَثْ أَنْ بَالَ الخ : یعنی یہ اعرابی حضور ﷺ کے پاس ابھی تھوڑی ہی دیر بیٹھے تھے کہ مسجد کے ایک کونے میں جا کر پیشاب کر دیا، صحابہ جلدی سے ان کی طرف لپکے اور اٹھانا چاہا، مگر حضور ﷺ نے روک دیا، کیونکہ یہ ابھی نئے نئے مسلمان ہیں، صحبتِ رسول ﷺ سے دور رہے ہیں ان کو یہ بات معلوم نہیں کہ مسجد میں پیشاب کرنا جائز نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں حضور اکرم ﷺ کی ممانعت کی حکمت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ ایک غلطی کو شروع کر چکے ہیں اگر درمیان میں ان کو روکا جاتا تو اس غلطی میں اضافہ ہی ہوتا، کیونکہ ان کے پیشاب کی وجہ سے مسجد کا ایک حصہ تو نجاست سے آلودہ ہو ہی چکا ہے، درمیان میں منع کرنے سے اگر وہ صاحب پیشاب روک لیتے تو ان کو تکلیف ہوتی، اور اگر نہ روکتے تو خود ان کا بدن ٹانگیں وغیرہ یا کپڑے ناپاک ہو جاتے، یا مسجد کی اور جگہ بھی ناپاک ہو جاتی، نہ روکنے میں تھوڑی خرابی برداشت کر کے بڑی خرابی سے بچ گئے۔

پھر حضور ﷺ نے ان کو مشفقانہ انداز میں سمجھا بھی دیا کہ یہ مساجد پیشاب کرنے کے لئے نہیں ہوتیں بلکہ یہ ذکر اللہ کے لئے ہوتی ہیں۔

قوله : إِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِيْنَ ولَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِيْنَ : یعنی تم کو خداوند قدوس نے اس لئے نہیں بھیجا کہ تم لوگوں کے ساتھ سخت گیری اور تشدد کا معاملہ کرو بلکہ تمہیں تو اس لئے بھیجا گیا ہے کہ تم نرمی اور یسر سے پیش آؤ، امم سابقہ میں تشدد کے جو طریقے تھے وہ سب اس امت کے لئے سہل کر دیئے گئے ہیں، کیوں کہ یہ امت کمزور ہے اور ایک ایسی ذات کی امت ہے جس کی شان رحمۃ للعالمین ہونا ہے۔

اس انداز تعلیم اور مشفقانہ نصیحت سے معلوم ہوا کہ ناواقف آدمی کو نصیحت کرنے میں نرمی برتنی چاہئے، بالخصوص ایسے مواقع پر کہ اس کو مانوس کرنے کی ضرورت ہو، یہ واقعہ امت کے ساتھ حضور ﷺ کی محبت اور شفقت کا اعلیٰ نمونہ ہے، اور آپ ﷺ کے اعلیٰ ترین اخلاق کا مظہر ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کو فرمایا: إِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِيْنَ الخ حالانکہ مبعوث تو حضور ﷺ ہیں، نہ کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم؟

جواب یہ ہے کہ صحابۂ کرام کی طرف بعثت کی نسبت مجازاً ہے اس لئے کہ صحابۂ کرام آپ ﷺ کے نائب ہیں حق نیابت کو ادا کرنے والے ہیں، اس حیثیت سے صحابہ کو مبعوث کہہ دیا گیا۔ (عمدۃ القاری ۶۱۲/۲)

قوله : صُبُّوا علیه سَجُلًا من ماءٍ البغ سجل: بفتح السین وسکون الجیم بمعنی بڑا ڈول، ابو حاتم نے کہا کہ جو ڈول بھرا ہوا ہو اسی کو سجل کہتے ہیں لہٰذا "من ماءٍ" کی قید تاکید کے لئے ہوگی۔

قوله : أو ذنوبًا : بفتح الذال وضم النون جمع اذنبة وذنائب ، اسکے معنی بھی "پانی سے بھرا ہوا ڈول" کے ہی ہیں۔

فقہ الحدیث

اس حدیث سے استدلال کرکے امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ زمین کی تطہیر صرف پانی بہانے سے ہوتی ہے، اس لئے کہ حدیث باب میں زمین کی تطہیر کا صرف ایک ہی طریقہ بیان کیا گیا ہے۔

احناف کے نزدیک اس مسئلے میں تفصیل ہے اور تطہیر ارض کے تین طریقے منقول ہیں: اول جفاف یعنی ناپاک زمین خشک ہوجانے سے خود بہ خود پاک ہوجاتی ہے، لیکن جفاف سے طہارت کاملہ حاصل نہیں ہوتی یعنی طاہر تو ہوجاتی ہے مطہر نہیں ہوتی، اس لیے ایسی زمین پر نماز تو پڑھ سکتے ہیں اس سے تیمم نہیں کرسکتے، طریق ثانی صبّ الماء کہ زمین پر پانی بہانے سے وہ پاک ہوجاتی ہے، لیکن ہر قسم کی زمین صب الماء سے پاک نہیں ہوتی، اس میں تفصیل ہے جو آگے آئے گی، تیسرا طریقہ حفر ہے کہ زمین کھودنے اور ناپاک مٹی کو منتقل کرنے سے زمین پاک ہوجاتی ہے۔

صبّ الماء سے پاک ہونے کی تفصیل

علامہ عینیؒ نے اس سلسلے میں یہ تفصیل لکھی ہے کہ اگر زمین نرم اور کچی ہو کہ جس میں پانی جذب ہوجائے تو وہ صب الماء سے پاک ہوجائے گی، اس لئے کہ زمین کے نرم ہونے کی وجہ سے نجاست پانی کے ساتھ اندر سرایت کرجائے گی، فقہ حنفی کی ظاہری روایت کے لحاظ سے تین مرتبہ اس طرح پانی بہایا جائے کہ ہر مرتبہ جذب ہوجائے، اور اگر زمین ایسی سخت ہو جس میں پانی جذب نہ ہوتا ہو اور وہ زمین اونچی بھی ہو تو اس سے نیچے زمین میں گڑھا کھودا جائے اور اونچی ناپاک زمین پر تین مرتبہ اس طرح پانی بہایا جائے کہ بہہ کر گڑھے میں آجائے پھر گڑھے کو بند کردیا جائے، اور تیسری شکل یہ ہے کہ ناپاک زمین سخت بھی ہو اور پانی جذب نہیں ہوتا اور ہموار بھی ہے کہ پانی بہہ کر بھی نہیں جاتا تو اس کو دھویا نہ جائے بلکہ دھونے سے سے کوئی فائدہ نہیں بلکہ ایسی زمین کو کھودنا ضروری ہے اور اس کی مٹی کو دوسری جگہ منتقل کردیا جائے۔ (عمدۃ القاری ۲/۶۰۸)۔

احناف کا استدلال اگلے باب میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں کہ میں شادی سے پہلے نوجوانی میں مسجد میں رات گزارتا تھا اور چوں کہ اس وقت مسجد کو بند کرنے کا دستور نہ تھا اس لئے احیاناً کتے مسجد میں آجاتے تھے اور اس میں پیشاب بھی کردیتے تھے لیکن مسجد کو پانی سے دھویا نہیں جاتا تھا۔

اس کے علاوہ مصنفؒ ابن ابی شیبہ میں ابوجعفر محمد بن علی الباقر کا اثر موجود ہے: زكاة الأرض يُبْسُهَا" اسی طرح مصنفؒ ابن ابی شیبہ ہی میں محمد بن الحنفیہ کا اثر ہے: "إذا جفت الأرض فقد زكت" اور مصنف عبدالرزاق میں ابوقلابہ کا اثر ہے: "جفوف الأرض طهورها" نیز بعض دوسرے صحابہ اور تابعین سے بھی اس طرح کے اقوال منقول ہیں، یہ سب آثار خلاف قیاس ہونے کی وجہ سے حدیث مرفوع کے حکم میں ہیں۔

اور حدیث باب ہمارے خلاف نہیں کیونکہ اس میں تطہیر کے طریقوں میں سے ایک بہتر طریقہ منقول ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تطہیر کا کوئی طریقہ اس کے علاوہ ہے ہی نہیں۔

۳۸۱ ﴿حَدَّثَنَا موسى بنُ إسماعيلَ نا جَرِيْرٌ يَعْنِي ابنَ حازِمٍ قال : سمعتُ عَبْدَ الملكِ يعني ابنَ عُمَيْرٍ يُحَدِّثُ عن عَبْدِاللّٰه بنِ مَعْقِلِ بنِ مُقَرِّنٍ قال : صَلّٰى أَعْرَابِيٌّ مَعَ النبيِّ صلى اللّٰه عليه وسلم بِهٰذِهِ الْقِصَّةِ قال فيه : "وقال يَعْنِي النبيَّ صلى اللّٰه عليه وسلم : خُذُوْا مَا بَالَ عليه مِنَ التُّرَابِ ، فَأَلْقُوْهُ وأَهْرِيْقُوْا عَلٰى مَكَانِهٖ مآءً.
قال أبو داوٗدَ : هُوَ مُرْسَلٌ ، ابنُ مَعْقِلٍ لم يُدْرِكِ النبيَّ صلى اللّٰه عليه وسلم.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (١٨٩٤٤):

ترجمه : حضرت عبداللہ بن معقل سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، (پھر عبداللہ بن معقل نے اعرابی کے) اس (مذکورہ) قصہ کو بیان کیا، (عبداللہ بن معقل نے) اپنی حدیث میں یہ کہا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: کہ جس مٹی پر اعرابی نے پیشاب کیا ہے اس کو اٹھاؤ اور (مسجد کے باہر) ڈال دو، اور اس جگہ پر پانی بہادو۔

ابوداؤد نے کہا کہ عبداللہ بن معقل کہ یہ حدیث مرسل ہے، عبداللہ بن معقل نے حضور ﷺ کو نہیں پایا۔

تشریح مع تحقیق : اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ اعرابی نے حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، جب کہ پہلی روایت میں تنہا نماز پڑھنے کا ذکر تھا، صاحب منہل لکھتے ہیں کہ یہاں مَعَ سے مراد مَعَ حَضْرَتِه ہے یعنی اس اعرابی نے آپ ﷺ کی موجودگی میں نماز پڑھی۔

قوله : واهريقوا الخ هَرَاقَ المآءَ يُهْرِيْقُه هِرَاقَةً ، و أَهْرَقَهُ يُهْرِيْقُه إِهْرَاقًا ، وأَهْرَاقَهُ يُهْرِيْقُه إِهْرِيَاقًا فَهُوَ مُهْرِيْقٌ : بہانا، پانی وغیرہ گرانا، اس کی اصل: أَرَاقَ يُرِيْقُ إِرَاقَةً ہے ہمزہ اور را کے درمیان ھ کو بڑھا دیا گیا ہے۔

اس حدیث سے صب الماء کے ساتھ ساتھ نقل تراب اور حفر کا بھی ثبوت ہوتا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ تلخیص الحبیر میں لکھتے ہیں کہ یہ روایت اگرچہ مرسل ہے لیکن اس کی اسناد صحیح ہے دو موصول سندوں سے بھی یہ روایت مروی ہے جس سے اس مرسل کو تقویت حاصل ہو جائے گی۔ (البذل ۱/۲۲۲)۔

﴿باب طُهُوْرِ الأرضِ إذَا يَبِسَتْ﴾

سوکھ جانے سے زمین کے پاک ہونے کا بیان

۳۸۲ ﴿حَدَّثَنَا احمد بنُ صَالِحٍ نَا عَبْدُ اللّٰه بنُ وَهْبٍ أخبَرَنِي يُوْنُسُ عن ابنِ شِهَابٍ حدثني حَمْزَةُ بنِ عَبْدِاللّٰهِ بنِ عُمَرَ قال : قال ابنُ عُمَرَ : إنِّي كُنْتُ أبِيتُ فِي الْمَسْجِدِ فِي عَهْدِ رسولِ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وكُنْتُ فَتًى شَابًّا عَزَبًا ، و كَانَتِ الكِلَابُ تَبُوْلُ و تُقْبِلُ وتُدْبِرُ فِي المسجد فَلَمْ يكونوا يَرُشُّوْنَ شَيْئًا مِنْ ذلك.﴾

أخرجه البخاري في "صحيحه" في الطهارة في الوضوء، باب: الماء الذي يغسل به شعر الإنسان (١٧٤). انظر "تحفة الأشراف" (١٧٤).

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مسجد میں رات گزارتا تھا اور اس وقت میں نوجوان غیر شادی شدہ تھا، اور کتے مسجد میں آتے جاتے تھے اور پیشاب کرتے تھے، صحابہ اس کی وجہ سے کچھ (پانی) بھی نہیں بہاتے تھے۔

تشریح مع تحقیق : مصنفؒ نے یہ باب احناف کی تائید میں قائم کیا ہے کہ تطہیر الارض کے لئے صب الماء ہی ضروری نہیں ہے، اس لئے حدیث الباب میں یہ ہے کہ مسجد میں کتے آجاتے تھے اور پیشاب بھی کر جاتے تھے اور پانی نہیں بہایا جاتا ہے، معلوم ہوا کہ جفاف سے زمین پاک ہو جاتی ہے۔

امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی یہ تاویل کی کہ یہاں پر تین فعل مذکور ہیں، تبولُ، تُقبلُ، تُدْبِرُ، "فی المسجد" کا تعلق اخیرین سے ہے تبول سے نہیں ہے، بول تو کتے خارج مسجد کیا کرتے تھے البتہ کبھی کبھی وہ مسجد میں آجاتے تھے۔

لیکن خطابی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تاویل مردود ہے، کیونکہ جب کتوں کو مسجد میں آنے جانے سے کوئی چیز مانع نہیں ہوتی تھی تو بول سے کیا چیز مانع تھی، اور کیا اس زمانے کے کتے اتنے سمجھ دار تھے کہ پیشاب باہر کر کے آتے تھے؟

نیز خطابی کی تاویل کے مطابق حدیث میں معنی کے اعتبار سے رکاکت بھی آجاتی ہے وہ یہ کہ جب "فی المسجد" کا تعلق تبول سے نہ رہا تو مطلب یہ ہوا کہ اس زمانہ میں کتے پیشاب کرتے تھے، اس زمانہ میں کیا تخصیص تھی کتے تو اب بھی پیشاب کرتے ہیں، علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ "فی المسجد" کا تعلق افعال ثلاثہ سے ہی ہے، اگر بول کو اس

سے مشتق مان لیا جائے گا اور اقبال وادبار سے اس کا تعلق رکھا جائے تو اس صورت میں رش الماء کی حاجت ہی کیا تھی، جس کی نفی کی جارہی ہے، پھر تو "فلم یرشون شیئًا من ذلك" جملہ بے معنی ہوجائے گا۔(المنہل ۳/۲۶۲)۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

احناف کے کہنے کے مطابق زمین جفاف سے پاک ہوجاتی ہے تو پھر جب اعرابی نے مسجد میں پیشاب کیا تھا تو اس پر پانی کیوں بہایا گیا، جفاف ہی ہونے دیتے؟

اس اشکال کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ جس طرح جفاف تطہیر الارض کا طریقہ ہے صب الماء بھی تو تطہیر الارض ہی کا طریقہ ہے احناف اس سے انکار کب کرتے ہیں، نیز ہوسکتا ہے کہ موجودہ حالت میں چوں کہ پیشاب کے اجزاء نمایاں تھے اور عفونت پیدا ہوگئی تھی اس لئے ازالہ کی صورت فوری طور پر پانی بہانا نکالی گئی، اور روایت سے یہ ثابت ہے کہ اس اعرابی نے پیشاب کنارے پر کیا تھا اس لئے جب فوراً پانی بہا دیا گیا تو پانی اجزاء نجسہ کو لے کر باہر نکل گیا، معاملہ دن کا ہے نماز مسلسل رہتی ہے اور ہوسکتا ہے کہ نماز تیار ہو ایسی صورت میں نہ کھودنے کی گنجائش تھی اور نہ سوکھنے کا انتظار ہی ممکن تھا، اس لیے فوری طور پر پانی بہا کر طہارت حاصل کرلی گئی۔(ایضاح البخاری ۲/۲۷۸)۔

﴿بابُ في الأذى يُصِيبُ الذَّيْلَ﴾

اس نجاست کا بیان جو دامن میں لگ جائے

۳۸۳ ﴿حَدَّثَنا عَبْدُ اللّٰه بنُ مَسْلَمَةَ عن مَالِكٍ عن محمد بنِ عُمَارَةَ بنِ عَمْرو بنِ حَزْمٍ عن محمد بنِ إبْرَاهِيمَ عن أُمِّ وَلَدٍ لِإبْرَاهِيمَ بنِ عبدِالرحمن بنِ عَوْفٍ أنَّها سَألَتْ أمّ سَلَمَةَ زَوْجَ النبيِّ صلى اللّٰه عليه وسلم فَقَالَتْ: إنِّي امْرَأةٌ أُطِيلُ ذَيْلِي و أمْشِي فِي الْمَكَانِ الْقَذِرِ، فَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: يُطَهِّرُهُ ما بَعْدَهُ.﴾

أخرجه الترمذي في "جامعه" في الطهارة" باب: ما جاء في الوضوء من الموطئ: (١٤٣) وابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة (٥٣١)، باب: "الأرض يطهر بعضها بعضًا". انظر "تحفة الأشراف" (١٨٢٩٦).

ترجمہ: ابراہیم بن عبدالرحمٰن کی ام ولد نے ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ سے سوال کرتے ہوئے کہا کہ میرا دامن لمبا ہے (جو زمین پر گھسٹتا ہے) اور میں نجس جگہ پر چلتی ہوں، ام سلمہؓ نے جواب دیا کہ بعد کا حصہ اس دامن کو پاک

کردے گا۔

تشریح مع تحقیق : قوله : اُمِّ وَلَدٍ لابراهيم : ان کا نام حمیدہ ہے، تابعیہ ہیں، حافظ ابن حجرؒ نے تقریب میں ان حضرات کی فہرست میں ان کا نام لکھا ہے جن سے روایت کرنے والے ایک یا دو حضرات ہی ہیں، ایسے رواۃ پر حافظؒ مقبول کا اطلاق کرتے ہیں۔

قوله : اُطِيْلُ ذَيْلِي : ذیل اصل مصدر ہے کپڑے کے کنارے اور دامن پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، حمیدہ کا سوال یہ تھا کہ جب میں چلتی ہوں تو اپنے دامن کو یا اوڑھنے والی چادر کے پلو کو دراز کر لیتی ہوں، تاکہ چلنے میں قدمین کا تستر ہو جائے، اب وہ دامن یا پلو زمین پر لگتا ہے اور گھسٹتا ہے جس کی وجہ سے گندی اور ناپاک جگہ سے گزرتے ہوئے اس کو نجاست لگ جاتی ہے ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟

حضرت ام سلمہؓ کو یہ جواب مستحضر تھا اور حضور ﷺ کی حدیث جو اس مسئلہ کا حل تھی ان کو یاد تھی، چنانچہ انہوں نے بروقت اس سائلہ کا جواب دیا کہ گندگی اور ناپاک جگہ سے گزرنے کے بعد بھی چلنا جاری رہے تو پھر پاک وصاف زمین سے اس پلو کے لگنے کی صورت میں جو پاک مٹی اس کو لگتی ہے اور جھڑتی ہے اس سے وہ پلو پاک ہو جاتا ہے۔

اس حدیث کے ظاہر سے استدلال کر کے بعض حضرات نے یہ کہہ دیا کہ ناپاک حصہ پر عبور کے بعد زمین کے پاک حصہ پر گزرنے کی رگڑ سے کپڑے یا عورت کے دامن پر لگی ہوئی نجاست کا ازالہ ہو جائے گا اور کپڑا پاک ہو جائے گا، نجاست یابسہ ہو یا رطبہ، ان حضرات نے دامن اور پلو کو خف اور جوتے کی مانند قرار دیا ہے۔

جب کہ ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء ومحدثین کا مسلک یہ ہے کہ اگر کپڑے کو تر نجاست لگ جائے تو اس کی تطہیر کے لیے غسل ہی ضروری ہے۔

جمہور اس حدیث کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ یہ حکم اس نجاست کے بارے میں ہے جو خشک ہو، چنانچہ خشک نجاست اگر کپڑے کو لگ جائے اور پھر پاک زمین پر چلنے کی صورت میں وہ کپڑا اس زمین پر گھسٹے تو اس سے وہ نجاست جھڑ جاتی ہے اور کپڑا پاک ہو جاتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کے کلام سے یہ مطلب مستفاد ہوتا ہے کہ حدیث میں لفظ قذر سے مراد نجاست نہیں ہے، بلکہ طین شارع مراد ہے، یعنی راستہ کا گارا کیچڑ، دھول وغیرہ اور اس صورت میں وہ کپڑا در اصل ناپاک ہی نہیں ہوا، اس لئے کہ طین شارع معاف ہے اور یُطَهِّرُهُ سے مراد "ينظفه" ہے۔ (ملخص من المنہل ۲۶۳/۳)۔

۳۸۴ ﴿حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ محمدِ النُّفَيْلِيُّ وأحمد بنُ يُوْنُسَ قالا : نا زُهَيْرٌ نا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ عِيْسٰى عن موسٰى بنِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ يَزِيْدَ عن امْرَاَةٍ مِنْ بَنِي عبد الْأَشْهَلِ قالت : قُلْتُ :

يا رسولَ اللهِ ! إنَّ لَنا طريقًا إلى الْمَسْجِدِ مُنْتِنَةً فَكَيْفَ نَفْعَلُ إذَا مُطِرْنَا ؟ قال : أَلَيْسَ بَعْدَهَا طَرِيْقٌ هي أَطْيَبُ مِنْهَا ، قَالَتْ : قُلْتُ : بَلٰى ، قال : فَهٰذِهِ بِهٰذِهِ.﴾

أخرجه ابن ماجه في "سننه" في كتاب الطهارة، باب (الأرض يطهر بعضها بعضًا) (۵۳۲). انظر "تحفة الأشراف" (۱۸۳۸۰).

ترجمہ : قبیلۂ بنو عبدالاشہل کی ایک خاتون سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا: میں نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم جس راستہ سے گزر کر مسجد کو آتے جاتے ہیں وہ (کسی کسی جگہ سے) بہت گندا ہے، پانی برس جانے کی صورت میں ہم کیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا اس (گندے حصہ) کے بعد پاک وصاف راستہ نہیں پڑتا؟ میں نے کہا کہ ہاں پڑتا ہے، فرمایا وہی (پاک حصہ والا راستہ) اس (گندے والے حصہ) کا بدل ہے۔

تشریح مع تحقیق : مطلب یہ ہے کہ راستہ کے گندے حصہ پر چلنے کی صورت میں جو گندگی لگ جاتی ہے وہ اس وقت زائل ہو جاتی ہے جب اس گندے حصہ کے بعد پاک وصاف حصہ آتا ہے اس پر چلتے ہوئے وہ نجاست پاک زمین سے رگڑی جاتی ہے۔

یہ حدیث اور ام سلمہؓ کی روایت کردہ سابقہ حدیث معنی کے اعتبار سے تقریباً ایک ہی طرح کی ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ اس میں بارش کا بھی ذکر ہے اس لئے یہاں نجاست یابسہ مراد نہیں لی جاسکتی، اس لئے یہاں دوسری تاویل متعین ہے جس کو حضرت دہلویؒ نے بیان کیا ہے، یہ کہا جائے کہ سائلہ کا مقصد کیچڑ کی چھوٹی چھوٹی چھینٹوں کے بارے میں سوال کرنا تھا جو چلتے ہوئے دامن پر لگ جاتی ہیں، اور یہ چھینٹیں شرعاً معاف ہیں، لیکن آپ نے سائلہ کو مطمئن کرنے کے لئے صرف معافی کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ پاک زمین کی تطہیر کا ذکر فرمایا تا کہ وہ بالکل مطمئن ہو جائیں۔

اس حدیث کے سلسلے میں امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں مقال ہے اس لئے کہ بنو عبدالاشہل کی خاتون مجہولہ ہیں اور مجہول کے ذریعہ استدلال نہیں کیا جاسکتا ہے، لیکن حافظ منذریؒ نے خطابی رحمۃ اللہ علیہ پر رد کیا ہے کہ یہ صحابیہ ہیں اور صحابیہ کی جہالت روایت کے لئے مضر نہیں ہوتی۔ (المنہل ۳/۲۶۵)۔

﴿بابُ الأَذٰى يُصِيْبُ النَّعْلَ﴾

اس گندگی کا بیان جو جوتے کو لگ جائے

۳۸۵ ﴿حَدَّثَنَا احمد بنُ حنبلٍ نا أبو الْمُغِيْرَةِ ح وحدثنا عَبَّاسُ بنُ الْوَلِيدِ بنِ مَزْيَدٍ قال : أَخْبَرَنِي أبي ح وحدثنا مَحْمُوْدُ بنُ خالِدٍ نَا عُمَرُ يعني ابنَ عَبْدِالْوَاحِدِ الأَوْزَاعِي

الْمَعْنَى قال: أُنْبِئْتُ أنَّ سَعِيْدَ بنَ أبِي سعيدِ الْمَقْبُرِيّ حَدَّثَ عن أبِيهِ عن أبي هُرَيْرَةَ أنَّ رسولَ اللهِ ﷺ قال: إذَا وَطِئَ أحَدُكُمْ بِنَعْلِه الأَذَى فإنَّ التُّرَابَ لَهُ طَهُوْرٌ.

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (١٤٣٢٩).

قال أحمد بن حنبل: ليس معناه إذا أصابه بول ثم مرّ بعده على الأرض أنها تطهره ولكنه يمر بالمكان فيقذره ثم يمرّ بمكان أطيب منه فيكون هذا بذاك ليس على أنه يصيبه منه بشيء، وفي إسناد الحديثين مقال، لأن الأول عن أم ولد لإبراهيم بن عبد الرحمٰن وهي مجهولة لا يعرف حالها في الثقة والعدالة، والحديث الآخر عن امرأة من بني عبد الأشهل، والمجهول لا تقوم به الحجة في الحديث.

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص جوتے پہن کر نجاست پر چلتا ہے، تو مٹی ان جوتوں کو پاک کر دیتی ہے۔

تشریح مع تحقیق : قوله : عن الأوزاعي المعنى الخ : یہاں پر تین سندیں جمع ہوگئی ہیں، پہلی میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ احمد بن حنبلؒ ہیں اس کے تحویل اول میں عباس بن الولید اور تحویل ثانی میں محمود بن خالد ہیں، پھر ان تینوں کے استاذ جو سند میں مذکور ہیں یعنی ابو المغیرہ، ولید بن مَزْيَدْ اور عمر بن عبد الواحد یہ تینوں اوزاعی سے روایت کررہے ہیں، لہٰذا امام اوزاعیؒ ملتقی الاسانید ہوئے، اور المعنیٰ کا مطلب یہ ہے کہ ان تینوں کی روایت کا مضمون ایک ہے اور الفاظ مختلف ہیں۔

قوله : "قال : أنبئتُ أن سعيد بن أبي سعيد المقبري الخ : بصیغۂ مجہول ہے أي أُخْبِرْتُ، یعنی اوزاعی براہ راست سعید سے روایت نہیں کرتے بلکہ درمیان میں کوئی واسطہ ہے، صاحب منہل کہتے ہیں کہ شاید یہ واسطہ محمد بن عجلان کا ہو جیسا کہ باب کی اگلی روایت میں ہے اور طحاوی میں بھی ہے۔

قوله : عن أبيه : یہ ابو سعید کیسان بن سعید المقبریؒ ہیں۔

قوله : إذَا وَطِئَ الخ : مطلب یہ ہے کہ جوتے پہن کر چلنے کی بنا پر ان جوتوں کو جو گندگی لگ جاتی ہے وہ زمین پر رگڑ کھانے سے دور ہو جاتی ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں "اذی" سے مراد وہ نجاست ہے جو جرم دار اور خشک ہو، کہ اگر اس طرح کی نجاست جوتے یا موزے کو لگ جائے تو وہ زمین پر رگڑ دینے سے دور ہو جاتی ہے اور جوتا یا موزہ پاک ہو جاتا ہے، لیکن جو نجاست تر ہو وہ رگڑنے سے زائل نہ ہوگی بلکہ غسل ضروری ہے۔

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جوتے یا موزے کی نجاست دلک (رگڑنے) سے زائل نہ ہوگی بلکہ اس نجاست کو پانی سے دھو کر ہی زائل کرنا ضروری ہے، نجاست خواہ تر ہو یا خشک ہو، ان حضرات نے حدیث باب کی تاویل یہ کی کہ یہاں "اذی" سے مراد شی مستقذر ہے یعنی گھناؤنی چیز مراد ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ کا مفتی بہ قول یہ ہے کہ نجاست رطبہ ہو یا یابسہ ہر صورت میں خف اور نعل دلک سے پاک ہو جائے گا ان حضرات نے حدیث باب کے ظاہر سے استدلال کیا ہے۔

فائدہ: فقہاء کا یہ اختلاف اجتہاد پر مبنی ہے۔

یہاں یہ واضح رہے کہ یہ اختلافِ اقوال جرم دار نجاست ہی کے بارے میں ہے جیسے گوبر وغیرہ، اور غیر جرم دار نجاست مثلاً پیشاب اور شراب وغیرہ کا بالاتفاق یہی مسئلہ ہے کہ اس کو دھونا واجب ہے، اگر جوتا یا موزہ ایسی نجاست سے ناپاک ہو جائے تو پانی سے دھوئے بغیر پاک نہ ہوگا۔ (المنہل العذب المورود ۳/۲۶۷)۔

۳۸۶ ﴿حَدَّثَنَا أحمد بنُ إبراهيمَ ثَنِي محمد بنُ كَثِيرٍ يعنِي الصَّنْعَانِيَّ عن الأوزاعي عن ابنِ عَجْلَانَ عن سعيد بنِ أبي سَعِيْدٍ عن أبي هُرَيْرَةَ عن النبي صلى الله عليه وسلم بِمَعْنَاهُ، قال: إِذَا وَطِئَ الأَذَى بِخُفَّيْهِ فَطُهُوْرُهُمَا التُّرَابُ.﴾

تقدم تخريجه في الحديث السباق.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ حضور اکرم ﷺ سے پہلی روایت کے ہم معنی روایت کرتے ہیں، اس میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب نجاست کو اپنے موزوں سے روندے تو مٹی ان دونوں کی پاکی ہے۔

تشریح مع تحقیق: مصنفؒ اس روایت کو ذکر کر کے اوزاعی کے تلامذہ کے اختلاف کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں، پہلی روایت میں اوزاعی کے تین شاگرد تھے، ابوالمغیرہ، ولید بن مزید، اور عمر بن عبدالواحد، ان تینوں کی روایت کے الفاظ قریب قریب تھے اور تینوں کی روایت میں نعل کا ذکر تھا، یہاں اوزاعی کے چوتھے شاگرد ہیں محمد بن کثیر، انہوں نے بجائے نعل کے خفین کا تذکرہ کیا ہے۔

محمد بن کثیر اگرچہ ضعیف راوی ہیں لیکن چوں کہ یہاں ان کے متابع موجود ہیں اس لئے روایت کی صحت میں کوئی خلل نہ پڑے گا۔ قالہ النووی

فقہ الحدیث گزر چکا ہے۔

۳۸۷ ﴿حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بنُ خَالِدٍ نَا مُحَمَّدٌ يَعْنِي ابنَ عَائِذٍ حَدَّثَنِي يَحْيٰى يعني ابنَ حَمْزَةَ عن الأَوْزَاعِي عن محمد بنِ الوليد قال: أَخْبَرَنِي ايضًا سعيد بنُ أبي سعيد عن القَعْقَاعِ بنِ حَكِيمٍ عن عائشةَ عن رسولِ الله صلى الله عليه وسلم بمعناه.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (١٧٥٦٨).

ترجمہ: حضرت عائشہؓ حضور ﷺ سے سابقہ روایت کے ہم معنی روایت کرتی ہیں۔

تشریح مع تحقیق : اس سند کو ذکر کرنے کا مقصد بھی اوزاعی کے تلامذہ کا اختلاف بیان کرنا ہے یہاں اوزاعی کے پانچویں شاگرد یحییٰ بن حمزہ ہیں، انہوں نے روایت کو بجائے مسند ابو ہریرہ ؓ کے مسانید عائشہ رضی اللہ عنہا میں سے قرار دیا۔

قوله : "قال : أَخْبَرَنِي أَيْضًا" اس جملے کی شرح میں چار قول ہیں:

۱- قال کی ضمیر محمد بن الولید کی طرف راجع ہے اور تقدیری عبارت یہ ہے: قال محمد بنُ الوليد أخبرني سعيد عن القعقاع بن حكيم عن عائشةَ كما أُخبِرَ سعيدُ ابنَ عجلان به عن أبيه عن أبي هريرة" یعنی محمد بن الولید کہتے ہیں کہ اس حدیث کی خبر مجھے سعید بن ابی سعید نے قعقاع سے دی، جیسا کہ میرے علاوہ ابن عجلان کو اسی حدیث کی خبر انہوں نے اپنے والد ابی سعید سے دی، تو محمد بن الولید کی سند ہوئی "سعيد عن القعقاع عن عائشة" اور ابن عجلان کی سند ہوئی: سعيد عن أبي سعيد عن أبي هريرة.

۲- دوسرا قول یہ ہے کہ محمد بن الولید کہتے ہیں کہ اس حدیث کی خبر مجھ کو قعقاع سے سعید نے بھی دی اور سعید کے علاوہ دوسرے نے بھی دی، گویا محمد بن الولید کو یہ حدیث قعقاع سے دو استاذوں کے واسطے پہنچی ہے، اس صورت میں تقدیری عبارت یہ ہوگی: "قال محمد بنُ الوليد أخبرني أيضًا بالحديث سعيد بنُ أبي سعيد كما أخبرني غَيْرُهُ عن القعقاع عن عائشة".

۳- محمد بن الولید کہتے ہیں کہ اس حدیث کی خبر مجھے سعید بن ابی سعید نے "عن القعقاع عن عائشة" کے طریق سے بھی دی جیسا کہ انہوں نے ہی مجھے اس کی خبر "عن أبيه عن أبي هريرة" کے طریق سے دی، اس صورت میں تقدیری عبارت یہ ہوگی: "قال محمد بنُ الوليد أخبرني سعيد عن القعقاع عن عائشةَ كما أخبرني سعيد عن أبيه عن أبي هريرة".

۴- قال کی ضمیر کا مرجع بجائے اقرب کے ابعد یعنی اوزاعی ہو، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا: اوزاعی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں میرے دو شیخ ہیں ایک محمد بن الولید دوسرے سعید بن ابی سعید، جس طرح اس حدیث کی خبر مجھ کو محمد بن الولیدؒ نے دی اسی طرح سعید بن ابی سعید نے بھی دی، پھر دونوں روایت کرتے ہیں "قَعْقَاع عَنْ عَائشة" سے، اس صورت میں تقدیری عبارت یہ ہوگی: حدث الأوزاعي عن محمد بنِ الوليد قال : وأخبرني أيضًا سعيد بن أبي سعيد كلاهما عن القعقاع بن حكيم عن عائشه". (بذل ۱/۲۲۴، المنہل ۳/۲۶۹)۔

❁ ❁ ❁

﴿بابُ الإعَادَة مِنَ النجاسةِ تَكُونُ فى الثّوب﴾

کپڑے میں لگی ہوئی نجاست کی وجہ سے نماز کے اعادہ کا بیان

۳۸۸ ﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ يَحْيٰى بنِ فَارِسٍ نَا أبو مَعْمَرٍ نَا عَبْدُالوارِثِ حَدَّثَتْنَا أُمُّ يُونُسَ بِنْتُ شَدَّادٍ قَالَتْ : حَدَّثَتْنِي حَماتِي أُمُّ جَحْدَرٍ الْعَامِرِيَّةُ أَنَّهَا سَأَلَتْ عَائشةَ عن دَمِ الحَيْضِ يُصِيبُ الثَّوْبَ فَقَالَتْ : كُنْتُ مَعَ رسولِ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وَعَلَيْنَا شِعَارُنَا وَقَدْ أَلْقَيْنَا فَوْقَهُ كِسَاءً ، فَلَمَّا أَصْبَحَ رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أَخَذَ الْكِسَاءَ فَلَبِسَهُ ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الْغَدَاةَ ثُمَّ جَلَسَ ، فَقَالَ رَجُلٌ : يا رسولَ اللّٰه ! هٰذِهِ لُمْعَةٌ مِنْ دَمٍ ، فَقَبَضَ رسولُ اللّٰه ﷺ عَلٰى مَا يَلِيهَا ، فَبَعَثَ بِهَا إِلَيَّ مَصْرُورَةً فِي يَدِ الْغُلَامِ ، فَقَالَ : اغْسِلِي هٰذَا ، وأَجِفِّيهَا و أَرْسِلِي بِهَا إِلَيَّ ، فَدَعَوْتُ بِقَصْعَتِي ، فَغَسَلْتُهَا ، ثُمَّ أَجْفَفْتُهَا فَأَحَرْتُهَا إِلَيْهِ ، فَجَآءَ رسولُ اللّٰه ﷺ بِنِصْفِ النَّهَارِ وهِيَ عليه.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (۱۷۹۷۷).

اللمعة: بزنة غرفة، القدر اليسير.

مصرورة: مجموعة ومنقبضة أطرافها.

فَأَحَرْتُهَا: معناه رددتها إليه، يقال: حار الشيء يحور بمعنى رجع ومنه قوله سبحانه وتعالى (ظَنَّ أَنْ لَنْ يَحُورَ) أي أنه أيقن أن لن يرجع إلى ربه حيًا مبعوثًا فيحاسب يقال: حار يحو حورًا إذا رجع. انظر "معالم السنن" ۱۰۳/۱.

ترجمہ : ام یونس کی نند ام جحدر عامریہ نے حضرت عائشہؓ سے حیض کے اس خون کے بارے میں پوچھا جو کپڑے کو لگ جائے، انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھی، اور ہمارا کپڑا ہمارے اوپر تھا، ہم نے اس کے اوپر ایک چادر ڈال لی، جب صبح ہوئی تو حضور اکرم ﷺ نے چادر کو اوڑھا اور جا کر فجر کی نماز پڑھا دی، اس کے بعد بیٹھ گئے، ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! یہ خون کا نشان ہے، آپ ﷺ نے اس کے آس پاس مٹھی سے پکڑ کر ایک بچے کے ہاتھ میں دے کر میرے پاس بھیج دیا اور کہا کہ اس کو دھو کر سکھا کر میرے پاس بھیج دو، میں نے پانی کا کونڈا منگا کر اس کو دھویا پھر سکھایا اور اس کو آپ ﷺ کے پاس بھیج دیا، پھر حضور اکرم ﷺ دوپہر کو تشریف لائے، وہی چادر اوڑھے ہوئے تھے۔

تشریح مع تحقیق : مصنفؒ کا مقصد اس ترجمہ سے یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ اگر کسی نے نجاست لگے ہوئے کپڑے سے نماز پڑھ لی تو وہ اعادہ کرے یا نہیں؟ فقہاء کے درمیان اس مسئلہ میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ازالہ نجاست عن الثوب صحتِ صلاۃ کے لئے شرط نہیں ہے، لہٰذا اگر کسی نے نجس کپڑے کے ساتھ نماز پڑھ لی تو اعادہ بھی ضروری نہ ہوگا، دلیل حدیث باب ہے کہ حضور ﷺ نے ایسی چادر میں نماز پڑھائی جس میں دمِ حیض لگا ہوا تھا بعد میں علم ہونے پر آپ ﷺ نے اعادہ نہیں کیا، اس لئے کہ حدیث میں اعادہ کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔

ائمہ ثلاثہ اور جمہور کے نزدیک ازالہ نجاست عن الثوب صحت صلاۃ کے لئے شرط ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ" یہاں طہارت ثوب نماز ہی کے لئے بیان کی جارہی ہے، اسی طرح جمہور نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس میں آپ ﷺ نے صحابہ کو یہ ہدایت فرمائی کہ جب تم میں سے کوئی اپنے جوتے میں (خفین میں) کسی نجاست کو دیکھے تو پہلے اس کو صاف کرے بعد میں نماز پڑھے۔

جہاں تک حدیثِ باب سے مالکیہ کے استدلال کا تعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت اپنی سند کی حیثیت سے کمزور ہے، اس لئے کہ اس میں اُمّ یونس اور اُمّ جحدر العامریہ دونوں مجہول ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے تقریب التہذیب میں لکھا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ چادر میں لگا ہوا خون قلیل ہو جو شرعاً معاف ہے اور تنظیف کے لئے آپ ﷺ نے اس چادر کو دھلوایا ہو۔

تیسرا جواب یہ بھی ہے کہ عدم ذکر عدم اعادہ کو مستلزم نہیں ہے۔

قوله : حدثتني حَمَّاتي : حَمَاةُ حَمَا کی تانیث ہے بمعنی خوش دامن، ساس، نند، یہاں تیسرے معنی ہی مراد ہیں۔

قوله : لُمعَةٌ : بضم اللام وسكون الميم : اس کے اصلی معنی ہیں گھاس کا وہ حصہ جو خشک ہونے لگا ہو، لیکن بعد میں اس کا استعمال ہر اس رنگ اور داغ پر ہونے لگا جو دوسرے رنگ کے درمیان چمکتا ہو۔

مَصْرُورَة : باب نَصَرَ سے اسم مفعول کا صیغہ ہے، بمعنی بندھا ہوا، ہر وہ چیز جس کو مٹھی میں لے لیا جائے۔

أجفيها : صیغۂ امر ہے، أجف الشيئَ إجْفَافًا : خشک کرنا، سکھانا۔

فَأَحَرْتُهَا : أَحَارَ الشَّيئَ إِحَارَةً : لوٹانا، قرآن پاک میں ہے: "إِنَّهُ ظَنَّ أَنْ لَنْ يَحُورَ" ایک نسخہ میں: "أَخْرَجْتُهَا" بھی ہے۔

❁ ❁ ❁

﴿بابٌ في البُزاقِ يُصِيبُ الثوب﴾

تھوک کے کپڑے میں لگ جانے کا بیان

۳۸۹ ﴿حَدَّثَنَا موسىٰ بنُ إسْمَاعِيلَ نَا حَمَّادٌ نَا ثَابِتٌ الْبُنَانِيّ عن أبي نَضْرَةَ قال : بَزَقَ رسولُ اللّٰه صلى الله عليه وسلم في ثَوْبِهِ و حَكَّ بَعْضَهُ بِبَعْضٍ.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (١٩٤٩٢).

ترجمہ : حضرت ابوالنضرہؒ (تابعی) فرماتے ہیں کہ رسالت مآب ﷺ نے اپنے کپڑے میں تھوکا اور اسی میں مل دیا۔

تشریح مع تحقیق : اقذار (گندی چیزوں) کا ذکر چل رہا ہے، قذر کی دو قسمیں ہے ایک نجس دوسرے غیر نجس، قذر در حقیقت گھناؤنی چیزوں کو کہتے ہیں خواہ وہ پاک ہوں یا ناپاک، پیشاب، پاخانہ، منی، تھوک، بلغم، پسینہ، یہ سب چیزیں قذر ہیں، مگر پاخانہ، پیشاب اور منی قذر ہونے کے ساتھ ساتھ نجس بھی ہیں، اور تھوک، بلغم اور پسینہ وغیرہ قذر ہیں نجس نہیں ہیں۔

اس باب میں امام ابوداؤدؒ قذر غیر نجس کا حکم بیان فرمار ہے ہیں، اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ تھوک، ناک کی رینٹ اور پسینہ ناپاک نہیں ہیں، صرف سلمان فارسی اور ابراہیم نخعیؒ سے منقول ہے کہ تھوک منہ سے الگ ہونے کے بعد اور رینٹ ناک سے الگ ہونے کے بعد ناپاک ہوجاتے ہیں، مصنفؒ اس مسئلہ میں جمہور کے ساتھ ہیں، کہ تھوک وغیرہ پاک ہیں، اگر کپڑے میں لگ جائیں تو کپڑا ناپاک نہیں ہوگا، یہ الگ بات ہے کہ آپ کو گھن آئے مگر ہر گھن والی چیز کا ناپاک ہونا ضروری نہیں۔

حدیث میں آیا کہ سرکار رسالت مآب ﷺ نے اپنے کپڑے میں تھوک لیا اور اس کو مل لیا، گویا آپ ﷺ نے تعلیم دی کہ اگر نماز میں اس کی ضرورت ہو تو منہ میں جمع کرنے کی صورت میں تکلف بھی ہوگا اور کراہت بھی، پھر اگر بہت ہوجائے تو بہت زیادہ مشکل بھی ہوگی، نماز کی حالت میں ایسی صورت پیدا ہونے کے وقت یہ تعلیم دی گئی کہ اپنے بائیں جانب تھوک لے، اور اگر بائیں جانب کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو تو اپنے پیر کے نیچے تھوک لے، اور اگر غلبہ کی صورت ہو تو اپنے کپڑے میں لے کر مل لے، جیسا کہ کتاب الصلاۃ میں اس کی تفصیل آئے گی۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ تھوک ناپاک نہیں ہے۔

۳۹۰ ﴿حَدَّثَنَا موسىٰ بنُ إسْمَاعِيلَ نَا حَمَّادٌ عن حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ عن النبي صلى الله عليه

وسلم بمثله.﴾

تفرد به أبو داو. انظر "تحفة الأشراف" (٦١٨).

ترجمه : حضرت انس ﷺ نے بھی حضور ﷺ سے اسی سابق حدیث کی طرف روایت کی ہے۔

تشریح مع تحقیق : باب کی پہلی روایت مرسل تھی، اس لئے اس میں حضور اکرم ﷺ سے نقل کرنے والے ابونضرہ تھے جو تابعی ہیں حضور ﷺ کو انہوں نے نہیں پایا، تو مصنفؒ نے پہلی روایت کی تائید کے لئے یہ دوسری روایت ذکر کردی، کیونکہ مرسل روایت کی تائید میں اگر کوئی متصل روایت آجائے تو وہ مرسل بھی حجت ہوجاتی ہے۔

فقہ الحدیث

صاحب منہل یہ لکھتے ہیں کہ تھوک فی نفسہ پاک ہے، لیکن اگر کسی نے شراب پینے کے بعد تھوکا تو وہ ناپاک ہوگا، اس لئے کہ شارب خمر کا توسؤر بھی ناپاک ہوتا ہے جب کہ اس نے ابھی شراب پی ہو، اسی طرح اگر لعاب میں خون یاقی کی آمیزش ہے تو وہ بھی ناپاک ہوگا۔

خاتمہ

الحمد للہ آج ٦ / ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۸ / دسمبر ۲۰۰۶ء کو صبح دس بج کر ۴۳ / منٹ پر کتاب الطهارت کی تشریح کی تکمیل ہوئی۔

اے اللہ! تیرا ہزار ہزار شکر ہے کہ تو نے چند در چند مزاحمتوں اور مشغولیوں کے باوجود اس شرح کی تکمیل کا سامان مہیا فرمایا، اور ان اوراق کو ترتیب دینے کی توفیق مرحمت فرمائی، اے اللہ! تو اس کو قبول فرما، اور میرے، میرے والدین اور اساتذۂ کرام کے لئے آخرت میں نجات کا ذریعہ بنا۔ (آمین یارب العالمین)

والحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات، والصلاة والسلام على سيدنا محمد صاحب المعجزات، وعلى آله وأصحابه أولي الكمالات، صلاةً وسلامًا دائمين ما تعاقبت الأوقات وتواصلت البركات۔

محمد عبد الرزاق غفرلہ

خادم جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ یوپی، ہند

٦ / ۱۲ / ۱۴۲۷ھ

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

﴿کِتَابُ الصَّلَاۃ﴾

نماز کے ابواب

کتاب الصلاۃ کی احادیث کی تشریح سے پہلے چند ضروری مباحث پر کلام کرنا مناسب ہے، اس لئے پہلے ان مباحثِ ضروریہ کو بیان کیا جاتا ہے، اس کے بعد احادیث کی تشریح پیش کی جائے گی۔

(۱) ماقبل سے مناسبت، (۲) صلاۃ کے لغوی اور شرعی معنی، (۳) لفظ صلاۃ کا مادۂ اشتقاق، (۴) نماز کا ثبوت، (۵) مشروعیت نماز کی ابتدار، (۶) نماز کی فرضیت کی حکمت، (۷) فرضیتِ نماز کا سبب، (۸) نماز کی ادائیگی کا ثمرہ، (۹) تارکِ صلاۃ کا حکم۔

ماقبل سے مناسبت

دو چیزیں ہوتی ہیں ایک شرط، دوسرے مشروط، مشروط کی تفصیل سے پہلے شرائط کو جان لینا ضروری ہوتا ہے، یہاں پر طہارت نماز کی شرط ہے مصنفؒ جب شرط کی تفصیل سے فارغ ہوگئے تو اب مشروط (نماز) کی تفصیل بیان فرمارہے ہیں، اس لئے کہ جب تک طہارت نہ ہوگی تب تک نماز صحیح نہ ہوگی، لہٰذا جب مسائلِ طہارت سے فراغت ہوگئی تو مسائل نماز کی شروعات ہورہی ہے۔

صلاۃ کے لغوی اور شرعی معنی

لغت میں ''صلاۃ'' کے معنی ہیں: دعار، جیسا کہ قرآن پاک میں ہے: "وَصَلِّ عَلَيْهِمْ" کہ آپ ﷺ ان (مسلمانوں) کے لئے دعار کیجئے، اسی طرح حدیث میں ہے: "وَإِنْ كَانَ صَائِمًا فَلْيُصَلِّ" کہ اگر شخص روزے دار ہو اور دوسرا آدمی اس کی دعوت کرے تو اس کو چاہئے کہ داعی کے گھر جا کر دعا کردے اور آجائے، اور نماز چوں کہ دعار پر مشتمل ہوتی ہے اس لئے اس عبادت مشہورہ (نماز) کو صلاۃ کہنے لگے۔

اور اس میں ایک قول یہ بھی ہے کہ لفظ ''صلاۃ'' دعا، تعظیم، رحمت اور برکت کے درمیان مشترک ہے۔

اور صلاۃ کی اصطلاحی تعریف یہ ہے: "هِيَ أَقْوَالٌ وأَفْعَالٌ مُفْتَتَحَةٌ بِالتَّكْبِيْرِ مُخْتَتَمَةٌ بالتَّسْلِيمِ" یعنی صلاۃ اس خاص عبادت کا نام ہے جو ارکان و شرائط کے ساتھ چند مخصوص اقوال وافعال کی صورت میں ادا کی جاتی ہے، جس کی ابتدا تکبیر سے ہوتی ہے، اور جس کا اختتام ''سلام'' سے ہوتا ہے، اردو اور فارسی زبان میں اس کو ''نماز'' کہتے ہیں۔ (کذا فی المنہل)۔

لفظ ''صلاۃ'' کا مادۂ اشتقاق

اس بارے میں کہ ''صلاۃ'' کا مادۂ اشتقاق کیا ہے؟ علماء کے متعدد اقوال ہیں، شارح مسلم امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ صلاۃ کا لفظ (صَلْوٌ کے تثنیہ) صَلَوَیْن سے نکالا گیا ہے، اور "صَلَوَیْن" سرین کی دونوں ہڈیوں کو کہتے ہیں، (جب کہ صَلْوٌ کے لغوی معنی ہیں: سرین کی ہڈیاں ہلانا) اور اس خاص عبادت میں رکوع و سجود وغیرہ کے وقت چوں کہ زیادہ تر سرین کی ہڈیاں ہی ہلتی ہیں اس لئے اس عبادت کو صلاۃ کہا گیا۔

ایک قول یہ ہے کہ لفظ صلاۃ "مُصَلِّی" سے لے گیا ہے اور مُصَلِّی لغت میں اس گھوڑے کو بھی کہتے ہیں کہ جو دوڑ میں دوسرے نمبر آتا ہے، اور اس گھوڑے کو مُصَلِّی اس اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ اس کا سر آگے والے نمبر ایک گھوڑے کے سرین کے پاس ہوتا ہے۔

اور ''عوارف'' میں لکھا ہے کہ صلاۃ کا لفظ "صَلّی" سے اخذ کیا گیا ہے، جس کے معنی ہیں ٹیڑھی لکڑی کو آگ پر رکھ کر نرم اور سیدھا کرنا، جیسا کہ اہل عرب بولتے ہیں: "صَلَّيْتُ الْعَصَا بالنَّارِ" یعنی میں نے آگ پر رکھ کر لکڑی کو سیدھا اور نرم کیا، پس اس خاص عبادت (نماز) کو صلاۃ اس اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ آدمی میں نفسِ امارہ کی وجہ سے جو ٹیڑھا پن ہے وہ اسی عبادت کے ذریعہ کم ہوتا ہے، آدمی جب نماز پڑھتا ہے تو ذاتِ ربانی کی عظمت وہیبت کی گرمی اس کو پہنچتی ہے جو اس کے ٹیڑھے پن کو دفع کرتی ہے، اس صورت وہ گویا اس چیز کی مانند ہوا جس کو آگ پر رکھ کر تپایا گیا ہو آگ کی گرمی سے اس کا ٹیڑھا پن دور کیا گیا ہو، اور جو شخص یہاں دنیا میں نماز کی حرارت سے گرم ہوا اور اس کے ذریعہ اس کا ٹیڑھا پن دور ہو گیا تو اب امید رکھنی چاہیے کہ آخرت کی آگ میں اس کو نہیں ڈالا جائے گا۔

لیکن اس آخری قول پر امام نوویؒ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ ''صلاۃ'' میں لام کلمہ ''واؤ'' ہے اور ''صلیت'' میں یاء ہے تو یہ اشتقاق صحیح نہ ہوگا، اشتقاق کے لئے حروف اصلیہ میں اشتراک ضروری ہے۔

صاحب بذل نے اس اعتراض کو بے بنیاد قرار دیا ہے، اس لئے کہ جملہ حروفِ اصلیہ میں اشتقاق صرف اشتقاقِ صغیر میں شرط ہے، اشتقاق کبیر میں شرط نہیں۔ (بذل ۱/۲۲۵)۔

نماز کا ثبوت

نماز کی فرضیت کا ثبوت کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع امت سے ثابت ہے، قرآن پاک میں ہے: "أقیموا الصلاۃ" و "إنّ الصلاۃ کانت علی المؤمنین کتابًا موقوتاً" اور حضور ﷺ نے جب حضرت معاذ بن جبل ؓ کو یمن کی طرف روانہ کیا تو فرمایا: "فَاعْلِمهم انّ اللّٰہ تعالیٰ افْتَرَضَ علیھم خمس صلواتٍ فی کل یومٍ ولیلۃ" اسی طرح اجماع امت بھی ہے کہ نماز فرض ہے اس کا منکر کافر ہے، جو قتل کیا جائے گا۔

مشروعیتِ نماز کی ابتداء

تمام اہل سیر وحدیث متفق ہیں کہ صلواتِ خمسہ کی فرضیت لیلۃ الاسراء میں ہوئی ہے، البتہ لیلۃ الاسراء کے سنہ، ماہ اور تاریخ میں اختلاف ہے۔

سنہ کے اختلاف سے متعلق امام نوویؒ نے تین قول لکھے ہیں، (۱) نبوت کے پندرہ ماہ بعد، (۲) نبوت کے پانچ سال بعد، (۳) ہجرت سے ایک سال قبل، حافظ ابن حجرؒ نے اس سلسلے میں دس سے زائد اقوال لکھے ہیں، جمہور کا قول یہ نقل کیا ہے کہ معراج ۱۰ر نبوی کے بعد ۱۱ر نبوی میں سفر طائف سے واپسی کے بعد ۲۷ر رجب کو لیلۃ الاسراء کا واقعہ پیش آیا ہے۔ (سیرۃ المصطفیٰ ج:۱،ص:۲۸۸)۔

ماہ اور تاریخ کے بارے میں بھی متعدد اقوال ہیں: ۲۷ر ربیع الآخر، ۲۷ر ربیع الاول، ۲۷ر رجب، امام نوویؒ نے ۲۷ر رجب کو راجح قرار دیا ہے۔

پھر اس میں کلام ہوا ہے کہ لیلۃ الاسراء سے پہلے کوئی نماز فرض تھی یا نہیں؟ اکثر علماء کا خیال ہے کہ صلواتِ خمسہ سے پہلے کوئی نماز فرض نہ تھا، لیکن امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ نماز تہجد اس سے پہلے فرض ہو چکی تھی، جس کی دلیل سورۂ مزمل کی آیات ہیں، یہ صورت مکہ مکرمہ میں بالکل ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہے، اور امت کے حق میں اس کی فرضیت صرف ایک سال تک رہی، اس کے بعد منسوخ ہوگئی، البتہ آپ ﷺ کے حق میں اختلاف ہے، ایک جماعت کہتی ہے کہ آپ ﷺ کے حق میں بھی یہ حکم منسوخ ہوگیا تھا دوسری جماعت کہتی ہے کہ آپ ﷺ کے حق میں یہ منسوخ نہیں ہوا تھا، ہر دو فریق کا استدلال فرمانِ خداوندی: "وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَكَ" سے ہے، ایک فریق نے نَافِلَةً کو معنی مشہور "نفل" پر محمول کیا ہے اور دوسرے فریق نے لغوی معنی پر محمول کیا ہے یعنی فَرِيْضَةً زَائِدَةً لَكَ پر۔

پھر اس میں کلام ہوا ہے کہ عام مسلمان بھی صلوات خمسہ سے پہلے کوئی نماز پڑھا کرتے تھے یا نہیں؟ علماء کی ایک

جماعت یہ کہتی ہے کہ فجر اور عشار کی نمازیں لیلۃ الاسراء سے پہلی ہی پڑھی جاتی تھیں، جس کی دلیل آیت قرآنی: وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ" ہے کیوں کہ یہ آیت آیت اسرار سے پہلے نازل ہوئی ہے، لیکن یہ بات محقق نہیں کہ یہ دونوں نمازیں فرض ہونے کی حیثیت سے پڑھی جاتی تھیں یا نفلاً۔

نماز کی فرضیت کی حکمت

صاحب منہل نقل کرتے ہیں کہ مشروعیت صلاۃ کی حکمت منعم کا شکر ادا کرنا ہے، اور بندوں کے گناہوں کا ازالہ کرنا ہے۔

فرضیت نماز کا سبب

نماز کی فرضیت کا سبب حقیقی تو اللہ تبارک وتعالیٰ کا ازل ہی میں واجب اور ضروری کر دینا ہے، لیکن چوں کہ یہ سبب حقیقی بندوں کی نظروں سے غائب ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا ظاہری سبب اوقات کو بنا دیا ہے چنانچہ فرمان خداوندی ہے: أقم الصلاة لدلوكِ الشمس" اس آیت کے تحت ظہر کی نماز آجاتی ہے کہ جب سورج ڈھلے تو فرضیتِ صلاۃِ ظہر کا ظاہری سبب پایا جائے گا، اور "أقم الصلاة طرفي النهار" میں عصر اور صبح کی نماز آجاتی ہے، اور وزُلَفًا مِنَ الليل" میں مغرب اور عشار کی نماز آجاتی ہے، کہ جب جب یہ اوقات آئیں گے تو بندے پر نماز فرض ہوتی چلی جائے گی۔ (المنہل ۳/۴/۲۷)۔

نماز کی ادائیگی کا ثمرہ

ثمرہ نماز کی ادائیگی کا یہ ہے کہ دنیا میں مطالبہ ساقط ہوجائے گا اور آخرت میں ثواب ملے گا، نافرمانی خداوند سے دوری ہوگی اور جنت میں داخلہ نصیب ہوگا۔

تارک صلاۃ کا حکم

جو شخص فرضیت صلاۃ کا قائل ہو لیکن عملاً اس کو ترک کرے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کی سزا تعزیر اور حبس دائم ہے، یہاں تک کہ تائب ہوجائے، مالکیہ اور شوافع کہتے ہیں کہ ایسا شخص فاسق ہے، اور اس کی سزا قتل ہے مگر حدًا لا کفراً، حنابلہ کہتے ہیں کہ تارکِ صلاۃ تلقین اور مطالبہ کے بعد بھی نماز نہ پڑھے تو وہ کافر ہوجائے گا اور کفراً اس کو قتل کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں ابن قیمؒ کی "الصلاة وحكم تاركها" قابل مطالعہ کتاب ہے۔

❁ ❁ ❁

﴿بابُ فَرْضِ الصَّلاةِ﴾

نماز کی فرضیت کا بیان

۳۹۱ ﴿حَدَّثَنا عَبْـدُ اللّٰه بنُ مَسْلَمَـةَ عن مَالِكٍ عـن أبي سُهَيْلِ بنِ مالِكٍ عَنْ أبيه قال : إنَّه سَمِعَ طلحةَ بنِ عُبَيْدِ اللّٰه يقولُ : جَاءَ رَجُلٌ إلى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم مِنْ أهـلِ نَجْدٍ ثَائِـرَ الرأسِ ، يُسْمَعُ دَوِيُّ صَوْتِـه ولَا يُفْقَـهُ مَا يَقُوْلُ حَتّى دَنَا فإذَا هُوَ يَسْأَلُ عـن الإسلامِ فقـال رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم : خَمْسُ صَلَوَاتٍ في الْيَـوْمِ وَاللَّيْلَـةِ ، قَالَ : هَـلْ عَلَيَّ غَيْـرُهُنَّ ؟ قَالَ : لَا ، إلَّا أَنْ تَطَـوَّعَ قَال : وذَكَرَ لَـهُ رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم صِيَامَ شَهْرِ رَمَضَانَ ، قال : هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُ ؟ قال : لَا ، إلَّا أَنْ تَطَوَّعَ ، قال : وَذَكَرَ لَهُ رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم الصَّدَقَـةَ ، قال : فَهَلْ عَلَيَّ غَيْـرُهَا ؟ قال : لَا إلَّا أَنْ تَطَوَّعَ ، فَأَدْبَرَ الرَّجُلُ وهُوَ يَقُوْلُ : وَاللّٰهِ لَا أَزِيْدُ عَلٰى هٰذَا وَلَا أَنْقُصُ ، فقال رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم : أَفْلَحَ إنْ صَدَقَ.﴾

أخرجه البخاري في "صحيحه" في الإيمان، باب: الزكاة في الإسلام (٤٦) وفي الصوم، باب: وجوب صوم رمضان (١٨٩١) وفي الشهادات، باب: كيف يستحلف (٢٦٧٨) وفي الحيل، باب: في الزكاة وأن لا يفرق بين مجتمع ولا يجمع بين متفرق خشية الصدقة (٦٩٥٦). وأخرجه مسلم في "صحيحه" في الإيمان، باب: بيان الصلوات التي هي أحد أركان الإسلام (١٠٠ و ١٠١) وأخرجه النسائي في "المجتبى" في كتاب الصلاة، باب: كم فرضت في اليوم والليلة (٤٥٧)، وأخرجه أيضًا في كتاب الصوم، باب: وجوب الصيام (٢٠٨٩) وأخرجه أيضًا في كتاب الإيمان، باب: الزكاة (٥٠٤٣). انظر "تحفة الأشراف" (٥٠٠٩).

قوله "أفلح إن صدق": قال الزركشي في "التنقيح" فيه ثلاثة أقوال: أحدها: أنه أخبر بفلاحه ثم أعقبه بالشرط ليبين على أن سبب فلاحه صدقه. الثاني: أنه فعل ماض أريد به المستقبل. الثالث: أنه تقدم على حرف الشرط والنية به التأخير كما أن النية بقوله: إن صدق التقديم والتقدير: إن صدق أفلح. انظر "معالم السنن" ١/٢٢٧.

ترجمه : حضرت طلحہ بن عبید اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اہل نجد میں سے ایک شخص رسول کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا جس کے سر کے بال پریشان تھے، اس کی آواز کی گنگناہٹ معلوم ہورہی تھی، لیکن (فاصلہ پر ہونے کی وجہ سے) بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی، یہاں تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے بالکل قریب پہنچ گیا، تو ہم نے سنا کہ وہ اسلام

کے (فرائض کے) بارے میں سوال کر رہا ہے، رسول اللہ ﷺ نے (اس کے جواب میں) فرمایا: رات دن کی پانچ نمازیں فرض ہیں، (یہ سن کر) اس شخص نے کہا، کیا ان نمازوں کے علاوہ مجھ پر کچھ اور نمازیں بھی فرض ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں مگر یہ کہ تم نفل نماز شروع کر دو، پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کو رمضان کے روزوں کے (فرض ہونے کے) بارے میں بتلایا، اس شخص نے کہا: کیا ان روزوں کے سوا مجھ پر کچھ اور روزے بھی فرض ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں مگر یہ کہ تم نفل روزہ شروع کر دو، (تو اس کا پورا کرنا ضروری ہے) راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے زکوٰۃ کا ذکر کیا، اس شخص نے عرض کیا کہ: کیا اس کے علاوہ بھی مجھ پر کوئی صدقہ فرض ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، مگر نفل صدقہ کا تمہیں اختیار ہے، اس کے بعد وہ شخص یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ خدا کی قسم میں نہ تو اس پر کچھ زیادتی کروں گا اور نہ ہی اس میں کچھ کمی کروں گا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر اس شخص نے سچ کہا تو نجات پا گیا، اور کامیاب ہو گیا۔

تشریح مع تحقیق : بعض نسخوں میں یہاں "باب فرض الصلاۃ" لکھا ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنفؒ کا مقصد اس باب سے نماز کی فرضیت اور رکنِ اسلام ہونے کی طرف اشارہ کرنا ہے، اور حدیث باب سے یہ بات اچھی طرح ثابت ہو رہی ہے کہ نماز ارکانِ اسلام میں سے ہے۔

قولہ : جاء رجل إلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ : مطلب یہ ہے کہ ایک شخص نجد کا رہنے والا آں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، نجد تہامہ کے مقابلہ میں حجاز کا بلند حصہ ہے جو عراق تک چلا گیا ہے، یہ آنے والے شخص کون ہیں؟ ابن بطال ﷫ اور کچھ دوسرے محدثین کی رائے یہ ہے کہ یہ ضمام بن ثعلبہ ﷜ ہیں، جو قبیلۂ بنو سعد کے وافد تھے، جیسا کہ صحیحین کی ایک روایت میں اس کی تصریح ہے، اور امام مسلمؒ نے ضمام بن ثعلبہ کے واقعہ کو حضرت طلحہ کی اس حدیث کے فوراً بعد ذکر کیا لیکن علامہ عینیؒ نے لکھا ہے کہ ضمام بن ثعلبہ کو رجل کا مصداق قرار دینا ٹھیک نہیں ہے، بلکہ صحیح یہ ہے کہ یہ دونوں واقعہ الگ الگ شخصوں کے ہیں ایک ضمام بن ثعلبہ کا ہے اور یہ جو یہاں مذکور ہے، کسی اور کا ہے، جس کے نام کی تعیین نہ ہو سکی، دونوں کو ایک قرار دینا اس لئے ٹھیک نہیں کہ دونوں کے سیاق اور الفاظ میں بہت بڑا فرق ہے۔

دراصل شبہ اس سے ہو گیا کہ ضمام اور یہ مبہم انسان دونوں بدوی تھے، اور آخر میں دونوں نے "لَا أَزِيْدَ عَلٰى هٰذَا وَلَا أنقص" فرمایا ہے اس سے دونوں قصے ایک معلوم ہو رہے ہیں، جب کہ ایسا نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ۱/۳۹۳)۔

عرض یہ کہ یہ بدوی شخص گنگناتے ہوئے آئے، دور سے ان کی بات سمجھ میں نہ آتی تھی کہ کیا کہہ رہے ہیں، شراح حدیث نے اس کی ایک وجہ تو یہ لکھی ہے کہ چوں کہ یہ قوم کی طرف سے نمائندے بنا کر بھیجے گئے تھے اس لئے وہ اپنی ذمے داری کو محسوس کرتے ہوئے ان سوالات کو دہراتے ہوئے آ رہے تھے کہ وہاں مجلس کا رعب کہیں گفتگو کرتے وقت کسی لغزش یا غلطی کا باعث نہ بن جائے، اور قوم کی نمائندگی میں فرق نہ آ جائے، جب قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ اسلام کے بارے میں

پوچھنا چاہتے ہیں، یہی مراد ہے ''دوي'' صوت سے جس کو صحابہ سمجھ نہ سکے تھے، انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے شرائع اسلام کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا دن اور رات میں پانچ نمازیں ہیں، انہوں نے پوچھا کہ اس کے علاوہ نماز کے بارے میں اور بھی کچھ ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، اگر تم اپنے طور پر پڑھنا چاہو تو پڑھ سکتے ہو، زکوٰۃ کا ذکر آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ واجب تو اتنا ہی حصہ ہے آگے تطوعات ہیں جس قدر بھی دے سکتے ہو دو، اس کی کوئی حد نہیں، صوم رمضان کے متعلق بھی یہی فرمایا کہ یہ تو ضروری ہیں لیکن اس سے زیادہ اگر رکھنا چاہو تو تمہیں اختیار ہے، اب وہ یہ کہہ کر چلے کہ میں اس میں نہ زیادہ کروں گا نہ کم، آپ ﷺ نے فرمایا اگر یہ سچ بول رہا ہے تو یہ اس کی نجات کے لئے کافی ہے۔

وجوب وتر کا مسئلہ

کہا جاتا ہے کہ اس روایت سے وتر کے وجوب پر جو احناف کا مسلک ہے زد پڑتی ہے یعنی اگر وتر واجب ہوتا تو ''خمس صلوات'' کے بجائے ''ستُّ صلوات'' فرماتے لیکن یہاں فرمایا گیا ہے کہ دن اور رات میں پانچ نمازیں ہیں، ان کے علاوہ اور کچھ نہیں کسی بے وقوف نے امام صاحب سے پوچھا کہ نمازیں کتنی ہیں؟ آپ نے فرمایا پانچ اس نے پوچھا کہ وتر؟ فرمایا کہ وہ بھی فرض ہے، اس نے پھر پوچھا کہ فرض نمازیں کتنی ہیں؟ امام صاحب نے فرمایا کہ پانچ، اس نے پھر وہی پوچھا کہ وتر؟ امام صاحب نے فرمایا کہ وہ بھی فرض ہے، اس نے تمسخر کے انداز میں کہا ان سے تو حساب بھی نہیں آتا، بتلاتے ہیں چھ اور شمار کرتے ہیں پانچ، دراصل اس بے وقوف نے امام صاحب کی بات ہی نہ سمجھی، امام صاحب فرماتے تھے کہ وتر بھی عشاء ہی کا حصہ ہے، یعنی فرض کی دو قسمیں ہیں اعتقادی اور عملی، جہاں امام صاحب نے پانچ فرض بتلائے اس کا تعلق اعتقادی سے تھا، اور جہاں چھ فرمائے تو اس کی مراد عملی سے تھی۔

یہاں بھی بعض حضرات کو شبہ ہو رہا ہے کہ اس روایت سے وتر کا وجوب نہیں نکلتا ہمیں اس کا جواب دینے کی زیادہ ضرورت نہیں ہے بلکہ خود دوسرے لوگوں نے کہا ہے کہ گو اس روایت میں وجوب وتر کا تذکرہ نہیں ہے لیکن وتر کے سلسلے میں جو تاکیدات روایات میں مذکور ہیں ان سے صرف نظر کرنا بھی کوئی معقول بات نہیں ہے، چنانچہ شوافع کے یہاں بھی ایک قول فرضیت کا ہے گو وہ مختار نہیں ہے، کوئی کہتا ہے کہ تارکِ وتر کی شہادت مردود ہے، کوئی کہتا ہے کہ عدالت ساقط ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں فرض تو نہیں کہتا مگر چھوڑنے کی بھی کسی حال میں اجازت نہیں دیتا۔

اس کے علاوہ پہلی بات تو یہ ہے کہ خمس صلوات فرمایا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ نمازیں پانچ وقت میں لازم ہیں، اور چوں کہ وتر کا وقت وہی عشاء کا وقت ہے اس کا اپنا کوئی مستقل وقت نہیں ہے اسی وجہ سے اس کو عشاء پر مقدم کرنا جائز نہیں، پس جب وتر کا عمل عشاء کے وقت میں عشاء کی نماز کے بعد ہوتا ہے تو اس کا شمار بھی عشاء ہی کے ساتھ ہونا چاہئے

اس کو یوں سمجھ سکتے ہیں کہ فرائض خمسہ کے لئے جداگانہ اذان واقامت ہے اور جماعت بھی مطلوب ہے مگر وتر میں نہ جماعت ہے اور نہ اس کی مستقل اذان ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حنفیہ کی تحقیق کے مطابق وتر پر دو دور گزرے ہیں ایک دور سنیت کا اور دوسرا وجوب کا، سنیت کے دور میں گنجائش رہی ہے کہ دابہ پر ادا کریں یا زمین پر، اور دابہ پر ادا کرنے کی اجازت صرف نوافل میں ہے فرائض میں نہیں، اور دوسرا دور وجوب کا ہے ہوسکتا ہے کہ سائل کی آمد سنیت وتر کے دور میں ہوئی ہو۔

رہا عیدین کی نماز کا مسئلہ تو اس کے بارے میں احناف کی طرف سے یہ کہا جائے کہ یہاں پر مذکور فرائض یومیہ ہیں اور صلوٰۃ عید واجبات سَنَوِيَّة میں سے ہے، یعنی وہ سالانہ نماز ہے نہ کہ روزانہ کی۔

وجوب وتر کے بارے میں احناف مندرجہ ذیل احادیث سے استدلال کرتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے:

(۱) إنَّ اللّٰه أَمَدَّكُمْ بِصَلَوٰةٍ هِيَ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ (ابو داؤد ۲۰۸/۱) — اللہ تعالیٰ نے تمہاری نمازوں میں ایک نماز کا اضافہ فرمایا ہے جو تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

اس نوم یا نسیان کی وجہ سے قضاء ہو جائیں تو اسکے بارے میں یاد آنے پر قضاء لازم قرار دی گئی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

(۲) مَنْ نَسِيَ الْوِتْرَ أَوْ نَامَ عَنْهَا فَلْيُصَلِّهَا إذَا ذَكَرَهَا (مسند احمد ۳۳/۳) — جو وتر کی نماز کے وقت سو گیا یا بھول گیا تو یاد آنے پر پڑھ لینا چاہئے۔

ایک روایت میں فرمایا گیا ہے:

(۳) الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا
الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا
الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا (ابو داؤد ۲۰۸/۱)

وتر حق ہے پس جو شخص وتر ادا نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے پس جو شخص وتر ادا نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے، جو شخص وتر ادا نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

اور ان جیسی بیسیوں روایات میں وتر کے وجوب کے اشارات موجود ہیں، جو انشاء اللہ اپنی جگہ ذکر کئے جائیں گے۔

نیز یہاں ایک تیسری بات یہ ہے کہ عدم ذکر عدم کی دلیل نہیں ہوا کرتا ہے، اگر یہاں عدم ذکر عدم کی دلیل ہے تو پھر وتر ہی کی کیا خصوصیت ہے یہاں تو حج کا بھی ذکر نہیں، صدقۂ فطر بھی مذکور نہیں، حالانکہ یہ چیزیں ضروری ہیں، ان دلائل کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صرف اس حدیث کا سہارا لے کر وجوب وتر سے انکار درست نہیں۔

قضاءِ تطوع کا اختلاف

قوله: "إلَّا أن تَطَوَّعَ" : یہاں پر ایک مشہور اختلافی مسئلہ ہے وہ یہ کہ نفل نماز شروع کرنے کے بعد دونوں بڑے

اماموں کے نزدیک واجب ہوجاتی ہے اگر وہ کسی وجہ سے فاسد ہوگئی تو اس کی قضاء لازم ہے، اور شوافع وحنابلہ کے نزدیک نفل نماز کا حکم جو شروع کرنے سے پہلے ہے وہی بعد میں ہے اس کا اتمام واجب نہیں اور نہ قضاء لازم ہے، سوائے حج کے، حج کے بارے میں یہ حضرات بھی یہی کہتے ہیں کہ حج نفلی اگر فاسد ہوجائے تو اس کی قضاء ہے۔

جو لوگ قضاء نہ کرنے کے قائل ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ "إلّا أن تطوّع" کا استثناء، استثناء منقطع ہے، جو "لکن" کے معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ واجب کچھ نہیں، ہاں اگر نفل ادا کرنا چاہو تو منع نہیں کیا جائے گا۔

احناف کہتے ہیں کہ استثناء متصل ہے اور یہی استثناء میں اصل ہے اور استثناء متصل میں ضروری ہے کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہو اس لئے معنی اب یہ ہوں گے کہ تطوع کے شروع کرنے میں تو تم مختار ہو جی چاہے شروع کرو اور جی چاہے شروع نہ کرو، لیکن اگر شروع کردو گے تو اس کا اتمام واجب ہوجائے گا اب اسے ناتمام نہیں چھوڑ سکتے اور اگر کسی ضرورت سے ناتمام چھوڑتے ہو تو اس کی قضاء کرنا لازم اور ضروری ہوگی، پھر یہی حکم روزے کا ہے اور یہی حج کا بھی۔

شوافع اور حنابلہ کے دلائل

استثناء میں چوں کہ انقطاع اصل نہیں ہے اس لئے قائلین انقطاع کو قرائن ودلائل کی ضرورت ہے، چنانچہ ان حضرات نے دلیل میں نسائی کی روایت پیش کی ہے:

إنّ رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم کَانَ أحیانًا یَنْوِي صَوْمَ التَّطَوّعِ ثُمّ یُفْطِرُ. (نسائی کتاب الصوم)

رسول اکرم ﷺ کبھی کبھی نفلی روزے کی نیت فرمالیتے تھے اور پھر افطار کرلیتے تھے۔

اس حدیث میں روزے کے افطار کا تو ذکر ہے لیکن یہ مذکور نہیں کہ قضاء کی گئی یا نہیں، معلوم ہوا کہ نفلی روزہ اگر کسی وجہ سے فاسد ہوجائے تو اس کی قضاء نہیں ہے، اور جب روزے کا یہ حکم ہے تو دوسری عبادات کا بھی یہی حکم ہونا چاہئے۔

احناف جواب دیتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ کہاں مذکور ہے کہ قضاء نہیں کی گئی، کیا عدم ذکر عدم کی دلیل بن سکتا ہے، علاوہ بریں نفلی روزے کے افطار پر قضاء کا حکم دوسری روایات میں صراحۃً مذکور ہے، مسند احمد میں روایت ہے کہ حضرت حفصہؓ اور عائشہؓ کا روزہ تھا، بکری کا گوشت ہدیہ میں آیا، ان دونوں نے اس کو کھا کر افطار کرلیا، پھر اس واقعہ کی خبر حضور ﷺ کو دی اور مسئلہ پوچھا آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

صُوْمَا یَوْمًا مَکَانَهٗ

اس کے بدلے کسی دوسرے دن روزہ رکھ لینا

اسی طرح سنن دارقطنی میں حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نفلی روزہ رکھا پھر افطار کرلیا آپ ﷺ نے فرمایا:

تَقْضِي يَوْمًا مَكَانَهُ ، اس کے بدلے دوسرے دن قضاء کر لینا۔

ان دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں استثناء متصل ہے اور نفلی عبادت اگر فاسد ہو جائے تو اس کی قضاء ضروری ہے۔

احناف کا اصل استدلال

حنفیہ کا اصل استدلال آیت قرآنی: "لا تبطلوا اعمالکم" سے ہے، کہ اپنے اعمال کو باطل مت کرو، "لا تبطلوا" نہی کا صیغہ ہے اور اصل نہی میں تحریم ہے پس جب ابطال حرام ٹھہرا تو اس عمل کا قائم رکھنا ضروری ہوا اس لئے اس کا افادہ لامحالہ موجب قضاء ہوگا۔

اور اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ انسان نفلی کام تقرب کے لئے از خود شروع کرتا ہے تو یہ ہرگز مناسب نہیں ہے کہ عمل کو ناتمام چھوڑے یہ تو ایسا ہوگا کہ آپ کسی حاکم یا بڑے کے لئے ہدیہ پیش کریں اور جب وہ اسے قبول کرنے کے لئے ہاتھ بڑھائے تو آپ اپنا ہاتھ کھینچ لیں، اس حرکت کو کوحاکم اپنی توہین سمجھے گا اور ناراض ہوگا، اسی طرح ایک عمل کو تقرب کے لئے شروع کر کے بلا عذر فاسد کرنا درست نہیں ہوسکتا، اور اگر کسی طبعی یا شرعی معذوری کی بنا پر اس کو ناتمام چھوڑتا ہے تو بطور تدارک اس کی قضاء لازم ہوگی۔

ایک دوسری نہایت اہم بات یہ ہے کہ جب تک عمل شروع نہیں کیا تھا اختیار تھا کہ شروع کرو یا نہ کرو لیکن شروع کرنے کے بعد یہ چیز نذر فعلی بن گئی، اور نذر کا ایفاء ضروری ہے، خواہ نذر قولی ہو یا فعلی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ولیوفوا نذورھم" کہ وہ اپنی نذریں پوری کریں، اس میں دونوں قسمیں داخل ہیں، نذر فعلی کا مطلب یہ ہے کہ جب نیت کر کے عمل شروع کر دیا تو نذر بن گیا، جب تک شروع نہیں کیا تھا نفل تھا، لہٰذا اب اسے فاسد کیا جائے گا تو قضاء لازم ہوگی۔

فتنۂ غیر مقلدین

دور حاضر میں غیر مقلدین اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے سنن کے اہتمام سے پہلو تہی کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ فلاح کے لئے صرف پانچ چیزوں کو کافی سمجھا گیا ہے، لیکن ان کی یہ کھلی زیادتی ہے دیکھنا یہ ہے کہ حضرات صحابہ کا کیا عمل رہا ہے، اور پیغمبر علیہ السلام نے ترغیب وتہدید کے لئے کیا الفاظ استعمال فرمائے ہیں، یہاں تو صرف یہ فرمایا جارہا ہے کہ خدا کی طرف سے تمہارے ذمے صرف پانچ نمازیں لازم کی گئی ہیں اس کے ساتھ اور کوئی اضافہ نہیں ہے، رہا تطوع کا معاملہ سو وہ خدا کی طرف سے نہیں ہے بلکہ بندہ اسے خود لازم کرتا ہے اور اتمام کا ذمہ دار ہوتا ہے، جس وقت "إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ" فرمایا جارہا ہے اس وقت سنیت اور وجوب سے بحث نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ سنیت اور وجوب کا قصہ آپ

ﷺ کی وفات کے بعد کا ہے کیونکہ پیغمبر علیہ السلام کی مواظبت مع الترک مرۃ اومرتین سنیت کی دلیل ہے اور اگر مواظبت اس طرح فرمائی گئی کہ ایک بار بھی ترک نہیں کیا تو مختلف فیہ ہے کہ آیا ایسا فعل واجب ہوگا یا وجوب کے لئے مواظبت مع النکیر علی التارک ضروری ہے، ابن نجیم صاحب البحر فرماتے ہیں کہ مواظبت مجردہ کافی ہے اور شیخ ابن ہمام کے نزدیک مواظبت مع النکیر علی التارک ضروری ہے، بہرحال سنن کا درجہ مواظبت مع الترک مرۃ اومرتین کا ہے، اور جس وقت آپ ﷺ "إلّا أن تطوع" فرمارہے ہیں اس وقت مواظبت مجردہ اور مواظبت مع الترک کا سوال ہی نہیں، کیوں کہ آپ ﷺ امت کے درمیان موجود ہیں، آپ ﷺ کے بعد مواظبت معلوم ہوگی، اس بنا پر سنن سے بے توجہی کے لئے اس روایت کو پیش کرنا غلط ہے۔

ایک اہم اشکال اور اس کی توجیہات

سائل نے کہا خدا کی قسم میں اس میں نہ اضافہ کروں گا اور نہ کمی، آپ ﷺ نے فرمایا اگر یہ سچ کہہ رہا ہے تو فلاح یاب ہے، یہاں ایک اشکال یہ کیا گیا ہے کہ حدیث باب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے بس وہی مدار فلاح ہیں، حالانکہ ان کے علاوہ اور بہت سے امور ہیں جن کے بغیر فلاح کا حصول دشوار نظر آتا ہے؟

اس اشکال کے جواب میں چند باتیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱- سائل کے "لَا أَزِيدُ ولا أَنْقُصُ" کا تعلق ان کی عملی صورت سے نہیں ہے بلکہ اعتقاد سے ہے یعنی جس طرح آپ ﷺ نے فرائض وتطوعات کی تقسیم فرمائی ہے میں اسی کے مطابق اپنا عقیدہ قائم رکھوں گا، یعنی فرائض کو فرائض کے درجہ میں اور تطوعات کو تطوعات کے درجہ میں، ظاہر ہے کہ ہر شخص اس اعتقاد میں مفلح اور کامیاب ہے۔

۲- اس جملہ کا تعلق عمل سے ہے یعنی میں اسلامی فرائض کو بدرجہ فرض عمل میں رکھوں گا اور ان کی بجا آوری میں بھی کوتاہی نہیں کروں گا، اور تطوعات کو عمل کے اعتبار سے وہ حیثیت نہ دوں گا جس سے وہ فرائض کے ساتھ مشتبہ ہوجائیں، اور یہ بھی فلاح کا راستہ ہے۔

۳- اس کہنے والے کا مقصد یہ تھا کہ مقدار فرض میں کمی بیشی نہ کروں گا کہ پانچ کے چار کردوں، یا چھ بنادوں، یہ عمل اور اعتقاد دونوں سے عام ہے۔

۴- یا مراد یہ ہے کہ عمل کی مقررہ صورتوں میں کمی بیشی نہ کروں گا، مثلاً فجر کی چار کردوں یا چہار گانہ کو اپنے عمل سے دوگانہ یا سہ گانہ کردوں۔

۵- اگر یہ ثابت ہو کہ یہ شخص قوم کا نمائندہ تھا تو "لَا أَزِيدُ ولَا أَنْقُصُ" پر آپ ﷺ کا "أفلح إن صدق" کا

ارشادات کے فرائض نمائندگی سے متعلق ہوگا، یعنی اس شخص نے بوقت رخصت یہ اطمینان دلایا کہ میں قوم میں آپ کا یہ پیغام بے کم وکاست پہنچادوں گا، نہ ایک حرف بڑھاؤں گا نہ ایک حرف گھٹاؤں گا، اس پر آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ یہ شخص اگر اپنے قول میں سچا ہے تو کامیاب ہے، ایک نمائندے کی اصلی کامیابی یہی ہے کہ وہ پیغام رسانی میں کتر بیونت نہ کرے جوں کا توں پہنچادے۔

۶- علامہ عینیؒ نے اس اشکال کا ایک جواب اور دیا ہے کہ اگر چہ اس حدیث میں تمام فرائض وواجبات اور منہیات کا ذکر نہیں ہے، لیکن بخاری شریف میں یہی حدیث ہے اس کے آخر میں ہے: "فاخبره رسول الله صلى الله عليه وسلم بشرائع الإسلام فأبر الرجل وهو يقول : لا أزيد ولا أنقص مما فرض الله عَلَيَّ شَيْئًا" پس لفظ شرائع اسلام تمام فرائض وواجبات کو شامل ہو جائے گا، اور جہاں تک نوافل کا تعلق ہے تو نوافل نہ پڑھنے پر فلاح یاب ہونے کی بشارت اس کی خصوصی رعایت ہے، اس قسم کی خصوصی رعایات اور بھی متعدد مواقع پر ثابت ہیں، مگر ان کو قانون اور ضابطہ نہیں بنایا جائے گا۔

اصل بات یہ ہے کہ آپ ﷺ کے کچھ امتیازی اور خصوصی اختیارات ہیں جن کو آپ ﷺ مناسب مواقع پر استعمال فرمایا کرتے تھے، اور عام قانون سے جس کو آپ ﷺ مستثنیٰ فرمانا چاہتے اس کا استثناء کر دیا کرتے تھے۔

اس مسئلہ پر تفصیلی کلام دیکھئے ایضاح البخاری (۴۰۲/۱) پر۔

قوله : أَفْلَحَ إِنْ صَدَقَ : ابوداؤد کی اس روایت میں رسول اکرم ﷺ نے اس شخص کی فلاح کو إِنْ صَدَقَ کے ساتھ مقید کیا ہے جب کہ ایک دوسری روایت میں فرمایا: "مَنْ سَرَّهُ أن ينظر إلى رجل مِن أهل الجنة فلينظر إلى هذا" (بخاری ومسلم) کہ اگر کسی شخص کو تمنا ہو کہ جنتی آدمی کو دیکھے تو وہ اس شخص کو دیکھ لے، یہاں آپ ﷺ نے إن صَدَقَ کے ساتھ مقید نہیں فرمایا؟ آخر اس فرق کی وجہ کیا ہے؟

علماء نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں:

۱- اس شخص کی موجودگی میں آپ ﷺ نے مصلحۃً تعلیقاً فرمایا تا کہ اس میں کسی قسم کی گھمنڈ پیدا نہ ہو، پھر اس کے مجلس سے چلے جانے کے بعد بغیر تعلیق کے جنتی ہونے کی بشارت دے دی۔

۲- شروع میں آپ ﷺ کو اس کی صدق نیت کا علم نہ تھا اس لئے اس کو مقید فرمایا اور بعد میں آپ ﷺ کو اس کے صدق نیت کی اطلاع ہوگئی تب آپ ﷺ نے بلا تعلیق فرمایا۔

۳- ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ ایک جگہ جنتی ہونے کا ذکر ہے اور ایک جگہ فلاح پانے کا، جنتی ہونے کی اہمیت زیادہ نہیں کیوں کہ جنتی تو ہر مسلمان ہی ہے، البتہ فلاح یاب ہونے کی بشارت بہت اہم ہے اس لئے اس کو صدق کے ساتھ

معلق کیا، کیوں کہ فلاح اعلیٰ درجہ کی کامیابی کو کہتے ہیں جس میں ہر طرح کی عافیت اور امن ہوتا ہے۔

فائدہ: امام نوویؒ نے شرح مسلم میں ایک اشکال یہ کیا ہے کہ اس حدیث میں ارکانِ اسلام کے ذیل میں حج اور شہادتین کا ذکر نہیں ہے؟

اس کا اول جواب تو یہ ہے کہ وہ دیہاتی یقیناً مسلمان ہوگا جو ایمان لانے کے بعد جنت میں داخل کرنے والے عمل کے بارے میں سوال کر رہا تھا، اور یہ بھی جانتے ہیں کہ بغیر شہادتین کے تمام اعمال بیکار ہیں، اس لئے شہادتین کے ذکر کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

رہا مسئلہ حج کے ذکر کا تو ہوسکتا ہے کہ حج اس وقت تک فرض ہی نہ ہوا ہو یا فرض تو ہوگیا ہو لیکن سائل کا مقصود سوال سے یہ ہو کہ مجھ پر اس وقت کون سے احکام فرض ہیں، اور یہ شخص ان میں نہ ہوگا جن پر حج فرض ہوتا ہے، اس لئے آپ ﷺ نے اس کو بیان نہیں فرمایا۔

۳۹۲ ﴿حَدَّثَنَا سليمانُ بنُ دَاوُدَ نا إسماعيلُ بنُ جَعْفَرَ الْمَدَنِيُّ عن أبي سُهَيْلٍ نَافِعِ بنِ مالك بنِ أبي عَامِرٍ بإسْنادِهِ بِهٰذَا الحديث ، قال : أَفْلَحَ وأَبِيْهِ إنْ صَدَقَ ، دَخَلَ الْجَنَّةَ وأبيه إنْ صَدَقَ.﴾

تقدم تخريجه في الحديث السابق.

قوله: "أفلح وأبيه" : هذه كلمة جارية على ألْسُنِ العرب، تستعملها كثيرًا في خطابها تريد بها التوكيد، وقد نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يحلف الرجل بأبيه، فيحتمل أن يكون هذا القول منه قبل النهي، ويحتمل أن يكون جرى ذلك منه على عادة الكلام الجاري على الألسن، وهو لا يقصد به القسم كَلَغْوِ اليمين المعفو عنه. ويحتمل أن يكون أضمر فيه اسم الله كأنه قال: لا ورب أبيه. ويحتمل: أن يكون النهي إنما وقع عنه إذا كان ذلك منه على وجه التوقير له والتعظيم لحقه دون ما كان بخلافه. انظر "معالم السنن" للخطابي ۱/۱٤۱.

ترجمہ: ابو سہیل نافع بن مالک اسی (مذکورہ) سند کے ساتھ اس حدیث مذکور کو نقل کرتے ہیں اس میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: قسم اس کے باپ کی وہ بامراد ہوا، قسم اس کے باپ کی وہ جنت میں جائے گا اگر سچ کہتا ہے۔

تشریح مع تحقیق: اس روایت کو لانے کا مقصد الفاظ حدیث کے اختلاف کو بیان کرنا ہے، پہلی حدیث میں ابو سہیل سے روایت کرنے والے مالک تھے اور اس میں اسماعیل ہیں، دونوں کی روایت میں فرق ہے، مالک کی روایت میں "أفلح إن صدق" کے الفاظ تھے اور اسماعیل کی روایت میں ایک تو لفظ "أبيه" کا اضافہ ہے دوسرے "دخل الجنة وأبيه إن صدق" کا اضافہ ہے، کہ حضور ﷺ نے اس دیہاتی کے باپ کی قسم کھا کر اس کی فلاح یابی اور

دخول جنت کو بیان کیا۔

صاحب بذل فرماتے ہیں کہ یہاں پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے حلف بالآباء کیوں کھائی؟ اس لئے کہ حدیث میں ہے: وَلَا تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ" اور "مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللهِ فَقَدْ أَشْرَكَ".

۱- علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب یہ لکھا ہے کہ اہل عرب کے یہاں یہ کلمہ بقصد یمین نہیں بولا جاتا بلکہ تقریر و تاکید کے لئے کلام میں زائد کیا جاتا ہے۔

۲- ملا علی القاریؒ نے مرقاۃ میں یہ جواب دیا ہے کہ یہ واقعہ نہی سے پہلے کا ہے لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔

۳- صاحب منہل نے یہ جواب لکھا ہے کہ یہاں پر مضاف مقدر ہے أي "وَرَبِّ أبيه" لہٰذا حلف بالاب ہوگی ہی نہیں۔

۴- صاحب بذل نے ایک جواب یہ نقل کیا ہے کہ حلف بالآباء کی ممانعت صرف امت کے حق میں ہے شارع علیہ السلام کے لئے نہ ہو۔

۵- علامہ سہیلیؒ نے اپنے بعض مشائخ سے یہ نقل کیا ہے کہ "وأبيه" کے لفظ میں تصحیف واقع ہوئی ہے، اصل میں "أفْلَحَ وَاللهِ" تھا اس میں تغیر ہوا اور "أفْلَحَ وَأبيه" ہوگیا، لیکن قرطبیؒ نے اس جواب کو پسند نہیں کیا کیونکہ اس میں رواۃ کی طرف وہم کی نسبت لازم آتی ہے۔

۶- تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ دراصل "وابيه" کا لفظ تکیہ کلام کے طور پر ہے جس سے قسم مقصود نہیں ہوتی جیسا کہ لغو یمین ہوتی ہے۔ (بذل، المنہل، مرقاۃ، تعلیق الصبیح)۔

﴿بَابٌ فِي الْمَوَاقِيتِ﴾

اوقات کا بیان

۳۹۳ ﴿حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا يَحْيٰى عن سُفْيَانَ حَدَّثَنِي عَبْدُالرَّحمنِ بنُ فُلَانِ بنِ أبي رَبِيعَةَ – قال أبو دَاوُدَ : هو عَبْدُالرحمن بنُ الحارثِ بنِ عَيَّاشِ بنِ أبي رَبِيعَةَ – عن حكيم بنِ حَكِيمٍ عن نَافِعِ بنِ جُبَيْرِ بنِ مُطْعِمٍ عن ابنِ عَبَّاسٍ قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أَمَّنِي جِبْرِيلُ عليه السلام عِنْدَ الْبَيْتِ مَرَّتَيْنِ فَصَلّٰى بِي الظُّهْرَ حِيْنَ زَالَتِ الشَّمسُ وكَانَتْ قدر الشِّرَاكِ ، وصَلّٰى بِيَ الْعَصْرَ حِيْنَ كَانَ ظِلُّهُ مِثْلَهُ ، وصَلّٰى بِيَ

يَعْنِي الْمَغْرِبَ حِيْنَ أَفْطَرَ الصَّائِمُ ، وصَلّى بِيَ الْعِشَاءَ حِيْنَ غَابَ الشَّفَقُ ، وصَلّى بِيَ الْفَجْرَ حِيْنَ حَرُمَ الطَّعَامُ وَالشَّرَابُ عَلَى الصَّائِمِ ، فَلَمَّا كَانَ الْغَدُ صَلّى بِيَ الظُّهْرَ حِيْنَ كَانَ ظِلُّهُ مِثْلَهُ ، وصَلّى بِيَ الْعَصْرَ حِيْنَ كَانَ ظِلُّهُ مِثْلَيْهُ ، وصَلّى بِيَ الْمَغْرِبَ حِيْنَ أَفْطَرَ الصَّائِمُ ، وصَلّى بِيَ العِشَاءَ إلى ثُلُثِ اللَّيْلِ ، وصَلّى بِيَ الْفَجْرَ فَأَسْفَرَ ثُمَّ الْتَفَتَ إِلَيَّ فَقَالَ : يا مُحَمَّدُ ! هٰذَا وَقْتُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِكَ ، والْوَقْتُ مَا بَيْنَ هٰذَيْنِ الْوَقْتَيْنِ.﴾

أخرجه الترمذي في "جامعه" في الصلاة، باب: ما جاء في مواقيت الصلاة برقم (١٤٩) وقال: حديث ابن عباس حديث حسن صحيح. انظر "تحفة الأشراف" (٦٥١٩).

قوله: "وكانت قدر الشراك": ليس قدر الشراك هذا على معنى التحديد ولكن الزوال لا يستبان إلا بأقل ما يرى من الفيء، وأقله فيما يقدر هو ما بلغ قدر الشراك أو نحوه. وليس هذا المقدار مما يتبين به الزوال في جميع البلدان، إنما يتبين ذلك في مثل مكة من البلدان التي ينتقل فيها الظل فإذا كان أطول يوم في السنة واستوت الشمس فوق الكعبة لم يكن لشيء من جوانبها ظل. وكل بلد يكون أقرب إلى وسط الأرض كان الظل فيه أقصر، وما كان من البلدان أبعد من واسطة الأرض وأقرب إلى طرفيها كان الظل فيه أطول. انظر "معالم السنن" ١/١٠٥.

ترجمہ : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حضرت جبرئیل علیہ السلام نے (نماز کی کیفیت اور نماز کے اوقات بتلانے کے لئے) دوبار (یعنی دو دن) خانہ کعبہ کے قریب مجھ کو نماز پڑھائی، چنانچہ (پہلے دن تو) انہوں نے مجھ کو ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سورج ڈھلا ہی تھا اور سایہ جوتی کے تسمے کی طرح تھا، اور عصر کی نماز مجھ کو اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ (سایہ اصلی کے سوا) ایک مثل ہو گیا تھا، اور مغرب کی نماز مجھ کو اس وقت پڑھائی جب روزے دار افطار کرتا ہے، (یعنی سورج ڈوبنے کے بعد) اور عشاء کی نماز مجھ کو اس وقت پڑھائی جب شفق غائب ہوئی تھی، اور فجر کی نماز مجھ کو اس وقت پڑھائی جب روزے دار کو کھانا اور پینا حرام ہو جاتا ہے، (یعنی جب صبح صادق طلوع ہوئی) اور پھر جب دوسرا دن ہوا تو انہوں نے ظہر کی نماز مجھ کو اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل کے قریب ہو گیا اور عصر کی نماز مجھ کو اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو گیا تھا اور مغرب کی نماز مجھ کو اس وقت پڑھائی جب روزے دار افطار کرتا ہے، اور عشاء کی نماز مجھ کو اس وقت پڑھائی جب تہائی رات ہوئی تھی، اور جب فجر کی نماز انہوں نے پڑھائی تو (صبح صادق کی) روشنی خوب پھیلی ہوئی تھی، اس کے بعد حضرت جبریل میری طرف متوجہ ہوئے اور بولے اے محمد (ﷺ) آپ سے پہلے جو نبی اور رسول ہوئے ان کی نمازوں کے اوقات بھی یہی تھے، اور ہر نماز کا وقت ان

دونوں (دنوں کی نمازوں میں ظاہر کئے گئے) وقتوں کے درمیان ہے۔

تشریح مع تحقیق : قوله : "أَمَّنِي جبرئيلُ" : یہ حدیث "حدیث امامت جبرئیل" کہلاتی ہے، اور مواقیت میں اصل ہے، یہ حدیث اگرچہ صحیحین میں بھی ہے مگر اس میں اوقات کی تفصیل مذکور نہیں، مصنفؒ نے کتاب الصلاۃ کے شروع میں حدیث اعرابی کو لاکر نماز کی فرضیت کو ثابت کیا ہے اور اب اوقات صلاۃ کو بیان فرمارہے ہیں، اور اس باب میں دو حدیثیں ذکر کی ہیں، ایک تو حدیث امامت جبرئیلؑ اور دوسری حدیث وہ ہے جو سائل کے سوال کا جواب ہے، حدیث امامت جبرئیل چوں کہ اس باب میں اصل کی حیثیت رکھتی ہے اس لئے اس کو مقدم کیا ہے، لیلۃ الاسراء کے اگلے دن امامت جبرئیل کا واقعہ پیش آیا ہے، جیسا کہ مصنفؒ عبدالرزاق کی روایت میں اس کی صراحت ہے، کہ لیلۃ الاسراء کی صبح کو دوپہر کے وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور "الصلاۃ جامعة" کہہ کر تمام صحابہ کو جمع کیا گیا، جب سب جمع ہوگئے تو جبرئیل علیہ السلام نے حضور ﷺ کی امامت کی اور حضور ﷺ نے لوگوں کی امامت فرمائی، پہلی دو رکعتوں کو بہ نسبت اخیر کی رکعتوں کے طویل کیا اور دو دن تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اگر چاہتے تو یہ بھی ممکن تھا کہ مواقیت کی تعلیم زبانی طور سے دی جاتی لیکن حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ عملی تعلیم کو اختیار کیا گیا کیوں کہ وہ اوقع فی الذہن ہوتی ہے، اسی سے یہ مسئلہ بھی مستنبط ہوگیا کہ مفضول کا امام بننا بھی جائز ہے، بالخصوص جب کہ ضرورت کی بناء پر ہو، یہاں بھی حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور اکرم ﷺ سے مفضول تھے اور ایک ضرورت کی بناء پر حضور ﷺ کے امام بنے تھے، بعض شوافع نے اس سے اقتداء المفترض خلف المتنفل کے جواز پر استدلال کیا ہے، لیکن یہ استدلال اس لئے درست نہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو جب امامت کا حکم ہوگیا تو ان دو روز کی نمازیں ان پر بھی فرض ہوگئیں، اور وہ متنفل نہ رہے بلکہ مفترض ہوگئے۔

قوله : عِنْدَ الْبَيْتِ الخ : اس جملہ سے ان حضرات کی تردید ہوگئی جو امامت جبرئیل کے واقعہ کو مدنی قرار دیتے ہیں، باب بیت اللہ کے نیچے دائیں جانب فرش پر آج بھی ایک سیاہ نشان بنا ہوا ہے، جس کے بارے میں مشہور ہے کہ امامتِ جبرئیل کا واقعہ یہاں پیش آیا تھا۔

وقتِ ظہر

قوله : "فَصَلّٰى بِيَ الظُّهْرَ" امامت جبرئیل علیہ السلام کی بیشتر روایات اس پر متفق ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی امامت کی ابتداء ظہر سے ہوئی تھی، البتہ سنن دار قطنی (۲۵۹/۱، باب امامة جبرئیل) میں ایک روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء فجر سے ہوئی تھی، لیکن یہ روایت ضعیف ہے، کیونکہ اس

روایت کا مدار محبوب بن الجہم راوی پر ہے، جو ضعیف ہیں، لہٰذا صحیح یہی ہے کہ ابتدار ظہر سے ہوئی، اس کی وجہ علماء نے یہ بیان فرمائی ہے کہ دراصل اس دن کی فجر کی نماز آپ ﷺ نے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بیت المقدس میں ادا فرمائی، اس لئے امامت جبرئیل کی ابتدار ظہر سے ہوئی اسی وجہ سے اس کو صلاۃ الاولیٰ کہا جاتا ہے۔

قوله : حِين زَالَتِ الشمس و كانت قَدَرَ الشراكِ الخ : یعنی پہلے دن کی ظہر کی نماز زوالِ شمس کے فوراً بعد پڑھائی، جب کہ سایہ جوتے کے تسمے کی طرح تھا، یعنی سایہ بس اتنا تھوڑا سا تھا کہ نہ ہونے ہی کے برابر تھا۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ مثل اول اور مثلین کا اعتبار سایہ اصلی کو نکال کر ہوتا ہے گویا کہ سایہ اصلی مثل اول اور مثلین میں شمار نہیں ہوتا حنفیہ کی کتب میں بے شمار جگہ اس کی صراحت ہے۔

قوله : وصَلّٰى بِيَ الْعَصْرَ حِيْنَ كَانَ ظِلُّهُ مِثْلَهُ : یعنی پہلے دن کی عصر مثلِ اول پر پڑھی۔

ظہر کا آخری وقت اور عصر کا اول وقت

ابتدار وقت ظہر میں سب کا اتفاق ہے کہ وہ زوال کے فوراً بعد شروع جاتا ہے البتہ انتہار وقت ظہر اور ابتدار وقت عصر میں فقہار کرام کے درمیان اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ یعنی امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اور صاحبین یعنی امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ظہر کا وقت اس وقت ختم ہوتا ہے جب ہر چیز کا سیہ فی زوال (سایہ اصلی) کو منہا کرنے کے بعد اس چیز کے بقدر ہو جائے، اصطلاح میں اس کو ایک مثل کہتے ہیں اور اس کے فوراً بعد عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے، دونوں وقتوں کے درمیان مشہور قول کے مطابق نہ کوئی حدّ فاصل ہے نہ وقت مشترک، البتہ امام مالکؒ سے ایک غیر مشہور روایت یہ ہے کہ کل مثلِ اول کے بعد چار رکعتوں کا وقت مشترک بین الظہر والعصر ہے، اس کے بعد عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ سے اس سلسلے میں چار روایتیں منقول ہیں:

۱- ظاہر روایت میں ظہر کا وقت دو مثل پر ختم ہوتا ہے اسکے بعد فوراً عصر کا وقت شروع ہوتا ہے، یہی مفتی بہ قول ہے۔

۲- دوسرا قول وہی ہے جو ائمہ ثلاثہ اور صاحبینؒ کا ہے، امام طحاویؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

۳- تیسری روایت ہے کہ مثلِ ثانی مہمل وقت ہے یعنی ظہر کا وقت ایک مثل پر ختم ہو جاتا ہے اور عصر کا وقت دو مثل کے بعد شروع ہوتا ہے، اور دوسرا مثل نہ ظہر کا وقت ہے نہ عصر کا۔

۴- چوتھا قول عمدۃ القاری شرح بخاری میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ ظہر کا وقت دو مثل سے کچھ پہلے ختم ہو جاتا ہے اور عصر کا وقت دو مثل کے بعد شروع ہوتا ہے، امام کرخیؒ نے اس قول کی تصحیح کی ہے، (فیض الباری ۲/۱۲۸)

تاہم حضرت ابوحنیفہؒ کی مشہور روایت پہلی ہی ہے اور اکثر حنفیہ نے اسی پر فتویٰ دیا ہے، اور میں کہتا ہوں کہ آج کل

احناف کا عمل بھی اسی پر ہے۔

مسئلہ مختلف فیہا میں راویات

ظہر کے آخر وقت اور عصر کے اول وقت کے سلسلے میں روایات مختلف وارد ہوئیں ہیں، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱- پہلی روایت امامت جبرئیل والی حدیث باب ہے اس میں ہے کہ پہلے دن حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ظہر کی نماز زوال ہوتے ہی پڑھائی، اور عصر کی نماز ایک مثل پر پڑھائی، اور دوسرے دن ظہر کی نماز ایک مثل پر پڑھائی یعنی ٹھیک اسی وقت جس وقت پہلے دن عصر کی نماز پڑھائی تھی اور عصر کی نماز دو مثل پر پڑھائی۔ (ابوداؤد، ترمذی)

اس روایت کا مفاد یہ ہے کہ ایک مثل تک ظہر کا وقت ہے اور دوسرے مثل سے عصر کا وقت شروع ہوتا ہے اور دونوں وقتوں کے درمیان نہ تو کوئی مہمل وقت ہے اور نہ مشترک، ائمہ ثلاثہ اور صاحبین نے اسی روایت کو لیا ہے۔

۲- دوسری روایت حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷛ کی ہے جو اسی باب میں آگے آرہی ہے کہ ایک شخص نے حضور اکرم ﷺ سے نماز کے اوقات معلوم کیے، آپ ﷺ نے اس شخص کو ٹھہرایا اور دو دن نمازیں پڑھا کر عملی طور پر اوقات نماز کی تعلیم دی، اس روایت میں ہے کہ پہلے دن حضور اکرم ﷺ نے ظہر کی نماز زوال ہوتے ہی پڑھائی اور عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سورج سفید اور بلند تھا، اور دوسرے دن ظہر کی نماز بہت زیادہ ٹھنڈی کر کے پڑھائی اور عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سورج آخر وقت میں پہنچ گیا تھا۔ (مسلم، ابوداؤد)۔

اس روایت سے اوقات صلاۃ کی کوئی واضح حد بندی نہیں ہوتی البتہ اس میں یہ جملہ کہ دوسرے دن حضور ﷺ نے ظہر کی نماز بہت زیادہ ٹھنڈی کر کے پڑھائی، اس سے کچھ ایسا سمجھ میں آتا ہے کہ شاید مثل ثانی میں پڑھائی ہو، کیوں کہ مشاہدہ یہ ہے کہ مثل اول کے ختم تک موسم ٹھنڈا نہیں ہوتا۔

۳- تیسری روایت حضرت ابو ہریرہ ﷛ کی ہے کہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے نماز کے اوقات پوچھے تو حضرت ابو ہریرہ ﷛ نے جواب میں فرمایا:

أَنَا أُخْبِرُكَ : صَلِّ الظُّهْرَ إِذَا كَانَ ظِلُّكَ مِثْلَكَ ، وَالْعَصْرَ إِذَا كَانَ ظِلُّكَ مِثْلَيْكَ ۔	سنو! میں تم کو بتاتا ہوں! ظہر کی نماز اس وقت پڑھو جب سایہ تمہارے برابر ہو جائے اور عصر کی نماز اس وقت پڑھو جب سایہ تمہارے دو مثل ہو جائے۔

(مؤطا مالك ص:۳)

یہ روایت صریح ہے کہ ظہر کا وقت ایک مثل کے بعد بھی باقی رہتا ہے کیونکہ جب ظہر کو ایک مثل پر پڑھنے کا حکم دیا اور عصر کو دو مثل پر تو اب مثلِ ثانی عصر کا وقت تو ہو ہی نہیں سکتا، لامحالہ ظہر ہی کا وقت ہوگا، یہ اگرچہ حضرت ابو ہریرہ ﷛ کا ارشاد

ہے مگر چوں کہ مقادیر مدرک بالعقل نہیں ہیں اس لئے اس کو حکماً مرفوع ماننا پڑے گا۔

۴- چوتھی روایت حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی ہے جو صحیحین میں ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ تھے، جب ظہر کا وقت ہوا تو مؤذن نے اذان دینے کا ارادہ کیا، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ابھی وقت کو ٹھنڈا ہونے دو" کچھ دیر بعد پھر مؤذن نے اذان دینے کا ارادہ کیا تو حضور ﷺ نے پھر ارشاد فرمایا: ابھی وقت کو ٹھنڈا ہونے دو، "حَتّٰى رَأَيْنَا فَيْئَ التُّلُوْلِ" یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھ لیا، پھر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ گرمی کی شدت جہنم کے پھیلاؤ سے ہے، لہٰذا جب گرمی سخت ہو تو ظہر کی نماز ٹھنڈی کر کے پڑھا کرو۔

اس حدیث کو امام بخاریؒ نے کتاب الاذان میں ذکر کیا ہے وہاں یہ الفاظ ہیں کہ: حَتّٰى سَاوَى الظِّلُّ التُّلُوْلَ" یہاں تک کہ سایہ طول میں ٹیلوں کے برابر ہو گیا۔

اس روایت سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اس سفر میں ظہر کی نماز بالیقین مثل ثانی بلکہ مثل ثانی کے بھی آخر میں پڑھی ہے کیوں کہ ٹیلوں کا سایہ ظاہر ہونا، بلکہ ٹیلوں کے سایہ کا طول میں ٹیلوں کے برابر ہونا مثل اول میں ممکن ہی نہیں ہے، جس کو تردد اور شک ہو وہ مشاہدہ کر کے اپنا شک دور کر سکتا ہے۔

۵- پانچویں روایت بخاری شریف کتاب مواقیت الصلاۃ (۷۹/۱) میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، جس میں حضور اکرم ﷺ نے اپنی امت کی مدت عمر اور یہود و نصاریٰ کی مدت عمر مثال سے سمجھائی ہے کہ:

"ایک شخص نے صبح سے دوپہر تک ایک ایک قیراط طے کر کے مزدور رکھے اور دوپہر میں ان کو ان کی اجرت دے کر رخصت کر دیا، پھر دوپہر سے عصر تک کیلئے ایک ایک قیراط طے کر کے دوسرے مزدور رکھے عصر کے وقت ان کو بھی ان کی اجرت دے کر رخصت کر دیا، اور پھر عصر سے غروب آفتاب تک کے لئے اور مزدور رکھے اور ان کی اجرت دو دو قیراط طے کی جب انہوں نے کام پورا کیا تو ان کو ان کی ڈبل اجرت دے دی گئی۔

یہ مثال بیان کر کے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ وہ مزدور ہو جنہوں نے عصر سے مغرب تک کام کیا ہے لہٰذا تمہیں ڈبل مزدوری ملے گی، اس پر یہود و نصاریٰ ناراض ہو گئے، اور انہوں نے کہا کہ: ہم نے کام زیادہ کیا ہے اور مزدوری ہمیں کم ملی، اللہ تعالیٰ نے ان سے پوچھا کہ کیا میں نے تمہارا کچھ حق مارا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تو میں اپنی مہربانی جس پر چاہوں کروں"۔

اس روایت کے اشارے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ظہر کا وقت دو مثل تک رہتا ہے، کیوں کہ اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کی مدت عمل کم ہے اور یہود و نصاریٰ کی مدت عمل زیادہ ہے، یہود کی مدت عمل کا زیادہ ہونا تو بدیہی ہے کیوں کہ وہ صبح سے دوپہر تک ہے اسی طرح نصاریٰ کی مدت عمل امت محمدیہ کی مدت عمل

سے بدیہی طور پر زیادہ اسی وقت ہوسکتی ہے جب عصر کا وقت مثل ثالث سے شروع ہو اور مثل ثانی کے ختم تک ظہر کا وقت رہے، اگر ظہر کا وقت مثل اول کے ختم تک مانا جائے تو نصاریٰ اور امت محمد یہ دونوں کی مدت عمل میں کوئی واضح تفاوت نہیں رہتا، یہ بات ایک مثال سے سمجھئے، شہر سہارنپور کے یکم اگست کے اوقات حسب ذیل ہیں:

نصف النہار	مثل ثانی کی ابتدار	مثل ثالث کی ابتدار	غروب آفتاب
۱۲:۲۵	۴:۲	۵:۱۲	۷:۱۲

اوپر دیئے ہوئے اوقات کے اعتبار سے زوال سے مثل اول کے ختم تک ۳ر گھنٹے اور ۳۷ر منٹ کا وقت ہے اور مثل ثانی کی ابتدار سے غروب آفتاب تک تین گھنٹہ دس منٹ کا وقت ہے دونوں میں صرف ۲۷ر منٹ کا تفاوت ہے اور یہ کوئی ایسا واضح تفاوت نہیں ہے یہ تفاوت آج گھڑیوں کے دور میں تو محسوس کیا جاسکتا ہے مگر قدیم زمانے میں عام لوگوں کے لئے اس کا احساس مشکل تھا۔

اور زوال سے مثل ثانی کے ختم تک ۴ر گھنٹے ۴۷ر منٹ کا وقت ہے اور مثل ثالث کی ابتدار سے غروب آفتاب تک صرف دو گھنٹے کا وقت ہے لہٰذا تفاوت دو گھنٹہ ۴۷ر منٹ کا ہوا، اور یہ ایک ایسا واضح تفاوت ہے کہ اسے ہر شخص بخوبی پہچان سکتا ہے اور اسی صورت میں تمثیل نبوی ﷺ واضح طور پر سمجھی جاسکتی ہے۔

الغرض یہ روایت اس بات کی صاف دلیل ہے کہ ظہر کا وقت مثل ثانی کے ختم تک رہتا ہے۔

جمہور کے استدلال کا جواب

ان پانچ روایات میں جمہور کے مسلک کی واضح دلیل حدیث امامت جبرئیل علیہ السلام ہے، لیکن یہ دلیل قطعی نہیں، کیوں کہ اس میں نسخ کا احتمال ہے اور یہ احتمال بے دلیل نہیں بلکہ آخری تین روایتوں کی بنار پر یہ احتمال پیدا ہوا ہے جب کہ دلیل کے قطعی ہونے کے لئے ضروری ہے کہ کوئی ایسی نص پیش کی جائے جس سے دائماً حضور اکرم ﷺ کا مثل ثانی میں عصر پڑھنا ثابت ہوتا ہو، یا کم از کم ایسی تصریح پیش کی جائے کہ حضور اکرم ﷺ کا آخری عمل مثل ثانی میں عصر پڑھنے کا تھا، ایسی تصریحات جمہور کے پاس نہیں ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مختلف اقوال میں تطبیق

بحث کے شروع میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کی چار روایتیں نقل کی گئی ہیں، ان کے درمیان تطبیق اس طرح دی جاسکتی ہے کہ ظہر کا وقت ایک مثل تک تو بالیقین رہتا ہے، اور مثل ثانی کے ختم تک رہنے کا احتمال ہے، اور عصر کا وقت مثل ثالث سے

بالیقین شروع ہوتا ہے مگر مثل ثانی سے شروع ہونے کا احتمال ہے، لہٰذا احتیاط اس میں ہے کہ ایک مثل ختم ہونے سے پہلے ظہر کی نماز پڑھ لی جائے اور عصر کی نماز مثل ثانی کے ختم ہونے کے بعد ہی پڑھی جائے اور اگر کسی وجہ سے ظہر کی نماز مثل اول میں نہ پڑھ سکے تو پھر مثل ثانی میں پڑھ لے، اس سے تاخیر نہ کرے، اور اس کو ادا کہا جائے گا قضا نہیں کہا جائے گا، اسی طرح اگر مجبوری میں - جیسا کہ حاجیوں کو حرمین شریفین میں یہ مجبوری پیش آتی ہے -، کوئی شخص مثل ثانی میں عصر کی نماز پڑھ لے تو اس کو بھی صحیح کہا جائے گا، یعنی ذمہ فارغ ہو جائے گا، مگر ظہر و عصر دونوں کو مثل ثانی میں پڑھنا منشار شریعت کے خلاف ہے، شریعت کا منشار ہے کہ دونوں نمازوں کے درمیان فصل ہونا چاہئے اور یہ فصل عام حالات میں کم از کم ایک مثل ہونا چاہئے، اور مخصوص حالات میں اس سے بھی کم ہو سکتا ہے، اور وقت مہمل سے امام صاحب کی مراد یہی دونوں نمازوں کے درمیان فصل کرنا ہے۔

الغرض جمہور نے جو موقف اختیار کیا ہے وہ اولاً تو مبنی بر احتیاط نہیں اور ثانیاً ان کے مذہب کے مطابق آخری تین روایتوں کو ترک کرنا لازم آتا ہے، اور امام ابو حنیفہؒ نے ایسا طریقہ اختیار کیا کہ اس میں احتیاط بھی ہے اور تمام روایتوں پر عمل بھی ہو جاتا ہے۔

وقتِ مغرب

قوله : "وَصَلّٰى بِيَ العِشَاءَ حِيْنَ غَابَ الشَّفَقُ" : ابتدار وقت مغرب بالاجماع غروب آفتاب سے ہوتی ہے، البتہ انتہا وقت مغرب کے بارے میں اختلاف ہے، حضرت امام شافعیؒ کی ایک روایت ہے کہ مغرب کا وقت صرف اتنی دیر رہتا ہے، جتنی دیر میں پانچ رکعتیں پڑھی جا سکیں، اس کی دلیل انہوں نے یہ بیان کی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دونوں دن غروب آفتاب کے فوراً بعد نماز پڑھی، جمہور اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس عمل کا منشار تعجیل مغرب کا اہتمام ظاہر کرنا تھا، اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مواقیت کی پوری پوری تحدید کے بجائے اوقات مستحبہ کی تحدید بھی کی ہے، لیکن امام شافعیؒ کا مفتی بہ قول یہ ہے کہ انتہار وقت مغرب غروب شفق پر ہوتی ہے اور وہی ابتدار عشار ہے اور جمہور کا بھی یہی قول ہے لیکن پھر شفق کی تعیین میں اختلاف ہے۔

شفق کی تعیین میں اختلاف

ائمہ ثلاثہؒ اور صاحبینؒ شفق سے مراد شفق احمر لیتے ہیں، یہی قول حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت عبادہ بن الصامتؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک شفق سے شفق ابیض مراد ہے، اور یہی قول صحابہ میں سے حضرت ابو بکرؓ، حضرت عائشہؓ،

حضرت معاذ بن جبل ﷺ حضرت ابی بن کعب ﷺ اور حضرت عبداللہ بن زبیر ﷺ سے منقول ہے، ایک روایت کے مطابق امام مالک ؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔

اختلاف کی اصل وجہ

دراصل اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ حدیث باب میں لفظ شفق مطلق آیا ہے، اس اس میں علماء لغت کا اختلاف ہے، کہ اس کا اطلاق صرف حمرہ پر ہوتا ہے، یا بیاض پر بھی، خلیل بن احمد کا قول ہے کہ: الشَّفَقُ هُوَ الْحُمْرَةُ" چنانچہ ان کے قول سے استدلال کر کے جمہور نے یہاں حمرہ مراد لی ہے۔

حضرت امام اعظم ؒ کی دلیل یہ ہے کہ مبردؒ، فراءؒ اور ثعلبؒ کے نزدیک شفق کا اطلاق دونوں پر ہوتا ہے، لہٰذا غیبوبت شفق اس وقت متحقق ہوگی جب کہ دونوں غائب ہو جائیں، اس کی تائید حضرت ابو ہریرہ ﷺ کی روایت سے ہوتی ہے جو ترمذی میں ہے، جس میں ہے: "إن أول وقت عشاء الآخرة حين يغيب الأفق" یہاں شفق کے بجائے افق کے غائب ہونے کا ذکر ہے، اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ بیاض غائب ہو جائے، نیز طبرانی اوسط میں ایک واضح روایت ہے جو حضرت جابر ﷺ سے منقول ہے: ثُمَّ أَذَّنَ لِلْعِشَاءِ حِيْنَ ذَهَبَ بَيَاضُ النَّهَارِ وهو الشَّفَقُ"۔ (مجمع الزوائد ۱/۳۰۴)۔

البتہ یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ شفق ابیض کا غروب بعض اوقات ثلث لیل سے بھی متجاوز ہو جاتا ہے چنانچہ خلیل بن احمد ؒ کا قول ہے کہ میں نے ایک رات شفق ابیض کے غروب کا مشاہدہ کیا کہ وہ آدھی رات کے بعد غروب ہوئی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جو سفیدی خلیل بن احمد نے دیکھی وہ کوئی خارجی روشنی تھی سورج کی روشنی نہ تھی، کیوں کہ اس پر اتفاق ہے کہ سورج کے پندرہ درجہ نیچے چلے جانے کے بعد اس کی کوئی روشنی افق پر نہیں رہتی، البتہ بعض اوقات دوسرے عوامل کی وجہ سے آسمان پر سفیدی نظر آتی ہے بقائے وقتِ مغرب میں اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ (بدایۃ المجتہد ۱/۱۴۴، المنہل ۳/۲۸۵)۔

قولہ: "وَصَلَّى بِيَ الْعَصْرَ حِيْنَ كَانَ ظِلُّهُ مِثْلَيْهِ": یعنی دوسرے دن کی عصر اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کے دو مثل ہو گیا تھا۔

اس سے استدلال کر کے امام اوزاعی اور امام اصطخری ؒ فرماتے ہیں کہ عصر کا وقت اصفرار شمس پر ختم ہو جاتا ہے کیونکہ سایہ اصلی کے بعد جب کسی چیز کا سایہ دو مثل ہو جائے تو سورج پیلا پڑ جاتا ہے، لہٰذا اصفرار شمس کے بعد اگر عصر پڑھی جائے گی تو قضاء ہوگی، نیز ان حضرات کی دوسری دلیل مسلم شریف کی حدیث بھی ہے جس میں ہے: "وَوَقْتُ صَلَاةِ الْعَصْرِ مَا لَمْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ"۔

اس کے برخلاف جمہور علماء کے نزدیک عصر کا وقت غروب آفتاب تک رہتا ہے، دلیل ایک تو حضرت ابو ہریرہ ﷺ کی حدیث ہے: "مَنْ أَدْرَكَ ركعةً مِنَ العَصْرِ قَبْلَ أن تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ العَصْرَ". (بخاری و مسلم)۔

دوسری دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے: "وَقْتُ صَلَاةِ الْعَصْرِ مالم تَصْفَرَّ الشَّمْسُ ويَسْقُطْ قَرْنُهَا الْأَوَّلُ".

فریق اول کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دوسرے دن کی نماز عصر اصفرار شمس سے پہلے اس لئے پڑھی کہ اس کے بعد وقت مکروہ شروع ہو جاتا ہے، لہٰذا اصفرار سے پہلے پڑھنے کی روایات استحباب پر محمول ہیں، اور غروب تک کی روایات جواز پر محمول ہیں۔

فائدہ: امام نوویؒ شرح مسلم میں تحریر فرماتے ہیں کہ عصر کے پانچ اوقات ہیں: ۱۔ وقت فضیلت، ۲۔ وقت اختیار، ۳۔ وقت جواز مع الکراہہ، ۴۔ وقت جواز بلا کراہہ، ۵۔ وقت عذر۔

وقت فضیلت تو اول وقت ہے، اور وقت اختیار مثلین تک رہتا ہے، اور وقت جواز مع الکراہہ عین اصفرار شمس کا وقت ہے، اور وقت جواز بلا کراہہ مثلین سے اصفرار شروع ہونے تک کا وقت ہے، اور وقت عذر وہ ظہر کے وقت میں عصر پڑھنا ہے سفر کی وجہ سے یا مطر کی وجہ سے، پس جو شخص ان پانچوں اوقات میں سے کسی میں بھی عصر پڑھے گا وہ ادا کرنے والا ہی ہوگا، اور جب یہ پانچوں وقت گزر جائیں یعنی سورج غروب ہو جائے تو نماز قضاء ہو جائے گی۔ (شرح نووی ۱/۲۲۲)

آخرِ وقتِ عشاء

قوله : وصَلَّى بي العِشَاءَ إلى ثُلُثِ اللَّيْلِ : یہاں "إلى" في کے معنی میں ہے یا مَعَ کے معنی میں ہے، مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دوسرے دن کی عشاء ثلث لیل میں پڑھائی جب کہ رات کا تیسرا حصہ چل رہا تھا۔

اس حدیث کے پیش نظر بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وقت عشاء ثلث لیل پر ختم ہو جاتا ہے، جب کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عشاء کا آخری وقت نصف اللیل ہے اور اس کی دلیل حضرت ابو ہریرہ ﷺ کی روایت ہے جس کی تخریج امام ترمذیؒ نے کی ہے جس میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: وإنّ آخر وقتها حين ينتصف الليل".

حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ عشاء کی تاخیر ثلث لیل تک مستحب ہے اور نصف لیل تک جائز اور اس کے بعد مکروہ تنزیہی ہے، لیکن وقت کی انتہاء طلوع فجر پر ہوتی ہے، اور حنفیہ کا مسلک مجموعۂ روایات پر مبنی ہے، کیوں کہ آپ ﷺ سے ثلث لیل کے بعد بھی نماز پڑھنا ثابت ہے، اور نصف لیل کے بعد بھی، چنانچہ امام طحاویؒ نے یہ سب رویات نقل کی ہیں، مثلاً:

۱- حضرت انس ﷺ کی روایت ہے: أَخَّرَ رسولُ اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم الصلاةَ ذَاتَ لَيْلَةٍ إلى شَطْرِ اللَّيْلِ الخ: کہ حضور ﷺ نے عشاء کی نماز کو نصف لیل تک مؤخر کیا، یعنی عشاء کی نماز کو نصف لیل پر جا کر شروع کیا اور اس صورت میں لامحالہ اختتام نصف لیل کے بعد ہی ہوگا۔

۲- حضرت عائشہؓ کی روایت ہے: "اعْتَمَّ النَّبِيُّ صلی اللّٰه علیه وسلم ذَاتَ لَيْلَةٍ حَتّٰى ذَهَبَ عَامَّةُ اللَّيلِ" کہ ایک رات حضور ﷺ نے عشاء کی نماز اکثر رات گزرنے کے بعد ادا فرمائی جب کہ اہل مسجد سو چکے تھے۔

شیخ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ یہ سب روایات قابل استدلال ہیں، اور امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ ان سب روایات کے پیش نظر وقت عشاء فجر تک باقی رہتا ہے، اور بعض صحابہ کے آثار سے بھی مسلک حنفیہ کی تائید ہوتی ہے۔ (درس ترمذی ۱/۳۹۹)۔

وقتِ فجر

قوله: "وَصَلّٰى بِيَ الْفَجْرَ فَأَسْفَرَ" دوسرے دن حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فجر کی نماز اسفار یعنی خوب روشنی میں پڑھائی۔

صاحب منہل تحریر فرماتے ہیں کہ اس میں تو علماء کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ فجر کا اول وقت طلوع فجر صادق سے ہے، جس کی علامت افق میں سفیدی کا پھیل جانا ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ فجر کا وقت کب تک باقی رہتا ہے، جمہور کہتے ہیں کہ طلوع آفتاب تک فجر کا وقت باقی رہتا ہے، جب کہ امام اصطخریؒ فرماتے ہیں کہ اسفار بیّن تک فجر کا وقت رہتا ہے۔ جو شخص اسفار بیّن کے بعد پڑھے گا اس کی نماز قضاء ہوگی۔ (المنہل)۔

پانچوں نمازوں کے وقت مستحب کے بارے میں فقہاء اربعہ کے درمیان جو اختلاف ہے اس کو مصنفؒ الگ الگ ابواب میں تفصیل سے ذکر فرمائیں گے ہم بھی وہیں پر اوقات مستحبہ کی تفصیل لکھیں گے۔

قوله: "هٰذَا وَقْتُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِكَ" هٰذَا کا مشار الیہ عشاء کے علاوہ باقی نمازوں کے اوقات ہیں، کیوں کہ عشاء کی نماز اس امت کی خصوصیت ہے، اور باقی چار نمازیں گزشتہ انبیاء میں متفرق طور پر پائی گئی ہیں، نہ کہ مجتمعاً، یا علامہ کے کہنے کے مطابق مشار الیہ صرف اسفار بالفجر ہے۔

چنانچہ طحاوی شریف (۱/۸۵،۸۶) میں ایک روایت ہے کہ جس وقت حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول کی گئی وہ وقت فجر کا وقت تھا اس وقت حضرت آدم علیہ السلام نے بطور شکر کے دو رکعات ادا فرمائیں یہ نماز فجر کی اصل ہوئی، اور جس وقت اسحاق علیہ السلام یا اسماعیل علیہ السلام علی اختلاف القولین کے فدیہ میں دنبہ نازل ہوا وہ ظہر کا وقت تھا اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چار رکعات ادا فرمائیں، یہ نماز ظہر کی اصل ہے، اور جس وقت حضرت عزیر علیہ السلام دوبارہ

زندہ کئے گئے وہ وقت عصر تھا، اس وقت انہوں نے چار رکعت ادا کیں یہ عصر کی اصل ہوئی، اور جس وقت حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی وہ مغرب کا وقت تھا انہوں نے بھی شکرانہ کی تین رکعتیں پڑھیں، یہ مغرب کی نماز کی اصل ہوئی اور عشاء امت محمدیہ کی خصوصیت ہے ای۔

اس کے علاوہ یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ بعض انبیاء پر کم از کم چار نمازیں اوقات کی مذکورہ تفصیل کے ساتھ فرض رہی ہوں۔

قوله: "والوقت ما بين هذين الوقتين" یہ جملہ اپنے ظاہر کے اعتبار سے کسی بھی فقیہ کے نزدیک معمول بہ نہیں ہے، لہٰذا تمام فقہاء کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ: الوقت المستحب ما بين هذين الوقتين" یعنی ہر نماز کا وقت مستحب حضرت جبرئیل علیہ السلام کی دونوں دنوں کی نمازوں میں ظاہر کئے گئے وقتوں کے درمیان ہے، اس لئے کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے: خير الأمور أوساطها"۔

۳۹۴ ﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ سَلَمَةَ الْمُرَادِيُّ ثَنَا ابنُ وَهْبٍ عَنْ أُسَامَةَ بنِ زيدٍ اللَّيْثِيِّ أَنَّ ابنَ شِهَابٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ عُمَرَ بنَ عَبْدِ العَزِيْزِ كَانَ قَاعِدًا عَلَى الْمِنبَرِ فَأَخَّرَ الْعَصْرَ شَيْئًا فَقَالَ لَهُ عُرْوَةُ بنُ الزُّبَيْرِ: أَمَا إِنَّ جِبْرَئِيلَ عليه السلام قَدْ أَخْبَرَ مُحَمَّدًا صلى الله عليه وسلم بِوَقْتِ الصلاةِ؟ فقال له عُمَرُ: اعْلَمْ مَا تَقُوْلُ، فقال له عُرْوَةُ: سَمِعْتُ بَشِيْرَ بنَ مسعودٍ يقولُ: نَزَلَ جِبْرَئِيلُ فَأَخْبَرَنِي بِوَقْتِ الصلاةِ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ، يَحْسُبُ بِأَصَابِعِهِ خَمْسَ صَلَوَاتٍ، فَرَأَيْتُ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم صَلَّى الظُّهْرَ حِيْنَ تَزُوْلُ الشَّمْسُ، وَرُبَّمَا أَخَّرَهَا حِيْنَ يَشْتَدُّ الْحَرُّ، ورَأَيْتُهُ يُصَلِّي الْعَصْرَ والشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ بَيْضَاءُ قَبْلَ أَنْ تَدْخُلَهَا الصُّفْرَةُ فَيَنْصَرِفُ الرجلُ مِنَ الصلاةِ فَيَأْتِي ذَا الْحُلَيْفَةِ قَبْلَ غُرُوبِ الشمسِ ويُصَلِّي الْمَغْرِبَ حين سُقُوْطِ الشمسِ، ويُصَلِّي الْعِشَاءَ حين يَسْوَدُّ الْأُفُقُ، وَرُبَّمَا أَخَّرَهَا حَتَّى يَجْتَمِعَ الناسُ، وصَلَّى الصُّبْحَ مَرَّةً بِغَلَسٍ ثم صَلَّى مَرَّةً أخرى فَأَسْفَرَ بِهَا ثُمَّ كَانَتْ صَلَاتُهُ بَعْدَ ذٰلِكَ التَّغْلِيْسَ حَتَّى مَاتَ وَلَمْ يَعُدْ إِلَى أَنْ يُسْفِرَ

قال أبو داوُدَ رَوَى هٰذَا الحديثَ عن الزُّهْرِيِّ مَعْمَرٌ ومَالِكٌ، وابنُ عُيَيْنَةَ، وشُعَيْبُ بنُ أبي حَمْزَةَ واللَّيْثُ بنُ سَعْدٍ وغَيْرُهُم لم يَذْكُرُوا الْوَقْتَ الذي صَلَّى فيه ولم يُفَسِّرُوْهُ.

وكذلك رَوَى هِشَامُ بنُ عُرْوَةَ وحَبِيبُ بنُ أبي مَرْزُوْقٍ عَنْ عُرْوَةَ نَحْوَ رِوَايَةِ مَعْمَرٍ

وأَصْحَابِهِ إِلَّا أن حَبِيبًا لَمْ يَذْكُرْ بَشِيرًا.
ورَوَى وَهْبُ بنُ كَيْسَانَ عن جَابِرٍ عن النبي صلى الله عليه وسلم وَقْتَ الْمَغْرِبِ، قال: ثُمَّ جاءَهُ الْمَغْرِبَ حين غَابَتِ الشَّمْسُ يعني مِنَ الْغَدِ وَقْتًا وَاحِدًا.
قال أبو داوُد: وكذلك رُوِيَ عن أبي هُرَيْرَةَ عَنِ النبي صلى الله عليه وسلم قال: ثُمَّ صَلَّى بِي المغربَ يَعْنِي مِنَ الْغَدِ وَقْتًا وَاحِدًا.
وكذلك رُوِيَ عن عَبدِالله بنِ عَمْرو بنِ العَاصِ مِنْ حديثِ حَسَّانَ بنِ عَطِيَّةَ عن عَمْرو بنِ شُعَيْبٍ عن أبيه عن جَدِّهِ عن النبي صلى الله عليه وسلم.

أخرجه البخاري في "صحيحه" في كتاب: مواقيت الصلاة، باب: في مواقيت الصلاة وفضلها (٥٢١) وأخرجه أيضًا في كتاب: بدء الخلق، باب: ذكر الملائكة (٣٢٢١) وأخرجه أيضًا في كتاب المغازي، باب: ١٢- رقم (٤٠٠٧) وأخرجه مسلم في "صحيحه" في المساجد، باب: أوقات الصلوات الخمس (١٣٧٨) و (١٣٧٩) وأخرجه النسائي في "المجتبى" في كتاب المواقيت، باب: ١- رقم(٤٩٣) وأخرجه ابن ماجه في "سننه" في كتاب: الصلاة، باب: أبواب مواقيت الصلاة (٦٦٨). انظر "تحفة الأشراف" (٩٩٧٧).

ترجمہ: حضرت ابن شہاب (امام زہریؒ) سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (مشہور اموی خلیفہ راشد) منبر پر بیٹھے ہوئے تھے تو انہوں نے عصر کی نماز قدرے تاخیر (وقت مختار سے کچھ ہی مؤخر کرکے) پڑھی تو (نہایت جلیل القدر تابعی اور بحر العلوم) حضرت عروہؒ نے ان سے کہا: آپ کو معلوم نہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور ﷺ کو نماز کا وقت بتا دیا ہے، اس پر عمر بن عبدالعزیزؒ حضرت عروہؒ سے بولے: خوب سمجھ لو کیا کہہ رہے ہو، تب عروہؒ نے بیان کیا کہ: میں نے حضرت بشیر بن ابو مسعود (تابعی) سے سنا وہ بیان کرتے تھے کہ میں نے (اپنے والد) ابو مسعود رضی اللہ عنہ (صحابی) سے سنا، وہ بیان کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آسمان سے اترے اور انہوں نے مجھے نماز کا وقت بتلایا چنانچہ میں نے ان کے ساتھ (ظہر کی) نماز پڑھی، پھر میں نے ان کے ساتھ (عصر کی) نماز پڑھی، پھر میں نے ان کے ساتھ (مغرب کی) نماز پڑھی، پھر میں نے ان کے ساتھ (عشاء کی) نماز پڑھی، پھر میں نے ان کے ساتھ (فجر کی) نماز پڑھی، اور اس طرح آں حضرت ﷺ نے اپنی انگلیوں پر پانچوں نمازیں گن کر بتائیں۔

پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے ظہر کی نماز آفتاب ڈھلتے ہی پڑھی، اور کبھی دیر کرکے پڑھی جب گرمی شدید ہوئی اور میں نے عصر کی نماز پڑھتے دیکھا اس وقت جب کہ آفتاب بلند اور صاف تھا اس میں زردی نہیں آئی تھی، آدمی عصر کی نماز سے آپ ﷺ کے ساتھ فارغ ہو کر ذوالحلیفہ میں پہنچ جاتا تھا آفتاب ڈوبنے سے پہلے ہی، اور آپ

ﷺ مغرب کی نماز سورج ڈوبتے ہی پڑھ لیتے تھے، اور عشار کی نماز اس وقت پڑھتے جب آسمان کے کناروں میں سیاہی آجاتی تھی، اور کبھی عشار میں دیر کرتے لوگوں کے جمع ہونے کے لئے، اور فجر کی نماز آپ ﷺ اندھیرے میں پڑھتے، ایک بار روشنی میں پڑھی مگر اس کے بعد آپ ہمیشہ اندھیرے میں پڑھتے رہے یہاں تک کہ وفات تک آپ نے کبھی روشنی میں نماز نہیں پڑھی۔

ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت کو زہری سے معمر، مالک، ابن عیینہ، شعیب ابن ابی حمزہ اور لیث بن سعد وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے لیکن انہوں نے اس وقت کو ذکر نہیں کیا جس میں نماز پڑھی اور نہ اس کی تفسیر کی۔

اسی طریقہ سے ہشام بن عروہ اور حبیب بن ابی مرزوق نے اس روایت کو عروہ سے معمر اور ان کے اصحاب کی طرح ذکر کیا ہے، مگر حبیب نے بشیر کو ذکر نہیں کیا۔

اور وہب بن کیسان نے بواسطۂ جابر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے وقت مغرب کو ذکر کیا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام دوسرے دن مغرب کے وقت غروب شمس کے بعد آئے، یعنی دونوں دن ایک ہی وقت میں۔

ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام نے مجھے دوسرے دن مغرب کی نماز ایک ہی وقت میں پڑھائی۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے بھی مروی ہے جو "حسّان بن عطيه عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده عن النبي صلى الله عليه وسلم" کے طریق سے ہے۔

تشریح مع تحقیق : واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جب ولید بن عبدالملک کے عہد خلافت میں مدینہ طیبہ کے امیر تھے اور اس وقت تک خلیفہ نہیں بنائے گئے تھے اس زمانہ میں ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ ان سے عصر کی نماز میں معمول سے زیادہ تاخیر ہوگئی، اور یہ تاخیر بہت معمولی تھی جیسا کہ لفظ شیئًا سے معلوم ہو رہا ہے، اور یہ تاخیر اتفاقاً تھی جیسا کہ بخاری کی روایت میں یَوْمًا سے معلوم ہوتا ہے، تاخیر کرنا ان کی عادت نہ تھی، ان کی اس تاخیر پر حضرت عروہ بن زبیرؒ جو مشہور تابعی اور حضرت عائشہؓ کے بھانجے ہیں نے نکیر فرمائی اور امامت جبرئیل علیہ السلام والی روایت سے اوقات کی اہمیت اور تحدید و تعیین ثابت کی، اور یہ فرمایا کہ کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور ﷺ کی امامت فرما کر اوقات کی ابتدار اور انتہار بیان فرمائی تھی، پھر آپ نے تاخیر کیوں کی؟

اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا: اعْلَمْ مَا تَقُوْلُ" کہ عروہ! سوچ کر اور سمجھ کر بیان کر یعنی تم جو بیان کرنا چاہتے ہو کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تحدید اوقات کے لئے مامور ہوئے تھے یہ بڑی ذمے داری کی بات ہے کیا تمہارے پاس اس کی کوئی سند ہے؟

شارحین نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے اس قول کے مختلف مطلب لیے ہیں:

۱- حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس امامت جبرئیل علیہ السلام والی روایت نہیں تھی، ہوسکتا ہے کہ روایت ان تک پہنچی ہی نہ ہو اور ہوسکتا ہے کہ روایت پہنچنے کے بعد بھول گئے ہوں، اس لئے وہ کہنا چاہتے ہیں کہ جب حدیث بیان کر رہے ہو تو سند بھی بیان کرو، گویا اتنا بڑا دعویٰ اور بے سند؟

۲- یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ عروہ! تم نے اپنی بات پر غور بھی کیا؟ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کو عملی تعلیم کی کیا ضرورت تھی؟ تصویریں تو بچوں کو دکھائی جاتی ہیں، آپ ﷺ تو مخلوق میں سب سے زیادہ عقل و سمجھ رکھنے والے تھے۔

۳- یہ مطلب بھی سمجھا گیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام تو مفضول تھے اور حضور ﷺ افضل، پھر جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کی امامت کیسے کر سکتے تھے، امامت تو آپ ﷺ ہی کے شایان شان تھی۔

لیکن اشکال کی وضاحت کسی بھی طرح کی جائے بنیاد یہی معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو امامت جبرئیل والی روایت معلوم نہیں تھی، اور انہوں نے تنبیہ کے طور پر یا حیرت کے طور پر عروہ سے کہا کہ آپ اس کی سند بھی بیان کریں، چنانچہ حضرت عروہ نے سند بیان کردی اور واضح کردیا کہ میں نے جس مسئلہ کی طرف آپ کو توجہ دلائی ہے اس کا تحقیقی علم رکھتا ہوں، اور اللہ کا فضل ہے کہ مجھ کو حافظہ اور بیدار ذہنی کی دولت نصیب ہے۔ (ایضاح البخاری ۳۶۳/۴)۔

قوله : فَأَخْبَرَنِي الخ : حضرت جبرئیل علیہ السلام نے قولاً وفعلاً اوقات نماز کی تعلیم دی، فعلاً تو ظاہر ہے کہ دو دن مسلسل نماز پڑھائی، اور قولاً "والوقت ما بين هذين الوقتين" کے ذریعہ دی ہے، "فَصَلَّيْتُ مَعَهُ" یہ اخبار بالفعل کا بیان ہے۔

قوله : "يَحْسُبُ بأصَابِعِه" یعنی حضور ﷺ پانچوں نمازوں کو اپنی انگلیوں پر شمار کر رہے تھے، اس حال میں کہ آپ ﷺ کہہ رہے تھے صَلَّيْتُ مَعَهُ ، صَلَّيْتُ مَعَهُ لہٰذا یہ جملہ حال ہے حضور اکرم ﷺ سے۔

علامہ طیبیؒ نے یہاں ایک دوسرا قول نقل کیا ہے کہ "یحسب" نون کے ساتھ ہے یعنی جمع متکلم کا صیغہ ہے نہ واحد مذکر غائب کا، اور مطلب یہ ہے: "يَقُولُ النبيُّ ﷺ ذٰلِكَ القولَ ونَحْنُ بِعَقْدِ أصَابِعِه". (المنہل ۲۹۲/۳)۔

قوله : فَرأيتُ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم الخ : مطلب یہ ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ نے نزول جبرئیل علیہ السلام اور اوقات صلاۃ کی تحدید کی خبر دے دی تو میں نے حضور ﷺ کو فلاں فلاں اوقات میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔

یعنی ماقبل میں پانچ نمازوں کا ذکر مجملاً تھا بلا تعیین اوقات کے کہ کون سی نماز کس وقت میں پڑھی، اب یہاں سے صحابی نے اوقات کی تفصیل بیان کردی، یہ بات شروع میں بیان کی گئی تھی کہ امامت جبرئیل والی یہ حدیث گو صحیحین میں ہے لیکن وہاں اوقات کی تفصیل مذکور نہیں ہے، اوقات کی تفصیل یہاں ہے جس کو صحابی "فرأيت" سے بیان کر رہے ہیں۔

قوله : يُصَلِّي الْعَصْرَ والشمسُ مُرْتَفِعَةٌ" یعنی عصر کی نماز کو اول وقت میں پڑھتے، کہ سورج خوب بلند ہوتا تھا، کہ آدمی حضور ﷺ کے ساتھ عصر کی نماز پڑھ کر ذوالحلیفہ جو مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے پہنچ جاتا تھا مغرب کی نماز سے پہلے، اس روایت سے تعجیل عصر پر استدلال کیا گیا ہے، اس کا تفصیلی بیان "باب وقت العصر" میں آئے گا۔

قوله : ولم يَعِدُ إلى أَنْ يُسْفِرَ : یعنی آپ ﷺ نے صرف ایک مرتبہ نماز فجر اسفار میں پڑھی ہے اس کے بعد کبھی بھی اسفار میں نہیں پڑھی بلکہ غلس میں پڑھتے تھے، اس میں علماء کے درمیان اختلاف ہے کہ فجر میں تغلیس افضل ہے یا اسفار، اس کا تفصیلی بیان بھی ان شاء اللہ آگے آئے گا۔

قال أبوداؤد : روى هذا الحديث عن الزهري مَعْمَر ومالك الخ : یعنی حدیث امامت جبرئیل علیہ السلام کو امام زہری سے معمر، مالک، سفیان بن عیینہ، شعیب بن ابی حمزہ، لیث بن سعد، اوزاعی اور محمد بن اسحاق نے بھی روایت کیا ہے، لیکن ان سب حضرات نے اس روایت کو مجملاً ذکر کیا ہے ان اوقات کی تفصیل ذکر نہیں کی جن میں آپ ﷺ کے نماز پڑھنے کا ذکر ہے، اس کے برخلاف اسامہ بن زید نے زہری سے اس روایت کو نقل کیا تو اوقات کی تفصیل بیان کی کہ کون سی نماز کس وقت میں پڑھی۔

ان تعلیقات کو ذکر کر کے مصنفؒ کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ زہری کے تلامذہ میں اختلاف ہے، کیوں کہ اسامہ بن زید نے زہری سے جب اس کو روایت کیا تو اولاً اوقات صلاۃ کو مجملاً ذکر کیا پھر صحابی کے قول "فرأيت" سے تفصیلی طور پر ذکر کیا، اور دوسرے تلامذہ: معمر، مالک، ابن عیینہ، شعیب، لیث اور اوزاعی وغیرہ نے صرف اجمالاً اوقات صلاۃ کو ذکر کیا ہے، تفصیلاً ذکر نہیں کیا، حاصل یہ ہوا کہ اسامہ بن زید "فرأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم صَلَّى الظهر حين تزول الشمس الخ" کے نقل کرنے میں منفرد ہیں۔

لیکن اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ اسامہ کی روایت شاذ ہے، کیونکہ معمر وغیرہ کی روایت میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جس سے اس زیادتی پر زد پڑتی ہو، بلکہ یہ کہا جائے گا کہ ان حضرات نے اپنی روایات کو مختصر کر دیا ہے، نیز دوسرے صحابہ مثلاً ابن عباس رضی اللہ عنہما، جابرؓ، ابوسعید خدریؓ اور ابوہریرہؓ سے بھی اوقات صلاۃ کی روایات تفصیلیہ منقول ہیں، جن سے اسامہ کی روایت کا شذوذ ختم ہو جائے گا۔ (المنہل ۲۹۶/۳)۔

قوله : وكذلك أيضا رَوَى هِشَامُ بن عروةَ الخ : اس حدیث جبرئیل علیہ السلام کو جس طرح معمر اور ان کے اصحاب نے بغیر تفصیل اوقات کے روایت کیا ہے اسی طرح ہشام اور حبیب نے بھی نقل کیا ہے، البتہ فرق یہ ہے کہ حبیب نے عروہ اور ابومسعودؓ کے درمیان بشیر بن ابی مسعود کا واسطہ ذکر نہیں کیا۔

قوله : و رَوَى وَهْبُ بنُ كَيْسَانَ عن جابرٍ عن النبي صلى الله عليه وسلم وَقْتَ المغرب الخ : یعنی

وہب بن کیسان نے اس روایت کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً ذکر کیا ہے، جس میں یہ مذکور ہے کہ جبرئیل علیہ السلام مغرب کی نماز کے لئے دونوں دن ایک ہی وقت میں آئے یعنی غروب شمس کے وقت۔

امام ابوداؤدؒ کے اس کلام کی غرض سمجھنے کے لئے یہ بات جاننا ضروری ہے کہ مصنفؒ نے اس باب میں دو حدیثیں ذکر کی ہیں ایک حدیث امامت جبرئیل علیہ السلام جو ابھی چل رہی ہے اور دوسری سوال سائل والی جو آگے "حدثنا مسدد" سے شروع ہو رہی ہے، جس میں یہ ہے کہ ایک صحابی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازوں کے اوقات معلوم کیے، تو آپ نے ان کو زبانی بتانے کے بجائے دو روز تک اپنے پاس مدینہ میں ٹھہرنے کا حکم فرمایا کہ یہاں ٹھہر کر دیکھو کہ میں کس نماز کو کس وقت میں پڑھتا ہوں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے دن ہر نماز کو اول وقت میں اور دوسرے دن ہر نماز کو آخر وقت میں پڑھا، یعنی وہی صورت جو حدیث میں ہے، لیکن فرق ان دونوں روایتوں میں یہ ہے کہ حدیث امامت جبرئیل کے تمام طرق میں یہ ہے کہ مغرب کی نماز دونوں دن ایک ہی وقت میں پڑھی گئی، یعنی غروب شمس کے فوراً بعد، اور سوالِ سائل والی حدیث میں روایات مختلف ہیں اکثر میں یہ مذکور ہے کہ پہلے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی نماز غروب کے فوراً بعد پڑھائی، اور دوسرے دن آخر وقت میں، اور بعض طرق میں اتحاد وقت مذکور ہے، یعنی دونوں دن وقت واحد میں نماز پڑھائی، جیسا کہ امامت جبرئیل میں ہے۔

اب "رَوَی وَهْبُ بنُ كيسان عن جابر" سے مصنفؒ یہی فرما رہے ہیں کہ یہ حدیث امامت جبرئیل علیہ السلام جس طرح ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو ابھی اوپر گزری اسی طرح بعض دوسرے صحابہ جیسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ سے بھی مروی ہے اور ان سب میں وقت مغرب میں اتحاد مذکور ہے۔ (الدر المنضود ۱۶/۲)۔

فائدہ: ابن قطانؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ جس کی طرف مصنفؒ نے اشارہ کیا ہے مرسل ہے، کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے لیلۃ الاسراء کی صبح کو نہیں پایا ہے کیونکہ لیلۃ الاسراء کا واقعہ مکی ہے اور یہ انصاری صحابی ہیں، یقیناً انہوں نے اس واقعہ کو کسی سے سن کر ہی بیان کیا ہوگا مگر یہاں وہ واسطہ مذکور نہیں ہے لہٰذا روایت مرسل ہوئی۔

لیکن صاحب منہل نے "الامام" کے حوالے سے یہ نقل کیا ہے کہ یہ ارسال حدیث کی صحت کے لئے مضر نہیں ہے، اس لئے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے یقیناً کسی صحابی سے سنا ہوگا اور صحابی کی جہالت غیر مضر ہوتی ہے۔ (المنہل ۲۹۷/۳)

قوله: "قال أبو داؤد: و كذلك رُوِيَ عن أبي هريرة الخ" یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے تو اس میں بھی دونوں دن کی مغرب وقت واحد ہی میں پڑھنا مذکور ہے، جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نسائی میں ہے۔

قوله: و كذلك روي عن عبدالله بن عمرو بن العاص الخ: مطلب یہ ہے کہ جس طرح حدیث امامت

جبرئیل علیہ السلام کو حضرت جابر ﷺ اور حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے روایت کیا ہے اسی طرح عبداللہ بن عمرو بن العاص ﷺ نے روایت کیا ہے اور دونوں دن مغرب کی نماز ایک ہی وقت میں پڑھنے کو بیان کیا ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ﷺ کی حدیث سنن بیہقی میں ہے۔

مصنفؒ کے کلام سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ﷺ کی حدیث بھی امامت جبرئیل علیہ السلام کے بارے میں ہے، لیکن سنن بیہقی کی روایت کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی حدیث سوالِ سائل کے بارے میں ہے نہ کہ امامت جبرئیل کے بارے میں۔ فتامل و تدبر.

تعلیقات سے مصنف کی غرض

ان تعلیقات کو ذکر کرنے سے مصنفؒ کی غرض اس بات کی تائید کرنا ہے کہ حدیث امامت جبرئیل میں صلاۃ مغرب کے وقتِ واحد ہی میں پڑھنے کا بیان ہے ایسا نہیں کہ پہلے دن غروب کے فوراً بعد پڑھی ہو اور دوسرے دن غروب شفق کے وقت، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مغرب کا ایک ہی وقت ہے اس لئے کہ صحیح روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے مغرب کی نماز مختلف دو وقتوں میں پڑھی ہے، چنانچہ مسلم شریف کی روایت ہے: "أَقَامَ الْمَغْرِبَ حِيْنَ غَابَتِ الشَّمس فَلَمَّا أَنْ كَانَ الْيَوْمَ الثاني صَلَّى الْمَغْرِبَ قَبْلَ أَنْ يَغِيبَ الشَّفَقُ". (المنہل ۲۹۸/۳)۔

۳۹۵ ﴿حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ ثَنَا عَبْدُ اللهِ بنُ دَاوُدَ ثَنَا بَدْرُ بنُ عُثْمَانَ ثَنَا أَبو بَكْرِ بنُ أَبِي مُوسٰى أَنَّ سَائِلًا سَأَلَ النبيَّ صلى الله عليه وسلم فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ شَيْئًا حَتّٰى أَمَرَ بِلَالًا فَأَقَامَ الْفَجْرَ حِيْنَ انْشَقَّ الْفَجْرُ فَصَلّٰى حِيْنَ كَانَ الرَّجُلُ لا يَعْرِفُ وَجْهَ صَاحِبِهِ أَوْ أَنَّ الرَّجُلَ لَا يَعْرِفُ مَنْ إلى جَنْبِهِ ثُمَّ أَمَرَ بِلَالًا فَأَقَامَ الظُّهْرَ حِيْنَ زَالَتِ الشَّمْسُ حَتّٰى قال الْقَائِلُ: انْتَصَفَ النَّهَارُ —وهُوَ أَعْلَمُ— ثُمَّ أَمَرَ بِلَالًا فَأَقَامَ الْعَصْرَ والشَّمْسُ بَيْضَاءُ مُرْتَفِعَةٌ، وأَمَرَ بِلَالًا فَأَقَامَ الْمَغْرِبَ حين غَابَتِ الشَّمْسُ، وأَمَرَ بِلَالًا فَأَقَامَ الْعِشَاءَ حِيْنَ غَابَ الشَّفَقُ، فَلَمَّا كَانَ مِنَ الْغَدِ صَلَّى الْفَجْرَ وانْصَرَفَ، فَقُلْنَا أَطَلَعَتِ الشَّمْسُ، فَأَقَامَ الظُّهْرَ فِي وَقْتِ الْعَصْرِ الَّذِيْ كَانَ قَبْلَهُ، وصَلَّى الْعَصْرَ وَقَدِ اصْفَرَّتِ الشَّمْسُ أو قال: أَمْسٰى، و صَلَّى الْمَغْرِبَ قَبْلَ أَنْ يَغِيبَ الشَّفَقُ، وصَلَّى الْعِشَاءَ إلى ثُلُثِ اللَّيْلِ ثُمَّ قال: أَيْنَ السَّائِلُ عن وَقْتِ الصَّلَاةِ؟ الْوَقْتُ فِيمَا بَيْنَ هٰذَيْنِ.

قال أبو داوُدَ: رَوٰى سُلَيْمَانُ بنُ موسٰى عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ عن النبيِّ صلى الله عليه

وسلم في المغرب نَحوَ هٰذَا ، قَالَ : ثُمَّ صَلَّى العِشَاءَ ، قال بَعْضُهُمْ إلى ثُلُثِ اللَّيلِ وقال بَعْضُهُمْ إلى شَطْرِهِ وَكَذَا رَوَى ابنُ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبيه عن النبي صلى الله عليه وسلم.﴾

أخرجه مسلم في "صحيحه" في المساجد، باب: أوقات الصلوات الخمس (١٣٩٢) وأخرجه النسائي في "المجتبى" في كتاب المواقيت، باب: آخر وقت المغرب (٥٢٢)، انظر "تحفة الأشراف" (٩١٣٧).

ترجمہ : حضرت ابوموسیٰ ؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور اکرم ﷺ سے نماز کے وقتوں کو پوچھا آپ ﷺ نے جواب نہ دیا اور بلال ؓ کو حکم فرمایا پھر فجر کی نماز پڑھی جب صبح صادق نکلتی ہے جب کوئی آدمی دوسرے کو نہ پہچان سکے یعنی اس کا چہرہ نہ پہچان سکے اندھیرے کی وجہ سے، یا اپنے پہلو (برابر) میں موجود شخص نہ پہچان سکتا، پھر بلال کو حکم کیا تو انہوں نے ظہر کو قائم کیا جب آفتاب ڈھل گیا، یہاں تک کہ کہنے والے نے کہا: کیا دوپہر ہوگئی، اور آپ ﷺ خوب جانتے تھے (کہ نماز آفتاب ڈھلنے کے بعد ہی شروع کی ہے، البتہ تعجیل کی وجہ سے بعض لوگوں کو دوپہر ہونے کا شبہ رہا) پھر حکم کیا بلال کو انہوں نے عصر کو قائم کیا درانحالانکہ آفتاب بلند تھا اور سفید تھا، پھر آپ ﷺ نے بلال کو حکم کیا انہوں نے مغرب کو اس وقت قائم کیا جب سورج ڈوب گیا، پھر بلال کو حکم کیا انہوں نے عشاء کو قائم کیا جب شفق غائب ہوگیا، جب دوسرا دن ہوا تو آپ نے فجر کی نماز پڑھی جب فارغ ہوئے تو ہم لوگ کہنے لگے کیا آفتاب نکل آیا؟ (مطلب یہ کہ دوسرے دن آپ نے فجر کی نماز آخری وقت میں پڑھی) اور ظہر کی نماز اس وقت پڑھی جس وقت پہلے دن عصر پڑھی تھی، اور عصر اس وقت پڑھی جب آفتاب زرد ہوگیا یا شام ہوگئی، اور مغرب شفق کے غائب ہونے سے پہلے پڑھی، اور عشاء تہائی رات کو پڑھی پھر فرمایا کہاں ہے وہ شخص جو نماز کے اوقات پوچھتا تھا؟ وقت ان دونوں کے بیچ میں ہے۔

ابو داؤد فرماتے ہیں کہ سلیمان بن موسیٰ نے بواسطہ عطاء عن جابر حضور ﷺ سے مغرب کے بارے میں اسی طرح روایت کیا ہے اس میں یہ ہے کہ پھر آپ ﷺ نے نماز عشاء پڑھی، بعض نے کہا تہائی رات پر بعض نے کہا آدھی رات پر۔

اسی طرح ابن بریدہ نے اپنے والد کے واسطہ سے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے۔

تشریح مع تحقیق : یہ وہ روایت ہے جس کا حوالہ ہم بار بار دے چکے ہیں، کہ ایک سائل نے آکر اوقات نماز کے بارے میں آپ ﷺ سے سوال کیا تو آپ ﷺ نے عملی طور سے اس کا جواب دیا صرف قولاً جواب دینے پر اکتفاء نہ فرمایا کیوں کہ کسی چیز کو عملی طور پر دکھانا اوقع فی الذہن ہوتا ہے، یہ سوال کرنے والے کون تھے ان کے نام کے بارے میں شراح نے عدم معرفت کی بات کہی ہے۔

قولہ : "قال القائل : انتصف النهار" مطلب یہ ہے کہ پہلے روز آپ ﷺ نے ظہر کی نماز زوال کے فوراً بعد بالکل ہی اول وقت میں ادا فرمائی، ایسے وقت میں جب کہ بعض لوگوں کو اس کا بھی شبہ ہوا کہ پتہ نہیں نصف النہار اور زوال

کا وقت ہو گیا یا نہیں۔

قولہ : "وهُوَ أَعْلَمُ" اس میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ "ھو" کا مرجع حضور ﷺ کی ذات گرامی ہے اور مطلب یہ ہے کہ بعض لوگوں کو تو بیشک تردد تھا زوال میں کہ ہوا یا نہیں، لیکن حضور ﷺ خوب جانتے تھے کہ زوال ہو گیا ہے۔

دوسرا احتمال اس میں یہ ہے کہ ضمیر "ھو" قائل ہی کی طرف راجع ہو اور مطلب یہ ہے کہ بعض کہنے والے کہتے تھے از راہ تعجب کہ ظہر کا وقت ہو گیا یا نہیں؟ لیکن وہ کہنے والا جانتا تھا اس بات کو کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے۔

قولہ : "أَطَلَعَتِ الشَّمْسُ" ہمزہ استفہامیہ ہے، اور قائل کا یہ قول اسفار بالصبح سے کنایہ ہے کہ آپ ﷺ نے فجر کو اتنا روشن کر کے پڑھا کہ طلوع ہونے کے قریب تھا۔

قولہ : "فَأَقَامَ الظُّهْرَ فِي وَقْتِ العَصْرِ" یعنی دوسرے دن آپ ﷺ نے ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جس وقت پہلے دن عصر پڑھی تھی، اس سے مالکیہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ کچھ وقت ظہر اور عصر کے درمیان مشترک ہے، لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں اشتراک حقیقۃً نہیں ہے بلکہ ایک جگہ شروع کرنا مراد ہے اور ایک جگہ فراغ، اور مطلب یہ ہے کہ جس وقت پہلے دن عصر کو شروع کیا تھا دوسرے دن اس وقت ظہر کو ختم کیا۔

قولہ : "و قَدْ اصْفَرَّتِ الشَّمْسُ" یہاں بھی سورج کا مکمل زرد ہونا مراد نہیں ہے بلکہ زردی کی ابتدار مراد ہے، اس لئے کہ مکمل اصفرار کے وقت نماز پڑھنا تو مکروہ ہے بلکہ اس کو منافق کی نماز قرار دیا گیا ہے۔

قولہ : وصَلّٰى المغربَ قَبْلَ أَنْ يَغِيْبَ الشَّفَقُ : شفق کے ڈوبنے کے قریب مغرب کی نماز پڑھی یعنی مؤخر کر کے، یہ جملہ ان شوافع اور مالکیہ کے خلاف ہے جو وقت مغرب کو صرف پانچ رکعتوں کی بقدر قرار دیتے ہیں۔

قولہ : "الوقت فيما بين هٰذَيْنِ" آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ تم نے ان دو دنوں میں میرے ساتھ پانچوں نمازیں پڑھ کر جان لیا ہوگا کہ ہر نماز کا وقت شروع کب سے ہوتا ہے اور ختم کب ہوتا ہے، ان دو دنوں کے وقتوں کے درمیان کا جو وقت ہے اس میں تعجیل کے اعتبار سے نہ افراط ہے اور تاخیر کے اعتبار سے نہ تفریط ہے۔

قال أبو داؤد : رَوَى سليمان بن موسٰى عن عَطَاءٍ : اوپر جو روایت حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی گزری ہے اس میں وقت مغرب میں اختلاف تھا، کہ پہلے دن آپ ﷺ نے اول وقت میں پڑھی اور دوسرے دن آخر وقت میں، اب مصنفؒ فرما رہے ہیں کہ جس طرح اس روایت میں تعدد وقت مذکور تھا اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی وہ روایت جس کے راوی عطار بن ابی رباح ہیں اس میں بھی دونوں دن مختلف وقتوں میں نماز پڑھنا مذکور ہے۔

قولہ : ثُمَّ صَلَّى العشاء قال بَعْضُهُمْ إلى ثُلُثِ الليلِ : یعنی حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی صلاۃ مغرب کے بعد صلاۃ عشار کا ذکر کیا، لیکن اس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے بیان میں اختلاف ہو گیا، بعض صحابہ نے کہا کہ آپ ﷺ نے عشار کی

نماز ثلث لیل میں پڑھی اور بعض نے کہا کہ نصف اللیل میں پڑھی، یعنی عشاء کے آخری وقت میں اختلاف ہوگیا۔

قوله : و كذلك روى ابن بُرَيْدَةَ عن أبيه : یعنی جس طرح حضرت جابرؓ نے مغرب کی نماز کو دو وقتوں میں پڑھنا ذکر کیا ہے اسی طرح سلیمان بن بریدہ نے بھی اپنے والد سے مغرب کی نماز دونوں دن مختلف وقتوں میں پڑھنا نقل کیا ہے کہ پہلے دن اولِ وقت میں نماز پڑھی اور دوسرے دن آخر وقت میں۔ (المنہل ۳۰۲/۱۳)۔

۳۹۶ ﴿حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بنُ مُعَاذٍ نَا أَبِي نَا شُعْبَةُ عن قَتَادَةَ أنَّه سَمِعَ أَبَا أَيُّوْبَ عن عبدالله بنِ عَمْرٍو عن النبيِ صلى الله عليه وسلم أنَّه قَالَ : وَقْتُ الظُّهْرِ مَا لَمْ تَحْضُرِ الْعَصْرُ، وَوَقْتُ العَصْرِ مَالَمْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ ، وَوَقْتُ الْمَغْرِبِ مَالَمْ يَسْقُطْ فَوْرُ الشَّفَقِ ، وَوَقْتُ العِشَاءِ إلى نِصْفِ اللَّيْلِ ، وَوَقْتُ صَلَاةِ الفَجْرِ مَا لَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ.﴾

أخرجه مسلم في "صحيحه" في المساجد، باب: أوقات الصلوات الخمس (١٣٨٤) وأخرجه النسائي في "المجتبى" في كتاب المواقيت، باب: آخر وقت المغرب (٥٢١). انظر "تحفة الأشراف" (٨٩٤٦).

قوله: "فورُ الشفق": هو بقية حمرة الشمس في الأفق وسمي فورًا لفورانه وسطوعه، وروي أيضًا: ثور الشفق وهو ثوران حمرته. انظر "معالم السنن" ١٠٩/١.

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ظہر کا وقت تب تک رہتا ہے جب تک کہ عصر کا وقت نہ آجائے، اور عصر کا وقت تب تک رہتا ہے جب تک سورج زرد نہ ہوجائے، اور مغرب کا وقت تب تک رہتا ہے جب تک شفق کی چمک نہ ختم ہوجائے، اور عشاء کی نماز کا وقت آدھی رات تک ہے، اور فجر کی نماز کا وقت سورج نکلنے تک رہتا ہے۔

تشریح مع تحقیق : فَوْرٌ: جانب مغرب میں غروب آفتاب کے بعد شفق کی بقیہ سرخی۔

صلوات خمسہ کے اوقات کے سلسلے میں بہت سی احادیث ہیں، جن میں سے بعض قولیہ ہیں اور بعض فعلیہ ہیں، حاصل سب کا یہ ہے کہ ظہر کا وقت جب شروع ہوتا ہے جب سورج آسمان کے بیچ ٹھیک نصف النہار سے ہٹ کر مغرب کی سمت ذرا جھک جاتا ہے جس کو زوال کہتے ہیں، اور جب تک باقی رہتا ہے جب تک کہ ہر چیز کا سایہ سوائے سایۂ اصلی کے اس کے قد کے برابر نہ ہوجائے۔

"مالم تحضر العصر" یہ جملہ دراصل اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ ظہر اور عصر کے درمیان ایسا کوئی وقت مشترک نہیں ہے جس کے حضرت امام مالکؒ قائل ہیں۔

بہر حال عصر کے وقت کی ابتداء ظہر کا وقت ختم ہوجانے کے بعد ہوتی ہے اور عصر کی نماز کے وقت کا اختتام تب ہوتا

ہے جب سورج زرد ہو جائے اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب تک سورج زرد نہ ہو جائے تب تک عصر کی نماز کا وقت بلا کراہت باقی رہتا ہے، چنانچہ اس حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے، اور اسکے بعد وقت جواز رہتا ہے جو غروب آفتاب تک رہتا ہے۔

سورج کے زرد ہونے سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ سورج کے گولے میں ایسا تغیر آجائے کہ اس کی طرف دیکھنے سے چکا چوندی نہ لگے بلکہ نظر اس پر ٹھہرنے لگے، اور بعض نے یوں کہا ہے کہ شعاع جو دیوار پر پڑتی ہے اس میں تغیر آجائے، ظہر کے آخری وقت اور عصر کے اولِ وقت میں فقہاء کا جو اختلاف ہے وہ تفصیلی طور پر گزر چکا ہے، اسی طرح شفق کے سلسلے میں اختلاف ہے وہ گزر چکا ہے۔

صبح کی نماز کا وقت تب شروع ہوتا ہے جب صبح صادق طلوع ہو جائے اور طلوع آفتاب تک باقی رہتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی نماز کا تمام وقت (از طلوع صبح صادق تا طلوع آفتاب) وقتِ مختار ہے مگر بعض حضرات نے لکھا ہے کہ فجر کی نماز کا وقت مختار اسفار تک ہے اور اس کے بعد طلوع آفتاب تک وقت جواز ہے۔ (المنہل ۳۰۴/۳)۔

﴿بَابٌ فِي وَقْتِ صَلَاةِ النَّبِيِّ ﷺ وَكَيْفَ كَانَ يُصَلِّيهَا﴾

حضور ﷺ کی نماز کے اوقات اور کیفیت کا بیان

۳۹۷ ﴿حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بنُ إبراهيمَ نا شُعْبَةُ عن سَعْدِ بنِ إبراهيمَ عن محمد بنِ عَمْرٍو —وهو ابنُ الحَسَنِ— قال: سَأَلْنَا جَابِرًا عن وَقْتِ صَلَاةِ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم؟ فقال: كَانَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ، وَالْعَصْرَ والشَّمْسُ حَيَّةٌ، والمغربَ إذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ، والعِشَاءَ إذَا كَثُرَ الناسُ عَجَّلَ وإذَا قَلُّوا أَخَّرَ، والصُّبْحَ بِغَلَسٍ.﴾

أخرجه البخاري في "صحيحه" في كتاب الأذان، باب: انتظار الناس قيام الإمام العالم (٨٦٧) وأخرجه مسلم في "صحيحه" في المساجد، باب: استحباب التبكير بالصبح في أول وقتها وهو التغليس وبيان قدر القراءة فيها (١٤٥٧) وأخرجه الترمذي في كتاب الصلاة، باب: ما جاء في التغليس بالفجر (١٥٣) وأخرجه النسائي في "المجتبى" في كتاب المواقيت، باب: التغليس في الحضر (٥٤٤). انظر "تحفة الأشراف" (١٧٩٣١).

قال الخطابي: الشمس حية: يفسر على وجهين أحدهما: إن حياتها شدة وهجها وبقاء حرها لم ينكسر منه شيء. والوجه الآخر أن حياتها صفاء لونها لم يدخلها التغير. والهاجرة، هي نصف النهار عند اشتداد الحر. انظر "معالم السنن" ١٠٩/١.

ترجمه: محمد بن عمرو کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت جابر ﷺ سے رسول اللہ ﷺ کی نماز کے اوقات کے بارے میں

پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ ظہر کی نماز دوپہر میں پڑھتے تھے اور عصر کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جب سورج زندہ ہوتا تھا، اور عشاء کی نماز جلدی پڑھتے تھے جب لوگ زیادہ ہوجاتے اور دیر سے پڑھتے جب لوگ کم ہوتے اور صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھتے تھے۔

تشریح مع تحقیق : اس باب میں مصنفؒ نے دو حدیثیں ذکر کی ہیں اور یہ ثابت کیا ہے کہ حضور ﷺ کا معمول نمازوں کو اول وقت میں پڑھنے کا تھا، ہر نماز کا افضل وقت کیا ہے اس کو بتلانے کے لئے تو مصنفؒ نے الگ الگ ابواب قائم کئے ہیں، یہاں تو صرف آپ ﷺ کے معمولات صلاۃ کو ذکر کرنا مقصود ہے۔

الهاجرة : هجر سے مشتق ہے بمعنی چھوڑنا، زوال کے وقت جب گرمی شدید ہوتی ہے تو اس وقت پر ہاجرہ کا اطلاق ہوتا ہے، اس لئے کہ شدتِ حرارت کی وجہ سے لوگ اپنے اپنے کاموں کو چھوڑ کر قیلولہ کرنے لگتے تھے۔

اس حدیث کا ظاہر یہ تقاضہ کرتا ہے کہ آپ ﷺ ظہر کو اول وقت میں پڑھتے تھے، جب کہ دوسری احادیث میں ابراد بالظہر کا حکم دیا گیا ہے، دونوں قسموں کی روایات میں تطبیق کی شکل یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ ہاجرہ کا اطلاق مطلقاً مابعد الزوال پر کیا جاتا ہے۔

حية : حیات شمس سے مراد صفاء لون اور بقاء ضوء ہے، یعنی آپ ﷺ عصر کی نماز اس وقت پڑھتے تھے کہ دھوپ زندہ ہوتی تھی سورج کی روشنی میں تیزی ہوتی تھی۔

مضمون حدیث یہ ہے کہ جب خلیفہ عبدالملک بن مروان کی جانب سے ۷۴ھ میں حجاج بن یوسف مدینہ طیبہ کا عامل بن کر آیا اور نمازوں کے سلسلے میں مستحب اوقات کی رعایت نہ رہی تو محمد بن عمرو اور ان کے رفقاء نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نمازوں کے اوقات کے سلسلے میں سوال کیا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز دوپہر کی گرمی میں پڑھتے تھے اور عصر ایسے وقت میں پڑھتے کہ آسمان پر آفتاب بالکل صاف ہوتا تھا اور مغرب غروب آفتاب کے فوراً بعد پڑھتے تھے، اور عشاء میں صحابہ کے جمع ہونے کی صورت میں تعجیل فرماتے اور اگر ان حضرات کے جمع ہونے میں دیر ہوتی تو تاخیر فرمادیتے اور فجر کی نماز غلس میں ہوتی تھی یعنی اس میں مقتدیوں کے انتظار کے سبب تاخیر نہ ہوتی تھی۔

صاحب منہل تحریر فرماتے ہیں کہ کثرتِ جماعت کے انتظار میں عشاء کی نماز میں تاخیر کرنا افضل ہے۔

۳۹۸ ﴿حَدَّثَنَا حَفْصُ بنُ عُمَرَ نَا شُعْبَةُ عن أبي الْمِنهَالِ عن أبي بَرْزَةَ قال : كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلّي الظُّهرَ إذَا زَالَتِ الشَّمْسُ ويُصَلّي العَصْرَ وإنَّ أَحَدَنَا لَيَذْهَبُ إلى أَقْصَى المدِيْنَةِ ويَرْجِعُ والشَّمْسُ حَيَّةٌ ، ونَسِيْتُ الْمَغْرِبَ وكَانَ لَا يُبَالِي تَاخِيرَ العِشَاءِ إلى ثُلُثِ اللَّيْلِ ، قال : ثُمَّ قال : إلى شَطْرِ اللَّيْلِ قال : وكَانَ

يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيثَ بَعْدَهَا ، وَكَانَ يُصَلِّي الصُّبْحَ وَيَعْرِفُ أَحَدُنَا جَلِيسَهُ الَّذِي كَانَ يَعْرِفُهُ ، وَكَانَ يَقْرَأُ فِيهَا مِنَ السِّتِّينَ إِلَى الْمِائَةِ.﴾

أخرجه البخاري في "صحيحه" في كتاب: مواقيت الصلاة، باب: وقت الظهر عند الزوال (٥٤١) وأخرجه أيضًا في الكتاب نفسه، باب: وقت العصر (٥٤٧) وأخرجه فيه أيضًا، باب: ما يكره من السمر بعد العشاء (٥٩٩) وأخرجه أيضًا في كتاب الأذان، باب: القراءة في الفجر (٧٧١) وأخرجه مسلم في "صحيحه" في المساجد، باب: استحباب التبكير بالصبح في أول وقتها وهو التغليس وبيان قدر القراءة فيها (١٤٦٠ و١٤٦١ و ١٤٦٢) وأخرجه النسائي في "المجتبى" في كتاب المواقيت، باب: أول وقت الظهر (٤٩٤) وأخرجه أيضًا في الكتاب نفسه، باب: كراهية النوم بعد صلاة المغرب (٥٢٤) وأخرجه فيه أيضًا، باب: ما يستحب من تأخير العشاء (٥٢٩) وأخرجه ابن ماجه في كتاب: الصلاة، باب: وقت صلاة الظهر (٦٧٤). انظر "تحفة الأشراف" (١١٦٠٥).

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز اس وقت پڑھتے جب سورج ڈھل جاتا، اور عصر کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ ہم میں کا کوئی (آں حضرت ﷺ کے ساتھ عصر پڑھنے کے بعد) مدینہ کی پرلی جانب (شہر کے دوسرے کنارے پر واقع) پہنچ جاتا اور لوٹ آتا تھا، اور سورج روشن ہوتا تھا (اس میں زردی نہ آئی ہوتی تھی) حضرت ابو المنہال کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے مغرب کی نماز کے بارے میں جو کچھ بیان کیا تھا وہ مجھے یاد نہیں، اور عشاء کی نماز کو تہائی رات تک مؤخر کرنے کی آپ ﷺ کو پرواہ نہ تھی (شعبہ) نے کہا کہ (ابو المنہال نے) کہا: نصف رات تک (مؤخر کرنے کی پرواہ نہ تھی) اور عشاء سے پہلے سونے کو اور عشاء کے بعد بات چیت کرنے کو ناپسند فرماتے تھے، اور صبح کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جب کوئی شخص (صبح کے اجالے میں) اپنے اس ہمنشیں کو پہچان لیتا تھا جس کو وہ پہلے سے پہچانتا ہے، اور اس (صبح کی) نماز میں آپ ﷺ ساٹھ سے سو آیتوں تک کی قرأت فرماتے تھے۔

تشریح مع تحقیق : أبو المنهال : یہ سیار بن سلامہ ریاحی ہیں، اکثر محدثین نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے، ابو برزہ: یہ نضلہ بن عبیدؓ جلیل القدر صحابی ہیں، ۶۵ھ میں وفات ہوئی ہے۔

قوله : يُصَلِّي الظهر إذا زالت الشمس : یعنی ظہر کی نماز وقت آتے ہی پڑھ لیا کرتے تھے، لیکن بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جاڑے کے موسم میں ایسا کرتے ہوں گے، ورنہ گرمی کے موسم میں ظہر کی نماز دیر کر کے یعنی ٹھنڈے وقت پڑھنا آپ ﷺ سے فعلاً بھی ثابت ہے اور قولاً بھی، یا کبھی آپ ﷺ نے گرمی کے موسم میں بھی اول وقت میں ظہر ادا کی ہوگی بیانِ جواز کے لئے۔ (بذل ۱/۲۳۳)۔

قوله : "ويصلي العصر وإن أحدنا" : یعنی آپ ﷺ عصر کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ آدمی آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ کر اپنے گھر جو مدینہ کے آخر میں ہوتا وہاں چلا جائے اور پھر لوٹ کر دوبارہ مسجد کی طرف آجائے اس حال میں کہ سورج کی تپش اور تیزی باقی ہو، ابو داؤد کی اس حدیث میں جانا اور آنا دونوں مذکور ہے کہ آدمی اپنے گھر جا کر واپس

بھی آجائے تب بھی دھوپ میں تیزی باقی ہو، ابوداؤد کی یہ روایت بخاری شریف کی روایت کے خلاف ہے، اس لئے کہ اس میں صرف جانا مذکور ہے، واپسی کا ذکر نہیں ہے بخاری کے الفاظ ہیں: وَيُصَلِّي الْعَصْرَ ثُمَّ يَرْجِعُ أَحَدُنَا إِلَى رَحْلِهِ فِي أَقْصَى الْمَدِينَةِ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ" اسی طرح ابوداؤد ہی میں امامت جبرئیل میں جو روایت گذری ہے اس میں بھی صرف جانا ہی مذکور ہے، واپسی کا ذکر نہیں ہے، لہٰذا ابوداؤد کی اس روایت کی تاویل کی جائے گی کہ یہاں "یرجع" تفسیر ہے، "یذهب" کی کہ جانے سے مراد گھر کی طرف واپسی ہے، جانا اور آنا دونوں مراد نہیں ہیں، یا "یرجع" کو حال قرار دیا جائے "أي يذهب راجعًا إلى المدينة". (بذل ۱/۲۳۴)

قوله: ونَسِيتُ المغربَ : اس کے قائل سَیار بن سلامہ ہیں مطلب یہ ہے کہ سیار کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں رہا کہ حضرت ابوہریرہؓ نے مغرب کے بارے میں کیا کہا تھا۔ (فتح الباری ۲/۳۴)۔

قوله: كان لا يبالي تاخير العشاء إلى ثلث الليل: بخاری شریف کے الفاظ ہیں: "كان يستحب أن يؤخر من العشاء" حافظ ابن حجرؒ تحریر فرماتے ہیں کہ ابن دقیق العید نے اس حدیث کے ذیل میں کہا کہ: یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عشاء کی نماز کو کچھ مؤخر کرنا مستحب ہے، ماقبل میں حدیث جابرؓ کے ذیل میں گزر چکا ہے کہ آپ ﷺ نمازیوں کے انتظار کی وجہ سے تاخیر کردیا کرتے تھے۔

قوله: كان يكره النوم قَبْلَهَا والحديثَ بعدها : بعض حضرات نے اس کے ظاہر سے استدلال کرکے نوم قبل العشاء کو مطلقاً مکروہ لکھا ہے، لیکن مسلک مختار یہ ہے کہ اگر نماز عشاء کے وقت اٹھنے کا یقین ہو یا کسی شخص کو اٹھانے پر مقرر کردیا ہو تو کراہت نہیں، بصورت دیگر ہے، حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عینیؒ نے امام ترمذی سے نقل کیا ہے کہ اکثر اہل علم نے عشاء سے پہلے سونے کو مکروہ کہا ہے، اور بعض نے رخصت دی ہے، ابن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ اکثر احادیث تو کراہت پر دلالت کرتی ہیں مگر بعض اہل علم نے رمضان میں عشاء سے قبل سونے کی رخصت دی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ نہ ہر شخص کے لئے سونا مکروہ ہے نہ ہر حال میں مکروہ ہے ایک شخص اضطراری طور پر سو جائے تو کوئی حرج نہیں یا اختیاری طور پر سو رہا ہو کہ کچھ دیر آرام کرسکے اور عشاء کی نماز نشاط کے ساتھ ادا کرے نیز یہ کہ اس نے وقت پر بیدار ہونے کا انتظام کرلیا تھا یا اس کو اپنی نیند پر قابو ہے یا ایسی جگہ سو رہا ہے کہ جہاں لوگ خود ہی اٹھا دیں گے تو ایسی صورتوں میں سونے میں کوئی حرج نہیں، اور اگر نماز با جماعت کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو ظاہر ہے کہ اس کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

اور حدیث بعد العشاء سے مراد سمر بعد العشاء ہے، سمر دراصل چاندنی کو کہتے ہیں، چوں کہ اہل عرب کے یہاں چاندنی راتوں میں قصے کہانیاں کہنے کا دستور تھا، اس لئے اس کا اطلاق کہانیاں کہنے پر ہونے لگا، ترمذی شریف میں سمر بعد

العشار سے متعلق دو باب قائم کئے ہیں، ایک سے کراہت معلوم ہوتی ہے اور دوسرے سے جواز اور رخصت معلوم ہوتی ہے پہلے باب میں ابوداؤد کی حدیث باب کو ذکر کیا ہے اور دوسرے باب میں حضرت عمرؓ کی روایت ذکر کی ہے کہ: "كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يسمر مع أبي بكر في الأمر من أمر المسلمين وأنا معهما" دونوں حدیثوں میں تطبیق اس طرح ہے کہ بعد العشار کی گفتگو کسی صحیح دینی غرض کی وجہ سے ہو تو جائز ہے بشرطیکہ اس کا ظن غالب ہو کہ رات کو جاگنے سے نماز فجر پر کوئی اثر نہیں پڑے گا حضرت عمرؓ کی روایت اسی پر محمول ہے۔

حضرت عمرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ سمر بعد العشار بغیر ضرورت پر لوگوں کی پٹائی کیا کرتے تھے، اور فرماتے تھے "أَسَمَرًا أَوَّلَ اللَّيْلِ، وَنَوْمًا أخِرَهُ" کہ شروع رات میں باتیں کر رہے ہو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آخر شب میں سوتے رہ جاؤ گے۔

غرض یہ کہ منع کی روایات مقید ہیں غیر ضروری باتوں کے ساتھ۔

قوله: 'وكان يصلّي الصبح ويعرف أحدنا" یہاں پر نسخے مختلف ہیں بعض نسخوں میں "ما يعرف" ہے حرف نفی کے ساتھ، اور بعض میں "ويعرف" اور یہی نسخہ زیادہ صحیح ہے اس لئے کہ یہ بخاری ومسلم کی روایات کے موافق ہے۔

مطلب عبارت کا یہ ہے کہ آپ ﷺ صبح کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ آدمی اپنے پاس بیٹھنے والے کی صورت کو دیکھ کر اس کو پہچان سکے، اور ما نافیہ ہونے کی صورت میں ظاہر ہے کہ اس میں معرفت کی نفی ہوگی، نسخۂ صحیحہ مسلک احناف کے زیادہ قریب ہے جو صبح میں اسفار کے قائل ہیں، اور اگر دونوں نسخوں کو صحیح مانا جائے تو دونوں نسخوں میں تطبیق کی شکل یہ ہوگی کہ عدم معرفت کو نماز شروع کرنے کے وقت پر محمول کیا جائے اور معرفت کی روایت کو نماز سے فارغ ہونے پر۔ (کذا فی البذل والدر المنضود)۔

❁ ❁ ❁

﴿باب وقت صلاة الظهر﴾

ظہر کی نماز کے وقت کا بیان

۳۹۹ ﴿حَدَّثَنَا احمد بنُ حَنبَلٍ ومُسَدَّدٌ قالا : نَا عَبَّادُ بنُ عَبَّادٍ نا محمد بنُ عَمْرٍو عن سعيد بن الحَارِثِ الأنصاري عن جابر بنِ عَبْدِالله قال : كُنْتُ أُصَلِّي الظُّهْرَ مَعَ رسول الله ﷺ فَآخُذُ قَبْضَةً مِنَ الْحَصَى لِتَبْرُدَ في كَفِّي ، أَضَعُهَا لِجَبْهَتِي أَسْجُدُ عَلَيْهَا لِشِدَّةِ الْحَرِّ.﴾

أخرجه النسائي في كتاب الصلاة، باب: تبريد الحصى للسجود عليه (۱۰۸۱). انظر "تحفة الأشراف" (۲۲۵۲).

ترجمه : حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھتا تھا، اور ایک مٹھی کنکریاں اٹھالیتا تا کہ وہ میری مٹھی میں ٹھنڈی ہو جائیں، جب سجدہ کرتا تو ان کو پیشانی کے نیچے رکھ لیتا (اور میں ایسا) گرمی کی شدت کی وجہ سے (کرتا تھا)۔

تشریح مع تحقیق : قَبْضَةً : بفتح القاف وضمها : انگلیوں کو ملا کر کسی چیز کو ہاتھ میں لینا، مٹھی بھرنا، "اُلْحَصَى" : حَصَاة کی جمع ہے بمعنی سنگریزے، کنکریاں۔

یہاں سے مصنفؒ ہر نماز کے وقت کو تفصیلی طور پر الگ الگ ابواب قائم کر کے بیان فرمانا چاہتے ہیں کہ بندہ محافظت صلاۃ پر خوب کار بند ہو جائے اور اس کو نمازوں کے مستحب اوقات کی تفصیل اچھی طرح متحضر ہو جائے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے ظہر کی نماز کا ذکر کیا ہے اس لئے کہ امامت جبرئیل والی روایت سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ نمازوں کی ابتدار ظہر سے کی گئی تھی۔

ظہر کا افضل وقت

ظہر کے افضل وقت کے سلسلے میں سردی کے زمانے میں تقریباً تمام علمار کا اتفاق ہے کہ تعجیل افضل ہے، البتہ گرمی کے زمانے کے بارے میں اختلاف ہے، کہ گرمی کے زمانے میں ظہر کا افضل وقت کیا ہے؟

تو اس سلسلے میں بدایۃ المجتہد (۱/۱۳۹) بدائع الصنائع (۱/۳۲۴) فتح الملہم (۲/۱۹۷) نیل الاوطار (۱/۲۹۱) معارف السنن (۲/۴۹) عمدۃ القاری (۴/۳۶) فتح الباری (۲/۲۰) میں دو مذہب نقل فرمائے ہیں:

مذہب نمبر ۱: حضرت امام شافعیؒ، لیث بن سعدؒ، اشہب مالکیؒ اور بعض عراقیین کے نزدیک گرمی کے زمانے میں بھی

ظہر کی نماز میں تعجیل افضل ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ گرمی میں استحباب تاخیر شافعیہ کے یہاں بھی چند شرطوں کے ساتھ ہے، (۱) شدتِ حرارت ہو، (۲) حرارۃ البلد ہو، (۳) نماز جماعت کی ہو منفرد کے لئے تو ہر حال میں تعجیل ہی افضل ہے، (۴) اتیان من بعد ہو یعنی مسجد فاصلہ پر ہو اس کے لئے لمبی مسافت طے کرنی پڑتی ہو۔

مذہب نمبر ۲: حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ، اور سفیان ثوری وغیرہ کے نزدیک گرمی کے زمانے میں ظہر کی نماز کے اندر تاخیر افضل ہے، البتہ امام مالکؒ منفرد کے لئے تعجیل کے قائل ہیں۔ (بدایۃ المجتہد ۱/۱۳۹)

قائلینِ تعجیل کے دلائل

۱- حضرت خباب بن الارت ؓ کی حدیث ہے: "شَكَوْنَا إلى رسولِ الله صلى الله عليه وسلم حَرَّ الرَّمْضَاء فِي جَبَاهِنَا وأَكُفِّنَا فَلَمْ يُشْكِنَا" ہم نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گرم ریت پر نماز پڑھنے کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے ہماری شکایت کا ازالہ نہیں فرمایا۔ (مسلم، کتاب الصلاة، باب استحباب تقديم الظهر ۱/۲۲۵)۔

شکایت کے ازالہ نہ فرمانے کا مطلب یہی ہوا کہ ہم گرمی کی شدت کے باوجود گرم ریت پر نماز پڑھتے تھے۔

ہماری طرف سے اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ حضرت خباب ؓ کی اس حدیث میں جو درخواست کی گئی ہے وہ ابراد سے بھی زیادہ تاخیر کی تھی جس کو قبول نہیں کیا گیا۔ (عمدۃ القاری ۴/۳۴)۔

صاحب بدائع علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں "فلم يشكنا" کے معنی ہیں "لم يَدَعْنَا فِي الشكايةِ بَلْ أَزَالَ شِكْوَانَا بِأَنْ أَبْرَدَ بِهَا" کہ حضور ﷺ نے ہماری شکایت کا ازالہ کر کے ابراد کا حکم دے دیا (بدائع ۱/۳۲۴)۔

امام طحاویؒ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ حدیث خباب ؓ اور وہ تمام احادیث جن سے تعجیل ثابت ہوتی ہے وہ سب احادیثِ ابراد سے منسوخ ہیں، کیوں کہ احادیثِ ابراد مؤخر ہیں جیسا کہ حضرت مغیرہ ؓ کی حدیث سے ثابت ہے فرماتے ہیں: "كُنَّا نُصَلِّي مع النبي صلى الله عليه وسلم ثُمَّ قال لَنَا أَبرِدُوا بالصلاة" لفظ ثُمَّ جو تراخی کے لئے آتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ ابراد مؤخر ہے لہٰذا ناسخ ہوگا، بلکہ امام خلالؒ نے اپنی کتاب "العلل" میں امام احمد سے نقل کیا ہے: كَانَ آخر الأمرين مِنَ النبي صلى الله عليه وسلم الإِبْرَادُ". (عمدۃ القاری ۴/۳۴)۔

۲- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے: "أَوَّلُ الوَقْتِ رِضْوَانٌ مِنَ اللهِ وآخِرُ الوَقْتِ عَفْوُ اللهِ" کہ جو شخص اولِ وقت میں نماز پڑھتا ہے اس کو اللہ کی رضاء اور خوشنودی حاصل ہوتی ہے اور جو آخر وقت میں نماز پڑھتا ہے تو اللہ اس کو معاف کر دیتا ہے، تاخیر کی تقصیر پر مواخذہ نہیں ہوتا، اور یہ بات معلوم ہے کہ حصولِ رضاء بہتر ہے اور ثواب کے اعتبار سے زیادہ ہے حصولِ معافی سے، اس سے معلوم ہوا کہ تعجیل بہتر ہے تاخیر سے۔ (ترمذی، کتاب الصلاة، باب ما جاء

في الوقت الاول من الفضل).

جواب یہ ہے کہ یہاں ''اولِ وقت'' سے مراد وقتِ مختار کا اول حصہ ہے، اور ''آخر وقت'' سے مراد وہ حصہ ہے جس میں نماز کراہت سے ہوتی ہے۔

نیز یہ روایت سنداً ضعیف ہے کیوں کہ اس میں یعقوب بن الولید راوی انتہائی ضعیف ہیں، یہاں تک کہ انہیں کذّاب اور وضّاع بھی کہا گیا ہے۔ (سنن بیہقی: ۱/۴۳۵، نصب الرایہ: ۱/۲۴۲)۔

۳- حضرت ام سلمہؓ کی روایت ہے: "كَانَ رسولُ اللّٰه ﷺ أَشَدَّ تَعجِيلًا لِلظُّهرِ مِنكُم" کہ حضور ﷺ ظہر کی نماز تم سے بہت جلدی پڑھ لیا کرتے تھے۔ (ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ما جاء فی التعجیل بالظهر).

جواب یہ ہے کہ یہ روایت اور تعجیل کی دوسری روایات سردی کے موسم پر محمول ہیں۔

قائلین تاخیر کے دلائل

احناف کے پاس اس سلسلے میں بے شمار صحیح اور صریح دلائل ہیں جن میں سے یہاں چند کو ذکر کیا جاتا ہے:

۱- حضرت ابو ہریرہ ﷺ کی روایت ہے: "إِذَا اشتَدَّ الحَرُّ فَأَبرِدُوا عن الصَّلَاةِ فإِنَّ شِدَّةَ الحَرِّ من فَيحِ جَهَنَّمَ". (بخاری ۱/۷۶)۔

اس روایت میں ابرادِ صلاۃ کا صراحۃً حکم موجود ہے اور ابراد بغیر تاخیر کے نہیں ہوسکتا ہے۔

۲- حضرت انس ﷺ کی روایت ہے: "كَانَ النبيُّ صلى اللّٰه عليه وسلم إِذَا اشتَدَّ البَردُ بَكَّرَ بِالصَّلَاةِ وإِذَا اشتَدَّ الحَرُّ أَبرَدَ بالصَّلَاةِ". (بخاری ۱/۱۲۴، کتاب الجمعہ)۔

یہ روایت بھی صحیح اور صریح ہے اور اس سے تمام روایات میں تطبیق ہوجاتی ہے امام بخاریؒ نے اس مضمون کی متعدد روایات اپنی صحیح میں نقل کی ہیں۔

امام شافعیؒ نے مذکورہ حدیث کی تاویل یہ کی ہے کہ یہ اس وقت پر محمول ہے جب کہ لوگ دور سے نماز پڑھنے مسجد میں آتے ہوں، لیکن امام ترمذیؒ نے امام شافعیؒ کی اس تاویل کو بعید قرار دیا ہے کما سيجئ تفصيلاً.

یہ تو چند دلائل ہوئے فریقین کی جانب سے، ان کے علاوہ ہر فریق کے پاس اور بھی دلائل ہیں احادیث کی شرح میں ان کی طرف اشارہ کردیا جائے گا۔

حدیث باب

جہاں تک حدیث باب کا تعلق ہے تو حضرت امام ابوداؤدؒ نے اس سے تعجیل پر استدلال کیا ہے وہ اس طرح کہ مٹھی

میں کنکریاں رکھنے کا مقصد ان کو ٹھنڈا کر کے سجدے کی جگہ رکھنا تھا تاکہ تپش کم ہو جائے اور یہ جب ہی ہوگا جب کہ ظہر کی نماز اولِ وقت میں پڑھی جائے، لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ اتنی تپش تو تاخیر کے باوجود بھی رہتی ہے جس میں اخذ حصاۃ کی ضرورت پڑے۔

قوله : أخذ قبضةً مِنَ الحَصَى : حضرت جابر ﷺ فرماتے ہیں کہ میں جب حضور ﷺ کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھتا تھا تو مٹھی میں کنکریاں دبالیتا تاکہ وہ ٹھنڈی رہیں اور پھر ان کو زمین کی تپش سے بچنے کے لئے سجدے کی جگہ رکھ لیتا تھا۔

صاحب منہل لکھتے ہیں کہ اس حدیث کے ظاہر سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مصلّی کے لئے ثوبِ ملبوس پر سجدہ کرنا جائز نہیں، کیوں کہ اگر جائز ہوتا تو اس تکلیف یعنی تبرید حصی کی ضرورت نہ ہوتی، شوافع بھی اسی کے قائل ہیں کہ ثوب ملبوس پر سجدہ کرنا جائز نہیں ہے، اور استدلال اسی حدیث باب سے کیا ہے، جب کہ احناف اس کے جواز کے قائل ہیں، اس لئے کہ بخاری شریف کی روایت میں صراحۃً ثوب ملبوس پر سجدہ کرنا ثابت ہے: عن أنس بن مالك قال : كنا نصلي مع النبي صلى الله عليه وسلم فَيَضَعُ أَحُدُنَا طَرَفَ الثوبِ مِنْ شِدَّةِ الْحَرِّ في مَكَانِ السجودِ" اسی طرح مسلم شریف میں بھی ثوب ملبوس پر سجدہ کرنے کی روایت صراحۃً مذکور ہے۔

اور حدیث باب کا جواب یہ ہے کہ وہ تبرید حصی کا عمل اس لئے کرتے تھے کہ ان کے کپڑوں میں اتنا حصہ زائد نہ تھا جس پر سجدہ کر سکیں بلکہ ان کے کپڑے اتنے کم تھے کہ ستر بھی مشکل سے چھپ پاتا تھا۔ (المنہل ۳/۳۱۰)۔

حضرت امام مالکؒ، امام احمدؒ اور امام بخاریؒ بھی اس مسئلے میں احناف کے ساتھ ہیں۔

بعض شوافع نے جمہور کے دلائل کا یہ جواب دیا ہے کہ طرف الثوب سے مراد وہ کپڑا ہے جو مصلی کے بدن پر نہ ہو اور اگر بدن پر ہو تو وہ اتنا گنجائش دار ہو کہ اس کا سجدے کی جگہ ڈالا گیا گوشہ مصلّی کی حرکت سے متحرک نہ ہو۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ تاویل خلاف ظاہر ہے کہ صحابہ کرام کے پاس اتنے کپڑے کہاں تھے کہ پہننے کے لئے الگ ہوں اور بچھانے کے لئے الگ ہوں، صحابہ کرام کی مجموعی حالت یہ تھی کہ ان کے پاس پہننے کے کپڑے بھی پورے نہ تھے اور نہ بدن کے کپڑے میں اتنی کشادگی تھی کہ نمازی کی حرکت سے کپڑا متحرک نہ ہو۔ (ایضاح البخاری ۳/۱۰۶)۔

۴۰۰ ﴿حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بنُ أبي شيبة نا عَبِيْدَةُ بنُ حُمَيْد عن أبي مَالِكٍ الأَشْجَعِيِّ سَعْدِ بنِ طَارِقٍ عن كثير بنِ مُدْرِكٍ عن الأَسْوَدِ أنَّ عَبْدَ الله بنَ مَسْعُودٍ قال : كَانَتْ قَدْرُ صَلَاةِ رسولِ الله صلى الله عليه وسلم في الصَّيْفِ ثَلَاثَةَ أَقْدَامٍ إلى خَمْسَةِ أَقْدَامٍ، وفي الشِّتَاءِ خَمْسَةَ أَقْدَامٍ إلى سَبْعَةِ أَقْدَامٍ.﴾

أخرجه النسائي في "المجتبى" في كتاب الصلاة، باب: آخر وقت الظهر (٥٠٢). انظر "تحفة الأشراف" (٩١٨٦).

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ظہر کی نماز کا اندازہ گرمی میں تین قدم سے پانچ قدم تک اور سردی میں پانچ قدم سے سات قدم تک تھا۔

تشریح مع تحقیق : اس حدیث کے سلسلے میں حضرت مولانا محمد عاقل صاحب نے بڑی اچھی بحث کی ہے ہم اس کو بعینہٖ نقل کرتے ہیں:

اس حدیث میں صحابی رضی اللہ عنہ نے ظہر کی نماز کے وقت کو سایہ کی مقدار کے اعتبار سے سمجھایا ہے اور وہ یہ کہ آپ ﷺ اوائل صیف (گرمی کی ابتداء) میں نماز ظہر اس وقت ادا فرماتے تھے جب کہ سایہ تین قدم کے بقدر ہوتا تھا اور شدت صیف میں تاخیر سے پڑھتے تھے یعنی جب کہ سایہ پانچ قدم کے بقدر ہو جاتا، یہ بات ایک بدیہی سی ہے جتنی تاخیر ہوگی اتنا ہی سایہ میں اضافہ ہوگا۔

پھر جاننا چاہئے کہ ظل کی دو قسمیں ہیں: ۱- ظل اصلی، ۲- ظل زائد، عین نصف النہار کے وقت جو سایہ ہوتا ہے وہ ظل اصلی کہلاتا ہے اور زوال شمس کے بعد جو سایہ بڑھنا شروع ہوتا ہے وہ ظل زائد کہلاتا ہے، دراصل تعجیل و تاخیر کا مدار اسی ظل زائد پر ہے، اس کا زائد ہونا تاخیر پر دلالت کرتا ہے، اور کم ہونا تعجیل پر، لیکن اس حدیث میں جو ظل مذکور ہے وہ مطلقاً ہے اس میں زائد یا اصلی کی کوئی قید نہیں، بلکہ مجموعہ ظل مراد ہے، لہٰذا یہ دیکھا جائے گا کہ اس حدیث میں سایہ کی جو مقدار مذکور ہے اس میں ظل اصلی کتنا ہے اور ظل زائد کتنا، تب تعجیل یا تاخیر کا صحیح علم ہو سکے گا۔

چنانچہ تقی الدین سبکیؒ فرماتے ہیں کہ حجاز میں گرمی کے زمانے میں نصف النہار کے وقت ظل اصلی مطلقاً ہوتا ہی نہیں، لہٰذا ان کے قول کے پیش نظر آپ ﷺ کا تین قدم کے سایہ کی مقدار پر نماز پڑھنا یہ تاخیر اور ابراد کے لئے تھا، اور پھر بعد میں جب ظل اصلی دو قدم ہونے لگتا تھا تو اس وقت پانچ قدم پر ظہر پڑھتے تھے، یعنی ظل زائد اس وقت بھی تین ہی قدم ہوتا تھا۔

اس کے بالمقابل علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ حجاز مقدس میں گرمی کے زمانے میں ظل اصلی تین قدم کے قریب ہوتا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ اولِ صیف میں آپ ﷺ نماز اول وقت میں پڑھتے تھے اور پھر بعد میں شدت حر کے زمانے میں دو قدم کے بقدر تاخیر فرما کر کل پانچ قدم پر پڑھتے تھے، تاکہ ابراد ہو سکے۔

حاصل یہ ہے کہ سبکیؒ کے نزدیک آپ ﷺ نے ظہر کی نماز مطلقاً اولِ صیف و آخر صیف میں تین قدم سایہ پر پڑھی، اور تین قدم سایہ تقریباً نصف مثل ہوتا ہے کیوں کہ مشہور ہے کہ آدمی کا قد اس کے سات قدم کے برابر ہوتا ہے، لہٰذا اس کا مطلب یہ ہوا کہ گرمی میں آپ ﷺ ظہر کا تقریباً نصف وقت گزار کر نماز پڑھتے تھے، اور خطابی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق یہ ہوا کہ گرمی کے شروع زمانے میں آپ ﷺ ظہر اول وقت میں پڑھتے تھے، اور پھر آگے چل کر گرمی کی شدت کے زمانے میں صرف دو قدم سایہ کے بقدر تاخیر فرماتے۔

یہ ساری تفصیل حدیث کے جزء اول سے متعلق تھی یعنی: "فِي الصَّيْفِ ثَلَاثَةَ أَقْدَامٍ إِلَى خَمْسَةِ أَقْدَامٍ" سے۔
اور حدیث کا جزء ثانی جو شتاء سے متعلق ہے اس میں شراح کا کوئی اختلاف نہیں ہے، حجاز مقدس میں اولِ شتاء میں ظل اصلی پانچ قدم اور پھر آگے چل کر سات قدم ہو جاتا ہے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظہر سردی کے زمانے میں مطلقاً اولِ وقت ہوئی، اور مسئلہ بھی یہی ہے کہ سردی کے زمانے میں ظہر کو بالاتفاق اولِ وقت پڑھنا اولیٰ ہے۔
(الدر المنضود ۲/۲۱)۔

۴۰۱ ﴿حَدَّثَنَا أبو الوليد الطَّيَالِسِيُّ نَا شُعْبَةُ أَخْبَرَنِي أبوالْحَسَنِ -هُوَ مُهَاجِرٌ- قال: سمعتُ زَيْدَ بنَ وَهْبٍ يقولُ: سَمِعْتُ أَبَا ذَرٍّ يَقُوْلُ: كُنَّا مَعَ النبي صلى الله عليه وسلم فَأَرَادَ المؤَذِّنُ أَنْ يؤَذِّنَ الظُّهْرَ فَقَالَ: ابْرِدْ، ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يؤَذِّنَ فقال: ابْرِدْ مَرَّتَيْنِ أو ثَلَاثًا حَتّى رَأَيْنَا فَيْءَ التَّلُوْلِ ثُمَّ قال: إِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ، فَإِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوْا بِالصَّلَاةِ.﴾

أخرجه البخاري في "صحيحه" في كتاب مواقيت الصلاة، باب: الابراد بالظهر في شدة الحر (۵۳۵) وأخرجه أيضًا في كتاب: مواقيت الصلاة، باب: الإبراد بالظهر في السفر (۵۳۹) وفي كتاب الأذان، باب: الأذان للمسافر إذا كانوا جماعة والإقامة وكذلك بعرفة وجمع وقول المؤذن الصلاة في الرحال في الليلة الباردة أو المطرة (۶۲۹) وفي كتاب بدء الخلق، باب: صفة النار وأنها مخلوقة (۳۲۵۸) وأخرجه مسلم في "صحيحه" في المساجد، باب: استحباب الإبراد بالظهر في شدة الحر لمن يمضي إلى جماعة ويناله الحرُّ في طريقه (۱۳۹۹) وأخرجه الترمذي في "جامعه" في كتاب الصلاة، باب: ما جاء في تأخير الظهر في شدة الحر (۱۵۸). انظر "تحفة الأشراف" (۱۱۹۱٤).

ترجمہ: حضرت ابو ذر غفاری ؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ (سفر میں) تھے، مؤذن نے ظہر کی نماز کے لئے اذان دینے کا ارادہ کیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ابھی ٹھنڈے وقت کا انتظار کرو، پھر (کچھ دیر کے بعد) مؤذن نے اذان کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے (دو یا تین مرتبہ) فرمایا کہ ابھی ٹھنڈے وقت کا انتظار کرو، یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ زمین پر دیکھا، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ گرمی کی شدت جہنم کی حرارت کے انتشار سے ہوتی ہے، اس لئے جب گرمی سخت ہو تو نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھو۔

تشریح مع تحقیق: الفَيْءُ: زوال شمس کے بعد مشرق کی طرف پھیلنے والا سایہ ج: أَفْيَاء وفُيُوْءٌ آتی ہے، التُّلُوْل: ٹیلہ، بلند زمین اس کا واحد "التَّلُّ" آتا ہے، فَيْحٌ: مصدر ہے فَاحَ المكانُ فَيْحًا: کشادہ ہونا، پھیلنا۔

حدیث میں جو واقعہ ذکر کیا گیا ہے وہ سفر کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ سفر میں حضرت بلال ؓ مؤذن رسول ﷺ نے اذان کا ارادہ کیا، ظاہر ہے کہ اذان کا ارادہ ظہر کا وقت داخل ہونے کے بعد ہی کیا ہوگا، مگر حضور پاک ﷺ نے اذان سے

روک دیا، پھر کچھ دیر کے بعد دوبارہ ارادہ کیا مگر پھر منع فرمادیا، یہاں تک کہ ٹیلوں کا سایہ زمین پر پڑنے لگا تب اذان دی گئی، اور نماز ظہر ادا کی گئی، اس موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ گرمی تیز ہو تو نماز کو مؤخر کر کے ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرو، اس لئے کہ یہ تیزی جہنم کی حرارت کے انتشار سے ہوتی ہے۔

اذان سے منع کرنے کی وجہ یہ تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عادت تھی کہ وہ اذان سنتے ہی نماز کے لئے حاضر ہو جاتے تھے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو منع کر دیا کہ تم اذان کہہ دو گے تو عادت کے مطابق سب آجائیں گے اور اس وقت گرمی کی شدت کے سبب مشقت ہوگی اس لئے جب وقت باقی ہے تو کیوں نہ ٹھنڈے وقت کا انتظار کرلیا جائے۔

قولہ : حتی رَأَیْنَا فِیْئَ التُّلُوْلِ : یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھا، ٹیلے چوں کہ پھیلے ہوتے ہیں اس لیے ان کا سایہ زوال کے بہت دیر بعد نظر آتا ہے، اور بخاری کی روایت میں تو ہے: "حَتّٰی سَاوَی الظِّلُّ التُّلُوْلَ" کہ ٹیلوں کا سایہ خود ٹیلوں کے برابر ہوگیا، اس سے تو بہت ہی تاخیر معلوم ہوئی، جو یقیناً مثلین کو پہنچ جائے گی، جیسا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے کہ ظہر کا وقت مثلین تک رہتا ہے، اور جمہور کے یہاں ایک ہی مثل پر ظہر کا وقت ختم ہو جاتا ہے، لہٰذا یہ حدیث وقت ظہر کے بارے میں حنفیہ کی دلیل ہوئی، نیز اس حدیث سے ترجمۃ الباب بھی ثابت ہو گیا کہ ظہر کا وقتِ مستحب گرمیوں میں تاخیر کرنا ہے۔

حضرت امام شافعیؒ چوں کہ مطلقاً تعجیل کے قائل ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے اس لئے انہوں نے اس روایت کی تاویل یہ کی ہے کہ: "گرمی کی شدت میں ظہر کی نماز کو مؤخر کرنے کا حکم عام نہیں ہے، بلکہ یہ حکم صرف اس صورت میں ہے جب نمازیوں کو دشواری ہو اور انہیں دور سے مسجد میں آنا پڑتا ہو منفرد کے لئے ہر صورت میں مؤخر نہ کرنا ہی افضل ہے، یا جماعت کے لئے دور نہ آنا پڑتا ہو بلکہ مسجد قریب ہو یا نماز پڑھنے والے ایک جگہ مجتمع ہوں یا دور سے آنے کی صورت میں سایہ کا انتظام وغیرہ ہو تو تاخیر نہ کی جائے گی بلکہ اولِ وقت میں نماز پڑھنا افضل ہوگا"۔

لیکن امام شافعیؒ کی اس تاویل کو امام ترمذیؒ نے رد کر دیا ہے کہ "ابردوا بالظہر" کے حکم کو امام شافعیؒ نے جو دور سے مسجد میں آنے والوں کے لئے خاص کیا ہے اس کی تائید حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث باب سے نہیں ہوتی، کیوں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے سفر کے دوران نماز ظہر کو مؤخر کر کے پڑھنے کا مضمون بیان کیا ہے اور سفر میں چوں کہ تمام حضرات یکجا ہوتے ہیں انہیں دور سے آنا نہیں پڑتا اس لئے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت سے امام شافعیؒ کی تاویل کی تائید نہیں ہوتی لہٰذا گرمی کی شدت میں ظہر کو مؤخر کر کے پڑھنے کی رائے اختیار کرنے والوں کا مسلک زیادہ لائق اتباع ہے۔ (ترمذی ۱/۲۳)

قولہ : "إِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ" گرمی کی شدت حرارت جہنم کی وسعت اور انتشار کی وجہ سے ہے، اب

گرمی کے شدید ہونے کے وقت نماز میں دو چیزیں ہیں، ایک یہ کہ ایسی صورت میں سکون قلب میسر نہ ہوگا، جب کہ عبادت کے لئے دل لگا کر کام کرنے کی ضرورت ہے، دوسری چیز یہ ہے کہ جہنم کا اثر ہونے کی بنیاد پر غضب خداوندی کے مظاہرے کا وقت ہے، اور ایسے وقت میں مناجات کرنا آداب مناجات کے منافی ہے، اس لئے گرمی کی شدت کے سبب غضب خداوندی کا مظاہرہ ہورہا ہو تو اس وقت تاخیر کر کے ظہر کی نماز پڑھنا مستحب ہے۔

بعض علماء نے اس جملہ کو مجاز تشبیہ پر محمول کیا ہے یعنی موسم گرما میں جو گرمی کی شدت ہوتی ہے وہ جہنم کی حرارت کی طرح ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ کلام اپنی حقیقت پر محمول ہے، اس لئے کہ بخاری میں یہی روایت ہے تو اس میں یہ اضافہ ہے: وَاشْتَكَتِ النَّارُ إِلَى رَبِّهَا فَقَالَتْ : يَا رَبِّي أَكَلَ بَعْضِي بَعْضًا فَأَذِنَ لَهُ بِنَفَسَيْنِ نَفَسٍ فِي الشِّتَاءِ وَنَفَسٍ فِي الصَّيْفِ" کہ جہنم نے بارگاہ خداوندی میں شکایت کی کہ میرے اندر گرمی بہت بڑھ گئی ہے اور میرے شعلے ایک دوسرے کو کھائے جارہے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس شکایت کا یہ جواب دیا کہ اے جہنم تو دو سانس لے لیا کر، ایک گرمی میں اور ایک سردی میں، چنانچہ دنیا میں گرمی اور سردی کی جو شدت محسوس کی جاتی ہے، وہ جہنم کے انہیں دو سانس کا اثر ہے۔

اور جہنم کے دو سانس لینے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ایک سانس گرمی کو باہر پھینکنے کے لئے ہے اور دوسرا باہر کی گرمی کو اندر سمیٹنے کے لئے ہے، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ دونوں سانس باہر ہی کے ہیں، ایک طبقۂ نار کا اور ایک طبقۂ زمہریر کا، اس لئے کہ جہنم کے دو طبقے ہیں جہنم اپنے طبقۂ نار کے ذریعہ گرمی پھینکتی ہے، اور طبقۂ زمہریر کے سانس سے سردی پھینکتی ہے، للہذا گرمی کے سانس سے گرمی بڑھ جاتی ہے، اور سردی کے سانس سے سردی بڑھ جاتی ہے۔

گرمی اور سردی کے ظاہری اسباب سے تعارض

روایت بالا کی روشنی میں مطلب یہ نکلتا ہے کہ سردی اور گرمی کا اصل سبب جہنم ہے، لیکن اگر موسم گرما کی گرمی اور موسم شتاء کی سردی جہنم کے اثر سے ہے تو وہ بیک وقت تمام عالم کو محیط ہونی چاہئے، حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ہی زمانہ میں کسی اقلیم میں گرمی ہے اور کسی میں سردی، اس لئے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں گرمی اور سردی کی شدت کا سبب سورج کا کرۂ ارض سے قریب یا بعید ہونا ہے؟

جواب اس اشکال کا یہ ہے کہ حدیث پاک میں گرمی اور سردی کے اصل خزانے کی نشان دہی کی گئی ہے، ہر چیز کے خزانے اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں، قرآن کریم میں ارشاد ہے: وَ اِنْ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ" کہ دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں، اس لئے کہا جائے گا کہ سردی اور گرمی کا اصل مرکز تو جہنم ہی ہے، لیکن دنیا میں

اس کی تقسیم سورج کے ذریعہ کی گئی ہے، سورج ایک آتشی شیشے کی طرح جہنم سے حرارت حاصل کرتا ہے، اور اس کے قرب وبعد کے سبب ایسا ہوتا ہے کہ دنیا میں کہیں گرمی ہے اور کہیں سردی، گویا سورج جہنم کے سانس کو دنیا تک منتقل کرنے کا ایک آلہ اور راستہ ہے۔

نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اسباب میں تعارض نہیں ایک چیز کے دو سبب بھی ہو سکتے ہیں، ظاہری سبب تو آفتاب کا قرب وبعد ہے اور باطنی سبب وہ ہے جس کی حدیث پاک میں اطلاع دی گئی ہے۔ (ایضاح البخاری ۳۹۲/۳)۔

قوله : فإذَا اشتَدَّ الحَرُّ فأبرِدُوا بالصَّلَاةِ : جب نماز پروردگار سے مناجات کا نام ہے تو اس کی رعایت اہم ہے کہ وہ اچھے اور مناسب وقت میں ہو، اور اگر سخت گرمی کا وقت ہوگا تو مناجات کرنے والا بیتابی اور پریشانی میں مبتلاء ہونے کے سبب دل جمعی اور اطمینانِ خاطر کے ساتھ عرض معروض نہ کر سکے گا اور آقا کی بارگاہ میں بدحواسی اور پریشانیٔ خاطر کے ساتھ کی گئی مناجات بے وزن ہو کر رہ جائے گی، نیز یہ وقت احکم الحاکمین کے جلال وغضب کے اظہار کا ہے اور غضب کے موقع پر مناجات اور لب کشائی کا کام نہیں کرنا چاہئے۔ (فتح الباری ۲۲/۲)۔

لہٰذا ایسے وقت تاخیر کر کے نماز پڑھنا افضل ہوگا۔

۴۰۲ ﴿حَدَّثَنَا يَزِيد بنُ خَالِدِ بنِ مَوْهَبِ الْهَمْدَانِيُّ وقُتَيْبَةُ بنُ سَعِيدِ الثَّقَفِيُّ أنَّ اللَّيْثَ حَدَّثَهُمْ عن ابنِ شِهَابٍ عن سَعِيدِ بنِ الْمُسَيَّبِ وأبي سَلَمَةَ عن أبي هريرةَ أنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم قال : إِذَا اشْتَدَّ الحَرُّ فَأَبْرِدُوْا عن الصلاة –قال ابنُ مَوْهِبٍ : بالصَّلَاةِ– فإنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ.﴾

أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب المساجد، باب: استحباب الإبراد بالظهر في شدة الحر لمن يمضي إلى جماعة ويناله الحرُّ في طريقه (۱۳٤۹) وأخرجه الترمذي في "جامعه" في كتاب الصلاة، باب: ما جاء في تأخير الظهر في شدة الحرّ (۱٥۷) وأخرجه النسائي في "المجتبى" في كتاب المواقيت، باب: الإبراد بالظهر إذا اشتد الحر (٤۹۹) وأخرجه ابن ماجه في "سننه" في كتاب: الصلاة باب: الإبراد بالظهر في شدة الحر (٦۷۸). انظر "تحفة الأشراف" (١٥٢٣٧).

الإبراد: انسكار شدة حر الظهيرة. فيح جهنم: سطوع حرها وانتشاره، وأصله في كلامهم السعة والإنتشار ومعنى الكلام يتحمل وجهين: أحدهما: أن شدة الحر في الصيف من وهج حر جهنم في الحقيقة. وروي أن الله سبحانه وتعالى أذن لجهنم في نفسين: نفس في الصيف ونفس في الشتاء فأشد ما تجدونه من الحرّ في الصيف فهو من نفسها، وأشد ما ترونه من البرد في الشتاء فهو منها، والوجه الآخر: أن هذا الكلام إنما خرج مخرج التشبيه والتقريب ، أي كأنه نار جهنم في الحر فاحذروها واجتنبوا حرها. انظر "معالم السنن" ١١١/١.

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب گرمی شدید ہو تو نماز کو

ٹھنڈا کر کے پڑھو، -ابن موہب نے (عَنِ الصَّلَاۃِ کی جگہ) بالصَّلَاۃِ کہا- اس لئے کہ گرمی کی شدت جہنم کی حرارت کے انتشار سے ہوتی ہے۔

تشریح مع تحقیق : اس حدیث کی شرح تو مکمل سابقہ روایت کے تحت گزر چکی ہے، پہلی روایت حضرت ابوذر ﷛ کی تھی جس میں ایک سفر کا واقعہ ذکر کیا گیا تھا، لیکن یہ روایت عام ہے کہ سفر ہو یا حضر ہو، ہر حال میں گرمی کے زمانے میں ظہر کی نماز کو مؤخر کر کے پڑھنا چاہیے۔

قوله : 'قال ابنُ موهب بالصلاة" : مصنفؒ کے دو استاذ ہیں ایک یزید بن خالد بن موہب اور دوسرے قتیبہ بن سعید، دونوں کی روایت میں فرق یہ ہے کہ قتیبہ نے الفاظ نقل کئے: "فابردوا عن الصلاة" اور یزید بن خالد بن موہب نے کہا: "فأبردوا بالصلاة" اس سلسلے میں کہا گیا ہے کہ "عن" کبھی "با" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، جیسے رَمَیْتُ عن القَوْسِ ، رَمَیْتُ بِالقَوْسِ" کے معنی میں ہے، یا پھر عن کا استعمال تاخیر کے معنی پر متضمن ہونے کی وجہ سے ہے، یعنی "أخروا عن الصلاة مبردين" نماز کو ٹھنڈے وقت کا انتظار کرتے ہوئے مؤخر کرو، گویا اصل روایت تو بالصلاۃ ہے جس میں "عن" ہے اس میں تاویل کرلی جائے گی۔ (فتح الباری شرح بخاری ۲/۲۱)۔

۴۰۳ ﴿حَدَّثَنَا موسٰى بنُ إسماعيلَ نَا حَمَّادٌ عن سِمَاكِ بنِ حَرْبٍ عن جَابِرِ بنِ سَمُرَةَ أَنَّ بِلَالًا كَانَ يُؤَذِّنُ الظُّهْرَ إِذَا دَحَضَتِ الشَّمْسُ.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (۲۱٤۹).

قوله: "دحضت الشمس": أي زالت. وأصل الدحض: الزلق، يقال: دحضت رجله: أي زلت عن موضعها، وأدحضت حجة فلان أي أزلتها وأبطلتها".

ترجمہ : حضرت جابر بن سمرہ ﷛ کہتے ہیں کہ حضرت بلال ﷛ ظہر کی اذان اس وقت پڑھتے تھے جب سورج زائل ہو جاتا تھا، (وسط سماء سے)۔

تشریح مع تحقیق : دَحَضَتِ الشَّمْسُ عَنْ وَسَطِ السَّمَاءِ : سورج کا مغرب کی طرف مائل ہونا، وسط سماء سے مغرب کی طرف پھسل جانا، لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ حضور اکرم ﷺ ظہر کی نماز زوال شمس کے فوراً بعد پڑھتے تھے، اس لئے کہ مسلم شریف کی روایت میں صراحت ہے: "كَانَ النبي صلى الله عليه وسلم يُصَلِّي الظُّهْرَ إِذَا دَحَضَتِ الشَّمْسُ" امام نووی شافعیؒ نے اس حدیث سے تعجیل ظہر پر استدلال کیا ہے۔

جمہور اس کا جواب دیتے ہیں کہ احیاناً بیانِ جواز کے لئے آپ ﷺ نے ایسا کیا ہوگا، یا یہ کہا جائے کہ یہ امر بالا براد سے پہلے کا واقعہ ہے، یا سردی کے زمانے پر محمول ہے۔

صاحب منہل نے علامہ عینیؒ کا یہ جواب نقل کیا ہے کہ جو شخص ظہر ابراد کے ساتھ پڑھتا ہے اس پر بھی تو یہ بات صادق آتی ہے کہ اس نے زوال شمس کے بعد نماز پڑھی۔(المنہل ۳/۳۱۷)۔

گویا علامہ عینیؒ کی مراد یہ ہے کہ اس کو علی الفور پر محمول نہ کیا جائے بلکہ بعد الفصل پر محمول کیا جائے تاکہ احادیث ابراد سے تعارض لازم نہ آئے۔

﴿بابُ وَقْتِ الْعَصْرِ﴾

عصر کی نماز کے وقت کا بیان

۴۰۴ ﴿حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بنُ سَعِيدٍ نَا اللَّيْثُ عَنْ ابنِ شِهَابٍ عَنْ أَنَسِ بنِ مالِكٍ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّ رسولَ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان يصلي العَصْرَ والشَّمْسُ بَيْضَاءُ مُرْتَفِعَةٌ حَيَّةٌ، ويَذْهَبُ الذَّاهِبُ إلى العَوَالِي وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ.﴾

أخرجه مسلم في "صحيحه" في المساجد، باب: استحباب التبكير بالعصر (١٤٠٧)

وأخرجه النسائي في "المجتبى" في كتاب المواقيت، باب: تعجيل العصر (٥٠٦)

وأخرجه ابن ماجه في "سننه" في كتاب الصلاة، باب: وقت صلاة العصر (٦٨٢).

انظر "تحفة الأشراف" (١٥٢٢).

۴۰۵ ﴿حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بنُ عَلِي نَا عَبْدُالرزَّاقِ أنَا مَعْمَرٌ عَن الزُّهْرِيِّ قال: والْعَوَالِي عَلٰى مِيلَيْنِ أو ثَلَاثَةٍ، قال: وأَحْسِبُهُ قَالَ: أو أَرْبَعَةٍ.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (١٩٣٧٨).

۴۰۶ ﴿حَدَّثَنَا يُوسُفُ بنُ موسٰى نَا جَرِيرٌ عن مَنْصُورٍ عن خَيْثَمَةَ قال: حَيَاتُهَا أَنْ تَجِدَ حَرَّهَا.﴾

تفرد به أبو داو. انظر "تحفة الأشراف" (١٨٦١٨).

العوالي: القرى المجتمعة حول المدينة من جهة نجدها وقد بين مسافتها هنا كما ترى وعند النسائي: يذهب الذاهب إلى قُباء.

أي حياة الشمس في قوله: "الشمس بيضاء مرتفعة حيّة".

قال الخطابي: معنى الظهور: الصعود يقال: ظهرت على الشيء إذا علوته. انظر "معالم السنن" ١/١١٢.

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عصر کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے

کہ آفتاب اونچا صاف اور زندہ ہوتا، پھر جانے والا عوالی جاتا تو وہ ایسے وقت میں پہنچ جاتا کہ آفتاب ابھی اونچا ہوتا۔

معمر زہری سے نقل کرتے ہیں کہ عوالی مدینہ سے دو میل یا تین میل کے فاصلہ پر تھے، معمر کہتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ زہری نے ''یا چار میل کے فاصلہ پر تھے'' بھی کہا۔

منصور نے خیثمہ سے نقل کیا ہے کہ حیاتِ شمس سے مراد یہ ہے کہ تم اس کی گرمی پا سکو۔

تشریح مع تحقیق : اس باب میں مصنفؒ عصر کے وقتِ مستحب کو بیان فرمائیں گے، مصنفؒ نے اس باب کے تحت کل پانچ روایات ذکر کی ہیں، جن میں تین مرفوع روایات اور دو آثار ہیں، مرفوع روایات میں پہلی روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے جب آفتاب صاف، اونچا اور باحیات ہوتا تھا، جاتے وقت صاف ہونے، بلند ہونے اور زندہ ہونے تین باتوں کا ذکر ہے پھر جانے والا عوالی تک جاتا اور آفتاب ابھی تک اونچا ہوتا، پہنچتے وقت صرف بلندی کا ذکر ہے صاف ہونے اور زندہ ہونے کا نہیں، گویا جانے والا نماز پڑھ کر چلا تو آفتاب بلند اور صاف بھی تھا اور اس میں حیات بھی تھی، آفتاب کی حیات کے ایک معنی تو ہیں اس کی روشنی کا صاف ہونا گویا اصفرار اور تغیر سے پہلے تک اس کو زندہ کہا جائے گا، اس صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ عصر کی نماز تو آفتاب کے اونچا ہونے اور روشن ہونے کی حالت میں ہوئی تھی، لیکن چند میل کی مسافت طے کرتے کرتے اس میں تغیر اور اصفرار آجاتا تھا۔

مصنفؒ نے خیثمہ کے اثر کو نقل کر کے اس کے معنی یہ نقل کئے ہیں: حَيَاتُهَا أَنْ تَجِدَ حَرَّهَا کہ آفتاب کی زندگی یہ ہے کہ تمہیں حرارت محسوس ہو، گویا جب تک حرارت قائم ہے وہ زندہ ہے اور جب حرارت کم یا ختم ہوگئی تو زندگی ختم ہوگئی، اس صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ عصر کی نماز کے وقت تو آفتاب میں حرارت ہوتی تھی لیکن چند میل چلنے کے بعد وہ بے جان ہو جاتا تھا، حرارت باقی نہیں رہتی تھی۔

دوسرے نمبر پر مصنفؒ نے اثرِ زہری کو نقل کیا ہے جس میں مدینے سے عوالی کے فاصلہ کی وضاحت کی گئی ہے کہ عوالی دو یا تین میل کے فاصلہ پر تھے، یعنی بعض دو میل کے فاصلہ پر ہوں گے اور بعض تین میل کے فاصلہ پر اور بعض چار میل کے فاصلہ پر ہوں گے، اور یہ دوری ایک تخمینہ ہے تحقیق نہیں ہے۔

انصاف کی بات یہ ہے کہ اس روایت میں عصر کے مثل میں ثانی پڑھنے کی کوئی صراحت نہیں ہے بلکہ بغور دیکھا جائے تو یہ مثل ثالث میں پڑھنے کا قرینہ ہے، اس لئے کہ عموماً ایک میل کی مسافت پندرہ منٹ میں طے ہو جاتی ہے، اب اگر نماز پڑھنے کے بعد جانے والا عوالی میں جاتا جنکا فاصلہ ایک یا دو یا تین یا چار میل کا ہوتا تو وہ سورج بلند ہونے کی حالت میں ہی پہنچ جاتا تھا، ظاہر ہے کہ ایک دو میل کا فاصلہ آدھے پونے گھنٹے میں طے ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ مسجد نبوی میں عصر کی نماز پڑھنے کے بعد دو میل، یا تین میل یا زہری کی ایک روایت کے مطابق۔ جو شک کے ساتھ ہے۔ چار میل کی مسافت طے کرنے کے بعد آفتاب کا رنگ پھیکا پڑ جاتا تھا یا اس کی گرمی ختم ہو جاتی تھی، اور یہ بات بشرط انصاف مثل ثالث میں عصر پڑھ کر بھی ممکن ہے۔ (اوجز المسالک ۱/۱۵)۔

۴۰۷ ﴿حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ قال : قَرَاْتُ عَلٰى مَالِكِ بنِ أَنَسٍ عَنْ ابنِ شِهَابٍ قَالَ عُرْوَةُ : و لَقَدْ حَدَّثَتْنِيْ عائشةُ : انَّ رسولَ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كَانَ يُصَلِّي الْعَصْرَ و الشَّمْسُ فِي حُجْرَتِهَا قَبْلَ أَنْ تَظْهَرَ.﴾

أخرجه البخاري في "صحيحه" في مواقيت الصلاة، باب: وقت العصر (٥٤٥) وأخرجه الترمذي في الصلاة، باب: ما جاء في تعجيل العصر (١٥٩) وأخرجه النسائي في "المجتبى" في كتاب المواقيت، باب: تعجيل العصر (٥٠٤) انظر "تحفة الأشراف" (١٦٥٨٥).

ترجمہ : حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عصر کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جب سورج (دھوپ) میرے حجرے میں ہوتی دیواروں پر چڑھنے سے پہلے۔

تشریح مع تحقیق: تَظْهَر: ظَهَرَ عَلَى الحائطِ ونَحْوِهٖ : دیوار وغیرہ پر چڑھنا، مراد دھوپ کا دیوار پر چڑھنا ہے۔ یہ روایت بخاری شریف میں بھی ہے جس کو امام بخاریؒ نے تین طرح سے نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ عصر کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ دھوپ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں ہوتی تھی، اور سایہ اوپر نہ چڑھ پاتا تھا، پہلی روایت کے الفاظ ہیں: "والشمس لم تخرج من حجرتها" کہ دھوپ ان کے حجرے میں ہوتی تھی، وہاں سے نکل نہ پاتی تھی، اور دوسری روایت کے الفاظ ہیں: "والشمس في حجرتها لم يظهر الفيئ من حجرتها" کہ دھوپ حجرے میں ہوتی تھی اور حجرے کا سایہ اوپر نہ چڑھ پاتا تھا، تیسری روایت کے الفاظ ہیں: "والشمس طالعة في حجرتي ولم يظهر الفيئ بعد" یعنی دھوپ ابھی حجرے میں موجود ہوتی اور ابھی سایہ اوپر نہ چڑھتا، تقریباً یہی معنی ابوداؤد کی حدیثِ باب کے بھی ہیں۔

تعجیل عصر پر استدلال

حضرت عائشہؓ کی اس حدیث سے ائمہ ثلاثہ: امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ وغیرہ نے تعجیل عصر پر استدلال کیا ہے، اور طریقۂ استدلال یہ ہے کہ حجرے سے مسقّف کمرہ مراد نہیں ہے بلکہ مراد کمرے کے سامنے کی چہار دیواری ہے، اور حضرت عائشہؓ یہ بیان کر رہی ہیں کہ کمرے کی دیواروں کا جو سایہ ان کے صحن میں پڑتا تھا وہ ابھی دیوار پر نہیں چڑھنے پاتا

تھا، کہ عصر کی نماز پڑھ لی جاتی تھی، چنانچہ امام نوویؒ جو شافعی ہیں فرماتے ہیں:

كانت الحجرة ضيقة العرصة قصيرة الجدار بحيث كان طول جدارها أقل من مسافة العرصة بشيئ يسير فإذا صار ظل الجدار مثله كانت الشمس أبعد في أواخر العرصة (نووی ج:۱، ص:۲۲۲)۔

حضرت عائشہؓ کے حجرے کا صحن تنگ اور دیواریں نیچی تھیں بایں طور کہ دیوار کی اونچائی صحن کی پیائش سے کچھ ہی کم تھی اس لئے جب دیوار کا سایہ ایک مثل ہوگا تو دھوپ صحن کے بالکل کنارے پر پہنچ جائے گی۔
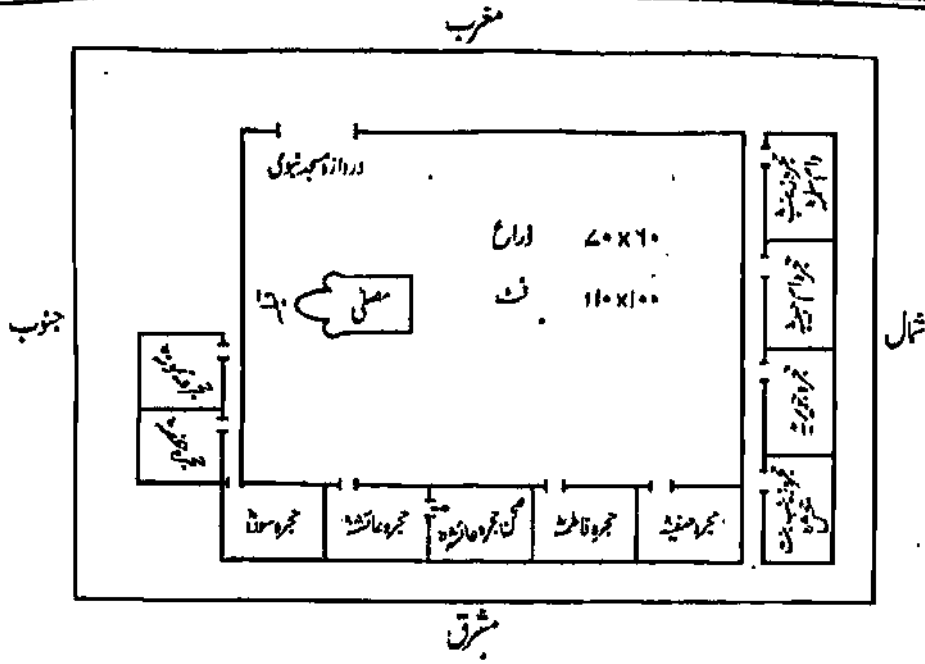
اس استدلال کا خلاصہ یہ ہوا کہ حجرے سے مراد چہار دیواری ہے اور چہار دیواری کی اونچائی کتنی بھی ہو لیکن صحن -جہاں دھوپ آئے گی- وہ چہار دیواری سے کچھ ہی زائد تھا اس لئے ایک مثل تک کی دھوپ تو صحن میں رہے گی لیکن دوسرے مثل کے شروع ہوتے ہی دیوار پر چڑھنی شروع ہو جائے گی، اور چوں کہ حضرت عائشہؓ فرما رہی ہیں کہ دھوپ ابھی میرے حجرے میں ہی ہوتی تھی دیوار پر چڑھنے نہ پاتی تھی اس لئے گویا عصر کی نماز مثل ثانی میں بلکہ مثل ثانی کے آغاز میں پڑھ لی گئی۔

یہ تھا امام نوویؒ کے استدلال کا خلاصہ، مگر اس استدلال کی صحت کا انحصار حضرت عائشہؓ کے حجرے کے طول وعرض، مسجد نبوی سے اس کی سمت کے تعین اور اس میں دھوپ آنے کے رخ پر ہے، اس لئے پہلے حضرت عائشہؓ کے حجرے کے بارے میں تفصیلات معلوم کرلیں پھر علامہ نوویؒ کے استدلال پر غور کریں گے۔

حجرۂ عائشہؓ کی تفصیل

اگرچہ اس سلسلے میں پوری تفصیلات یقین کے ساتھ تو بیان نہیں کی جاسکتیں تاہم جتنا محفوظ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کا حجرہ مسجد نبوی سے جانب مشرق میں واقع ہے، علامہ نوویؒ کی نقل کے مطابق مسجد نبوی کا طول وعرض ابتداءً ۷۰×۶۰ ذراع تھا اور قبلہ جانب جنوب میں تھا، ازواج مطہرات کے حجرے مسجد نبوی ﷺ سے مشرق، جنوب اور شمال کی طرف واقع تھے، مغرب کی جانب کوئی حجرہ نہیں تھا۔

پہلے مسجد نبوی تعمیر ہوئی اور پھر اس کے بعد مشرق کی طرف جنوب کے گوشہ میں حضرت سودہؓ کا حجرہ بنایا گیا تھا پھر اس سے متصل حضرت عائشہؓ کا حجرہ تھا جس کا عرض ۱۰ / یا ۱۱ / فٹ کے قریب تھا، اونچائی صرف اس قدر تھی کہ حضرت حسن بصریؒ کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھاتے تو چھت سے لگ جاتا تھا، گویا زیادہ سے زیادہ اونچائی آٹھ فٹ یا اس سے بھی کم تھی، اس کا ایک دروازہ مغرب کی طرف یعنی مسجد نبوی میں کھلتا تھا اور دوسرا دروازہ شمال کی طرف صحن میں کھلتا تھا اور یہ صحن بیس فٹ سے کم نہیں تھا، مسجد نبوی کا نقشہ مع حجرات ازواج مطہرات یہ ہے:

تفصیل اس نقشے کی یہ ہے: جانب شمال میں پانچ ازواج مطہرات کے نام ہیں، اس لئے کہ حضرت ام سلمہ؄ کا عقد حضرت زینب بنت خزیمہ ﷺ کی وفات کے بعد ہوا تھا اور ان کو حضرت زینب؄ والا حجرہ ملا تھا، حضرت زینب بنت خزیمہ ﷺ کا انتقال ۳ھ میں ہوا ہے اور حضرت ام سلمہ؄ کا نکاح ۴ھ میں ہوا ہے، اس لئے ان دونوں کے نام ایک حجرہ میں لکھے گئے ہیں، جانب مشرق میں بھی چار حجرے ہیں، مگر ان میں ایک حجرہ حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کا ہے اور تین حجرے ازواج مطہرات کے ہیں، اور جانب جنوب میں حضرت حفصہ؄ اور حضرت میمونہ؄ کے حجرے دکھائے گئے ہیں، حضرت عائشہ؄ کے حجرے میں جو نمبر لگائے گئے ہیں ان کی وضاحت یہ ہے:

۱- یہ مسقّف حصہ ہے جس کی پیمائش تقریباً ۱۱×۷ افٹ تھی اور اونچائی تقریباً ۸ رفٹ تھی۔

۲- یہ حجرے کا غربی دروازہ ہے جو مسجد نبوی میں کھلتا ہے، اس دروازے سے حجرے کے اندر دھوپ آنے کا امکان ہے، مگر مسجد نبوی کے غربی دروازے سے پہلے دھوپ مسجد نبوی میں آئے گی پھر غروب سے کچھ دیر پہلے حجرے کے اندر آئیگی۔

۳- یہ حجرۂ عائشہ؄ کا وہ دروازہ ہے جو جانب شمال میں کھلتا ہے اور شمال ہی میں صحن تھا، اس دروازے سے زوال کے بعد دھوپ کے حجرے میں آنے کا کوئی امکان نہیں۔

مسلک احناف

احناف کے نزدیک عصر کو اس وقت تک مؤخر کرنا افضل ہے جب تک سورج میں تغیر پیدا نہ ہو، البتہ سورج میں تغیر آنے کے بعد وقت کراہت شروع ہوجاتا ہے، احناف کا استدلال مندرجہ ذیل روایات سے ہے:

۱- حضرت ام سلمہ؄ کی حدیث ہے: "کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أشد تعجیلًا للظھر وأنتم أشد تعجیلًا للعصر منه" (ترمذی)

حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ وہ حضرات عصر کو قبل از وقت تعجیلاً نہ پڑھتے تھے بلکہ وقت ہونے کے بعد طہارت وغیرہ سے فارغ ہو کر پڑھتے تھے تاہم اشد تعجیلاً کہا گیا ہے، معلوم ہوا کہ تاخیر افضل ہے۔

۲- ابوداؤد ہی میں اسی باب کے تحت حضرت علی بن شیبان ﷺ کی حدیث آرہی ہے: "كَانَ يؤخر الْعَصْرَ مَا دَامَتِ السَّمَاءُ بَيْضَاءَ نَقِيَّةً"۔

ان کے علاوہ احناف کے پاس اور بھی دلائل ہیں جن میں بعض کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے اور بعض کو طوالت کے خوف سے چھوڑ دیتے ہیں تفصیل دیکھنا ہو تو فتح الملہم شرح مسلم (۲/۲۰۰) کو دیکھ لیجئے۔

اس کے بعد حضرت عائشہؓ کی حدیث بالا کے بارے میں چند معروضات سماعت فرمالیں:

عصر کو مؤخر کرنے والوں کی توجیہات

ماقبل میں حضرت عائشہؓ کے حجرے سے متعلق تفصیلات ذکر کی گئی تھیں، جن کے بعد دھوپ کے معاملہ پر غور کرنا آسان ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ عصر کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ دھوپ ان کے حجرے میں ہوتی تھی، یہاں پہلی بات تو یہ ہے کہ حجرے سے مراد مسقّف کمرہ ہے یا کمرے کے سامنے کا صحن اور چہار دیواری؟ اگر حجرے سے مراد مسقّف کمرہ لیا جائے جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وَالْمُرَادُ بالحجرةِ الْبَيْتُ والمرادُ بالشَّمسِ ضَوْئُهَا" (فتح الباری ۲/۳۲) یعنی حجرے سے مراد مسقّف کمرہ ہے اور شمس سے مراد دھوپ ہے، تو یہ ماننا پڑے گا کہ حجرے کے اندر دھوپ مسجد نبوی کے مسقّف حصہ سے گزر کر آتی تھی کیونکہ حجرے کا جو دروازہ جانب شمال میں کھلتا تھا اس سے دھوپ کے کمرے کے اندر آنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا، اس لئے کہ سورج اس سمت میں نہیں ہے، دھوپ اسی دروازے سے حجرے کے اندر آسکتی ہے جو مسجد نبوی میں کھلتا ہے اور جو جانب مغرب میں تھا، گویا جب سورج اتنا نیچا ہو جائے کہ پہلے دھوپ مسجد نبوی میں آئے پھر مسجد نبوی کے اندرونی حصہ یعنی تقریباً سو فٹ میں پھیلتی ہوئی حضرت عائشہؓ کے دروازے تک پہنچے تب ہی مسقّف کمرے میں اندر جاسکتی ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ بات مثل ثانی میں ممکن نہیں، بلکہ یہ تو غروب کے قریب ہی ممکن ہے۔

تعجیل پر استدلال کرنے والوں کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ مسجد نبوی کے مغربی دروازے سے آنے والی دھوپ مراد لینا نہایت بعید احتمال ہے لیکن ہماری گزارش یہ ہے کہ احتمال بعید ہی سہی مگر جب آپ حجرے سے مراد بیت یعنی حجرۂ مسقفہ لے رہے ہیں تو آپ ہی بتلایئے کہ دھوپ کدھر سے آئے گی، پھر یہ کہ اس روایت سے تعجیل پر استدلال کرنے والے جب تک اس احتمال کی بندش نہ کردیں اس وقت تک اس سے تعجیل پر استدلال کو ناتمام ہی قرار دیا جائے گا۔

اور اگر حجرے سے مراد چہار دیواری ہو تو دھوپ سے مراد وہ دھوپ نہ ہوگی جو کمرے کے اندر آ رہی ہے بلکہ وہ دھوپ مراد ہوگی جو حجرے کی دیوار کے اوپر سے صحن میں آ رہی ہے، اس صورت میں علامہ نوویؒ کے بیان کے مطابق استدلال اسی وقت ممکن ہے جب حجرے کا صحن حجرے کی دیوار کے بقدر یا اس سے کچھ ہی زائد ہو جیسا کہ نوویؒ نے دعویٰ بھی کیا ہے کہ دیوار کی اونچائی صحن کی پیمائش سے کچھ ہی کم تھی، لیکن حضرت عائشہؓ کے حجرے کے بارے میں دی گئی تفصیل سے اس کی تائید نہیں ہوتی، کیوں کہ حجرے کی دیوار زیادہ سے زیادہ آٹھ فٹ اونچی ہے، اور صحن بیس فٹ کے قریب ہے، اس لئے جب دیوار کا سایہ صحن میں پڑے گا تو آٹھ فٹ تک مثل اول اور ۱۶ رفٹ تک مثل ثانی رہے گا اور یہ معلوم ہے کہ مدینہ طیبہ میں گرمی کے موسم میں سایۂ اصلی بہت معمولی ہوتا ہے، اس لئے یہ بات تقریباً متعین ہے کہ حضرت عائشہؓ کے حجرے کے صحن میں مثل ثانی کے بعد بھی دھوپ باقی رہے گی اور دیوار پر مثل ثانی کے ختم ہونے کے بعد چڑھے گی۔

حضرت امام طحاویؒ نے اس روایت پر بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

قد يجوز أن يكون كذلك وقد أخر العَصْرَ لقصر حجرتها فلم يكن الشمس تنقطع منها إلا بقرب غروبها فلا دلالة في هذا الحديث على تعجيل العصر. (طحاوی ١/١٣٢).

دھوپ کے حجرے میں ہوتے ہوئے تاخیر ہو سکتی ہے اس لئے کہ حجرے کی دیواریں نیچی تھیں اور اس صورت میں دھوپ وہاں سے غروب کے قریب ہی ختم ہوگی اس لئے اس روایت سے تعجیل پر استدلال کرنا درست نہیں۔

اس وضاحت سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کی روایت تعجیل پر استدلال کرنے کے لئے نص نہیں بلکہ اس میں تاخیر پر استدلال کی بھی گنجائش ہے، خاص طور پر جب کہ دوسری روایات میں صراحت کے ساتھ تاخیر کی بات مذکور ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے بروایت صحیح بحوالۂ موطأ امام محمدؒ منقول ہے کہ عصر کی نماز ایسے وقت میں پڑھو جب تمہارا سایہ دو مثل ہو جائے۔

اسی طرح حضرت علی ﷺ سے (نسائی ج:١، ص:١٣٩، باب الصلاة قبل العصر میں اور ترمذی ج:١، ص:٧٧ باب كيف كان النبي يتطوع بالنهار میں) روایت ہے کہ ان سے رسول اللہ ﷺ کی دن کی نفلوں کے بارے میں سوال کیا گیا تو جواب میں ارشاد فرمایا:

إذَا كَانَتِ الشمس ههُنَا كَهَيْئَتِهَا ههُنَا عِنْدَ الْعَصْرِ صَلّى رَكْعَتَيْنِ وإذَا كَانَتِ الشَّمْسُ ههُنَا كَهَيْئَتِهَا ههُنَا عِنْدَ الظُّهْرِ صَلّى أربعًا. (ترمذی ج:١، ص:٧٧)

جب آفتاب یہاں (مشرق) میں ایسا ہوتا جیسا وہاں (یعنی مغرب میں) عصر کے وقت ہوتا ہے تو دو رکعت پڑھتے پھر جب مشرق میں ایسا ہوتا جیسا کہ مغرب میں ظہر کے وقت ہوتا ہے تو چار رکعت پڑھتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کی اشراق کی نماز کے لئے حساب لگائیے کہ آفتاب صبح کے وقت جانب مشرق میں اس جگہ کی محاذات میں ہوتا جہاں جانبِ مغرب میں عصر کی نماز کے وقت ہوتا ہے، اس وقت اشراق کی دو رکعت پڑھتے، اور جب اور زیادہ بلند ہو جاتا اور جانب مشرق میں اس جگہ کی محاذات میں آجاتا جہاں جانب مغرب میں ظہر کے لئے ہوتا ہے تو چاشت کی چار رکعت پڑھتے، اس روایت سے بشرط انصاف عصر کی نماز کے لئے بہت ہی زیادہ تاخیر معلوم ہوتی ہے، پھر یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل عصر کی نماز کو بہت زیادہ مؤخر کر کے پڑھنے کا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ کی مسجد میں تشریف فرما تھے مؤذن نے آکر عصر کی نماز کے لئے عرض کیا تو فرمایا: بیٹھ جاؤ، کچھ دیر کے بعد اس نے پھر یاد دہانی کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بہت سخت کلمات کہے: "ھذا الکلب یعلمنا السنة" یعنی یہ کتا ہمیں سنت کی تعلیم دینا چاہتا ہے، پھر اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسے وقت میں عصر کی نماز پڑھی کہ اس کے فوراً بعد آفتاب غروب ہونے لگا، یہ روایت مستدرکِ حاکم میں موجود ہے اور ذہبیؒ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

امام محمدؒ نے عصر کی نماز کے سلسلے میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب کا عمل نقل کیا ہے:

عن إبراهيم قال : أدركت أصحاب ابنِ مسعود يؤخرون العصر إلى آخر الوقت ، قال محمد : وبه نأخذ ما لم تتغير الشمس . (جامع مسانيد الامام ص:۲۹۹) .	حضرت ابراہیم نخعیؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ کو دیکھا کہ وہ عصر کو وقت (مستحب) کے لئے مؤخر کر کے پڑھتے، امام محمدؒ نے فرمایا کہ اسی پر ہمارا عمل ہے جب تک آفتاب میں تغیر نہ آئے۔

پھر مصنف عبد الرزاق میں عصر کے سلسلے میں خود حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا عملِ تاخیر منقول ہے، امام طحاویؒ نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور صحابہ کرام کے نام بھی ذکر کئے ہیں۔

ان روایات کا حاصل یہ ہے کہ عصر کی نماز میں وقت مکروہ سے پہلے تک تاخیر کرنا ہی افضل ہے لیکن چوں کہ اس نماز کا آخری وقت یعنی آفتاب میں تغیر اور اصفرار آجانے کا وقت کراہت رکھتا ہے اس لئے جن روایات میں تعجیل کا مضمون بیان کیا گیا ہے ان کا مطلب یہی لیا جائے گا کہ نماز کو وقت مکروہ میں داخل ہونے سے بچانے کی تاکید کی گئی ہے۔ واللہ اعلم

۴۰۸ ﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ عَبْدِالرحمن العنبريُّ نَا إبراهيمُ بنُ أبي الوَزِيرِ نا محمد بنُ يَزِيْدَ اليمانيُّ حَدَّثَنِي يزيدُ بنُ عبدِالرحمن بنِ عَلِيِّ بنِ شَيْبَانَ عن أبيه عن جده عَلِي بنِ شَيْبَانَ قَالَ : قَدِمْنَا عَلَى رسولِ اللهِ صلى اللهُ عليه وسلم المدينَةَ فَكَانَ يُؤَخِّرُ العَصْرَ ما دَامَتِ الشَّمْسُ بَيْضَاءَ نَقِيَّةً.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (١٠٠١٩).

ترجمہ : حضرت علی بن شیبان ﷺ فرماتے ہیں کہ ہم مدینہ طیبہ میں حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے، (ہم نے دیکھا کہ حضور ﷺ) عصر کی نماز کو سورج کے روشن اور صاف ہونے تک مؤخر کرتے تھے۔

تشریح مع تحقیق : محمد بن یزید : حافظ ذہبیؒ نے ان کو الکاشف میں مجہول قرار دیا ہے۔

یہ حدیث تاخیر عصر کے بارے میں بالکل صریح ہے، اگرچہ محمد بن یزید کی وجہ سے اس میں ضعف ہے، لیکن دوسرے دلائل سے قابل استدلال سمجھی جائے گی۔

ترجمۃ الباب سے متعلق باقی تفصیل تو گزر ہی چکی ہے۔

﴿باب فِي صلاة الوسطى﴾

صلاۃ وسطیٰ کا بیان

۴۰۹ ﴿حَدَّثَنَا عثمانُ بنُ أبي شَيْبَةَ نَا يَحْيٰى بْنُ زَكَرِيَّا بنِ أبي زَائِدَةَ ويزيد بنُ هارونَ عن هشامِ بنِ حَسَّانَ عن محمد بنِ سيرينَ عن عَبِيْدَةَ عن عَلِيٍّ أنَّ رسولَ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال يَوْمَ الخندقِ : حَبَسُوْنَا عَنْ صَلَاةِ الوُسْطَى صَلَاةِ العَصْرِ مَلَأَ اللّٰهُ بُيُوْتَهُمْ و قُبُوْرَهُمْ نَارًا.﴾

أخرجه البخاري في "صحيحه" في كتاب: الجهاد، باب: الدعاء على المشركين بالهزيمة (۲۹۳۱) وأخرجه أيضًا في كتاب: المغازي، باب: غزوة الخندق (۴۱۱۱)، وأخرجه أيضًا في كتاب التفسير، باب: ﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾ (۴۵۳۳) وفي كتاب: الدعوات، باب: الدعاء على المشركين (۶۳۹۶) وأخرجه مسلم في "صحيحه" في كتاب المساجد، باب: ما جاء في الصلاة الوسطى (۱۴۱۹ و ۱۴۲۰ و۱۴۲۱ و۱۴۲۲) وأخرجه الترمذي في "جامعه" في كتاب: تفسير القرآن، باب: ومن سورة البقرة (۲۹۸۴) وأخرجه النسائي في كتاب: الصلاة، باب: المحافظة على صلاة العصر (۴۷۲). انظر "تحفة الأشراف" (۱۰۲۳۲).

ترجمہ : حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کے روز فرمایا: انہوں نے (کفار نے) ہم کو صلاۃ وسطیٰ یعنی عصر کی نماز (پڑھنے) سے روک دیا، اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے۔

تشریح مع تحقیق : ترجمۃ الباب کا مقصد تو صلاۃ وسطیٰ کی تعیین کرنا ہے کہ صلاۃ وسطیٰ سے مراد کون سی نماز ہے، اس سلسلے میں علماء وفقہاء کے مختلف اقوال ہیں، صاحبِ منہل نے دس قول نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس میں

اور بھی اقوال ہیں، علامہ دمیاطیؒ نے اس موضوع پر ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے: "كشف الغطاء عن الصلاة الوسطى" اس میں انہوں نے انیس اقوال نقل کئے ہیں، کچھ کی تفصیل ہم آگے کریں گے۔

قوله : يَوْمَ الْخَنْدَقِ : غزوۂ خندق بقول امام بخاریؒ شوال ۴ھ میں ہوا ہے، جب کہ دوسرے اہل سیر ۵ھ کے قائل ہیں، اس غزوہ کا دوسرا نام غزوۂ احزاب بھی ہے، اس لئے کہ اس میں عرب کے بہت سے قبائل جمع ہو کر مسلمانوں کے خلاف نکلے تھے اور انہوں نے مدینہ منورہ کا محاصرہ کیا تھا، مسلمانوں نے دفاعی تدبیر یہ اختیار کی کہ مدینہ کے چاروں طرف بڑی بڑی خندقیں کھود دیں، اسی وجہ سے اس کا نام غزوہ خندق بھی ہے، اس وقت مدینہ میں مسلمانوں کی تعداد صرف تین ہزار تھی، جب کہ کفار کا لشکر جو مدینہ پر چڑھائی کے لئے آیا تھا دس ہزار پر مشتمل تھا، لیکن مشرکین خندق کے پاس پہنچے تو غیظ وغضب کی وجہ سے چکر کاٹنے لگے اور انہیں خندق کو پار کرنے کی جرأت نہ ہوسکی، اگر انہوں نے کسی دن خندق کو پاٹ کر پار کرنے کی کوشش بھی کی تو مسلمانون نے اس کو ناکام کر دیا، اس طرح کے پرزور مقابلوں کے درمیان رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کی بعض نمازیں فوت ہوگئیں، نبی کریم ﷺ کو نماز کے فوت ہونے کا اس قدر ملال تھا کہ آپ ﷺ نے مشرکین پر بددعا بھی فرمائی، ابوداؤد کی اس روایت میں تو ایک ہی نماز (نماز عصر) کے فوت ہونے کا ذکر ہے لیکن مسند احمدؒ اور مسند شافعیؒ میں مروی ہے کہ مشرکین نے آپ ﷺ کو ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازوں کی ادائیگی سے مصروف رکھا چنانچہ آپ ﷺ نے یہ ساری نمازیں یکجا پڑھیں، امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ان روایتوں کے درمیان تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جنگ خندق کا سلسلہ کئی روز تک جاری رہا پس کسی دن ایک صورت پیش آئی اور کسی دن دوسری۔ (شرح مسلم للنووی ۱ر۲۲۷)

یہیں سے یہ بات بھی سمجھ میں آگئی کہ مشرکین کی طرف سے خندق عبور کرنے کی کوشش اور مسلمانوں کی طرف سے پیہم دفاع کئی روز تک جاری رہا مگر چوں کہ دونوں فوجوں کے درمیان خندق حائل تھی اس لئے دست بدست اور خوں ریز جنگ کی نوبت نہ آئی، بلکہ صرف تیراندازی ہوتی رہی، اسی تیراندازی میں فریقین کے چند افراد بھی مارے گئے، جنہیں انگلیوں پر گنا جاسکتا ہے یعنی صرف چھ مسلمان اور دس مشرکین۔

مشرکین نے ایک ماہ تک رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کا محاصرہ جاری رکھا اس دوران مسلمان اللہ سے یہ دعا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا" اے اللہ ہماری پردہ پوشی فرما اور ہمیں خطرات سے مامون فرما، اسی طرح رسول اللہ ﷺ بھی یہ دعا فرما رہے تھے: "اَللّٰهم منزل الكتاب سريع الحساب اهزِمِ الأحزاب" اے اللہ! کتاب اتارنے والے، جلد حساب لینے والے، ان لشکروں کو شکست دے، بالآخر اللہ نے اپنے رسول ﷺ اور مسلمانوں کی دعائیں سن لیں اور مشرکین کی صفوں میں بددلی اور پھوٹ پیدا ہوگئی، نیز اللہ نے ان پر تند ہواؤں کا طوفان بھیج دیا، جس نے ان کے خیمے اکھاڑ دیئے، ہانڈیاں الٹ دیں اور کسی چیز کو قرار نہ رہا اور اس کے ساتھ ہی فرشتوں کا لشکر بھیج دیا جس نے انہیں ہلا ڈالا اور

ان کے دلوں میں رعب اور خوف ڈال دیا اور اس سرد اور کڑکڑاتی ہوا میں وہ بھاگ جانے پر مجبور ہوگئے، اور اللہ نے اپنے لشکر کو عزت بخشی۔

قوله: "صلاة الوسطى صلاة العصر": وُسْطَى أَوْسَط کی تانیث ہے، بمعنی درمیانہ، معتدل، ممتاز، اور "صلاة العصر" بدل ہے الصلاة الوسطى سے۔

اس بات کی طرف ماقبل میں اشارہ کردیا گیا ہے کہ صلاۃ وسطیٰ کی تعیین میں فقہاء کے درمیان زبردست اختلاف ہے، یہاں تک کہ کوئی نماز ایسی نہیں جس کے بارے میں صلاۃ وسطیٰ ہونے کا قول موجود نہ ہو، چنانچہ حافظ دمیاطیؒ نے (۱۹) علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں (۱۳) اور صاحب منہل نے (۱۰) قول نقل کئے ہیں اور ہر ایک کی کوئی نہ کوئی دلیل بھی پیش کی ہے۔

لیکن دلائل نقلیہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس سے مراد صلاۃ عصر ہی ہے اور اکثر محققین نے اسی کو اختیار کیا ہے، اور مرفوع احادیث ہی سے اس کی تائید ہوتی ہے، حدیث باب سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے (المنہل ۳/۳۲۳، روح المعانی ۲/۲۳۵، تفسیر مظہری ۱/۳۷۸)۔

قوله: "مَلَأَ اللّٰه بُيُوتَهُم وقُبُورَهُم نَارًا" یہ کفار کے لئے بددعاء ہے، جس کا صدور خبر کی صورت میں ہوا ہے، جس میں اشارہ اس طرف ہے کہ یہ آپ ﷺ کی مقبول دعاء ہے، اسی وجہ سے ماضی کا صیغہ بھی استعمال کیا ہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی یہ بددعاء مشرکین کے لئے دنیا اور آخرت دونوں جہاں میں تباہی اور بربادی کے لئے تھی، اور کہا گیا ہے کہ دنیا کے عذاب سے مراد گھروں کی تباہی، اموال کی لٹائی اور عورتوں اور بچوں کا قیدی ہوجانا ہے اور آخرت کے عذاب سے مراد عذاب قبر ہے۔

صاحب منہل تحریر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ظالم کے لئے اس کے ظلم کے مناسب بددعا کی جاسکتی ہے۔

۴۱۰ ﴿حَدَّثَنَا القَعْنَبِيُّ عن مَالِكٍ عن زيد بنِ أَسْلَمَ عن الْقَعْقَاعِ بنِ حَكِيْمٍ عن أبي يُوْنُسَ مَوْلَى عائشةَ أَنَّهُ قال: أَمَرَتْنِي عَائشَةُ أَنْ أَكْتُبَ لَهَا مُصْحَفًا وقَالَتْ: إذَا بَلَغْتَ هٰذِهِ الآيَةَ فَآذِنِّي، "حَافِظُوْا على الصَّلَوَاتِ والصَّلَاةِ الوُسْطَى" فَلَمَّا بَلَغْتُهَا آذَنْتُهَا فَأَمْلَتْ عَلَيَّ: "حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ والصَّلَاةِ الوُسْطَى وصَلَاةِ الْعَصْرِ وقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ" ثُمَّ قَالَتْ عَائشَةُ: سَمِعْتُهَا مِن رسولِ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم.﴾

اخرجه مسلم في "صحيحه" في المساجد، باب: الدليل لمن قال الصلاة الوسطى هي العصر (١٤٢٦) وأخرجه الترمذي في

"جامعه" في كتاب: تفسير القرآن، باب: ومن سورة البقرة (۲۹۸۲) وأخرجه النسائي في "المجتبى" في كتاب الصلاة، باب: المحافظة على صلاة العصر (٤٧١). انظر "تحفة الأشراف" (١٧٨٠٩).

قوله: (حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ والصَّلاَةِ الوُسْطىٰ وَصَلاَةِ العَصْرِ وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ) قال النووي في "شرحه" هذه قراءة شاذة، لا يُحْتَجُّ بها ولا يكون لها حُكْمُ الخبر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم لأن القرآن لا يثبت إلا بالتواتر والإجماع.

ترجمه : ابو یونس کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عائشہؓ نے ایک قرآن پاک لکھنے کا حکم دیا، اور یہ فرمایا کہ جب تم اس آیت "حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الوُسْطَى" پر پہنچو تو مجھے خبر کرنا، جب میں (لکھتے لکھتے) اس آیت پر پہنچا تو میں ان کو خبر دے دی، انہوں نے فرمایا کہ یوں لکھو: "حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ والصَّلَاةِ الوُسْطَى وصَلَاةِ العَصْرِ" کہ محافظت کرو نمازوں کی اور بیچ والی نماز کی اور عصر کی نماز کی، پھر حضرت عائشہؓ نے کہا یہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا۔

تشریح مع تحقیق : فَآذِنِّي : صیغۂ امر ہے آذَنَ يُؤْذِنُ إِيْذَانًا : اطلاع دینا، خبر دینا، فَأَمْلَتُ : أَمْلَلْتُ الكتابَ عَلَى الْكَاتِبِ إِمْلَالًا: املا کرانا، لکھوانا، اور یہ لغت حجاز میں ہے، لغت بنی اسد اور لغت بنی تمیم میں ہے: أَمْلَيْتُ عليه إملاءً" معنی دنوں کے ایک ہی ہیں، قرآن پاک میں دونوں طرح استعمال ہوا ہے۔

مضمون حدیث تو واضح ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اپنے آزاد کردہ غلام کو یہ حکم دیا کہ تم میرے لئے ایک قرآن پاک لکھ دو لیکن جب لکھتے لکھتے: حافظوا على الصلوات والصلاة الوسطى" آیت پر پہنچو تو رک جانا اور مجھے اطلاع کرنا، انہوں نے ایسا ہی کیا کہ حضرت عائشہؓ کو اس کی خبر کر دی، حضرت عائشہؓ نے "والصلاة الوسطى" کے بعد "وصلاة العصر" کا بھی اضافہ کرایا، اور حضرت عائشہؓ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ سے یہ آیت اسی طرح سنی ہے۔

اب حضرت عائشہؓ کی اس قرأت میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ یہ عطف مغایرت کے لئے ہے دوسرا احتمال یہ ہے کہ تفسیر کے لئے ہو، اگر اس عطف کو مغایرت کے لئے مانا جائے تو یہ روایت اس بات کی دلیل ہوگی کہ صلاۃ وسطی کا مصداق صلاۃ عصر کے علاوہ ہے، لیکن صاحب منہل دوسری احادیث میں تطبیق دیتے ہوئے دوسرے احتمال کو راجح قرار دیا ہے۔

دوسرا مسئلہ یہاں یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے جو اضافہ کرایا ہے اگر یہ انہوں نے بطور قرأت کرایا ہے تو یہ بالاتفاق قرأۃ شاذ ہوگی ممکن ہے شروع میں یہ قرأت رہی ہو جس کے نسخ کا علم حضرت عائشہؓ کو نہ ہوسکا ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے یہ اضافہ بطور تفسیر کرایا ہو اور آپ ﷺ نے بھی بطور تفسیر ہی فرمایا ہو تا کہ عصر کی نماز کی اہمیت اور واضح ہو جائے۔ (المنہل ۳/۳۲۸)۔

۴۱۱ ﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ المثنى حَدَّثَنِي محمد بنُ جَعْفَرٍ نَا شُعْبَةُ ، حَدَّثَنِي عَمرو بنُ حكيمٍ قال : سَمِعْتُ الزِّبْرِقَانَ يُحَدِّثُ عَنْ عُرْوَةَ بنِ الزُّبَيْرِ عن زيد بنِ ثابتٍ قال :

كَانَ رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يُصَلِّي الظُّهرَ بالْهَاجِرَةِ ولَمْ يَكُنْ يُصَلِّي صَلَاةً أشَدَّ عَلَى أصْحَابِ رسولِ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم مِنهَا ، فَنَزَلَتْ "حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ والصَّلَاةِ الوُسْطَى" وقال : إنَّ قَبْلَهَا صَلَاتَيْنِ وبعدها صَلَاتَيْنِ.

أخرجه النسائي في "الكبرىٰ" انظر "تحفة الأشراف" (٣٧٣١).

ترجمه : حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز سویرے پڑھتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر ان تمام نمازوں میں جو وہ پڑھتے تھے ظہر کی نماز سے زیادہ سخت کوئی نماز نہ تھی، چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی: "حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ والصَّلَاةِ الوُسْطَى" کہ سب نمازوں کی محافظت کرو خصوصاً درمیان والی نماز کی، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس درمیانی نماز سے پہلے بھی دو نمازیں ہیں یعنی عشاء اور فجر کی اور اس کے بعد بھی دو نمازیں ہیں یعنی عصر اور مغرب کی۔

تشریح مع تحقیق : حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اس قول کہ اس سے پہلے بھی دو نمازیں ہیں اور اس کے بعد بھی، کا مطلب یہ تھا کہ "صلاۃ وسطیٰ" سے مراد ظہر کی نماز ہے، اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے یہ بات اپنے اجتہاد سے نکالی، لہٰذا حضرت زید رضی اللہ عنہ کا یہ قول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نص کے معارض نہیں ہوسکتا اور وہ نص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ صلاۃ وسطی سے مراد صلاۃ عصر ہے۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ظہر کے صلاۃ وسطی ہونے کی وجہ تسمیہ بیان کی کہ یہ بیچ کی نماز ہے دو اس سے پہلے ہیں اور دو اس کے بعد، حالانکہ یہ بات تو ہر نماز پر صادق آتی ہے، جس نماز کو بھی آپ لیں گے دو اس سے پہلے ہوں گی اور دو اس کے بعد اس لئے کہ نمازیں کل پانچ ہی ہیں؟

صاحب منہل نے اس کے جواب کی طرف اشارہ یہ کیا ہے کہ اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ بعض نمازیں لیلی ہیں اور بعض نہاری، ظہر کی نماز پر یہ بات صادق آتی ہے کہ اس سے پہلے ایک نماز لیلی ہے اور ایک نہاری اور ایسے ہی اس کے بعد ایک لیلی ہے اور ایک نہاری ہے، یہ بات کسی اور نماز پر صادق نہیں آتی۔ (المنہل ٣/٣٣٠، مرقاۃ ٢/٣٠٩)۔

۞ ۞ ۞

﴿بَابُ مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الصَّلَاةِ فَقَدْ أَدْرَكَهَا﴾

جس نے نماز کی ایک رکعت پالی گویا اس نے پوری نماز پالی، ایسے شخص کا بیان

۴۱۲ ﴿حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بنُ الرَّبِيعِ حَدَّثَنِي ابنُ الْمُبَارَكِ عَنْ مَعْمَرٍ عن ابنِ طَاوُسٍ عَنْ أبيهِ عن ابنِ عَبَّاسٍ عن أبي هُرَيْرَةَ قال : قال رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم : "مَنْ أَدْرَكَ مِنَ العَصْرِ رَكْعَةً قَبْلَ أنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ ، ومَنْ أَدْرَكَ مِنَ الْفَجْرِ رَكْعَةً قَبْلَ أنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدَ أَدْرَكَ".﴾

أخرجه مسلم في "صحيحه" في كتاب المساجد، باب: من أدرك ركعة من الصلاة فقد أدرك تلك الصلاة (١٣٧٦) و (١٣٧٧) وأخرجه النسائي في "المجتبى في كتاب: المواقيت، باب: من أدرك ركعتين من العصر (٥١٣). انظر "تحفة الأشراف" (١٣٥٧٦).

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے سورج کے غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت کو پالیا تو اس نے (مکمل) نماز کو پالیا، اور جس نے سورج کے طلوع ہونے سے پہلے ایک رکعت فجر کی پالی اس نے (مکمل نماز) کو پالیا۔

تشریح مع تحقیق : ترجمۃ الباب کا ظاہر مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی نے غروب آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی تو وہ مدرکِ عصر ہو گیا، ایسے ہی جس نے طلوع آفتاب سے قبل ایک رکعت پالی وہ مدرکِ فجر ہو گیا، گویا ترجمہ میں وہ مسئلہ مذکور ہے جس کا تعلق احکام صلاۃ سے ہے، جب کہ ذکر ہو رہا ہے اوقات صلاۃ کا، مواقیت صلاۃ کے درمیان ادراکِ صلاۃ کا مسئلہ بے ربط معلوم ہوتا ہے، اس لئے ہماری سمجھ میں یہ آرہا ہے کہ امام ابوداؤدؒ کا مقصد یہاں ادراکِ صلاۃ کے مسئلہ کا بیان نہیں، جیسا کہ بعض شارحین نے سمجھا ہے، بلکہ وہ تو اس باب میں عصر کے وقت کا منتہی بیان کرنا چاہتے ہیں، کہ عصر کا وقت جب سے شروع ہوتا ہے وہ برابر غروب تک ممتد رہتا ہے، یہ نہیں کہ عصر کا وقت اصفرار شمس پر ختم ہو جائے، جیسا کہ بعض حضرات اس کے قائل ہیں، اگلے باب سے بھی اسی کی تائید ہو رہی ہے، نیز ساتھ ساتھ یہ بھی بتلا دیا کہ فجر کے وقت کی انتہا طلوع آفتاب پر ہوتی ہے، یعنی یہ وقت طلوع صبح صادق سے طلوع آفتاب تک ممتد ہے۔

صاحب منہل تحریر فرماتے ہیں کہ ترجمۃ الباب میں "الصلاۃ" کا الف لام عہد خارجی کا ہے اور مراد صرف فجر اور عصر کی نماز ہے جیسا کہ حدیث شریف کے الفاظ ہیں۔

تشریح حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث کتب ستہ کی روایت ہے، اور جو مضمون اس حدیث میں وارد ہوا ہے اس کو ادا کرنے کے لئے متعدد الفاظ استعمال کئے گئے، بعض روایات میں: "فَقَدْ أَدْرَكَ" بعض میں "فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهُ" بعض میں "فَلَمْ تَفُتْهُ" کہ اس کی نماز فوت نہیں ہوئی، بعض میں "فَلْيَصِلْ إِلَيْهَا أُخْرَى" کہ اس کے ساتھ دوسری رکعت ملائے، اور بعض میں "فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُه" کہ اس کی نماز پوری ہوگئی۔

شارحین لکھتے ہیں کہ اصل الفاظ "فَقَدْ أَدْرَكَ" ہی ہیں، بقیہ الفاظ روایت بالمعنی کے طور پر ہیں۔ (عمدۃ القاری ۴/۶۷)۔

اب "فَقَدْ أَدْرَكَ" کی تعبیر کو اصل قرار دیں تو حدیث کا ظاہری متبادر اور اولین مفہوم یہ ہے کہ جس شخص کو فجر یا عصر کی ایک بھی رکعت مل گئی تو اس کی نماز ہوگئی، یعنی بس یہی ایک رکعت کافی ہے بقیہ رکعات کو پڑھنے کی ضرورت نہیں، مگر اجماع ہے کہ یہ معنی مراد نہیں ہو سکتے اور یہ کسی کا مسلک نہیں ہے، اس لئے اس کے کچھ اور ہی معنی مراد لئے جائیں گے، لیکن اس کے غیر متبادر معنی کے مراد لینے میں فقہاء کرام کے درمیان زبردست اختلاف ہوگیا۔

حدیث کے معنی مرادی میں اختلاف

ائمہ ثلاثہ نے حدیث کے غیر متبادر معنی یہ مراد لئے کہ ایسا شخص اسی وقت نماز کو پورا کرلے اور طلوع وغروب کی پرواہ نہ کرے، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلوع وغروب کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے مگر یہ حضرات نہی کی روایت سے اس کا استثنار کر کے یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ مجبوری ایسی صورت میں ہے کہ ایک شخص بھول جائے یا سو جائے اور ایسے وقت میں متنبہ ہو کہ ایک رکعت کا وقت باقی ہو تو اس کو نماز اسی وقت پوری پڑھ لینی چاہئے۔

"فَقَدْ أَدْرَكَ" کے ان معنی کے رجحان کے لئے ان حضرات نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں پائے جانے والے اختلاف الفاظ سے بھی فائدہ اٹھایا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بیہقی نے دراوردی کی روایت سے حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے: "مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الصُّبْحِ ركعةً قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ وركعةً بَعْدَ أن تَطْلُعَ الشمسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ" اسی طرح بخاری میں دوسری جگہ یہی روایت ہے تو اس میں "فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهُ" کے الفاظ آئے ہیں، اس کا مفہوم بھی ابن حجرؒ یہی سمجھ رہے ہیں کہ نماز کو فوراً پورا کرلے۔ (فتح الباری ۲/۱۷)۔

اس کے برخلاف حنفیہ طلوع اور غروب کے وقت نماز سے ممانعت کی وجہ سے إدراك" کے یہ معنی مراد نہیں لیتے کہ نماز کو اسی وقت مکمل کرلیا جائے، کیوں کہ جب اس وقت نماز کی ممانعت ہے اور ممانعت کی روایات بھی بہت زیادہ قابل

اعتماد ہیں تو یقیناً ادارک کے ایسے معنی مراد لئے جائیں جو رویاتِ نہی سے متعارض نہ ہوں۔

امام طحاویؒ کی رائے

حضرت امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت ان بچوں کے بارے میں ہے جو طلوع وغروب سے قبل بالغ ہوجائیں، یا وہ حائضہ ونفساء جو ایسے وقت میں پاک ہوجائیں، یا وہ غیر مسلم جو ایسے وقت میں اسلام قبول کرلیں، یا وہ مجنون جو ایسے وقت میں ہوش مند اور مکلّف ہوجائیں، اس صورت میں یہ حکم ہوگا کہ ایسے لوگوں پر نماز واجب ہوگئی، اب وہ کسی غیر مکروہ وقت میں اس کی قضاء کرلیں، مگر امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ حنفیہ کے نزدیک مراد لئے گئے معنی پر اشکال ہوسکتا ہے کہ جن روایات میں: فَلْيُتِمَّ صَلَاتَه" یا "فَلْيَصِلْ إِلَيْهَا أُخرَى" کے الفاظ وارد ہوئے ہیں وہ ان ہی معنی کو ترجیح دیتے ہیں جو ائمہ ثلاثہ نے مراد لئے ہیں، مگر حنفیہ کی جانب سے جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جن روایات میں اوقات مکروہہ میں نماز سے ممانعت فرمائی ہے وہ تواتر کے درجہ میں ہیں اس لئے یہ کہنا چاہئے کہ "من أدرك" یا اس کے علاوہ دیگر الفاظ سے سمجھے جانے والی اباحت منسوخ معلوم ہوتی ہے، مگر شوافع جمع بین الروایات کے طور پر کہہ سکتے ہیں کہ نہی کی روایات کو نوافل کے ساتھ خاص کیا جائے اور فریضہ کے لئے "من أدرك" کی روایت کے پیش نظر اجازت دی جائے، مگر امام طحاویؒ اس پر اشکال یہ کرتے ہیں کہ فریضہ کی اجازت یوں نہیں معلوم ہوتی کہ لیلۃ التعریس میں رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر کو طلوع آفتاب کے وقت نہیں پڑھا بلکہ آفتاب کے بلند ہونے کے بعد نماز پڑھی، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اوقات مکروہہ میں ممانعت فرض اور نفل سب کے لئے عام ہے۔ (طحاوی ۱/۲/۲۷)۔

حضرت شیخ الہندؒ کی رائے

حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ جس شخص کو ایک رکعت طلوع یا غروب سے پہلے مل گئی اس کو وقت کی فضیلت حاصل ہوگئی، یعنی ایسے شخص کو یہ سوچ کر وقت نہ کھونا چاہئے کہ وہ نماز کو مکمل ادا نہیں کرسکتا بلکہ اس کو فضیلت وقت حاصل کرنے کے لئے نماز پڑھنی چاہئے، اور یہ کوشش کرنی چاہئے کہ وہ اسی ایک رکعت کے بقدر وقت میں آداب وسنن کو چھوڑ کر پوری نماز ادا کرلے، جیسا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں آتا ہے: کہ ایک مرتبہ فجر کی نماز میں یہ صورت پیش آگئی کہ وقت بہت تنگ رہ گیا تو انہوں نے قاضی ابویوسفؒ کو امام بنایا، قاضی ابویوسفؒ نے اسی تنگ وقت میں فجر کی دونوں رکعتیں پڑھا دیں، اس پر امام ابوحنیفہؒ نے قاضی ابویوسفؒ کی ہمت افزائی فرمائی، اور فرمایا: "صَارَ يَعْقُوبُنَا فَقِيهًا" کہ ہمارے یعقوب (ابویوسفؒ) فقیہ ہوگئے، ظاہر ہے کہ جلدی میں پڑھی گئی اس نماز میں کچھ ایسی چیزیں

ترک کرنی پڑی ہوں گی جن کے سبب نماز کا اعادہ ضروری ہو تو اعادہ بھی کیا ہوگا لیکن وقت کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے یہ صورت اختیار کی گئی۔

پھر اگر بالفرض ایک رکعت کے وقت میں پوری نماز مکمل نہ کرسکیں تب بھی نماز پڑھ لیں اور طلوع کے باوجود تحریمہ کو باطل نہ کرتے ہوئے نماز پوری کرلیں، فقہ حنفی کی کتابوں میں یہ جزئیہ صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ طلوع آفتاب کے سبب یہ نماز فرض نہ رہے گی نفل ہو جائے گی، پھر فرض کو دوسرے وقت میں ادا کرلیا جائے مگر فضیلتِ وقت انشاء اللہ فوت نہ ہوگی، نیز یہ کہ اگر اسی رکعت کو دوسری رکعت کے ساتھ ملا کر فریضہ ادا کرنا چاہیں تو امام ابو یوسفؒ کے اس قول پر عمل آسان ہے کہ ایک رکعت کے بعد نماز کے عمل کو موقوف کر کے وقت مکروہ گزرنے کا انتظار کریں اور جب وقت مکروہ ختم ہو جائے تو دوسری رکعت پڑھ لیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ احادیث ممانعت سے تعارض کی بنیاد پر ادراکِ صلاۃ کے یہ معنی مراد نہیں ہوسکتے کہ اس کو اسی وقت مکمل کریں، بلکہ فضیلت وقت کو حاصل کرنے کی تاکید مقصود ہے۔

روایت میں وارد دیگر تعبیرات

امام طحاویؒ اور شیخ الہندؒ کے بیان کردہ معنی پر حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں آنے والی مختلف تعبیرات کی بنیاد پر اشکال ہوتا ہے خصوصاً وہ روایات جن میں فَلْيُتِمّ کے الفاظ آئے ہیں، یا وہ روایات جن میں "ركعة قبل أن تطلع الشمس وركعةً بعد أن تطلع الشمس" کے الفاظ آئے ہیں۔

اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں اصل تعبیر تو "فَقَدْ أَدْرَكَ" ہی ہے بقیہ تعبیرات تو روایت بالمعنی کے طور پر معلوم ہوتی ہیں، دلیل یہ ہے کہ اس روایت کی دوسری راویہ حضرت عائشہؓ ہیں، اور ان کی روایت میں "فَقَدْ أَدْرَكَ" ہی ہے اور ادراک کے مختلف معانی ہیں ایک معنی احاطہ کے ہیں، جیسے قرآن میں ہے: "لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ" (نگاہیں اس کے احاطہ پر قادر نہیں اور وہ نگاہوں کا احاطہ کر لیتا ہے) اب ظاہر ہے کہ یہاں یہ معنی مراد نہیں ہوسکتے کیوں کہ یہ خلاف واقعہ ہے اس شخص نے نماز کا یا اس کے پورے وقت کا احاطہ نہیں کیا ہے اس کو تو صرف ایک حصہ ہاتھ آیا ہے، دوسرے معنی یہ ہیں کہ کسی چیز کو پکڑ لینا جیسے "لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ" (سورج کی یہ مجال نہیں کہ چاند کو پکڑ لے) یہاں یہی معنی مراد ہیں کیوں کہ اس شخص نے جاتے ہوئے وقت کو پکڑ لیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب "فقد أدرك" کے ایسے معنی مراد لینے کی مجبوری ہے جو اوقات مکروہہ میں روایات نہی سے متعارض نہ ہوں تو روایات میں آنے والی تمام تعبیرات کی توجیہ کی جاسکتی ہے، مثلاً: فَلْيُتِمّ کے معنی یہی تو ہوئے کہ وہ

نماز کو مکمل کرلے یعنی نماز کو ختم نہ کرے بلکہ جاری رکھے، اب پوری کی گئی یہ نماز فرض ہوگئی یا نفل؟ اس کا فیصلہ دوسری روایات کو سامنے رکھ کر کیا جائے گا، نسائی شریف میں ہے:

مَنْ أَدْرَكَ رَكعةً مِنْ صَلَاةٍ مِنَ الصَّلَوَاتِ فَقَدْ أَدْرَكَهَا إِلَّا أَنَّهُ يَقْضِي مَافَاتَهُ. (نسائی ۱/۹۵) جس کو کسی بھی نماز میں ایک رکعت مل گئی تو اس کو نماز مل گئی، مگر وہ فوت شدہ نماز کو قضا کرے گا۔

اسی طرح جن روایات میں رکعة قبل أن تطلع الشمس ورکعة بعد أن تطلع" کے الفاظ آئے ہیں ان میں بھی کہا جاسکتا ہے کہ ایک رکعت طلوع سے پہلے اور ایک رکعت طلوع کے بعد میں یہ صراحت نہیں ہے کہ یہ نماز فریضہ کے طور پر ادا ہوگئی، اس فیصلے کے لئے تو تمام روایات کو سامنے رکھنا ہوگا، اسی طرح جن روایات میں "فَلْيَصِلْ إِلَيْهَا أخرىٰ" کے الفاظ آئے ہیں ان کے بارے میں بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ نماز کو جاری رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے یہ صراحت نہیں کہ وہ اس نماز کو فریضہ کی ادائیگی بھی سمجھے۔

احناف کے بیان کردہ معنی کی وجوہ ترجیح

اب اس بات پر بھی غور کرلیا جائے کہ "فقد أدرك" کے ظاہری معنی کو چھوڑ کر ایک مراد تو شوافع وغیرہ ائمہ ثلاثہ نے بیان کی کہ نماز کو اسی وقت مکمل کرلے اور اس کو فریضہ کی ادائیگی سمجھے، اور ایک معنی احناف نے مراد لئے ہیں کہ اس کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو وقت کے آخری حصہ میں نماز کے اہل ہوگئے ہوں، یا اس کا تعلق فضیلتِ وقت کے حصول سے ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ درایت سے قطع نظر کرلیں تو محض روایت پر نظر کرکے ان دونوں میں سے کون سی بات راجح ہے تو واقعہ یہ ہے کہ "فقد أدرك" والی روایت اگرچہ صحیح ہے تمام کتابوں میں موجود ہے لیکن اس کو متواتر کا درجہ نہیں دیا جاسکتا، کیو ں کہ صحابہ کرام میں اس کے صرف دو راوی ہیں، ایک حضرت ابو ہریرہ ﷺ اور دوسری حضرت عائشہؓ جب کہ روایات نہی کی نوعیت یہ ہے کہ صحابۂ کرام میں اس کے راویوں کی تعداد دسیوں سے متجاوز ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ:

اوقاتِ مکروہہ پانچ ہیں، ۱ فجر کے بعد، ۲ عصر کے بعد، ۳ استواء کے وقت، ۴ طلوع کے وقت، ۵ غروب کے وقت، ان میں سے پہلے دو اوقات کے بارے میں نہی کی روایات تمام کتابوں میں موجود ہیں، ترمذی میں یہ روایت حضرت ابن عباس ﷺ سے "سَمِعْتُ غَيْرَ وَاحِدٍ مِنْ أَصْحَابِ النبي صلى الله عليه وسلم" کہہ کر دی گئی ہے پھر امام ترمذیؒ نے "وفي الباب عن عَلِيٍّ" کہہ کر انیس صحابہ کے نام شمار کرائے ہیں، جن میں ۱ حضرت علی، ۲ ابن مسعود، ۳ ابو سعید خدری، ۴ عقبہ بن عامر، ۵ ابو ہریرہ، ۶ ابن عمر، ۷ سمرہ بن جندب، ۸ سلمہ بن اکوع، ۹ زید بن ثابت، ۱۰ عبد اللہ بن عمرو، ۱۱ معاذ بن عفراء، ۱۲ عائشہؓ، ۱۳ کعب بن مرہ، ۱۴ ابو امامہ، ۱۵ عمرو بن عبسہ، ۱۶ صنابحی،

۱۷ یعلی بن امیہ، ۱۸ معاویہ، ۱۹ عمر بن خطاب ﷺ شامل ہیں۔ اس لئے اس روایت کے بارے میں امام طحاویؒ، ابن بطالؒ اور ان کے بعد متعدد فقہاء و محدثین نے تواتر کا دعویٰ کیا ہے، اسی طرح طلوع و غروب کے وقت نماز سے ممانعت کی روایات بھی تمام کتابوں میں موجود ہیں، اور راویوں میں ۱ ابن عمر، ۲ زید بن ثابت، ۳ عقبہ بن عامر، ۴ سمرہ بن جندب، ۵ عمر بن الخطاب، ۶ عبداللہ صنابحی، ۷ عمرو بن عبسہ، اور دیگر صحابۂ کرام ہیں، اس سلسلے کی روایات کے بارے میں امام طحاویؒ نے تواتر کی بات ارشاد فرمائی ہے۔ (طحاوی ۱/۲۷۳)۔

خلاصہ یہ ہوا کہ "من أدرك من الصلاة ركعة" والی روایت اگرچہ صحیح ہے مگر اس کے راوی صحابہ میں سے دو حضرات ہیں، جب کہ اوقات مکروہہ میں نماز سے ممانعت کی روایات اتنے صحابہ کرام سے آ رہی ہیں کہ ان کو تواتر کا درجہ دیا گیا ہے، اس لیے محض روایات پر نظر کرتے ہوئے ممانعت کی روایات کو ترجیح ہونی چاہئے۔

ممانعت کی روایات کی ترجیح کے لیے اصولی طور پر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ "من أدرك" والی روایت اباحت سے متعلق ہیں اور اباحت و حظر میں تعارض ہو تو روایات حظر کو ترجیح دی جائے گی۔ (عمدۃ القاری ۴/۶۹)۔

نیز روایات ممانعت کو ترجیح اس لئے بھی ہونی چاہئے کہ اگر اباحت کو ترجیح دی گئی اور داؤد ظاہری کی طرح احادیث نہی کو "من أدرك" سے منسوخ مانا گیا تو نسخ دو بار ماننا ضروری ہوگا کہ پہلے اجازت دی تھی پھر ممانعت کی گئی پھر اجازت دی گئی اور ظاہر ہے کہ یہ صورت نامناسب ہے۔

فجر اور عصر کے درمیان فرق کی وجہ

بہر حال "من أدرك" کی روایات نہی کے پیش نظر فجر اور عصر کی نماز کو طلوع و غروب کے باوجود فوراً مکمل کر لینے کی بات ثابت نہیں ہوتی، لیکن اب مسئلہ یہ رہ جاتا ہے کہ پھر حنفیہ نے عصر اور فجر کے درمیان فرق کیوں کیا؟ کیوں کہ فقہ حنفی میں یہ مسئلہ مصرح ہے کہ اگر فجر کی نماز کے درمیان سورج طلوع ہو جائے تو فجر کو پورا کرنے کی اجازت نہیں، اور عصر کی نماز میں غروب ہو جائے تو اس کو پورا کر لیا جائے، گویا حنفیہ نے "من أدرك" والی روایت پر عصر کے سلسلے میں عمل کیا اور فجر کے سلسلے میں ترک کر دیا یہ تو عمل ببعض الحدیث ہوا؟

بظاہر یہ اشکال قوی معلوم ہوتا ہے اور بہت سے علماء نے حنفیہ پر یہاں روایت کے مقابل قیاس پر عمل کرنے کا الزام بھی عائد کیا ہے، مگر مسئلہ کی گہرائی میں جا کر معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت یہ نہیں ہے کیوں کہ ہم احناف تو یہ سمجھ رہے ہیں کہ روایات نہی کے پیش نظر "من أدرك" کا تعلق طلوع و غروب کے وقت کی نماز سے ہے ہی نہیں، بلکہ امام طحاویؒ کی وضاحت کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ جو ان اوقات میں نماز کا اہل ہو جائے تو اس کے ذمہ نماز فرض ہو جاتی ہے، اور حضرت شیخ

الہندؒ کے ذوق کے مطابق اس روایت کا تعلق فضیلت وقت کو حاصل کرنے کی تاکید سے ہے، بہر صورت یہ روایت طلوع وغروب کے وقت نماز کی تکمیل سے متعلق نہیں ہے، لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ احناف نے نص کے ہوتے ہوئے قیاس کیا ہے، بلکہ ایک غیر منصوص اجتہادی مسئلہ میں قیاس کیا جا رہا ہے، اور وہ قیاس یہ ہے کہ:

وقت نماز کے لئے سبب ہے اور ظاہر ہے کہ پورے وقت کو سبب قرار نہیں دیا جا سکتا، کیوں کہ پورے وقت کو اگر سبب قرار دیں تو نماز پورا وقت گزرنے کے بعد ہونی چاہئے اور ایسی صورت میں نماز اندرون وقت نہ ہو سکے گی، جس کا غلط ہونا ظاہر ہے، اس لئے ضروری ہے کہ وقت کے جزء اول کو نماز کا سبب قرار دیں، کیوں کہ اس کا کوئی مزاحم نہیں ہے اس لئے جس نے نماز اول وقت میں ادا کر لی اس کی نماز ہو گئی اور اگر جزء اول میں نماز ادا نہ کر سکا تو سببیت جزء اول سے جزء ثانی کی طرف منتقل ہو جائے گی، اگر اس میں بھی ادا نہیں کی تو اسی طرح وہ جزء ثالث، رابع ..... آخر تک منتقل ہوتی رہے گی، یہاں تک کہ وقت کے اس آخری حصہ سے سببیت متعلق ہو جائے گی جس کے بعد کوئی حصہ نہیں ہے، اب یہ دیکھا جائے کہ وقت کا جو حصہ سبب کے لئے معین ہوا ہے اس کی حالت کیا ہے؟ ناقص ہے یا کامل؟ اس کے وصف نقصان وکمال کے اعتبار سے حکم لگایا جائے گا، ہم نے دیکھا کہ فجر کا وقت طلوع فجر سے طلوع شمس تک کامل ہے، اس لئے وہاں وقت کے ہر حصہ میں نماز کا وجوب بصفتِ کمال ہوگا اور ادائیگی کے لئے صفت کمال کا ہونا ضروری سمجھا جائے گا، اب اگر وقت کامل میں شروع کیا اور پھر درمیان صلاۃ سورج طلوع ہو گیا تو نقصان پیدا ہوگا، گویا نماز واجب ہوئی تھی بصفتِ کمال اور ادا ہوئی ناقص، اس لئے اس کو درست نہیں کہا جا سکتا، البتہ عصر کا معاملہ اس سے مختلف ہے، کہ اس کا وقت اول سے آخر تک صفتِ کمال کے ساتھ متصف نہیں ہے، بلکہ جب سورج اصفرار کی حالت میں آ جاتا ہے تو وقت میں نقصان آ جاتا ہے، اور جس قدر غروب قریب ہو جائے گا نقصان بڑھتا جائے گا، اب اگر ایسا ہوا کہ کسی شخص نے بالکل آخری وقت میں نماز شروع کی تو نماز کا وجوب ہی بصفتِ نقصان ہوا، ایسی نماز ادا بھی بصفتِ نقصان ہو سکتی ہے، بلکہ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ وقت میں نقصان اصفرار کے سبب تھا، غروب کے بعد وقت اگرچہ قضاء کا ہے، مگر نقصان اور کراہت سے خالی ہے، اس لئے اس نماز کو تو ادا ہی ہونا چاہئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام اعظمؒ کا اجتہاد نص کے ہوتے ہوئے نہیں ہے کیوں کہ "من أدرك" والی روایت کا تعلق طلوع وغروب کے وقت کی نماز سے ہے ہی نہیں، اس لئے یہاں ایک غیر منصوص مسئلے میں قیاس سے کام لیا گیا ہے، حدیث باب تو عصر وفجر کے ساتھ خاص ہے ہی نہیں بلکہ پانچوں نمازوں کا یہی حکم ہے کیونکہ یہی حدیث عصر اور فجر کی تخصیص کے بغیر بھی آئی ہے چنانچہ بخاری شریف "باب المواقيت باب من ادرك من الصلاة ركعة" میں ہے: "من أدرك ركعة من الصلاة فقد أدرك الصلاة" اور فجر وعصر کے اوقات کا خروج چوں کہ بہت زیادہ نمایاں ہے اس لئے خاص طور سے ان کو

ذکر کر دیا گیا ہے۔ (ایضاح البخاری ۴/۲۲ تا ۳۱)۔

خلاصۂ بحث

متعدد شروحات میں یہ بحث متعدد اسالیب میں بیان کی گئی ہے، ہماری اس بحث کا خلاصہ یہ ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں اصل الفاظ تو "فقد أدرك" ہیں، اگرچہ دیگر الفاظ وتعبیرات میں بھی حنفیہ کے مسلک کے مطابق معقول توجیہ ممکن ہے پھر یہ کہ "فقد ادرك" کے حقیقی معنی مراد لینا کہ وہ ایک ہی رکعت پر اکتفاء کر لے بالا جماع درست نہیں، اس لئے اس کے دیگر معانی مراد لئے گئے ہیں، ائمہ ثلاثہ نے یہ معنی مراد لئے کہ وہ اسی وقت نماز کو پورا کر لے، مگر حنفیہ نے روایات نہی سے تعارض کی بنیاد پر یہ معنی مراد لئے کہ ایسے شخص نے وقت پالیا یا نماز کا حکم پالیا، یا فضیلت وقت حاصل ہوگئی، یا اس کو حقیقت صلاۃ حاصل ہوگئی، کیوں کہ حقیقت صلاۃ تو ایک ہی رکعت ہے باقی تو اس عمل کا تکرار ہے۔

ترجمۃ الباب سے مناسبت

ترجمۃ الباب کا مقصد یہ بیان کرنا تھا کہ عصر کا وقت غروب آفتاب تک ممتد رہتا ہے اصفرار پر ختم نہیں ہوتا ہے، سو وہ ثابت ہوگیا، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے غروب آفتاب سے قبل ایک رکعت کو پالیا اس نے نماز کو پالیا اور نماز کا پانا وقت کے پانے پر موقوف ہے۔

لیکن اس سے یہ بھی نہ سمجھنا چاہئے کہ وقت اصفرار بھی کامل وقت ہے اور اسی میں نماز پڑھے، بلکہ وقت اصفرار مکروہ وقت ہے، اس بات کو ثابت کرنے کے لئے اگلا باب قائم کر رہے ہیں۔

﴿باب التشديد في تاخير العصر إلى الإصفرار﴾

سورج کے زرد ہونے تک عصر کو مؤخر کرنے کی وعید کا بیان

۴۱۴ ﴿حَدَّثَنَا القَعْنَبِيُّ عن مالِكٍ عن الْعَلَاءِ بنِ عَبْدِالرحمن أَنَّهُ قَالَ : دَخَلْنَا عَلَى أَنَسِ بنِ مَالِكٍ بَعْدَ الظُّهْرِ فَقَامَ يُصَلِّي الْعَصْرَ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ صَلَاتِه ذَكَرْنَا تَعْجِيلَ الصَّلَاةِ أو ذكرها فقال : سَمِعْتُ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ : تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِيْنَ ، تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِيْنَ ، تِلكَ صَلَاةُ المُنافِقِيْنَ ، يَجْلِسُ أَحَدُهم حتّى إذا

اصْفَرَّتِ الشَّمْسُ فَكَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ، أَوْ عَلَى قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَنَقَرَ أَرْبَعًا لَا يَذْكُرُ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا. ﴾

أخرجه مسلم في "صحيحه" في المساجد، باب: استحباب التبكير بالعصر (٤١١) وأخرجه الترمذي في "جامعه" في كتاب: الصلاة، باب: ما جاء في تعجيل العصر (١٦٠) وأخرجه النسائي في "المجتبى" في كتاب: المواقيت، باب: التشديد في تأخير العصر (٥١٠). انظر "تحفة الأشراف" (١١٢٢).

قال الخطابي: قوله: "كانت بين قرني الشيطان": اختلفوا في تأويله على وجوه: فقال قائل: معناه مقارنة الشيطان للشمس عند دنوها للغروب على معنى ما روي أن الشيطان يقارنها إذا طلعت فإذا ارتفعت فارقها، فإذا استوت قارنها فإذا زالت فارقها، فإذا دنت للغروب قارنها فإذا غربت فارقها، فحرمت الصلاة في هذه الأوقات الثلاثة لذلك. وقيل: معنى قرن الشيطان قوته، لأن الشيطان إنما يقوى أمره في هذه الأوقات وقيل: قرنه حزبه وأصحابه الذين يعبدون الشمس. وقيل: هذا تمثيل وتشبيه وذلك أن تأخير الصلاة إنما هو تسويل الشيطان لهم وتزيينه ذلك في قلوبهم، وقيل غير ذلك. انظر "معالم السنن" ١١٢/١.

ترجمہ : علاء بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ ہم ظہر پڑھ کر حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس گئے وہ عصر پڑھنے کو کھڑے ہو گئے، جب نماز سے فارغ ہوئے تو ہم نے نماز کو جلدی پڑھنے کا تذکرہ کیا یا انہوں نے ذکر کیا، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ فرماتے تھے کہ یہ (اخیر وقت میں پڑھی جانے والی نماز) منافق کی نماز ہے، یہ منافق کی نماز ہے، ان میں سے کوئی آدمی بیٹھا رہتا ہے، جب آفتاب زرد ہونے لگے اور شیطان کی دونوں چوٹیوں کے بیچ میں آجائے، یا اس کی چوٹیوں پر ہو، اس وقت (نماز پڑھنے کو) اٹھا اور چار ٹھونگیں لگالیں، اس میں اللہ کا ذکر بس تھوڑا ہی سا کرتا ہے۔

تشریح مع تحقیق : یہ حدیث ترمذی شریف میں بھی ہے، انہوں نے اس سے تعجیل عصر پر استدلال کیا ہے، اور مصنف ؒ نے یہاں اس سے تاخیر عصر کی کراہت پر استدلال کیا ہے، لیکن ہم کہتے ہیں کہ حدیث میں جس تاخیر کی ممانعت ہے وہ اصفرار تک کی ہے۔

ترمذی میں یہ روایت ذرا وضاحت کے ساتھ ہے اس میں ہے کہ علاء بن عبدالرحمٰن مسجد میں ظہر با جماعت پڑھ کر حدیث پڑھنے کی غرض سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر گئے، اس وقت حضرت انس بصرہ میں مقیم تھے، اور ان کا گھر مسجد سے متصل تھا، مگر وہ پڑھانے کی وجہ سے گھر ہی میں نماز پڑھتے تھے، جب علاء اور دیگر تلامذہ نے حدیث بیان کرنے کی درخواست کی تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آؤ پہلے نماز پڑھ لیں، چنانچہ سب نے با جماعت عصر کی نماز پڑھی، (معلوم ہوا کہ مسجد میں نماز ظہر غیر معمولی تاخیر سے ہوئی تھی) نماز سے فراغت کے بعد حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ منافق کی نماز ہے کہ آدمی بیٹھا سورج دیکھتا رہے (یا گھڑی دیکھتا رہے) یہاں تک کہ جب سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان پہنچ جائے تو اٹھے اور جلدی جلدی چار ٹھونگیں مار لے، یعنی اتنے مختصر سجدے کرے کہ چار

رکعت میں جو آٹھ سجدے ہیں وہ سرسری نظر میں چار ہی محسوس ہوں، اور نماز میں برائے نام ذکر اللہ کرے۔

قوله : حتى إذا كان بين قرني الشيطان: یہاں اس سے مراد اصفرار شمس کے بعد کا وقت ہے، طلوع وغروب کے وقت سورج کا اس کے دو سینگوں کے درمیان ہونا متعدد احادیث سے ثابت ہے، بعض حضرات نے اسے تمثیل اور مجاز پر محمول کیا ہے، اور حدیث کا مطلب انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ اس سے مراد شیطان کا غلبہ اور تسلط ہے، اور طلوع وغروب کے وقت کی خصوصیت یہ ہے کہ سورج پرست کفار ان اوقات میں سورج کی عبادت کرتے ہیں، اسی لئے ان اوقات میں نماز پڑھنا عبادتِ شیطان کے مترادف ہے۔

علامہ خطابیؒ نے بھی فرمایا ہے کہ یہ ایک مجازی تعبیر ہے، اور مطلب یہ ہے کہ جو لوگ نماز کو اس وقت تک مؤخر کر دیں وہ گویا شیطان کے آلۂ کار ہیں اور شیطان نے اپنے سینگوں سے ان کو وقت مستحب میں نماز پڑھنے سے روک رکھا۔

لیکن اکثر علماء نے اسے حقیقت پر محمول کیا ہے کہ شیطان واقعۃً طلوع اور غروب کے وقت سورج کو اپنے سینگوں کے درمیان لے لیتا ہے، تا کہ سورج پرستوں کی عبادت میں خود شامل ہو جائے، اس پر اشکال ہوتا ہے کہ دنیا میں ہر وقت سورج کہیں نہ کہیں غروب ہوتا رہتا ہے لہٰذا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ شیطان ہر وقت سورج کو بین القرنین لئے رہتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان بے شمار ہیں اور یہ ممکن ہے کہ ہر مطلع کے لئے الگ شیطان ہو، لہٰذا کوئی اشکال نہیں۔ (حاشیہ ۱/۶۰)

فقہ الحدیث

یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں ہے کیوں کہ اس میں نماز عصر کو اصفرار شمس تک مؤخر کرنے کو ناپسند کیا گیا ہے، اور اس کو منافق کی نماز قرار دیا گیا ہے اور حنفیہ بھی اتنی تاخیر کے قائل نہیں، وہ بھی اس کو مکروہ تحریمی کہتے ہیں، احناف کے نزدیک وقت ہونے کے بعد تھوڑی تاخیر مستحب ہے، نیز حضرت انس ﷺ کا فعل بھی حنفیہ کے خلاف نہیں کیونکہ انہوں نے عصر کی نماز گھر میں پڑھی، اور حنفیہ نے تاخیر کی بات مسجد الجماعت میں کہی ہے۔

❁ ❁ ❁

﴿بابُ التَّشْدِيدِ في الذِي تفُوتُهُ صَلاةُ العَصْرِ﴾

اس شخص کے لئے وعید کا بیان جس سے عصر کی نماز چھوٹ جائے

۴۱۴ ﴿حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰه بنُ مَسْلَمَةَ عن مالِكٍ عن نَافِعٍ عن ابن عُمَرَ أنَّ رسولَ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: الذي تَفُوتُهُ صَلاةُ العَصْرِ فَكَأنَّمَا وُتِرَ أَهْلُه ومَالُه.

قال أبو داؤدَ: وقال عُبَيْدُ اللّٰه بنُ عُمَرَ أُتِرَ، واختُلِفَ عَلٰى أيُّوبَ فيه، وقال الزهري عن سَالِمٍ عن أبِيْهِ عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: وُتِرَ.﴾

أخرجه البخاري في "صحيحه" في كتاب مواقيت الصلاة، باب: إثم من فاته العصر (٥٥٢) وأخرجه مسلم في "صحيحه" في المساجد، باب: التغليظ في تفويت صلاة العصر (٦١٦/١٠٤). انظر "تحفة الأشراف" (٨٣٤٥).

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کی عصر کی نماز فوت (قضا) ہوگئی تو گویا اس کا گھربار، مال ومتاع سب لٹ گیا۔

امام ابوداؤد نے فرمایا: عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے (بجائے وُتِرَ کے) أُتِرَ کہا، اور ایوب پر اس (لفظ وُتِرَ کے نقل کرنے) میں اختلاف ہے، اور زہری نے سالم عن أبيه عن النبي صلى الله عليه وسلم کے طریق سے (اس لفظ کو) وُتِرَ نقل کیا ہے۔

تشریح مع تحقیق: سنن ابوداؤد کے بعض نسخوں میں یہ ترجمۃ الباب نہیں ہے لیکن یہاں پر اس کا ہونا ہی زیادہ صحیح ہے، امام بخاریؒ نے بھی اس حدیث کو اپنی صحیح میں نقل کیا ہے اور اس پر ترجمۃ الباب قائم کیا ہے: "باب اثم من فاتته صلاة العصر" حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فوات کے معنی لکھے ہیں: نماز عصر کو کسی عذر کے بغیر وقتِ جواز سے مؤخر کرنا، کیوں کہ گناہ اور اس پر وعید کا ترتب اسی وقت ہوگا جب کوئی شرعی عذر نہ ہو۔ (فتح الباری ۳۸/۲)

قوله: "فكأنما وُتِرَ أَهْلُه ومَالُه": "أهله وماله" کو رفع اور نصب دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے، رفع نائب فاعل ہونے کی بنا پر ہے، کیونکہ وَتَرَ متعدی بیک مفعول بھی ہوتا ہے، اور نصب مفعولِ ثانی ہونے کی بنیاد پر ہے، اس لئے کہ "وَتَرَ" متعدی بدو مفعول بھی استعمال ہوتا ہے، اس صورت میں نائب فاعل "وتر" کی ضمیر مستتر ہوگی جو راجع ہے "الذي" کی طرف۔

وَتَرَ اصل میں باب ضَرَبَ سے آتا ہے کبھی متعدی بیک مفعول ہوتا ہے اور کبھی متعدی بدو مفعول ہوتا ہے، متعدی

بیک مفعول جیسے: وَتَرَ فُلَانٌ فُلَانًا: تکلیف پہنچانا، ستانا، اور متعدی بدو مفعول جیسے: وَتَرَ فُلَانٌ فُلَانًا حَقَّهُ وَمَالَهُ: یعنی گھٹانا، کم کرنا، یعنی فلاں نے فلاں کا حق یا مال گھٹا دیا۔

مطلب حدیث پاک کا یہ ہے: کہ جس کی عصر کی نماز فوت ہوگئی تو یہ سمجھنا چاہئے کہ اس کا مال واسباب، اس کے اہل وعیال برباد ہوگئے یعنی ایسے شخص کی طبیعت پر اتنا اثر ہونا چاہئے کہ جتنا اہل وعیال اور مال واسباب کی بربادی پر ہوتا ہے، اس کو سمجھنا چاہئے کہ عصر کی نماز فوت ہوگئی سب کچھ فوت ہو گیا۔

روایت میں مال واہل وعیال کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ نماز فوت ہونے کا بالعموم سبب یہی دو چیزیں ہیں، اور عصر کا وقت ایسا وقت ہے کہ اس میں کاری گر، تاجر اور کاشتکار سب ہی لوگ زیادہ مشغول رہتے ہیں، اب رہا یہ سوال کہ اہل وعیال کی خدمت اور مال ومتاع کے حصول کے سبب نماز کے فوت ہونے کا گناہ تو سب ہی نمازوں میں ہے پھر عصر کی کیا خصوصیت ہے؟

اس کا جواب ابن عبد البرؒ نے یہ دیا کہ اس سلسلے میں سب نمازیں برابر ہیں، مگر عصر کی نماز کا خصوصی ذکر اس لئے کیا گیا کہ شاید سائل نے عصر ہی کے بارے میں سوال کیا ہوگا، لیکن اس پر علامہ نوویؒ نے تعاقب کیا ہے کہ ابن عبد البر کی وضاحت تو منصوص کو غیر منصوص سے ملانے کے مرادف ہے، جب کہ اس کے لئے علت کا اشتراک ضروری ہوتا ہے، اور یہاں ایسا نہیں ہے۔ (شرح مسلم ۱/۲۲۶)۔

اصل یہ ہے کہ یہ وعید عصر ہی کے ساتھ خاص ہے کیونکہ عصر کی نماز کی اہمیت کے بارے میں ایسی متعدد باتیں مذکور ہیں جو اور نمازوں کے سلسلہ میں نہیں، مثلاً مسند احمد (۳۹۷/۶) میں ایک روایت ہے:

إنَّ هٰذِهِ الصلاة فرضت علی من کان قبلکم فتوانوا فیها وترکوها فمن صَلَّاها منکم ضعف له أجره ضعفین. (مسند احمد ۳۹۷/۶)۔ یہ نماز عصر تم سے پچھلی امتوں پر بھی فرض کی گئی تھی لیکن انہوں نے تن آسانی کا ثبوت دیا اور اس کو چھوڑ دیا اس لئے تم میں سے جو اس کو پڑھے گا اس کو دہرا اجر دیا جائے گا۔

معلوم ہوا کہ یہ نماز بعض پچھلی امتوں پر بھی فرض کی گئی تھی اور وہ اس کی پابندی نہ کرنے کے سبب معتوب ہوئے اس لئے مسلمانوں کو بطور خاص اس کی پابندی کرنے کا حکم دیا گیا، اسی طرح اس نماز کو "الصلاۃ الوسطی" کہہ کر بھی اس کی اہمیت ظاہر کی گئی ہے، علامہ عینیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ ہمیں اس سلسلے میں بحث ہی نہیں کرنی چاہئے کہ عصر ہی کی یہ خصوصیت کیوں ہے؟ اللہ تعالیٰ جس نماز کو چاہے خصوصیت اور فضیلت عطا فرمادے اور رسول اللہ ﷺ جس نماز کے سلسلے میں جو خصوصیت بیان فرمائیں وہ سب چوں وچرا کے بغیر قابل قبول ہے۔ (عمدۃ القاری ۵۵/۴)۔

علامہ ابن عبد البرؒ نے اس حدیث کا ایک دوسرا مطلب بھی بیان کیا ہے کہ اسلامی حکومت میں جب کوئی قتل ہو جائے

تو مقتول کے ورثاء کو قصاص و دیت میں کوئی ایک ضرور ملتا ہے، پس اگر کوئی شخص مارا جائے اور مقتول کے ورثاء کو نہ قصاص ملے نہ دیت تو خون رائگاں گیا، اور اس کو بہت افسوس ہوگا، اب یہ نقصان اور افسوس جتنا بھاری ہے اتنا ہی بڑا نقصان عصر فوت ہونے کا ہے۔ (المنہل ۳۳۶/۳)۔

قوله : قال أبو داؤد : "قال عبيد الله بنُ عمر أُتِرَ" یہاں سے مصنفؒ نافع کے تلامذہ کا اختلاف ذکر کر رہے ہیں، اوپر نافع کے شاگرد مالک آئے تھے اور یہاں عبید اللہ بن نافع ہیں، دونوں کی روایت میں فرق یہ ہے کہ مالک نے تو نافع سے لفظ "وُتِرَ" بالواو نقل کیا، اور عبید اللہ نے بجائے وُتِرَ کے "أُتِرَ" ہمزہ کے ساتھ نقل کیا۔

قوله : "واختلف على أيوب فيه" ایوب نافع کے تیسرے شاگرد ہیں اب مصنفؒ کہہ رہے ہیں کہ ایوب کے تلامذہ ایوب سے روایت کرنے میں مختلف ہیں، بعض نے ان سے وُتِرَ اور بعض نے "أُتِرَ" نقل کیا ہے، اب یہ کہ ایوب کی روایت کہاں ہے؟ شراح اس کے بتانے سے معذرت کر رہے ہیں۔

قوله : "وقال الزهري عن سَالِمٍ عن أبيه" : اس تعلیق کو لانے کا مقصد "وُتِرَ" بالواو والی روایت کو ترجیح دینا ہے، اس لئے کہ اکثر حفاظ اسی طرح نقل کرتے ہیں، یہ تعلیق مسلم شریف میں موصولاً ہے۔

۴۱۵ ﴿حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بنُ خَالِدٍ نا الْوَلِيدُ قال : قال ابو عَمْرٍو يعني الأوزاعِيَّ وذٰلِكَ أَنْ تَرَى مَا عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الشَّمْسِ صَفْرَاءَ.﴾

تفرد به أبو داود انظر "تحفة الأشراف" (١٨٩٦٥).

ترجمه : محمود بن ولید نے بواسطہ ولید نقل کیا ہے کہ ابو عمرو اوزاعیؒ نے فرمایا: عصر کی تاخیر یہ ہے کہ دھوپ زرد ہو جائے۔

تشریح مع تحقیق : مصنفؒ اس اثر کو لا کر صلاۃ عصر کے فوت ہونے کا مطلب بیان کر رہے ہیں کہ اوزاعیؒ کے نزدیک عصر کے فوت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سورج زرد ہو جائے، یعنی وقت مستحب گزر جائے اور وقت مکروہ شروع ہو جائے۔

ہم شروع میں بیان کر چکے ہیں کہ حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک فوات عصر سے مراد نماز عصر کو کسی عذر کے بغیر وقتِ جواز سے مؤخر کرنا ہے، البتہ مہلبؒ کی رائے یہ ہے کہ فوات عصر سے مراد ترک جماعت ہے۔ (المنہل ۳۳۹/۳)۔

❁ ❁ ❁

﴿بابٌ في وقت المغرب﴾

مغرب کے وقت کا بیان

۴۱۶ ﴿حَدَّثَنَا دَاوُدُ بنُ شَبِيبٍ ثَنَا حَمَّادٌ عَنْ ثَابتِ الْبُنَانِيِّ عَنْ أَنَس بن مَالِكٍ قَالَ : كُنَّا نُصَلِّي الْمَغْرِبَ مَعَ النبيِّ صلى الله عليه وسلم ثُمَّ نَرْمِي فَيَرَي أَحَدُنَا مَوْضِعَ نَبْلِهِ.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (٣٧٤).

ترجمه : حضرت انس ﷜ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم مغرب کی نماز حضور اکرم ﷺ کے ساتھ پڑھتے تھے، پھر تیر پھینکتے تھے تو ہم کو تیر گرنے کی جگہ دکھتی تھی۔

تشریح مع تحقیق : النَبْلُ : بفتح النون وسكون الباء بمعنی تیر، بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کا واحد نہیں آتا، اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا واحد نبلة آتا ہے۔

مصنف مغرب کے وقت مستحب کو بیان فرما رہے ہیں کہ وقت مغرب میں حضور ﷺ کا معمول تعجیل ہی کا تھا، اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ مغرب میں تعجیل ہی افضل ہے، اگر کوئی شخص مغرب کی نماز کو اشتباکِ نجوم تک مؤخر کرے گا تو کراہت آجائے گی۔

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ مغرب کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ صحابہ میں سے کوئی ایک نماز پڑھ کر لوٹتا تو اس کو اپنے تیر گرنے کی جگہ نظر آتی تھی، یعنی آپ ﷺ غروب کے فوراً بعد مغرب پڑھتے تھے، ایک روایت جو حضرت رافع ﷜ سے مروی ہے اس میں ہے کہ نماز سے فراغت کے بعد روشنی برقرار رہتی تھی، حضرت علی بن ہلال لیثی ﷜ فرماتے ہیں کہ میں نے انصار مدینہ کے ساتھ نماز پڑھی تو انہوں نے نماز کے بعد بتایا:

كانوا يصلون المغرب مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم ينطلقون يترامون لا يخفى عليهم مواقع سهامهم حتى يأتون ديارهم في اقصى المدينة . (مسند احمد ٣٦/٤).	وہ لوگ مغرب کی نماز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑھ کر نکلتے تیر اندازی کرتے تو ان پر تیروں کے گرنے کی جگہ پوشیدہ نہ رہتی، حتی کہ وہ اقصائے مدینہ میں اپنے گھروں تک پہنچ جاتے۔

اسی طرح نسائی شریف کی ایک روایت میں ہے:

عن رجل من أسلم أنهم كانوا يصلون مع النبي صلى الله عليه وسلم المغرب ثم يرجعون إلى أهليهم إلى أقصى المدينة ثم يرمون، فيبصرون مواقع نبلهم. (نسائی باب تعجیل المغرب ۹۰/۱).

قبیلۂ اسلم کے ایک صحابی سے روایت ہے کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھتے، پھر اقصائے مدینہ میں اپنے گھر لوٹ جاتے پھر تیر اندازی کرتے تو اپنے تیر گرنے کی جگہ کو دیکھ لیتے۔

گویا مغرب کے بعد فاصلہ طے کر کے بھی اتنی روشنی رہتی تھی کہ تیر گرنے کی جگہ نظر آئے، اس روایت سے بشرطِ انصاف اس روایت کے معنی سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے جس میں یہ ہے کہ وہ عصر کی نماز پڑھ کر تغیر آفتاب سے پہلے اقصائے مدینہ میں واقع اپنے گھروں تک پہنچنے میں زیادہ وقت نہ لگتا تھا، حد یہ ہے کہ غروب کے بعد نماز پڑھتے اور پھر اتنی روشنی میں گھر پہنچ جاتے کہ تیر گرنے کی جگہ نظر آتی۔

صاحب منہل لکھتے ہیں کہ تعجیل ہی کی وجہ سے آپ ﷺ مغرب میں قصار مفصل سورتیں پڑھتے تھے، گاہے گاہے سورہ اعراف یا سورہ صافات وغیرہ بھی پڑھ لیا کرتے تھے۔ (فتح الباری ۵۲/۲، ایضاح البخاری ۴۵۱/۳)۔

۴۱۷ ﴿حَدَّثَنَا عمرو بنُ عَلِيٍّ عَنْ صَفْوَانَ بنِ عِيسٰى عَنْ يَزِيْدَ بنِ أبي عُبَيْدٍ عن سَلَمَةَ بنِ الأَكْوَعِ قال : كَانَ النبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّي الْمَغْرِبَ سَاعَةَ تَغْرُبُ الشَّمْسُ إذَا غَابَ حَاجِبُهَا.﴾

أخرجه البخاري في "صحيحه" في كتاب مواقيت الصلاة، باب: وقت المغرب (٥٦١) وأخرجه مسلم في "صحيحه" في كتاب المساجد، باب: بيان أن أول وقت المغرب عند غروب الشمس (١٤٣٨) وأخرجه الترمذي في "جامعه" في كتاب: الصلاة، باب: ما جاء في وقت المغرب (١٦٤) وأخرجه ابن ماجه في "سننه" في كتاب الصلاة، باب: وقت صلاة المغرب (٦٨٨). انظر "تحفة الأشراف" (٤٥٣٥).

ترجمہ : حضرت سلمہ بن اکوع ؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ مغرب کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جب سورج کا اوپر کا کنارہ چھپ جاتا تھا۔

تشریح مع تحقیق : قوله : سَاعَةَ تَغْرُبُ الخ : سَاعَةُ ظرف زمان ہے جو مضاف ہے جملہ کی طرف أي "حِينَ تَغْرُبُ الشَّمْسُ" اور "إذَا غاب حاجبها" بدل ہے "ساعة تغرب" سے اور حَاجِب کے معنی ہیں سورج کا اوپر کا کنارہ۔

مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ مغرب کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جب سورج کا بالائی سرا اور کنارہ نظروں سے غائب ہو جاتا یعنی جب سورج کی ٹکیہ پوری غائب ہو جاتی گویا کامل غروب کے بعد فوراً ہی پڑھتے تھے، یہ روایت بھی تعجیل مغرب

کی دلیل ہے۔

۴۱۸ ﴿حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰه بنُ عُمَرَ نَا يَزِيْدُ بنُ زُرَيْعٍ نَا محمد بنُ إسحاقَ حدثني يزيد بنُ أبي حَبِيْبٍ عَنْ مَرْثَدِ بنِ عبدالله قال : قَدِمَ عَلَيْنَا أبو أَيُّوب غَازِيًا وعُقْبَةُ بنُ عَامِرٍ يَوْمَئِذٍ عَلٰى مِصْرَ ، فَأَخَّرَ الْمَغْرِبَ فَقَامَ إِلَيْهِ أبُوْ أَيُّوْبَ فَقَالَ : مَا هٰذِهِ الصَّلَاةُ يا عُقْبَةُ ؟ قال : شُغِلْنَا ، قال : أَمَا سَمِعْتَ رسولَ اللّٰه صلى الله عليه وسلم يقول : لَا تَزَالُ أُمَّتِي بِخَيْرٍ -أو قال : عَلَى الْفِطْرَةِ- مَالَمْ يُؤَخِّرُوْا الْمَغْرِبَ إِلٰى أَنْ تَشْتَبِكَ النُّجُوْمُ.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (٣٤٨٨).

ترجمہ : مرثد بن عبداللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوایوب انصاری ﷺ ہمارے پاس (مصر میں) ''جہاد کے قصد سے'' آئے اور عقبہ بن عامر ﷺ ان دنوں (۴۷ھ میں امیر معاویہ ﷺ کی طرف سے) مصر کے حاکم تھے، انہوں نے مغرب میں دیر کی تو حضرت ابوایوب انصاری ﷺ (عقبہ بن عامر کی اس تاخیر پر ناراض ہوتے ہوئے) کھڑے ہوئے اور فرمایا: بھلا یہ کیا نماز ہے؟ اے عقبہ! عقبہ نے (معذرت کرتے ہوئے) کہا کہ ہم (کسی ضروری اور اہم کام میں) مشغول تھے، (اس پر حضرت ابوایوب انصاری ﷺ نے ''فرمایا'' حدیث سنائی) کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ میری امت ہمیشہ بھلائی پر، یا یہ فرمایا کہ فطرت اسلام پر رہے گی، جب تک کہ مغرب کی نماز میں ستارے چمک آنے تک دیر نہ کرنے لگیں۔

تشریح مع تحقیق : "تَشْتَبِكُ" اشتباک کے اصل معنی آتے ہیں: جال بن جانا، بہت سی چیزوں کا قریب قریب جمع ہوجانا، آپس میں باہم مل جانا، یہاں پر اشتباک سے مراد آسمان پر بہت سے ستاروں کا چمک کر اکٹھا ہوجانا ہے، اور یہ صورت مغرب میں تاخیر کرنے کی وجہ سے ہوتی ہے، اس لئے فقہاء نے اشتباکِ نجوم تک مغرب کے مؤخر کرنے کو مکروہ لکھا ہے۔

قوله : أو قال : على الفطرة : یہ راوی کا شک ہے کہ حضور ﷺ نے "لا تزال أمتي بخير" فرمایا یا "لا تزال أمتي على الفطرة" فرمایا، یہی روایت سنن ابن ماجہ میں ہے تو وہاں بغیر شک کے "لا تزال أمتي على الفطرة" ہے، لیکن ابن ماجہ کی روایت حضرت عباس ﷺ سے مروی ہے۔ (المنہل ۳۴۱/۳)۔

یہ روایت مسند احمد (۴/۱۱۷) اور حاکم مستدرک وغیرہ میں ہے اور حاکم نے اس کو صحیح علی شرط مسلم قرار دیا ہے۔

❁ ❁ ❁

﴿بابٌ في وَقْتِ العِشَاءِ الآخِرَةِ﴾

عشار کے آخری وقت کا بیان

۴۱۹ ﴿حَدَّثَنا مُسَدَّدٌ نَا أبو عَوَانَةَ عَنْ أبي بِشْرٍ عَنْ بَشِيْرِ بنِ ثَابِتٍ عَنْ حَبِيْبِ بنِ سَالِمٍ عن النُّعْمَانِ بن بَشِيْرٍ قال : أَنَا أَعْلَمُ النَّاسِ بِوَقْتِ هٰذِهِ الصَّلَاةِ صَلَاةِ العِشَاءِ الآخِرَةِ ، كَانَ رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يُصَلِّيْهَا لِسُقُوْطِ الْقَمَرِ لِثَالِثَةٍ.﴾

أخرجه الترمذي في الصلاة ، باب: ما جاء في وقت صلاة العشاء الآخرة (١٦٥ و ١٦٦) وأخرجه النسائي في المواقيت، باب: الشفق (٥٢٧ و ٥٢٨). انظر "تحفة الأشراف" (١١٦١٤).

ترجمه : حضرت نعمان بن بشیر ؓ کہتے ہیں کہ میں اس نماز یعنی دوسری عشار کی نماز کا وقت بہت اچھی طرح پہچانتا ہوں، رسول اللہ ﷺ اس نماز کو اس وقت پڑھا کرتے تھے جب تیسری شب کا چاند ڈوب جاتا ہے۔

تشریح مع تحقیق : "النعمان بن بشير" یہ انصاری صحابی ہیں، مدینہ منورہ میں حضور اکرم ﷺ کی آمد کے بعد انصار کے یہاں سب سے پہلے ان کی ہی ولادت ہوئی ہے، رسول اللہ ﷺ سے ایک سو چوبیس روایتیں انہوں نے نقل کی ہیں، حضور ﷺ نے ان کو ان کی زندگی میں ہی بشارت دے دی تھی کہ تم کو ایک منافق کے ہاتھوں شہادت نصیب ہوگی، چنانچہ ۶۴ھ میں خالد بن خلی نامی شخص نے ان کو شہید کر دیا۔ ؓ

قوله : "أنا أعلم الناس بوقت هذه الصلاة" یہ فرماتے ہیں کہ مجھے آں حضرت ﷺ کا نماز عشار پڑھنے کا وقت سب سے زیادہ محفوظ ہے، یہ بات انہوں نے تحدیث بالنعمت کے طور پر فرمائی، نیز اس ارشاد کے ذریعہ سامعین کو اپنی مرویات پر اعتماد دلانا بھی مقصود ہے، اور ان کا اپنے حق میں یہ تعریفی جملہ کہنا ذاتی مصلحت اور نفسانی غرض کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ لوگوں کا نفع ہی پیش نظر تھا، صاحب منہل لکھتے ہیں: "وَلَعَلَّ وُقُوْعَ هٰذا القول منه بعد موت غالب أكابر الصحابة وحفاظهم الذين هم أعلم بذلك منه" کہ ان کا یہ ارشاد اکابر صحابہ جو اوقات صلاۃ کو ان سے زیادہ جانتے تھے ان کی وفات کے بعد تھا، یا یہ کہا جائے کہ ان مخصوص علامتوں کے ساتھ دوسرے حضرات عشار کے وقت سے اتنی اچھی طرح واقف نہ تھے۔

قوله : "صلاة العشاء الآخرة" : یہ جملہ هذه الصلاة سے بدل واقع ہے، عشار کی صفت "الآخرۃ" لانے کی وجہ یہ ہے کہ بعض اعراب عشار پر عتمہ اور مغرب پر عشار کا اطلاق کرتے تھے اس لئے عشار کو عشار آخرہ کہنے کی ضرورت

پیش آئی تا کہ وہ مغرب سے ممتاز ہو جائے۔

اب یہ کہ عشاء کو عشاء آخرہ کہنا کیسا ہے؟ تو اس سلسلے میں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ شریعت نے نمازوں کے جو اصطلاحی نام مقرر کئے ہیں ان کی پابندی کرنی چاہئے، نہ مغرب پر عشاء کا اطلاق کیا جائے اور نہ عشاء کہ صفت آخرہ لائی جائے، احادیث میں بھی اس کی ممانعت آئی ہے، چنانچہ اصمعیؒ نے لکھا ہے کہ عشاء کو عشاء آخرہ کہنا مکروہ ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ پھر ان صحابی نے ''الآخرۃ'' کیوں کہا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ممانعت اس صورت میں ہے جب ہمیشہ ایسا ہی کہا جائے گاہ بگاہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (فتح الباری ۲/ ۵۷)۔

قولہ : "لسقوط القمر لثالثۃ" : بعض نسخوں میں "بَعْدَ غُرُوْبِ الْقَمَرِ لِثَلَاثٍ" ہے مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ عشاء کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے جس وقت مہینے کی تیسری تاریخ کا چاند نظروں سے غائب ہوتا ہے۔

اس حدیث سے عشاء کی نماز کو تاخیر سے پڑھنے کی بات ثابت ہوتی ہے، اس لئے کہ اہل ہیئت کہتے ہیں کہ چاند ہر رات میں پہلی رات کے مقابلہ میں ایک گھنٹہ کا چھ بٹہ سات حصہ ۶/۷ (تقریباً ۴۸ منٹ) آسمان پر زیادہ رہتا ہے، اس طرح تیسری تاریخ کو چاند کا غروب سورج کے غروب کے تقریباً ڈھائی یا پونے تین گھنٹے بعد ہوگا، اس سے تاخیر کا استحباب ثابت ہوسکتا ہے، البتہ چاند غروب ہونے کی یہ مدت موسموں اور ممالک کے اختلاف سے تھوڑی بہت بدلتی رہتی ہے، اس لئے تاخیر کے لئے بھی کوئی حتمی وقت مقرر کرنا اس حدیث سے دشوار ہے۔

۴۲۰ ﴿حَدَّثَنَا عثمانُ بنُ أبي شَيْبَةَ نَا جَرِيْرٌ عن مَنْصُورٍ عن الْحَكَمِ عن نَافِعٍ عن عَبْدِاللّٰه بنِ عُمَرَ قال : مَكَثْنَا ذَاتَ لَيْلَةٍ نَنْتَظِرُ رسولَ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لِصَلَاةِ الْعِشَاءِ فَخَرَجَ إِلَيْنَا حِيْنَ ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ أَوْ بَعْدَهُ ، فَلَا نَدْرِيْ أَشَيْئٌ شَغَلَهُ أم غَيْرُ ذٰلِكَ ، فقال حِيْنَ خَرَجَ : أَ تَنْتَظِرُوْنَ هٰذِهِ الصَّلَاةَ ، لَوْلَا أَنْ تَثْقُلَ عَلٰى أُمَّتِي لَصَلَّيْتُ بِهِمْ هٰذِهِ السَّاعَةَ ، ثُمَّ أَمَرَ الْمُؤَذِّنَ فَأَقَامَ الصَّلَاةَ.﴾

أخرجه مسلم في "صحيحه" في المساجد، باب: وقت العشاء وتأخيرها (١٤٤٤) وأخرجه النسائي في كتاب المواقيت، باب: آخر وقت العشاء (٥٣٦). انظر "تحفة الأشراف" (٧٦٤٩).

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم عشاء کی نماز کے واسطے رسول اللہ ﷺ کا بیٹھے ہوئے انتظار کرتے رہے، آپ ﷺ تہائی رات یا اس سے کچھ زیادہ گزرنے کے بعد نکلے، معلوم نہیں کہ آپ ﷺ کسی کام میں مشغول تھے یا یوں ہی دیر کی، جب آپ ﷺ (حجرے سے باہر) نکلے تو فرمایا: کیا تم اس نماز کا انتظار کر رہے ہو، اگر میری امت پر گراں نہ گزرتا تو میں اسی وقت یہ نماز پڑھا کرتا، پھر آپ ﷺ نے مؤذن کو حکم کیا تو اس نے نماز کی تکبیر کہی۔

تشریح مع تحقیق : یہ روایت مسلم شریف میں بھی ہے، مسلم کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ مسلمانوں کے علاوہ اس نماز کا انتظار کوئی اور نہیں کرتا۔

مطلب اس روایت کا یہ ہے کہ آں حضرت ﷺ عشاء کی نماز پڑھانے کے لئے اپنے حجرۂ مبارکہ سے باہر تشریف لائے اور تاخیر کر کے آئے، اور یہ تاخیر غالباً اس وجہ سے کی کہ عشاء کے دیر سے پڑھنے کی فضیلت اور اس کے انتظار میں رہنے کا خصوصی وصف صحابہ پر واضح فرمادیں، جب کہ صحابہ کرام ﷺ بیٹھے بیٹھے یہ سوچ رہے تھے کہ یا تو کسی گھریلو مشغولیت نے آپ ﷺ کے معمول میں فرق ڈال دیا ہے یا آپ کی ذاتِ مبارک کو کوئی ایسا عذر پیش آگیا ہے جس کے سبب آپ کے آنے میں تاخیر ہو رہی ہے۔

چنانچہ آپ ﷺ نے آنے کے بعد واضح فرمادیا کہ تمہارے علاوہ اور کسی مذہب کے لوگ یعنی یہود و نصاریٰ وغیرہ اس نماز کا انتظار نہیں کرتے، اس وقت کی نماز کو وہ خصوصی شرف ہے جو صرف اسی امتِ مرحومہ کو عطا ہوا ہے، پس اے مسلمانو! تم اس نماز کا انتظار جتنا زیادہ کرو گے اتنا ہی زیادہ اجر و ثواب پاؤ گے، کیوں کہ یہ وقت آرام و استراحت کا ہے اور ایسے وقت نماز کے انتظار میں رہنا اور پھر نماز پڑھنا بڑی ریاضت اور مجاہدہ کا کام ہے۔

فقہ الحدیث

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عشاء کی نماز کو ثلث لیل تک مؤخر کرنا افضل ہے جیسا کہ حضرت امام اعظمؒ کا مسلک ہے۔
نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ دین کے اندر آسانی ہے تنگی نہیں ہے۔

فائدہ: أَتَنتَظِرُونَ : ہمزہ برائے استفہام بمعنی خبر ہے، أي انتظرتم هذه الصلاة دون غيركم من الأمم.

۴۲۱ ﴿حَدَّثَنَا عَمْرو بنُ عُثْمَانَ الْحِمْصِيُّ نَا أَبِي نا حَرِيْزٌ عن رَاشِدِ بنِ سَعْدٍ عن عَاصِمِ بنِ حُمَيْدِ السُّكُوْنِيِّ أَنَّه سَمِعَ مُعَاذَ بنَ جَبَلٍ يَقُوْلُ : أَبْقَيْنَا النبيَّ صلى الله عليه وسلم في صَلَاةِ الْعَتَمَةِ فَتَأَخَّرَ حَتّٰى ظَنَّ الظَّانُّ أَنَّهُ لَيْسَ بِخَارِجٍ ، والْقَائِلُ مِنَّا يقولُ : صَلّٰى ، فَإِنَّا لَكَذٰلِكَ حَتّٰى خَرَجَ النبيّ صلى الله عليه وسلم فَقَالُوا لَهُ كَمَا قَالُوا ، فَقَالَ : اعْتِمُوْا بِهٰذِهِ الصَّلَاةِ ، فَإِنَّكُمْ قَدْ فُضِّلْتُمْ بِهَا عَلٰى سَائِرِ الْأُمَمِ ، وَلَمْ تُصَلِّهَا أُمَّةٌ قَبْلَكُمْ.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (۱۱۳۱۹).

ترجمہ : حضرت معاذ بن جبل ﷺ سے روایت ہے کہ کہ ہم نے عشاء کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کا انتظار کیا، آپ ﷺ نے دیر کی یہاں تک کہ کسی نے سمجھا آپ ﷺ نہ نکلیں گے، اور کسی نے کہا کہ آپ ﷺ نماز پڑھ چکے ہیں، ہم اسی

میں تھے کہ آپ ﷺ تشریف لے آئے، لوگوں نے جیسا کہہ رہے تھے آپ سے بھی کہا، آپ نے فرمایا دیر کرکے پڑھو، اس لئے کہ تم کو اس نماز کی وجہ سے تمام امتوں پر فضیلت دی گئی ہے، تم سے پہلے کسی بھی امت کے لوگوں نے یہ نماز نہیں پڑھی۔

تشریح مع تحقیق : السَّكُونِي : بفتح السين وضم الكاف سکون ابن اشرس کی طرف نسبت ہے، أَبْقَيْنَا : أَبْقَى الشَّيْئُ إبقاءً : انتظار کرنا، بعض نسخوں میں بَقَيْنَا اور بعض میں ارْتَقَبْنَا ہے، ان کے معنی بھی انتظار کرنے کے ہیں، العَتَمَةَ : شفق کی روشنی غائب ہونے کے بعد آنے والی ابتدائی تاریکی، اولِ شب، شروع زمانہ میں عرب عشاء کی نماز پر عتمہ کا اطلاق کرتے تھے، اعْتِمُوا : باب افعال سے صیغہ امر ہے اور بهذه الصلاة میں "با" تعدیہ کے لئے ہے بمعنی تاریکی شب میں اس نماز کے ساتھ داخل ہو جاؤ، مراد عشاء کو مؤخر کرنا ہے، الظَّانُّ : صیغہ اسم فاعل ہے، ظَنَّ يَظُنَّ (ن) ظَنًّا : گمان کرنا، خیال کرنا۔

حدیث شریف کا مطلب واضح ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ کرام ﷺ مسجد میں بیٹھے عشاء کی نماز کا انتظار کر رہے تھے، حضور ﷺ کو آنے میں دیر ہو گئی، بعض صحابہ غیر معمولی تاخیر کے پیش نظر سمجھنے لگے شاید آج آپ ﷺ مسجد میں تشریف نہیں لائیں گے، کوئی کہتا کہ شاید آپ ﷺ نے گھر ہی نماز پڑھ لی ہے، غرض یہ کہ مختلف باتیں ہو رہی تھیں کہ اتنے میں حضور ﷺ تشریف لے آئے، صحابہ نے آپ ﷺ کے سامنے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا کہ ہم تو ایسا ایسا سمجھ رہے تھے، اس پر حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اس نماز کو تاخیر ہی سے پڑھا کرو اس لئے کہ یہ نماز صرف تمہاری ہی خصوصیت ہے کسی اور امت کو یہ فضیلت عطا نہیں کی گئی۔

اشکال: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عشاء کی نماز صرف امت محمدیہ پر فرض ہوئی ہے، اس امت سے پہلے کسی اور امت پر نہیں تھی، جب کہ ماقبل میں حدیث امامتِ جبرئیل میں بیان کیا گیا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور ﷺ کو دو دن نماز پڑھانے کے بعد فرمایا: "هٰذا وقت الأنبياء من قبلك" اس سے معلوم ہوا کہ عشاء کی نماز پہلے انبیاء کی امت میں بھی پڑھی جاتی تھی؟ اس طرح حدیث باب اور حدیث امامت جبرئیل علیہ السلام میں تعارض ہو گیا؟

اس کے جواب کی طرف ہم وہیں اشارہ کر چکے ہیں کہ "هذا وقت الأنبياء من قبلك" میں ہذا کا مشار الیہ صلوات خمسہ نہیں ہے، بلکہ عشاء کے علاوہ باقی چار نمازوں کے اوقات کی طرف اشارہ ہے، جس کی تقدیری عبارت ہے: هذا -أي الوقت المستحب لصلوات الأربع غير العشاء- وقت الأنبياء من قبلك ، اور علامہ طیبیؒ نے ہذا کا مشار الیہ صرف فجر کی نماز کے "وقت اسفار" کو قرار دیا ہے، گویا ان کا مطلب یہ ہے کہ میں نے فجر کی نماز جس وقت اسفار یعنی صبح صادق کے اجالے میں پڑھا کر دکھائی ہے یہ وہ وقت ہے جس میں آپ ﷺ سے پہلے انبیاء اور ان کی امت والے بھی صبح کی نماز پڑھا کرتے تھے۔

۴۲۲ ﴿حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا بِشْرُ بنُ الْمُفَضَّلِ نا دَاوُدُ بنُ أبي هِنْدٍ عن أبي نَضْرَةَ عن أبي سَعِيدٍ الْخُدْرِيّ قال : صَلَّيْنَا مَعَ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم صَلَاةَ الْعَتَمَةِ فَلَمْ يَخْرُجْ حَتّٰى مَضَى نَحْوٌ مِنْ شَطْرِ اللَّيْلِ فَقَالَ : خُذُوْا مَقَاعِدَكُمْ ، فَأَخَذْنَا مَقَاعِدَنَا فَقَال : إنَّ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا وَأَخَذُوْا مَضَاجِعَهُمْ ، وإِنَّكم لَنْ تَزَالُوا فِي صَلَاةٍ مَا انْتَظَرْتُمُ الصَّلَاةَ وَلَوْ لَا ضُعْفُ الضَّعِيْفِ وسُقْمُ السَّقِيْمِ لَأَخَّرْتُ هٰذِه الصلاةَ إلى شَطْرِ اللَّيْلِ.﴾

أخرجه النسائي في "المجتبى" في كتاب المواقيت، باب: آخر وقت العشاء (٥٣٧) وأخرجه ابن ماجه في الصلاة، باب: وقت صلاة العشاء (٦٩٣). انظر "تحفة الأشراف" (٤٣١٤).

ترجمه : حضرت ابوسعید خدری ﷺ سے روایت ہے کہ (ایک دن ایسا ہوا کہ) رسول اللہ ﷺ کے پیچھے (جماعت کے ساتھ) عشاء کی نماز پڑھنے کے لئے ہم لوگ آئے تو تقریباً آدھی رات تک (آپ کے انتظار میں ہم مسجد میں بیٹھے رہے اور) آپ ﷺ تشریف نہیں لائے، اور پھر (جب آدھی رات کے قریب تشریف لائے تو) فرمایا: تم سب لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہو (نماز سے پہلے کچھ ضروری بات کہنی ہے) چنانچہ ہم لوگ اپنی اپنی جگہ پر (جوں کے توں) بیٹھے رہے، تب آپ ﷺ نے فرمایا: دیکھو دوسرے لوگ تو نماز سے فارغ بھی ہو کر اپنے بستروں پر پہنچ چکے ہیں، اور تم لوگ بلا شبہ برابر نماز ہی کی حالت میں ہو جب تک کہ نماز کے انتظار میں ہو، (یعنی نماز کے انتظار میں رہنا وہی حکم اور وہی ثواب رکھتا ہے جو خود نماز کا ہے) اور (حقیقت تو یہ ہے کہ) اگر ضعیفوں کے ضعف اور بیماروں کی بیماری (کا خیال مجھ کو) نہ ہوتا تو (ہمیشہ) میں اس نماز کو ضرور آدھی رات دیر کر کے پڑھتا۔

تشریح مع تحقیق : شَطْرٌ: نصف، آدھا، ج أشْطُرٌ ، مَقَاعِد : مَقْعَد کی جمع ہے بمعنی سیٹ، بیٹھنے کی جگہ، بولا جاتا ہے: فلان أخذ مَقْعَدَهٗ : فلاں اپنی جگہ بیٹھ گیا، مَصَاجِع : مَضْجَعٌ کی جمع ہے: بستر، پلنگ، چارپائی، خواب گاہ، ضَعْفُ الضَعِيف : ضَعُفَ يَضْعُفُ ضَعْفًا وضُعْفًا : کمزور ہونا دبلا ہونا، ضَعْف مصدر بفتح الضاد وضمہا دونوں طرح پڑھا جاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ چوں کہ صحابہ کرام نماز کے انتظار میں بہت دیر تک بیٹھے رہے اس لئے آپ ﷺ نے ان کے فعل کی تحسین فرما کر ان کی ہمت افزائی فرمائی، اور بتلا دیا کہ یہ تمہارے اوپر خدا کا انعام ہے، کہ تم یہاں بیٹھے ہوئے انتظار کر رہے ہو ورنہ دوسرے لوگ نماز سے فارغ بھی ہو کر اپنے بستروں پر سو رہے ہیں۔

اب ان دوسرے لوگوں سے مراد دوسرے دین والے بھی ہو سکتے ہیں کہ ان کے یہاں شام کے وقت میں جو بھی عبادت ہے اس سے فارغ ہو کر وہ بھی سو چکے ہیں، اور تم لوگ پر اللہ کا یہ فضل ہے کہ اپنی نیند اور راحت سے بے پرواہ ہو کر

بھی تک عشاء کی نماز کے انتظار میں بیٹھے ہو، یہ وضاحت اس حدیث کی روشنی میں ہے جو پیچھے گذری کہ اہل اسلام کے علاوہ اور کسی بھی دین کے لوگ اس وقت عشاء کی نماز کے انتظار میں نہیں رہتے۔

اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان الفاظ سے حضور اکرم ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ دوسرے محلوں کے مسلمان جو اس مسجد نبوی میں نہیں آئے عشاء کی نماز پڑھ کر سو بھی چکے ہیں، اور تمہیں یہ سعادت حاصل ہے کہ تم نماز کے انتظار میں ہونے کے سبب گویا نماز ہی کی حالت میں ہو اور برابر اجر و ثواب کما رہے ہو، بعد کی عبارت: وإنكم لن تزالوا في صلاة الخ کو دیکھتے ہوئے یہی وضاحت زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے۔

فقہ الحدیث

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ عشاء کی نماز آدھی رات تک دیر کر کے پڑھنا نہ صرف درست بلکہ مستحب ہے، کیوں کہ اس صورت میں اس ریاضت اور مجاہدے کا اظہار ہوتا ہے جو عبادتِ الٰہی کے سلسلے میں مطلوب ہے، ائمہ ثلاثہ: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا مذہب یہی ہے، احادیث الباب کے علاوہ اور بھی بہت سی قولی و فعلی روایات ہیں جن سے تاخیر عشاء کا استحباب ثابت ہوتا ہے۔

جب کہ شوافع کا مشہور قول افضلیت تعجیل کا ہے، ان حضرات کا کہنا ہے کہ حضور ﷺ کا معمول اکثری تعجیل عشاء کا تھا تاخیر آپ نے احیانا فرمائی ہے کسی عذر کی وجہ سے یا بیانِ جواز کے لئے۔

لیکن صاحب منہل نے اس بات کی تردید کی ہے اور فرمایا ہے کہ حضور ﷺ نے تاخیر پر مواظبت مشقت کی وجہ سے نہیں کی ہے ورنہ تو آپ پسند یہی فرماتے تھے کہ تاخیر کی جائے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ ؓ کی حدیث میں صراحت ہے: "لو لا أن أشق على أمتي لأمرتهم أن يؤخروا العشاء إلى ثلث الليل أو نصفه" (رواہ الترمذی) جہاں تک اول وقت میں نماز پڑھنے کی فضیلت کی احادیث کا تعلق ہے تو اول وقت سے مراد وقت مستحب ہے، یا پھر وہ عام روایات ان مخصوص روایات سے خاص ہو جائیں گی۔

﴿بابٌ في وقتِ الصُّبحِ﴾

صبح کی نماز کے وقت کا بیان

۴۲۳ ﴿حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عن مَالِكٍ عن يَحْيَى بنِ سَعِيدٍ عن عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِالرحمن عن

عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ : إِنْ كَانَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم لَيُصَلِّي الصُّبْحَ فَيَنْصَرِفُ النِّسَاءُ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوْطِهِنَّ مَا يُعْرَفْنَ مِنَ الْغَلَسِ.﴾

أخرجه البخاري في "صحيحه" في كتاب: الأذان، باب: انتظار الناس قيام الإمام العالم (٨٦٧) وأخرجه مسلم في "صحيحه" في المساجد، باب: استحباب التبكير بالصبح في أول وقتها، وهو التغليس. وبيان قدر القراءة فيها. (١٤٥٧) وأخرجه الترمذي في "جامعه" في كتاب الصلاة، باب: ما جاء في التغليس بالفجر (١٥٣) وأخرجه النسائي في "المجتبى" في كتاب: المواقيت، باب: التغليس بالحضر (٥٤٤). انظر "تحفة الأشراف" (١٧٩٣١).

ترجمہ : حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز ایسے وقت بھی پڑھ لیتے تھے کہ عورتیں جب نماز پڑھ کر اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی (اپنے گھروں کو) واپس جاتیں تو اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتی تھیں۔

تشریح مع تحقیق : مُتَلَفِّعَاتٌ : اسم فاعل کا صیغہ ہے، تَلَفَّعَ بالثَّوْبِ : کپڑے سے ڈھک جانا، کپڑے کو اوڑھ لینا، تَلَفَّعَتِ الْمَرْأَةُ بِمِرْطِهَا : عورت کا چادر اوڑھنا۔

مُرُوط ء مِرْطٌ کی جمع ہے بمعنی چادر، خصوصاً عورتوں کی چادر۔

الْغَلَس : صبح کی روشنی سے مخلوط اخیر رات کی تاریکی، پو پھوٹنے کا وقت، تڑکا، کہا جاتا ہے: غَلَّسَ فلان بالصلاةِ : آخر شب کی تاریکی میں نماز پڑھنا۔

حضرت عائشہؓ یہ فرمارہی ہیں کہ مسلمان عورتیں فجر کی نماز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑھنے کے بعد چادروں میں لپٹی ہوئی واپس ہوتیں تو انہیں کوئی تاریکی میں پہچان نہ سکتا تھا۔

حضرت عائشہؓ کا مقصد اس روایت میں نماز فجر کا وقت بیان کرنا نہیں ہے بلکہ عورتوں کے پردے کے ساتھ مسجد میں آنے کی مدح مقصود ہے، یعنی ان کا مقصد اسفار اور غلس کا بیان نہیں ہے وہ تو یہ بیان کرنا چاہتی ہیں کہ عہد رسالت میں عورتیں پردے کا پورا اہتمام کر کے مسجد نبوی میں آتی تھیں۔

لیکن اس حدیث کے پیش نظر فقہاء کرام کے درمیان اختلاف یہ ہوگیا ہے کہ فجر کا افضل وقت کیا ہے؟ آیا غلس میں پڑھنا افضل ہے یا اسفار میں؟ مصنفؒ نے باب میں دو حدیثیں ذکر کی ہیں پہلے دونوں کا ترجمہ اور تشریح پیش کی جارہی ہے اس کے بعد مسئلہ مختلف فیہا کی تفصیل اور اختلاف کی اصل وجہ پر روشنی ڈالی جائے گی۔

۴۲۴ ﴿حَدَّثَنَا إسحاقُ بنُ إسماعيلَ نَا سُفْيَانُ عن ابنِ عَجْلَانَ عن عَاصِمِ بنِ عُمَرَ بنِ قَتَادَةَ بنِ النُّعْمَانِ عن مَحْمودِ بنِ لَبِيْدٍ عَنْ رَافِعِ بنِ خَدِيْجٍ قال : قال رسولُ الله صلى الله

علیه وسلم: "اَصْبِحُوْا بالصُّبحِ فإنَّهُ أعْظَمُ لِأُجُوْرِكُمْ أَوْ أَعْظَمُ لِلْأجرِ.﴾

أخرجه الترمذي في "جامعه" في الصلاة، باب: ما جاء في الإسفار بالفجر (١٥٤) وأخرجه النسائي في "المجتبى" في كتاب المواقيت، باب: الإسفار (٥٤٧) وأخرجه ابن ماجه في الصلاة، باب: وقت صلاة الفجر (٦٧٢). انظر "تحفة الأشراف" (٣٥٨٢).

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج ﷜ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: صبح کو روشن کرو، اس لئے کہ اس میں تمہارے لئے زیادہ ثواب ہے۔

تشریح مع تحقیق: اَصْبِحُوْا: صبح میں داخل ہونا، خوب روشنی کا پھیل جانا، بعض روایتوں میں نَوِّرُوْا کے اور بعض میں اَسْفِرُوْا کے الفاظ ہیں، معنی سب کے قریب قریب ہیں کہ صبح کی نماز کو روشن کر کے اجالے میں پڑھو۔

بظاہر باب کی یہ دونوں روایتیں آپس میں ایک دوسرے کے معارض ہیں، اس لئے فقہاء کرام کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا کہ فجر کی نماز کا افضل وقت کیا ہے؟

فجر کے افضل وقت میں اختلاف

ائمہ ثلاثہ: امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام اسحٰق وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ فجر کی نماز غلس میں پڑھنا افضل ہے، یعنی غلس میں شروع کر کے غلس ہی میں ختم کرنا زیادہ افضل ہے، البتہ مغنی ابن قدامہ میں امام احمدؒ کا مسلک یہ لکھا ہے کہ فضیلت کا مدار تکثیر جماعت پر ہے اگر غلس میں پڑھنے کی صورت میں تکثیر جماعت ہوتی ہے تو غلس میں افضل ہے، ورنہ اسفار میں۔ (المغنی ابن قدامہ ۱/۲۳۷، اوجز المسالک ۱/۷)۔

امام ابوحنیفہؒ، صاحبینؒ، سفیان ثوریؒ اور دیگر عراقیین کے نزدیک فجر کی نماز کو اسفار میں شروع کر کے اسفار ہی میں ختم کرنا زیادہ افضل ہے۔ (بدایۃ المجتہد ۱/۱۴۵، بذل ۱/۲۴۴)۔

البتہ امام محمدؒ سے ایک روایت یہ بھی مروی ہے کہ غلس میں ابتداء کر کے اسفار میں ختم کرنا افضل ہے، امام طحاویؒ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ (طحاوی شریف ۱/۱۰۶)۔

دلائل ائمہ ثلاثہ

۱۔ حضرت عائشہؓ کی حدیث باب ہے اس کی تخریج اصحاب کتب ستہ نے کی ہے اور سند و متن کے اعتبار سے یہ روایت بالکل صحیح ہے، اس حدیث میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فجر کی نماز غلس میں ادا فرمائی اور نماز

پڑھ کر واپس ہونے کی حالت میں ایک دوسرے کو غلس کی وجہ سے پہچاننا مشکل ہو جاتا تھا۔

احناف کہتے ہیں کہ یہاں دیکھنا یہ ہے کہ غلس اور تاریکی کے سبب نہ پہچاننے کا مضمون حضرت عائشہؓ کا ہے یا کسی اور راوی کا؟ حقیقت یہ ہے کہ "من الغلس" کا لفظ حضرت عائشہؓ کا نہیں ہے بلکہ ان کا قول "ما يعرفن" پر ختم ہو گیا، چنانچہ یہی روایت مسند احمد (۲۵۸/۶) میں ہے، اس میں ہے: "مَا يُعْرَفْنَ مِنَ الْغَلَسِ أو قَالَ : لَا يَعْرِفُ بَعْضُهُنَّ بَعْضًا" یعنی راوی نے یا تو یہ کہا کہ عورتوں کو تاریکی کے سبب پہچانا نہ جاتا تھا، یا یہ کہا کہ ایک عورت بھی دوسری عورت کو نہ پہچانتی تھی، گویا دوسری تعبیر میں غلس کا تذکرہ ہی نہیں، اور اس سے بھی زیادہ صاف بات یہ ہے کہ سنن ابن ماجہ "بَابُ وَقْتِ صَلَاةِ الفجر" میں نقل کیا گیا ہے: ثُمَّ يَرْجِعْنَ إِلَى أَهْلِهِنَّ فَلَا يَعْرِفُهُنَّ أَحَدٌ تَعْنِي مِنَ الْغَلَسِ" اس روایت کے مطابق حضرت عائشہؓ کے الفاظ تو صرف اتنے ہیں کہ عورتیں گھر واپس ہوتیں تو انہیں کوئی پہچانتا نہ تھا، کیوں کہ وہ چادروں میں لپٹی ہوتی تھیں، یعنی نہ پہچاننے کی بنیاد پردہ کا اہتمام ہے، نیچے کے کسی راوی نے یہ سمجھا کہ نہ پہچاننے کا سبب اندھیرا ہے، اس لئے "من الغلس" بڑھا دیا، راویوں کی جانب سے اس طرح کے اضافہ کو ادراج کہتے ہیں، اور "کلام مدرج" حجت نہیں ہوتا ہے، چنانچہ علامہ سندھیؒ نے اس روایت پر لکھا ہے: "تعني من الغلس صريح أنه ليس من قولها وإنما هو تفسير من أحد الرواة" (حاشیہ سندھی ۱/۲۰۱) یعنی "تَعْنِي مِنَ الْغَلَسِ" صراحت کے ساتھ یہ بتلا رہا ہے کہ یہ حضرت عائشہؓ کا قول نہیں ہے بلکہ کسی اور راوی کی جانب سے وضاحت ہے، اس لئے اس سے غلس پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

پھر اگر "مِنَ الغلسِ" کو تسلیم کر بھی لیا جائے کہ عورتیں تاریکی اور غلس کی وجہ سے پہچان میں نہ آتی تھیں تو دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ غلس سے وقت کا غلس مراد ہے یا مسجد کے اندرونی حصہ کا غلس مراد ہے، چوں کہ حضرت عائشہؓ کا مقصد وقت فجر کو بیان کرنا نہیں ہے اس لئے وقت کا غلس مراد لینا ضروری نہیں، بلکہ مسجد کے اندرونی حصہ کا غلس بھی مراد ہو سکتا ہے جو اسفار کے منافی نہیں، اور چوں کہ مسجد کی چھت نیچی تھی روشنی کا کوئی انتظام نہیں تھا اس لئے مراد یہ ہے کہ اول تو عورتیں چادر میں لپٹی ہوئی ہوتی تھیں دوسرے یہ کہ مسجد کے اندر روشنی دیر سے پہنچتی تھی، اسلئے ان کو پہچاننا ممکن نہ ہوتا تھا۔

۲- ائمہ ثلاثہ کا دوسرا استدلال ان تمام روایات سے ہے جن میں "الصَّلَاةُ لِأَوَّلِ وَقْتِهَا" کو افضل الاعمال قرار دیا گیا ہے، اسی طرح ان روایات سے بھی انکا استدلال ہے جن روایات میں مسارعت الی الخیرات کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

حنفیہ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں مسارعت اور اول وقت سے مراد وقت مستحب ہے، چنانچہ عشاء کے بارے میں خود شوافع بھی یہی معنی مراد لینے پر مجبور ہیں۔

۳- ائمہ ثلاثہ کی تیسری دلیل حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، جس میں ہے: انَّ رسولَ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم صَلَّی الغَدَاۃَ فَغَلَسَ بِھَا ثُمَّ صَلَّاھَا فَأَسْفَرَ ثُمَّ لم یَعُدْ إلی الإسْفَارِ حَتّٰی قَبَضَہُ اللّٰہُ عَزَّ وجَلَّ۔
(ابوداؤد باب المواقیت ۱/۵۷، طحاوی)۔

اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے اس کے مواقیت والے حصہ کو امام ابوداؤدؒ نے خود معلول قرار دیا ہے اور اگر ہم اس کو صحیح تسلیم بھی کرلیں تو بھی صرف مسجد نبوی کا واقعہ ہے جہاں نمازی سب جلدی سے آجاتے تھے، اور ایسی جگہ پر احناف بھی غلس کے قائل ہیں، جیسا کہ آگے ہم اس کی تفصیل کریں گے۔

حنفیہ کے دلائل

باب کی دوسری حدیث ہے، یہ روایت سند و متن دونوں اعتبار سے بالکل صحیح ہے اور مدعی کے اثبات میں صریح ہے، کیونکہ اس میں فرمایا گیا ہے کہ فجر کو روشنی پھیلنے کے بعد پڑھو اس لئے کہ اس سے ثواب میں اضافہ ہوگا۔

قائلین غلس نے اس میں یہ تاویل کی ہے کہ اسفار سے مراد فجر کا تیقن ہے یعنی اس کا یقین کرلینا ہے کہ فجر طلوع ہوگئی، مگر اسفار کے یہ معنی بالکل خلافِ ظاہر ہیں، کیونکہ اگر ہم یہ مطلب مراد لے لیں تو پھر فإنَّہ أَعْظَمُ لِلْأَجر" کا کیا مطلب ہوگا؟ اس صورت میں تو حدیث کا مطلب یہ ہونا چاہئے کہ جو شخص صبح صادق سے پہلے فجر پڑھ لے گا اس کی نماز بھی صحیح ہوجائے گی البتہ ثواب کم ملے گا اور یقینی صبح کے بعد پڑھی جائے گی تو ثواب زیادہ ہوگا، حالانکہ یہ بات بداہۃً غلط ہے، وقت سے پہلے نماز ہوتی ہی نہیں، اس لئے حدیث کا بے غبار مطلب یہ ہے کہ عام حالات میں نماز فجر روشنی کرکے پڑھی جائے اس میں زیادہ ثواب ہے۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ اس حدیث رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کے بعض طرق قائلین غلس کی مذکورہ تاویل کی نفی کرتے ہیں، کیونکہ نسائی (باب الاسفار) میں سند صحیح کے ساتھ اس حدیث کے یہ الفاظ مروی ہیں: "ما اسْفَرْتُمْ بالصُّبحِ فإنَّہُ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ" اسی طرح ابن حبان نے اپنی صحیح میں اس روایت کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں: "اصبحوا بالصبح فإنکم کلما اصبحتم بالصبح کان أعظم لأجورکم" کہ جتنا زیادہ اسفار کروگے اتنا ہی زیادہ ثواب ملے گا۔ (موارد الظمآن ص:۸۹، رقم ۲۶۳) سند کے لحاظ سے یہ روایت بھی صحیح ہے۔

اب ان روایات کا مضمون قائلین غلس کی تاویل کے بالکل منافی ہے۔

۲- احناف کی دوسری دلیل صحیح بخاری (کتاب مواقیت الصلاۃ باب وقت العصر) کے تحت حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرماتے ہیں: "کَانَ یَنْفَتِلُ مِنْ صَلَاۃِ الْغَدَاۃِ حِیْنَ

یَعْرِفُ الرَّجُلُ جَلِیْسَہ" واضح رہے کہ مسجد نبوی ﷺ کی دیواریں چھوٹی تھیں، چھت نیچی تھی، لہٰذا اس کے اندر اپنے ہمنشین کو پہچاننا اسی وقت ممکن تھا جب باہر اسفار ہو چکا ہو۔

۳- علامہ ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد (۱/۳۱۶) معجم طبرانی کبیر کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے کہ آں حضرت ﷺ نے حضرت بلال ؓ سے فرمایا: "نَوِّرْ بِصَلَاۃِ الصُّبْحِ حَتّٰی یَبْصُرَ الْقَوْمُ مَوَاقِعَ نَبْلِھِم مِنَ الإِسْفَارِ" کہ صبح کی نماز کو روشن کرو یہاں تک کہ لوگ روشنی کی وجہ سے اپنے تیروں کے گرنے کی جگہ کو بھی دیکھ لیں۔

۴- حضرت امام طحاویؒ نے ابراہیم نخعیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے: ما اجْتَمَعَ أَصْحَابُ محمدٍ صلی اللہ علیہ وسلم عَلٰی شَیْئٍ مَا اجتَمَعُوا عَلَی التَّنْوِیْرِ" .

حنفیہ کی ایک وجہ ترجیح یہ بھی ہے کہ ان کے مستدلات قولی ہیں اور فعلی بھی ہیں، بخلاف ائمہ ثلاثہ کے مستدلات کے کہ وہ صرف فعلی ہیں قولی نہیں، جب کہ قولی حدیث راجح ہوتی ہے۔

تطبیق بین الروایات

یہاں تک تو مسئلہ تھا فریقین کے دلائل کا، لیکن اب دیکھنا یہ ہے کہ اسفار و تغلیس کے باب میں تعارض ادلہ کا حل کیا ہے، تو اس سلسلے میں حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ العالی نے تحفۃ الالمعی میں اچھی تطبیق دی ہے، اس کو یہاں نقل کرنا بہتر ہوگا، اور حقیقت میں جمع بین الروایات کی جو شکل حضرت مفتی صاحب نے بیان کی ہے یہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے کلام سے مستفاد ہے۔

حضرت مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

حقیقی فضیلت اولِ وقت کے لئے ثابت ہے، کیونکہ وقت داخل ہوتے ہی اللہ کا حکم: صَلُّوا (نماز پڑھو) بندوں کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، پس امر کا امتثال اولِ وقت کر لینا افضل ہے، مگر یہ کہ کوئی عارض پیش آجائے تو امر کا امتثال وقت ثانی میں افضل ہے، احناف یہی کہتے ہیں، ائمہ ثلاثہ کے مقلدین اس کو تسلیم نہیں کرتے، احناف کہتے ہیں کہ تین عوارض کی وجہ سے اولِ وقت کی فضیلت ثانی وقت کی طرف منتقل ہو جاتی ہے: (۱) حق مصلیان، (۲) حق صلاۃ، (۳) حق وقت۔

حق مصلیان

نمازیوں کے حق کی بناء پر اول وقت کی فضیلت ثانی وقت کی طرف منتقل ہوتی ہے، کیونکہ اول وقت کی فضیلت اللہ کا حق ہے اور ثانی وقت کی فضیلت بندوں کا حق ہے، اور جب ان دونوں حقوق میں تعارض ہوتا ہے تو بندوں کے حق کی

رعایت کی جاتی ہے، کیونکہ وہ محتاج ہیں اور اللہ بے نیاز ہے، اس حق کی وجہ سے احناف کہتے ہیں کہ عمومی احوال میں اسفار میں فجر پڑھنا افضل ہے،، اس کی نظیر بخاری شریف کی روایت ہے، حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ عشاء کی نماز جلدی پڑھ لیتے تھے جب لوگ زیادہ ہوتے اور جب اول وقت میں کم ہوتے تو دیر سے پڑھتے تھے: "إِذَا كَثُرَ النَّاسُ عَجَّلَ وَإِذَا قَلُّوا أَخَّرَ" (بخاری، المواقیت، وقت العشاء إذا کثر الناس) یہ تھا حق مصلیان، اسی طرح رمضان میں نیز حرمین شریفین میں غلس میں نماز فجر پڑھنا افضل ہے، کیونکہ رمضان میں لوگ سحری کے وقت میں بیدار ہوجاتے ہیں پس اسفار تک فجر کو مؤخر کرنے کی صورت میں یا تو لوگ تنہا نماز پڑھ کر سوجائیں گے یا نماز پڑھے بغیر سوجائیں گے، اسی طرح حرمین میں تہجد کے وقت لوگ پہنچ جاتے ہیں، پس ان کی رعایت اسی میں ہے کہ صبح صادق ہوتے ہی نماز پڑھ لی جائے۔

غرض جہاں بندوں کا حق تاخیر کا متقاضی ہو وہاں ثانی وقت میں نماز پڑھنا افضل ہے، اور جہاں بندوں کا حق بھی اول وقت کو چاہتا ہو وہاں دو فضیلتیں اکٹھا ہونے کی وجہ سے اول وقت میں نماز پڑھنا افضل ہے۔

حق صلاۃ

یعنی نفل نماز کا حق، احناف کے نزدیک نماز عصر کچھ تاخیر سے پڑھنا افضل ہے، اس لئے کہ عصر سے پہلے ہی نفل پڑھے جاسکتے ہیں بعد میں نہیں، پس وہ لوگ جو عصر کا وقت شروع ہونے کے بعد مسجد میں آتے ہیں اور نفل پڑھنا چاہتے ہیں ان کو تھوڑا موقع دینا چاہئے، اگر وقت ہوتے ہی عصر پڑھ لی جائے گی تو یہ لوگ نفلوں سے محروم رہ جائیں گے، غرض یہاں حق صلاۃ کی وجہ سے فضیلت ثانی وقت کی طرف منتقل ہوتی ہے۔

حق وقت

اگر نماز کے اول وقت میں کچھ عارض پیش آئے تو بھی فضیلت ثانی وقت کی طرف منتقل ہوجائے گی، مثلاً گرمیوں میں ظہر کی نماز ہے اس کے بارے میں فرمایا گیا: "إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا عَنِ الصَّلَاةِ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ".

اب اگر اس سخت گرمی میں مناجات کرنے والا مناجات کرے گا تو دل جمعی اور اطمینان خاطر کے ساتھ مناجات نہ ہوسکے گی، نیز یہ وقت احکم الحاکمین کے جلال وغضب کا ہے اور غضب کے موقع پر مناجات نہیں کرنی چاہئے، اس لئے کہ روایات سے ثابت ہے کہ گرمی کی شدت غضب الٰہی کا اثر ہوتی ہے۔

معلوم ہوا کہ ظہر کے اول وقت میں عارض ہے جس کی وجہ سے گرمی کے موسم میں نماز ظہر تاخیر سے پڑھنا افضل ہے۔

خلاصہ کلام

خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ تینوں حقوق کی وجہ سے اول وقت کی فضیلت ثانی وقت کی طرف منتقل ہوتی ہے، اور جہاں یہ حقوق متعارض نہ ہوں وہاں اول وقت کی فضیلت برقرار رہتی ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ مصنفؒ نے ترجمۃ الباب میں دو حدیثیں نقل کی ہیں ایک فعلی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ غلس میں نماز فجر پڑھتے تھے، اور دوسری قولی حدیث ہے کہ اسفار میں نماز پڑھو اسفار میں نماز پڑھنے میں زیادہ اجر وثواب ہے، یہ اور اس طرح کی اور دیگر روایات آپس میں متعارض ہیں، مگر حقیقت میں ان میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ پہلی حدیث کا محمل وہ صورت ہے جس میں اللہ کا حق بھی اور بندوں کا حق بھی اول وقت کی فضیلت کو چاہتا ہے، اور دوسری حدیث کا محمل وہ حدیث ہے جب کہ بندوں کا حق ثانی وقت کی فضیلت کا متقاضی ہو۔

فائدہ: یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ عہد رسالت میں مدینہ منورہ میں مسجد نبوی ﷺ کے علاوہ نو مساجد اور بھی تھیں، ان نو مساجد میں تاخیر سے فجر کی نماز ہوتی تھی صرف مسجد نبوی میں حق مصلیان کی وجہ سے غلس میں ہوتی تھی، اس کی دلیل بخاری شریف کی ایک حدیث ہے: کہ ایک صحابی فجر کی نماز مسجد نبوی میں پڑھ کر قبا پہنچے جو مدینہ سے کم از کم پانچ چھ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے، وہاں جا کر دیکھا تو فجر کی نماز ہو رہی تھی، اور لوگ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھ رہے تھے، ان صحابی نے خبر دی کہ رات میں تحویل قبلہ کی وحی نازل ہو چکی ہے چنانچہ وہ حضرات نماز ہی میں کعبہ کی طرف گھوم گئے۔ (بخاری، الصلاۃ، باب ما جاء فی القبلۃ حدیث ۴۰۳)۔

﴿بابُ الْمُحافظةِ علَى الصَّلَوَاتِ﴾

تمام نمازوں کی پابندی کرنے کا بیان

۴۲۵ ﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ حَرْبٍ الوَاسِطِيُّ أَخْبَرَنَا يَزِيْدُ يعني ابنَ هَارُوْنَ أَنَا محمد بنُ مُطَرِّفٍ عن زَيْدِ بنِ أَسْلَمَ عن عطاء بنِ يَسَارٍ عَنْ عَبْدِاللّٰه الصُّنَابِحِي قال: زَعَمَ أبو محمد أنَّ الْوِتْرَ وَاجِبٌ، فقال عَبَادَةُ بنُ الصَّامِتِ كَذَبَ أَبُوْ مُحَمَّدٍ، أَشْهَدُ أَنِّي سَمِعْتُ رسولَ اللّٰه صلى الله عليه وسلم يقولُ: خَمْسُ صَلَوَاتٍ افْتَرَضَهُنَّ اللّٰه عَزَّ وَجَلَّ، مَنْ أَحْسَنَ وُضُوْءَ هُنَّ وصَلَّاهُنَّ لِوَقْتِهِنَّ، وأَتَمَّ رُكُوْعَهُنَّ وخُشُوْعَهُنَّ كَانَ لَهُ

عَلَى اللّٰهِ عَهْدًا أَنْ يَغْفِرَ لَهُ ، وَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ فَلَيْسَ لَهُ عَلَى اللّٰهِ عَهْدٌ ، إِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ وَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ.﴾

أخرجه النسائي في "المجتبى من السنن" في الصلاة، باب: البيعة على الصلوات الخمس (٤٥٩)، وابن ماجه في "سننه" في الجهاد، باب البيعة (٢٨٦٧) وهو عند أبي داود برقم (١٤٢٠). انظر "تحفة الأشراف" (٥١٢٢).

قال الخطابي: قوله: "كَذَبَ أبو محمد": يريد أخطأ أبو محمد، لم يرد به تعمد الكذب الذي هو ضد الصدق، لأن الكذب إنما يجري في الأخبار، وأبو محمد هذا إنما أفتى فتيا ورأى رأيًا فأخطأ فيما أفتى. انظر "معالم السنن" ١/١١٦.

ترجمہ : حضرت عبداللہ الصنابحی ؓ سے روایت ہے کہ ابو محمد ؓ (صحابی) نے کہا کہ وتر واجب ہے، (یہ بات) عبادہ بن صامت ؓ (کو پہنچی تو انہوں) نے کہا کہ انہوں نے غلط کہا، میں گواہی دیتا ہوں کہ میں حضور اکرم ﷺ سے سنا ہے آپ ﷺ فرماتے تھے پانچ نمازیں ہیں جن کو اللہ نے فرض کیا ہے، جو شخص ان کے واسطے اچھی طرح وضو کرے گا اور وقت پر ہر ایک کو ادا کرے گا اور رکوع پورا کرے گا اور خشوع سے پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ پر اس کا عہد ہوگا کہ وہ اس کو معاف کردے گا اور جو ایسا نہ کرے گا تو اللہ پر اس کا عہد نہیں ہے چاہے اس کو بخش دے چاہے عذاب دے۔

تشریح مع تحقیق : عَبْدُ اللّٰهِ الصُّنَابِحِي : بذل المجہود اور المنہل کے نسخوں میں عبداللہ بن الصنابحی لکھا ہوا ہے یہ غلط ہے عبداللہ اور الصنابحی کے درمیان لفظ ابن کا اضافہ کسی بھی اعتبار سے ٹھیک نہیں ہے۔

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ رواۃ حدیث میں صنابحی نام کے تین راوی آتے ہیں:

۱- عبداللہ الصنابحی ؓ، یہ بالاتفاق صحابی ہیں، اور صحیح قول کے مطابق حدیث باب کے راوی یہی ہیں۔

۲- ابو عبداللہ الصنابحی، ان کا نام عبدالرحمٰن بن عسیلہ ہے، یہ مخضرمین میں سے ہیں، یہ جب حضور اکرم ﷺ کی زیارت کی نیت سے مدینہ طیبہ کی طرف چلے تو مقام ذوالحلیفہ پہنچ کر انہیں علم ہوا کہ صرف پانچ دن قبل آنحضرت ﷺ کی وفات ہو چکی ہے، لہٰذا آپ ﷺ سے براہ راست ان کا سماع ثابت نہیں ہے اور ان کی نقل کردہ تمام مرفوع روایات مرسل ہیں۔ (تہذیب التہذیب ۳۹۵/۲)۔

اب چوں کہ ان کی کنیت ابو عبداللہ ہے اس لئے بعض لوگوں کو عبداللہ الصنابحی سے اشتباہ ہو جاتا ہے۔

۳- الصنابح بن الاعسر الاحمسی ؓ یہ بھی بالاتفاق صحابی ہیں، اور ان کو بعض اوقات صنابحی کہہ دیا جاتا ہے۔

لیکن امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ عبداللہ الصنابحی نام کا کوئی صحابی موجود نہیں ہے، صنابحی کا اطلاق صرف دو حضرات پر ہوتا ہے ایک ابو عبداللہ عبدالرحمٰن بن عسیلہ پر اور دوسرے صنابح بن الاعسر احمسی پر، اور حدیث باب کے راوی ابو عبداللہ الصنابحی ہیں نہ کہ عبداللہ الصنابحی اس لئے یہ حدیث مرسل ہے۔

لیکن امام ترمذیؒ اور ابن السکن وغیرہ محدثین کی رائے یہ ہے کہ حدیث باب کے راوی عبد اللہ الصنابحی ہیں، جو صحابی ہیں، غالباً ہمارے مصنفؒ کی رائے بھی یہی ہے، امام طحاویؒ کا یہ کہنا کہ عبد اللہ الصنابحی نام کا کوئی صحابی موجود نہیں ہے ٹھیک نہیں ہے، کتب رجال میں ان کا تذکرہ موجود ہے۔ (بذل ۱/ ۲۴۶)۔

كَذَبَ أَبُومُحَمَّد : كَذَبَ بمعنی أخطأ ہے، کذب کو خطا کے معنی میں استعمال کرنا محاورۂ عرب میں بہت ہوتا ہے، کہا جاتا ہے: كَذَبَ سَمْعِي و كَذَبَ بَصَرِيْ کہ مجھ سے سننے یا دیکھنے میں غلطی ہوئی۔ (المنہل ۴/ ۳)۔

مضمون حدیث واضح ہے کہ ابو محمد مسعود بن اوس رضی اللہ عنہ نے حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے سامنے فرمایا: "إن الوتر واجب" کہ وتر کی نماز واجب ہے، حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ نے واجب بمعنی فرض سمجھا اور نفی کرتے ہوئے فرمایا کہ ابو محمد رضی اللہ عنہ نے غلط کہا، فرض تو صرف پانچ نمازیں ہیں، جو شخص ان پانچوں نمازوں کو فرائض، سنن و آداب کی رعایت کر کے پڑھے گا اللہ کا وعدہ ہے کہ اس کے گناہوں (صغیرہ گناہ) کو معاف کر دے گا اور جو ایسا نہیں کرے گا اس کے لئے مغفرت کا کوئی وعدہ نہیں ہے۔

بعض حضرات نے اس روایت سے عدم وجوب وتر پر استدلال کیا ہے، لیکن صاحب منہل لکھتے ہیں کہ یہ استدلال ٹھیک نہیں ہے اس لئے کہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے وجوب بمعنی فرض کی نفی کی ہے، نہ کہ وجوب بمعنی وجوب کی، اس وجہ سے انہوں نے صلوات خمسہ سے استدلال کیا ہے۔

فقہ الحدیث

اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ صلوات خمسہ کو خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرنا گناہوں کے لئے کفارہ ہے، لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہاں گناہوں سے مراد صغیرہ گناہ ہیں، کبیرہ گناہوں کے لئے توبہ کرنا لازمی ہے۔

علامہ طیبیؒ لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرتکب کبیرہ کو عذاب دینا اللہ پر واجب نہیں ہے۔

۴۲۶ ﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ عَبْدِاللهِ الخُزَاعِيُّ وعَبْدُ اللهِ بنُ مَسْلَمَةَ قَالَا : ثَنَا عَبْدُ اللهِ بنُ عُمَرَ عن الْقَاسِمِ بنِ غَنَّامٍ عَنْ بَعْضِ أُمَّهَاتِهِ عَنْ أُمِّ فَرْوَةَ قَالَتْ: سُئِلَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَيُّ الأَعْمَالِ أَفْضَلُ ؟ قال : الصَّلَاةُ فِي أَوَّلِ وَقْتِهَا ، قَالَ الخُزَاعِيُّ فِي حديثِهِ : عَنْ عَمَّةٍ لَهُ يُقَالُ لَهَا : أُمُّ فَرْوَةَ ، قَدْ بَايَعَتِ النبيَّ صلى الله عليه وسلم أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم سُئِلَ.﴾

أخرجه الترمذي في "جامعه" في الصلاة، باب: ما جاء في الوقت الأول من الفضل (١٧٠). انظر "تحفة الأشراف" (١٨٣٤١).

ترجمہ : حضرت ام فروہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کسی نے حضور اکرم ﷺ سے پوچھا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اولِ وقت نماز پڑھنا، خزاعی نے اپنی حدیث میں یہ کہا کہ ان کی پھوپھی ام فروہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے جنہوں نے حضور ﷺ سے بیعت کی تھی۔

تشریح مع تحقیق : القاسم بن غَنَّامٍ : ابن حبان نے تو ان کا ذکر کتاب الثقات میں کیا ہے البتہ امام ترمذیؒ، عقیلی اور ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو مضطرب الحدیث قرار دیا ہے۔

بعضُ أُمَّهَاتِهِ : یہ بعض الامہات کون ہیں، ان کی کوئی تعیین نہیں۔

أُمُّ فَرْوَةَ : ان کا شمار بڑے درجہ کی صحابیات میں ہوتا ہے، انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے دست مبارک پر بیعت سلوک کی تھی، سورۂ ممتحنہ آیت (۱۰) میں اس بیعت کا تذکرہ ہے، اور یہ ام فروہ قاسم بن غنام کی پھوپھی بھی ہیں، ابن عبدالبر اور طبرانی کی رائے یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی بہن ہیں۔ (تہذیب ۶/۶۳۲)۔

قوله : سُئِلَ رسولُ اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم الخ : سوال کرنے والے اور کوئی دوسرے صحابی ہیں، جب سوال کیا گیا تو اس وقت یہ بھی مجلس میں شریک تھیں، طبرانی کی ایک روایت میں ہے: "سئل رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم و أَنَا أَسْمَعُ عن أَفْضلِ الأعمال"، لیکن طبرانی میں ہی ایک دوسری روایت ہے: إنها قَالَتْ : سَأَلْتُ رسولَ اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم أيّ العَمَلِ أَفْضَلُ" اس کا تقاضہ یہ ہے کہ انہوں نے بذات خود آپ ﷺ سے سوال کیا تھا؟ صاحب منہل لکھتے ہیں کہ: دونوں روایتوں میں کوئی منافات نہیں ہے اس لئے کہ یہ بات ممکن ہے کہ پہلے انہوں نے خود سوال کیا ہو اس کے بعد کسی دوسرے کو سوال کرتے ہوئے دیکھا ہو۔

سوال کا مقصد یہ تھا: کہ سب سے بہترین عمل جس کو میں انجام دوں وہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اول وقت میں نماز پڑھ لینا سب سے افضل عمل ہے۔

اس حدیث سے شوافع وغیرہ نے یہ بات ثابت کرنے کی پوری کوشش کی ہے کہ نمازیں اول وقت ہی میں پڑھنی چاہئیں، احناف جو کہیں وقت ثانی کی فضیلت کے قائل ہیں ان کا نظریہ ٹھیک نہیں ہے حالانکہ یہ بات پیچھے گزر چکی ہے کہ احناف اولِ وقت کی فضیلت کو تسلیم کرتے ہیں، البتہ حق مصلیان، حق صلاۃ اور حق وقت کی وجہ سے ثانی وقت کے قائل ہیں، اور یہ بات ان کے نزدیک احادیث ہی سے ثابت ہے، جیسا کہ گزشتہ ابواب میں یہ بات تفصیل سے گزر چکی ہے۔

نیز یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ مطلقاً اول وقت کی فضیلت میں کوئی صحیح اور صریح حدیث ثابت نہیں ہے، جو احادیث صحیحہ ہیں وہ صریح نہیں اور جو صریح ہیں وہ صحیح نہیں۔

حدیث باب کے سلسلے میں ہم یہ کہتے ہیں کہ اول تو یہ حدیث عورتوں کے بارے میں ہے عورتوں کو وقت ہوتے ہی

نماز پڑھ لینی افضل ہے کیونکہ ان کو گھریلو مشاغل ہوتے ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ حدیث ام فروہ ضعیف ہے، خود امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: یہ حدیث ضعیف اور مضطرب ہے، اضطراب اس لئے ہے کہ عبداللہ بن عمر عمری: قاسم بن غنام اور ام فروہ کے درمیان کوئی واسطہ ذکر نہیں کرتے، جب کہ دیگر رواۃ واسطہ بڑھاتے ہیں، لیکن ان رواۃ کا بڑھایا ہوا واسطہ مجہول ہے، پھر قاسم بن غنام بھی کوئی ثقہ راوی نہیں، اس لئے یہ حدیث احناف کے خلاف حجت نہیں۔

افضل الاعمال کا مصداق

سب اعمال میں سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ اس بارے میں متعدد احادیث منقول ہیں، یہاں تو نماز کو سب سے افضل عمل قرار دیا گیا ہے بعض میں آیا ہے کہ سلام کی اشاعت کرنا اور حاجت مندوں کو کھانا کھلانا سب سے افضل عمل ہے، بعض میں ہے کہ سب سے افضل عمل یہ ہے کہ لوگ تمہارے ہاتھ اور زبان سے محفوظ رہیں، کسی حدیث میں ہے کہ سب سے افضل عمل ذکر الٰہی ہے، بعض میں ایمان کو، بعض میں والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کو افضل عمل قرار دیا گیا ہے۔

ان سب حدیثوں میں باہمی مطابقت یہ ہے کہ دراصل احوال، اشخاص، وجوہ اور اوقات کے اعتبار سے ان اعمال میں سے ہر ایک کو دوسرے سے افضل قرار دیا گیا ہے، جس وقت اور جس حالت کا جو تقاضہ تھا، یا جس شخص کے مزاج اور رغبت کی جو مناسبت تھی، یا جس موقع ومحل کی جو ضرورت تھی اسی اعتبار اور لحاظ سے آپ ﷺ نے کبھی کسی عمل کو سب سے افضل فرمایا اور کبھی کسی کو۔

اس کو مثال کے طور پر یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ کسی خاص مناسبت سے کوئی چیز ہمیں اچھی معلوم ہوتی ہے تو ہم یوں کہہ دیتے ہیں کہ یہ چیز بہت بہترین ہے، لیکن کہتے وقت ہمارے ذہنوں میں یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ یہ چیز ہر ہر چیز سے ہر حالت اور ہر اعتبار سے افضل اور بہتر ہے، بلکہ ہمارے ذہن میں یہ ہوتا ہے کہ اس وقت میں اور اس خاص مناسبت سے یہ چیز اور چیزوں سے اچھی ہے، اسی طرح ان حدیثوں کو سمجھنا چاہئے کہ ہر ایک عمل کو اس حالت اور اس کے موقع کے اعتبار سے افضل بتایا گیا ہے۔

ایک موقع وہ تھا کہ مخالفین اسلام پر ظلم ہو رہا تھا اسلام اور مسلمانوں کی بیخ کنی کے منصوبے بن رہے تھے، اس وقت جہاد کو سب سے افضل عمل قرار دیا گیا، اور اسی عمل کو لوگوں کے مناسب حال سمجھا، ایک وہ موقع تھا کہ غرباء بھوک سے بے حال ہو رہے تھے اس وقت خیرات کرنا، کھانا کھلانا افضل عمل قرار دیا گیا، اور جب موقع ہوا قربت خداوندی کے حصول کا (نماز کا وقت ہوا) تو اس وقت نماز پڑھنے کو سب سے افضل عمل قرار دیا گیا۔

حاصل یہ ہے کہ حالات اور مواقع کے اعتبار سے وجوہ اور نوعیتوں میں جو اختلاف ہوتا ہے اسی اعتبار سے احادیث

میں مذکورہ اعمال اپنی اپنی وجہ اور نوعیت کی بنیاد پر دوسرے اعمال سے افضل قرار دیئے گئے۔
صاحب منہل لکھتے ہیں کہ جس حدیث میں ایمان کو افضل الاعمال کہا گیا ہے اس سے مراد اعمالِ قلب ہیں اور جس میں نماز کو افضل کہا گیا ہے اس سے مراد اعمالِ بدنیہ ہیں کہ ان میں نماز سب سے افضل عمل ہے، رہا مسئلہ ان احادیث کا جن میں جہاد، حج، برالوالدین اور اطعام الطعام وغیرہ کو افضل عمل بتایا گیا ہے تو وہاں افضلیت جمیع احوال اور جمیع وجوہ کے اعتبار سے نہیں ہے، بلکہ اشخاص واحوال کے اعتبار سے ہے۔ (المنہل ۶/۴)۔

۴۲۷ ﴿حَدَّثَنَا عمرو بنُ عَوْنٍ أنَا خَالِدٌ عن داوُدَ بن أبي هِنْدٍ عَنْ أبِي حَرْبِ بنِ أبِي الأسْوَدِ عن عَبْدِالله بنِ فَضَالَةَ عن أبيه قَالَ : عَلَّمَنِي رسولُ الله صلى الله عليه وسلم ، فَكَانَ فِيْمَا عَلَّمَنِي : "وحَافِظْ عَلَى الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ، قَالَ : قُلْتُ : إنَّ هٰذِهٖ سَاعَاتٌ لي فِيهَا أشْغَالٌ فَمُرْنِي بِأمْرٍ جَامِعٍ إذَا أنَا فَعَلْتُهُ أجْزَءَ عَنِّي ، فقال : حَافِظْ عَلَى العَصْرَيْنِ ، ومَا كَانَتْ مِنْ لُغَتِنَا فَقُلْتُ : وَمَا العَصْرَانِ ؟ فَقَالَ : صَلَاةٌ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وصَلَاةٌ قَبْلَ غُرُوبِهَا".﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (١١٠٤٢).

قال الخطابي: "العَصْرَيْن" : يريد صلاة العصر وصلاة الصبح والعرب قد تحمل أحد الاسمين على الآخر فتجمع بينهما في التسمية طلبًا للتخفيف، كقولهم: سُنَّة العُمَرَيْن: لأبي بكر وعمر رضي الله عنهما؟ والأسْوَدَيْن: يريدون التمر والماء. والأصل في العصرين عند العرب الليل والنهار. قال حميد بن ثور:

ولن يلبث العصران يوم وليلة ☆ إذا طلبنا أن يدركا ما تيمما

فيشبه أن يكون إنما قيل لهاتين الصلاتين العصران لأنهما تقعان في طرفي العصرين وهما الليل والنهار. انظر "معالم السنن" ١١٥/١.

ترجمہ : حضرت فضالہ ؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے مجھے (بہت سے احکام اسلام کو) سکھایا، آپ ﷺ کے سکھائے ہوئے احکام میں یہ بھی تھا کہ پانچوں نمازوں پر محافظت کرو، میں نے عرض کیا کہ ان اوقات میں مجھے بہت کام ہوتے ہیں اسلئے ایک ایسی جامع بات ارشاد فرمادیجئے کہ جب میں اس کو کروں تو کافی ہوجائے آپ ﷺ نے فرمایا: عَصرَین پر محافظت کرو، ہماری زبان میں لفظ عصرین مروج نہ تھا، (اسلئے) میں نے پوچھا کہ عصرین کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا دو نمازیں، ایک آفتاب طلوع ہونے سے پہلے اور ایک آفتاب غروب ہونے سے پہلے۔ (یعنی فجر اور عصر کی نماز)۔

تشریح مع تحقیق : قوله : عَلَّمَنِي رسول الله صلى الله عليه وسلم الخ : یہاں عَلَّمَ کا مفعول

محذوف ہے: "أي عَلِّمني أحكامَ الإسلامِ وما يَحتاجُ إليهِ مِنْ أمرِ دِينِه" فضالہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے مجھے بہت سے احکام سکھلائے ان میں سے نماز کا معاملہ بھی تھا، وہ یہ کہ آپ ﷺ نے مجھے یہ تاکید کی کہ پانچوں نمازوں کی مکمل پابندی کروں کو جماعت سے اوقات مستحبہ میں ادا کرو، اس پر حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ!

إنَّ هٰذِهِ سَاعَاتٌ لِي فِيهَا أَشْغَالٌ الخ: کہ نمازوں کے جو اوقات مستحبہ آپ ﷺ نے بتلائے ہیں ان اوقات میں مجھے بہت مصروفیات رہتی ہیں، جن کی وجہ سے اوقات مستحبہ میں نمازوں کی ادائیگی سے میں معذور رہوں اس لئے آپ ﷺ مجھے کوئی ایسا جامع عمل بتا دیجئے، جس پر عمل کر کے میں خیر کثیر حاصل کرلوں اور وہ مجھے کافی ہو جائے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا حَافِظْ عَلَى العَصْرَيْن: کہ عصرین پر محافظت کرو، عصرین کا لفظ حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ کی لغت میں معروف نہ تھا اس لئے انہوں نے اس کے معنی دریافت کئے، آپ ﷺ نے بتلا دیا کہ عصرین سے مراد عصر اور فجر کی نماز ہے، ان دونوں کی خوب پابندی کرو۔

حدیث پر اشکال اور اس کا جواب

علامہ ولی الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بظاہر یہ حدیث مشکل ہے کیونکہ اس سے تو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ شخص مذکور (فضالہ رضی اللہ عنہ) کیلئے صرف دو نمازیں پڑھ لینا کافی ہے، حالانکہ فریضہ میں کسی کے لئے کوئی رعایت نہیں ہوتی؟

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اشکال کا یہ جواب دیا ہے کہ آپ ﷺ نے ان صحابی کو فرمایا تھا کہ صلوات خمسہ کو ان کے اوقات مستحبہ کی رعایت کر کے پڑھیں اس پر انہوں نے معذرت کی کہ تمام نمازوں کو اوقات مستحبہ میں پڑھنا میرے لئے بہت ہی دشوار ہے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھا کم از کم دو نمازوں کو تو ان کے اوقات مستحبہ میں بطور خاص پڑھ لیا کرو باقی کو جب بھی وقت ملے پڑھ لینا، یہ مطلب نہیں ہے کہ صرف دو نمازیں پڑھ لینا کافی ہیں، ابن حبانؒ نے بھی تقریباً یہی بات کہی ہے۔ (عون المعبود ۲/ ۶۸)۔

صاحب منہل نے اسی تاویل کو اختیار کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ ان دونوں اوقات میں آدمی کو سستی اور مشغولیت بہت ہوتی ہے جب ان میں اوقات مستحبہ کی پابندی ہو جائے گی تو دوسری میں بھی پابندی کرنا آسان ہوگا اور اگر دوسری نمازیں بے وقت بھی ہو گئیں تو ان کی فضیلت اُن کی کمی اور نقصان کی تلافی کر سکتی ہے۔ (المنہل ۴/ ۹)۔

علامہ سیوطیؒ کی رائے یہ ہے کہ دراصل حضور اکرم ﷺ کے کچھ خصوصی اختیارات بھی ہیں جن کو آپ ﷺ مناسب موقع پر استعمال فرماتے ہیں اور عام قانون سے جس شخص کو الگ فرمانا چاہتے ہیں اس کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں، یہاں پر بھی ایسے ہی ہوا کہ آں حضرت ﷺ نے حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ سے فجر اور عصر کے علاوہ تمام نمازوں کو معاف کر دیا تھا، اور یہ صرف

ان صحابی کی خصوصیت تھی۔

لیکن علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے علامہ سیوطیؒ کی رائے کی تردید کی ہے کہ آپ ﷺ نے نماز سے کسی کو بھی مستثنیٰ نہیں فرمایا، علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ دراصل آپ ﷺ نے حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ کو تعلیم میں پانچوں نمازوں کے ساتھ کچھ اذکار بھی تعلیم فرمائے تھے اس پر انہوں نے کہا کہ حضور ﷺ بسا اوقات مجھے مصروفیت رہتی ہے مجھے تو مختصر سا عمل بتا دیجئے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا تو فجر اور عصر میں تو ان اذکار کو کر ہی لینا، گویا اصل صلاۃ سے اس استثناء کا تعلق نہیں بلکہ اذکار سے ہے اور اگر یہ معنی ہیں کہ انہوں نے نمازوں ہی کے بارے میں عذر کیا تھا تب بھی آپ ﷺ کا فجر اور عصر کے بارے میں تاکید فرمانا ان نمازوں کے اہتمام کے پیش نظر تھا، کیونکہ ان دو نمازوں کی محافظت بقیہ نمازوں کی محافظت کا راستہ ہے، جو شخص ان دو نمازوں کی محافظت کر لے گا اس کے لیے بقیہ نمازوں کی محافظت سہل ہو جائے گی، کیونکہ فجر کا وقت تو غفلت کا وقت ہے اور عصر کا وقت بازار کی گرما گرمی کا ہے۔

عصر اور فجر کے بارے میں دوسری روایات میں بھی تاکید آئی ہے۔

لا یلج النار أحد صلی قبل طلوع الشمس وقبل أن تغرب. (مسند احمد ٤/٢٦١). جو شخص طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے قبل کی نمازیں ادا کرے گا جہنم میں نہ جائے گا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"مَنْ صَلَّى الْبَرْدَيْنِ دَخَلَ الْجَنَّة". (بخاری ٨١/١). جو ٹھنڈے وقت کی نمازیں ادا کرے گا جنت میں داخل ہوگا

اس لئے "حافظ على العصرين" کے معنی بھی یہی ہوں گے۔

۴۲۸ ﴿حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا يَحْيٰى عن إِسْمَاعِيلَ بنِ أبي خَالِدٍ نَا أبوبَكْرِ بنُ عُمَارَةَ بنِ رُوَيْبَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سَأَلَهُ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ البَصْرَةِ فَقَالَ: أَخْبِرْنِي مَا سَمِعْتَ مِنْ رسولِ الله صلى الله عليه وسلم قَالَ: سَمِعْتُ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم يَقُولُ: لَا يَلِجُ النَّارَ رَجُلٌ صَلّٰى قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ، قال: أَنْتَ سَمِعْتَهُ مِنْهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، قَالَ نَعَمْ، كُلَّ ذٰلِكَ سَمِعَتْهُ أُذُنَايَ وَ وَعَاهُ قَلْبِي، فقال الرَّجُلُ: وَأَنَا سَمِعْتُهُ يَقُولُ ذٰلِكَ.﴾

أخرجه مسلم في "صحيحه" في المساجد، باب: فضل صلاتي الصبح والعصر والمحافظة عليهما. (١٤٣٤ و ١٤٣٥) وأخرجه النسائي في "المجتبى" في كتاب: الصلاة، باب: فضل صلاة العصر (٤٧٠) وفي الكتاب نفسه، باب: فضل صلاة الجماعة (٤٨٦). انظر "تحفة الأشراف" (١٠٣٧٨).

ترجمہ : عمارہ بن رویبہ ؓ کہتے ہیں کہ ان سے اہل بصرہ میں سے ایک شخص نے سوال کیا کہ مجھے وہ حدیث بتاؤ جو تم نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو، انہوں نے کہا کہ میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ وہ شخص دوزخ کی آگ میں ہرگز نہیں ڈالا جائے گا جس نے سورج نکلنے سے پہلے اور سورج چھپنے سے پہلے (فجر اور عصر کی) نماز پڑھی، (سائل نے عمارہ ؓ سے) کہا: کیا آپ نے اس (حدیث) کو حضور ﷺ سے سنا ہے (سائل نے یہ جملہ) تین بار کہا، عمارہ ؓ نے ہر مرتبہ کہا کہ اس حدیث کو میرے کانوں نے سنا ہے، اور میرے دل نے محفوظ رکھا ہے، پھر اس (سائل) آدمی نے بھی کہا کہ میں نے بھی آپ ﷺ کو یہ (حدیث) فرماتے ہوئے سنا ہے۔

تشریح مع تحقیق : أبوبكر بن عمارة : ابن حبان نے ان کی توثیق کی ہے، حافظؒ نے تقریب التہذیب میں ان کو مقبول لکھا ہے۔

عن أبيه : یہ عمار بن رُوَیبہ ؓ ہیں، صغار السّن صحابہ میں سے ہیں، جب ان کی والدہ کو ان کے والد نے طلاق دے دی تھی اور پرورش کا مسئلہ سامنے آیا تو آپ ﷺ نے ان کو اختیار دے دیا کہ چاہے والد کے پاس رہیں یا والدہ کے پاس رہیں، انہوں نے اپنی والدہ کے پاس رہنا پسند کیا، معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں یہ چھوٹے تھے۔ (تہذیب التہذیب ۴/۲۶۱)۔

سَأَلَهُ رَجُلٌ من أهل البصرة : یہ سائل بھی صحابی ہیں، لیکن ان کے نام کے بارے میں علم نہیں کہ ان کا نام کیا تھا۔

قوله : لَا يَلِجُ النَّارَ ، رَجُلٌ صَلّٰى الخ : وَلَجَ يَلِجُ وَلُوُجًا گھسنا، داخل ہونا، یعنی جو شخص یہ دونوں نمازیں ہمیشہ پڑھے گا اس کو یہ برکت حاصل ہوگی، کہ وہ دوزخ میں نہیں ڈالا جائے گا۔

اس حدیث کا ظاہری مفہوم اگرچہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جو شخص ان دونوں نمازوں پر مداومت کرے گا اس کو دوزخ سے بچایا جائے گا، خواہ وہ دوسری نمازوں کا تارک ہی کیوں نہ ہو، اور کیسے ہی گناہوں کا مرتکب کیوں نہ ہو، لیکن اس سلسلے میں جمہور کے نزدیک یہ امر متعین ہے کہ نمازیں صغیرہ گناہوں کا تو کفارہ ہوتی ہیں کبیرہ گناہوں کا نہیں، اس لئے علامہ طیبیؒ نے اس حدیث کی توجیہ یوں کی ہے، کہ فجر کا وقت آرام کی حالت کا وقت ہے اور عصر کا وقت خرید وفروخت کی مشغولیت کا وقت ہے پس جو شخص ایسی رکاوٹوں کے باوجود ان دونوں اوقات کی نمازوں کی محافظت کرتا ہے تو اس کا ظاہر حال اس بات کا تقاضہ کرنے والا ہوتا ہے کہ یہ شخص دوسرے دینی اعمال اور فرائض میں کمی کرنے والا نہیں ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ" (بلاشبہ نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے) لہٰذا وہ شخص مغفرت اور بخشش کا استحقاق حاصل کر لیتا ہے، یعنی دوزخ میں نہیں جائے گا۔ (شرح طیبی ۲/۲۱۵)۔

لیکن بعض حضرات نے اس حدیث کی تشریح میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس حدیث کا اصل مقصد عصر اور فجر کی نماز کی

فضیلت اور برکت کو زیادہ سے زیادہ زوردار انداز میں بیان کرنا اور یہ بتانا ہے کہ ان دونوں نمازوں کی فضیلت ایسی حیثیت کی حامل ہے کہ جو بھی ان کی محافظت کرے وہ دوزخ میں ہرگز نہ جائے گا، اور اللہ تعالیٰ اگرچہ ہر برے اور اچھے عمل اور طاعت یا قصور پر سزا اور جزا دیتا ہے، لیکن اس کے باوجود بھی اللہ اگر چاہے گا تو اس شخص کی بدعملیوں یا بےعملیوں کو بخش دے گا جو ان دونوں نمازوں کی محافظت کرتا ہے۔ (فتح الملہم ۲/۲۰۷)۔

قوله : قال أنت سمعته منه : یہاں حرف استفہام مقدر ہے "اي أأنتَ سَمِعْتَه الخ." اور سائل نے تین مرتبہ یہی کہا کہ کیا آپ نے اس حدیث کو بذات خود حضور ﷺ سے سنا ہے، حضرت عمارہ رضی اللہ عنہ نے ہر مرتبہ یہی جواب دیا کہ ہاں میرے کانوں نے سنا ہے، اور میرے دل نے اس کو محفوظ رکھا ہے، حضرت عمارہ رضی اللہ عنہ کا یہ کلام تاکید پیدا کرنے کے لئے تھا۔

قوله : "وأنا سمعته" : اِن بصری صحابی رضی اللہ عنہ جو کہ سائل ہیں نے کہا کہ میں نے بھی اس حدیث کو آپ ﷺ سے سنا ہے گویا اس حدیث کو حضور ﷺ سے سننے والے اب دو صحابی ہوگئے، مسلم شریف کی روایت میں ہے: "قال الرَّجُلُ : وأَنَا أَشْهَدُ أَنِّي سَمِعْتُه مِنْ رسولِ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم سَمِعَتْهُ أُذُنَايَ وَ وَعَاهُ قَلْبِي" .

خلاصہ روایات الباب

مصنفؒ نے پانچوں نمازوں کے ابواب الگ الگ قائم کر کے ایک جامع باب قائم کیا جس میں ہمارے ہندی نسخے کے اعتبار سے چار حدیثیں ذکر کیں اور منہل کے نسخے کے اعتبار سے چھ حدیثیں ہیں اس جامع باب کو قائم کر کے نمازوں کو ان کے اوقات مستحبہ میں خشوع وخضوع سے پڑھنے کی اہمیت کو بیان کیا خصوصاً عصر اور فجر کی نمازوں کی اہمیت کو بہت زوردار انداز میں بیان فرمایا تاکہ لوگ ان نمازوں کو ان کے اوقات مستحبہ میں پڑھ کر ہمیشہ ہمیش کی سرخ روئی حاصل کر لیں۔

نوٹ: حدیث ۴۲۹، اور ۴۳۰ ہمارے ہندی نسخہ میں نہیں ہے۔

٤٢٩– تفرد به أبو داود: انظر "تحفة الأشراف" (١٠٩٣٠).

٤٣٠–أخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة، باب: ما جاء في فرض الصلوات الخمس والمحافظة عليها. (١٤٠٣). انظر "تحفة الأشراف" (١٢٠٨٢). حديث رقم ٤٢٩ و ٤٣٠ ليسا في النسخة الهندية ولكنهما ذكرا في هامشها عن نسخة أخرى وقد جاء في أول كل حديث: قال أبو سعيد بن الأعرابي حدثنا محمد بن عبد الملك بن يزيد الرواس –يكنى أبا أمامة– قال: حدثنا أبو داود ومعنى هذا أنهما في رواية ابن الأعرابي وليسا في رواية اللؤلؤي وقد سقطا من "مختصر المنذري".

❁ ❁ ❁

﴿بابٌ إذَا أَخَّرَ الإمَامُ الصَّلاَةَ عَنِ الوَقْتِ﴾

جب نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کردے تو کیا حکم ہے؟

۴۳۱ ﴿حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نا حَمَّادُ بنُ زَيْدٍ عَنْ ابي عِمْرَانَ يَعْنِي الْجَوْنِيَّ عن عَبْدِ اللّٰه بنِ الصَّامِتِ عن أبِي ذَرٍّ قال : قَالَ لِي رسولُ اللّٰه ﷺ يَا أَبَا ذَرٍّ ! كَيْفَ أَنْتَ إذَا كَانَتْ عَلَيْكَ أُمَرَاءُ يُمِيتُونَ الصَّلاَةَ او قَالَ : يُؤَخِّرُوْنَ الصَّلاَةَ ؟ قُلْتُ : يا رسولَ اللّٰه ! فما تَأْمُرُنِي ؟ قال : صَلِّ الصلاةَ لِوَقْتِهَا ، فإنْ أَدْرَكْتَهَا مَعَهُمْ فَصَلِّهَا فَإنَّهَا لَكَ نَافِلَةٌ.﴾

أخرجه مسلم في "صحيحه" في المساجد، باب: كراهية تأخير الصلاة عن وقتها المختار وما يفعله المأموم إذا أخرها الإمام (١٤٦٣) وأخرجه الترمذي في "جامعه" في كتاب: الصلاة، باب: ما جاء في تعجيل الصلاة إذا أخرها الإمام (١٧٦) وأخرجه ابن ماجه أيضًا في كتاب: الجهاد، باب: طاعة الإمام (٢٨٦٢). انظر "تحفة الأشراف" (١١٩٥٠).

ترجمہ : حضرت ابوذر غفاری ؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے ابوذر! تم کیا کروگے جب تمہارے اوپر ایسے حاکم ہوں گے جو نماز میں دیر کریں گے یا نماز کو مار ڈالیں گے، میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم نماز کو اس کے وقت (مستحب) میں پڑھ لینا، پھر اگر نماز کو ان امراء کے ساتھ پاؤ تو پڑھ لینا وہ تمہارے لئے نفل ہو جائے گی۔

تشریح مع تحقیق : مملکت اسلامی میں سرکاری عہدوں پر فائز لوگ مثلاً: قاضی، گورنر وغیرہ جامع مسجد میں نماز پڑھایا کرتے تھے، اور یہ امام کُل پاور کے مالک ہوتے تھے، جب ان کا جی چاہا نماز پڑھانے کے لئے مسجد میں آتے لوگ ان کا انتظار کرنے پر مجبور ہوتے تھے، اوران سے جلدی کرنے کے لئے یا وقت پر آنے کے لئے کہنا یا ان کی اجازت کے بغیر جماعت کر لینا اپنی شامت کو دعوت دینا تھا اس لئے فرمایا کہ اگر یہ جابر ائمہ نماز پڑھانے میں غیر معمولی تاخیر کریں اور نماز کو قضاء ہونے یا مکروہ وقت میں پڑھنے کا اندیشہ ہو تو لوگوں کو چاہئے کہ وہ انفرادی طور پر فرض پڑھ لیں، پھر جب امام آجائے تو ان کی اقتداء میں بھی نماز پڑھیں یہ ان کی نفل نماز ہوگی۔

اور اگر صورت حال یہ ہو کہ ائمہ سرکاری نہ ہوں اور مساجد کا انتظام نصب امام وغیرہ اہل محلہ اپنے اختیار سے خود کرتے ہوں جیسا کہ آج کل ہمارے زمانے میں ہے تو پھر مذکورہ حکم نہیں ہوگا۔

قوله : كَيْفَ أَنْتَ إذَا كَانَتْ عَلَيْكَ أُمَرَاءُ : امراء میں تنوین تقلیل کے لئے ہے یعنی کچھ امراء، حضور اکرم ﷺ

نے بطور پیشین گوئی کے یہ ارشاد فرمایا کہ: ابوذر ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ حکام نمازوں کو ان کے اوقات میں نہ پڑھیں گے، بلکہ ان کو اس میت کی طرح کر ڈالیں گے جس کی روح نکل گئی ہو، اگر تم ایسا وقت پاؤ تو وقت مستحب میں اپنی نماز پڑھ لینا پھران امرار کے ساتھ اس نماز کو دوبارہ پڑھ لینا، تاکہ ان کی مخالفت پیدا ہو کر کوئی فتنہ پیدا نہ ہو۔

حدیث شریف میں اماتت کے الفاظ آئے کہ یہ امرار، نمازوں کو مار دیں گے، امام نووی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نمازوں کو غیر وقت مستحب میں پڑھنا ہے قضار کرنا مراد نہیں ہے، لیکن حافظ ابن حجر اور علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اماتت کے ظاہری معنی قضار کرنے کے ہیں اور بہت سے امرار بنوامیہ سے نماز کا قضار کرنا اور ترک کرنا ثابت ہے۔ (المنہل ۴/۱۴۷)۔

قولہ : "فَإِنَّهَا لَكَ نَافِلَةٌ" : یہ دوسری نماز تمہارے لئے نفل ہو جائے گی، یہ حدیث اس مسئلہ میں صریح ہے کہ پہلی نماز فرض ہوگی اور یہ دوسری نماز نفل ہوگی، جمہور علمار اسی کے قائل ہیں، البتہ امام مالک کا مذہب یہ منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ دونوں میں سے جس کو قبول کرنا چاہے قبول کرلے کوئی متعین نہیں ہے بلکہ معاملہ اللہ کی طرف سپرد ہے۔

ہاں امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ اول نماز نفل ہوگی اور ثانی فرض امام اوزاعی کی دلیل ابوداؤد (کتاب الصلاۃ، ابواب الجماعہ) ہی کی ایک حدیث ہے جس میں ہے: "تكن لك نافلة وهذه مكتوبة" اس میں بعد والی نماز کو فرض کہا گیا ہے۔

جمہور کی طرف سے امام اوزاعی کے اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت شاذ ہے، دیگر صحیح روایات کے خلاف ہے، جیسا کہ امام نووی اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت کی ہے، احادیث الباب جمہور کا مستدل ہیں۔

مسئلہ ثانیہ

دوسرا مسئلہ جو اس حدیث کے ذیل میں آتا ہے کہ وہ یہ ہے کہ حدیث میں مذکور حکم تمام نمازوں کے لئے ہے یا چند نمازوں کے لئے؟

حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اعادہ صرف دو نمازوں کا ہوگا یعنی ظہر کا اور عشار کا، اس لئے کہ یہ دوسری نماز نفل ہوگی اور نماز نفل فجر اور عصر کے بعد مکروہ ہے، اور نماز مغرب کا اعادہ اس لیے نہیں کہ نفل نماز ثلاثی نہیں ہوتی بلکہ ثنائی ہوتی ہے، یا رباعی ہوتی ہے اور ایک رکعت کا اضافہ کرتے ہیں تو امام کی مخالفت لازم آتی ہے۔

حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ مغرب کے علاوہ باقی چار نمازوں کا اعادہ کیا جاسکتا ہے۔

حضرت امام شافعی اور امام احمد فرماتے ہیں کہ اعادہ تمام نمازوں کا کیا جائے گا، ان ائمہ ثلاثہ کا استدلال حدیث باب سے ہے کہ اس میں کسی وقت کی تخصیص نہیں، البتہ مالکیہ نے مغرب کا استثنار حدیث النھی عن البتیر ا ر سے کیا ہے۔

اس کے جواب میں حنفیہ احادیث النهی عن الصلاة فی الاوقات المكروهه اور حدیث النهی عن

الصلاۃ البتیرہ کو پیش کرتے ہیں اور روایت باب کو ان سے مخصص مانتے ہیں۔

اس مسئلہ کی مزید تحقیق آگے "باب من صلی في منزله ثم أدرك الجماعة" کے تحت آئے گی۔

۴۳۲ ﴿حَدَّثَنَا عَبْدُالرحمنِ بنُ إبْرَاهِيمَ الدِّمَشْقِيُّ ثَنَا الْوَلِيْدُ ثَنا الأوزاعِيُّ حَدَّثَنِي حَسَّانُ يعني ابنَ عَطِيَّةَ عن عَبْدِالرحمن بنِ سَابِطٍ عن عَمرو بن مَيْمُونٍ الأَوْدِيِّ قالَ : قَدِمَ عَلَيْنَا مَعَاذُ بنُ جَبَلٍ اليَمَنَ رسولُ رسولِ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إلَيْنَا ، قال : فَسمِعْتُ تَكْبِيْرَهُ مَعَ الْفَجْرِ ، رَجُلٌ اَجَشُّ الصَّوْتِ ، قال : فَأُلْقِيَتْ عَلَيْهِ مَحَبَّتِي ، فَمَا فَارَقْتُهُ حَتّى دَفَنْتُه بالشَّامِ مَيْتًا ثُمَّ نَظَرْتُ إلَى أَفْقَه الناسِ بَعْدَهُ فَأَتَيْتُ ابنَ مَسْعُودٍ فَلَزِمْتُهُ حَتّى مَاتَ ، فقال : قَالَ لِي رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كَيْفَ بِكُمْ إذَا أَتَتْ عَلَيْكُمْ أَمَرَاءُ يُصَلُّوْنَ الصَّلَاةَ لِغَيْرِ مِيْقَاتِهَا ، قُلْتُ : فَمَا تَأمُرُنِي إذَا أَدْرَكَنِي ذٰلِكَ يا رسول اللّٰه ؟ قال : صَلِّ الصَّلَاةَ لِمِيْقَاتِهَا واجْعَلْ صَلَاتَكَ مَعَهُمْ سُبْحَةً.﴾

أخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة، باب: ما جاء فيما إذا أخروا الصلاة عن وقتها (١٢٥٥). انظر "تحفة الأشراف" (٥٠٩٧).

قوله: أجش الصوت هو الذي في صوته جشة وهي شدة الصوت وفيها غنة، قوله: "سُبْحَة" : ما يصليه المرء نافلة من الصلوات. انظر "معالم السنن" ١١٧/١. قال بعضهم: وإنما خصت النافلة بالسبحة وإن شاركت الفريضة في معنى التسبيحات في الفرائض والنوافل فقيل للصلاة النافلة: سبحة لأنها نافلة كالتسبيحات.

ترجمہ : حضرت عمرو بن میمون اودی سے روایت ہے کہ ہمارے پاس یمن میں رسول اللہ ﷺ کے بھیجے ہوئے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ تشریف لائے، میں نے فجر کی نماز میں ان کی تکبیر سنی وہ ایک موٹی (بلند) آواز والے شخص تھے، مجھ کو ان سے محبت ہوگئی، میں نے ان کو مرتے دم تک نہیں چھوڑا، یہاں تک کہ میں نے ان کو شام میں دفن کردیا، ان کے بعد میں نے غور کیا کہ اب لوگوں میں زیادہ فقہ والے کون ہیں، (معلوم ہونے کے بعد) میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان کو مضبوطی سے پکڑے رہا یہاں تک کہ وہ بھی وفات پاگئے، (ایک دن حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے مجھے حدیث سناتے ہوئے) فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا تھا: تم اس وقت کیا کروگے جب تم پر ایسے امراء (مسلط) ہوں گے جو نماز کو اپنے وقت پر نہ پڑھیں گے؟ میں نے کہا کہ جب ایسا زمانہ مجھ پر آئے تو آپ مجھے کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نماز پڑھا کرنا اپنے وقت میں اور ان کے ساتھ بھی نفل سمجھ کر پڑھ لیا کرنا۔

تشریح مع تحقیق : أَجَشُّ الصَّوْتِ : اضافت الصفت الی الموصوف ہے، جَشَّ الصَّوْتُ جَشْنًا وجُشَّةً : آواز کا بھاری ہونا، مَحَبَّتِي : اضافت المصدر الی الفاعل ہے اور مفعول محذوف ہے أي مَحَبَّتِي إيَّاهُ ، مَحَبَّةً

: مصدر ہے بمعنی چاہت، دل چسپی، تعلق، دوستی سُبْحَةٌ : بضم السين بمعنی نفل نماز، دعاء، تسبیح۔

مضمون حدیث یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل ﷺ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ کو ملک یمن روانہ فرمایا، امیر حضرت معاذ ﷺ ہی کو مقرر کیا تھا، جس وقت آپ نے حضرت معاذ ﷺ کو روانہ کیا تھا تو یہ دعائیہ کلمات بھی ارشاد فرمائے تھے: "حَفِظَكَ اللّٰهُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْكَ وِمِنْ خَلْفِكَ وعَنْ يَمِيْنِكَ وعن شِمَالِكَ وِمِنْ فَوْقِكَ وِمِنْ تَحتِكَ و دَرَأَ عَنْكَ شُرُوْرَ الإنْسِ والْجِنّ" اوران کو یہ نصیحت فرمائی کہ لوگوں کو خدا کی طرف نرمی اور آسانی کرتے ہوئے بلانا سختی سے کام مت لینا۔

اب حضرت عمرو بن میمون کہہ رہے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کے فرستادہ حضرت معاذ ﷺ یمن میں صبح کے وقت داخل ہو رہے تھے تو ذرا بلند آواز سے تکبیر "اللہ أکبر" کہتے ہوئے داخل ہو رہے تھے، ان کی یہ صدا، صبح کے وقت میں میں نے اپنے کان سے سنی، حضرت معاذ کی آواز میں ذرا غنہ پایا جاتا تھا اپنی اسی آواز سے انہوں نے اللہ اکبر کہا اس آواز کے سننے کا مجھ پر ایسا اثر ہوا کہ میں ان کا گرویدہ ہو گیا اور ان کی محبت میرے دل میں بیٹھ گئی، اور میں ہمیشہ ان کی صحبت میں رہا تا آں کہ ان کو اپنے ہاتھوں سے ملک شام میں دفن کردیا۔ (تہذیب التہذیب ۳۸۶/۴)۔

پھر میں نے سوچا کہ یہ تو رخصت ہو گئے اب کسی اور فقیہ صحابی کے سامنے شاگردی اختیار کی جائے چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کا انتخاب کیا اور پھر ان کی صحبت میں رہا حتی کہ ان کا بھی وصال ہو گیا جب میں حضرت ابن مسعود ﷺ کے پاس تھا تو انہوں نے ایک دن مجھے یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں امراء نمازوں کو ان کے وقت مستحب کے علاوہ میں پڑھا کریں گے اگر ایسا وقت تم دیکھو تو نمازوں کو اولاً وقتِ مستحب میں پڑھ لینا پھر ان ائمہ کے ساتھ بھی پڑھ لینا، تا کہ ان کی مخالفت سے مسلمانوں میں انتشار پیدا نہ ہو۔

فقہ الحدیث

حدیث شریف سے یہ مسئلہ مستنبط ہوا کہ حتی الامکان امام المسلمین کی مخالفت سے گریز کرنا چاہئے، اس لئے کہ ان کی مخالفت سے مسلمانوں کی جماعت میں اتحاد باقی نہیں رہے گا۔

نیز حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ پہلی نماز فرض ہو گی اور دوسری نماز اس کے لئے نفل ہو گی جیسا کہ جمہور اس کے قائل ہیں۔

۴۳۳ ﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ قُدَامَةَ بنِ أَعْيَنَ نَا جَرِيْرٌ عن مَنْصُورٍ عن هِلَالِ بنِ يَسَافٍ عَنْ أبي الْمُثَنّي عن ابنِ أخْتِ عُبَادَةَ بنِ الصَّامِتِ عن عُبَادَةَ بن الصَّامِتِ ح وحَدَّثَنَا محمد

بنُ سُلَيْمَانَ الأنباريُّ نَا وَكِيعٌ عن سُفْيَانَ الْمَعْنَي عن مَنْصُورٍ عن هِلَالِ بنِ يَسَافٍ عن أبي الْمُثَنّي الحِمْصِيِّ عن أبي أُبَيِّ بنِ امْرَأةِ عُبَادَةَ بنِ الصَّامِتِ عن عبادةَ بنِ الصَّامِتِ قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : إنَّهَا سَتَكُونُ عَلَيْكُمْ بَعْدِي أُمَرَاءُ تشغلهم أشياء عن الصَّلَاةِ لِوَقْتِهَا حتى يَذْهَبَ وَقْتُهَا ، فَصَلُّوا الصلاةَ لِوَقْتِهَا ، فقال رَجُلٌ يا رسولَ الله ! أُصَلِّي مَعَهُمْ ؟ قال : نَعَمْ إنْ شِئْتَ.
وقال سُفْيَانُ : إنْ أدرَكْتُهَا مَعَهُمْ أُصَلِّي مَعَهُمْ ؟ قَالَ إنْ شِئْتَ.

تقدم تخريجه في الحديث السابق.

ترجمہ : حضرت عبادہ بن الصامت ﷛ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک عنقریب تمہارے اوپر ایسے امرار (مسلط) ہوں گے جن کو بہت سی چیزیں نمازوں کو ان کے اوقات میں پڑھنے سے روک دیں گی، یہاں تک کہ نماز کا وقت گزر جائے گا، (اس لئے) تم (اولاً) نماز کو اپنے وقت میں پڑھو، ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں (دوبارہ) ان کے ساتھ (بھی) نماز پڑھوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں اگر تم چاہو (تو پڑھو)
سفیان نے (اپنی روایت میں یہ الفاظ نقل کیے کہ اس شخص نے) کہا کہ اگر میں اسی (پڑھی ہوئی) نماز کو ان امرار کے ساتھ پاؤں تو کیا ان کے ساتھ (دوبارہ) پڑھوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں اگر تم چاہو (تو پڑھ لو)۔

تشریح مع تحقیق : مُحَمَّدَ بنُ قُدَامَةَ : ابوداؤد اور یحییٰ بن معین وغیرہ نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے البتہ امام دارقطنیؒ نے ان کی توثیق کی ہے تقریب میں بھی حافظؒ نے ان کو ثقہ ہی لکھا ہے۔
أبی المثنی : یہ ضمضم الاملوکی الحمصی ہیں، ابن حبان اور ابن عبد البر نے ان کی توثیق کی ہے، اور حافظؒ نے مجہول قرار دیا ہے۔

ابن اخت عبادَةَ : یہ عبداللہ بن اُبی ﷛ ہیں ابن مندہ کہتے ہیں کہ یہ فلسطین میں وفات پانے والے آخری صحابی ہیں، اور سند میں صحیح "ابن امرأة عبادة" ہے "ابن اخت عبادة" غلط ہے جیسا کہ دوسری سند میں ہے۔
أَبي أُبَي بن امرأة عباده : یہ عبداللہ بن ابی ہی ہیں، ان کی کنیت ابوابی ہے۔
الأنبارِيُّ : دجلہ کے قریب شہر "انبار" کی طرف نسبت ہے۔
سفیان المعنی : یہ سفیان ثوری ہیں، ان کی اور جریر کی روایت منصور سے ہم معنی ہے اگرچہ الفاظ میں اختلاف ہے۔
قوله : حتی یَذْهَبَ وَقْتُهَا : ذہاب وقت سے مراد یا وقت مستحب کا چلا جانا ہے یا نماز کا قضا ہو جانا ہے۔
قوله: "أصلي مَعَهم" : حرف استفہام محذوف ہے، بعض نسخوں میں مذکور بھی ہے۔

قوله : وقال سفيان الخ : سند میں منصور کے دو شاگرد ہیں ایک جریر، دوسرے سفیان، دونوں کے الفاظ میں مصنفؒ نے فرق بیان کیا، جب جریر نے منصور سے اس روایت کو نقل کیا تو اخیر میں ہے: يا رسول الله ! أصَلِّي مَعَهُمْ؟ قال : نَعَمْ إِنْ شِئْتَ ، اور منصور سے جب سفیان ثوری نے نقل کیا تو کہا: يا رسول الله ! إِنْ أَدْرَكْتُهَا مَعَهُمْ ا أُصَلِّي مَعَهُمْ ؟ قال : نَعَمْ إِن شِئْتَ. (بذل المجہود ۱/۲۵۰)۔

رواۃ کے الفاظ کے اختلاف کو بیان کرنا غایت احتیاط کی بات ہے۔

۴۳۴ ﴿حَدَّثَنَا أبو الْوَلِيْدِ الطَّيَالِسِيُّ ثَنَا أبو هَاشِمٍ يَعْنِي الزَّعْفَرَانِيَّ حَدَّثَنِي صَالِحُ بنُ عُبَيْدٍ عَنْ قَبِيْصَةَ بنِ وَقَّاصٍ قال : قال رسولُ الله صلى الله عليه وسلم : يَكُوْنُ عَلَيْكُمْ أُمَرَاءُ مِنْ بَعْدِي يُؤَخِّرُوْنَ الصَّلَاةَ ، فَهِيَ لَكُمْ وَهِيَ عَلَيْهِمْ ، فَصَلُّوا مَعَهُمْ مَا صَلَّوا القِبْلَةَ.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (۱۱۰۷۰).

ترجمہ : حضرت قبیصہ بن وقاص ﷺ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ میرے بعد تمہارے اوپر ایسے امراء مسلط ہوں گے جو نمازوں کو مؤخر کریں گے، پس وہ (تاخیر سے پڑھی گئی نماز) تمہارے لئے (نافع) ہوگی، اور وہ (تاخیر سے نماز پڑھنا) ان کے لئے (وبال اور نقصان دہ) ہوگا، ان (امراء) کے ساتھ نماز پڑھو جب تک وہ قبلہ رخ ہوکر نماز پڑھیں۔

تشریح مع تحقیق : حضور ﷺ کے فرمان کا مقصد واضح ہے کہ جو امراء تاخیر سے نماز پڑھیں گے تو تمہارا اس میں کچھ حرج نہیں بلکہ تمہارے حق میں تو ان کے ساتھ نماز پڑھنا ہی بہتر ہے، اس لئے کہ ہماری طرف سے تم کو یہی ہدایت ہے، اور یہ تاخیر سے پڑھی گئی نماز ان کے حق میں سراسر نقصان دہ ہے، کیونکہ ان کی تاخیر اپنے اختیار اور غفلت کی وجہ سے ہے۔

اور تم تو ان کے ساتھ اس وقت تک نماز پڑھتے رہو جب تک یہ قبلہ کی طرف کو نماز پڑھتے رہیں یعنی جب تک یہ مسلمان رہیں، کیوں کہ جب ان پر علامات کفر ظاہر ہوں گی تو پھر ان کے پیچھے نماز جائز ہی نہ ہوگی "ما صلوا القبلة" سے مراد ان کا مسلمان ہونا ہے۔ (بذل المجہود ۱/۲۵۱)۔

❁ ❁ ❁

﴿باب في من نام عن صلاةٍ أو نسيها﴾

اس شخص کا بیان جو نماز سے سوتا رہ جائے یا اس کو بھول جائے

۴۳۵ ﴿حَدَّثَنَا أحمد بنُ صَالِحٍ ثَنَا ابنُ وَهْبٍ أَخبَرَنِي يُونُسُ عن ابنِ شِهَابٍ عن ابنِ الْمُسَيَّبِ عن أبي هُرَيْرَةَ أنّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم حِيْنَ قَفَلَ مِنْ غَزْوَةِ خَيبَرَ فَسَارَ لَيْلَةً حَتّٰى إذَا أَدرَكَنَا الْكَرَى عَرَّسَ وقَالَ لِبِلَالٍ اكْلَأْ لَنَا اللَّيلَ قال : فَغَلَبَتْ بِلَالًا عَيْنَاهُ وهُوَ مُسْتَنِدٌ إلى رَاحِلَتِهِ ، فَلَمْ يَسْتَيْقِظِ النبيُّ صلى الله عليه وسلم ولَا بِلَالٌ ولا أَحَدٌ مِنْ أصحابه حَتّى ضَرَبَتْهُمُ الشَّمْسُ فكَانَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم أَوَّلَهُمْ اسْتِيْقَاظًا فَفَزِعَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم فقال : يا بِلَالُ ! فقالَ : أَخَذَ بِنفسِي الذي أَخَذَ بِنَفْسِكَ يا رسولَ الله بِأَبِي أَنْتَ وأُمِّي ، فَاقْتَادُوْا رَوَاحِلَهُمْ شَيْئًا ثُمَّ تَوَضَّأَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم وأَمَرَ بِلَالًا فَأَقَامَ لَهُمُ الصلاةَ وصَلّٰى لَهُمُ الصُّبْحَ ، فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ قال : مَنْ نَسِيَ صَلَاةً فَلْيُصَلِّهَا إذَا ذَكَرَها ، فإنَّ الله تعالىٰ قال : أَقِمِ الصَّلَاةَ لِلذِّكْرَى ، قَالَ يُونُسُ : وكَانَ ابنُ شِهَابٍ يَقْرَؤُهَا كَذٰلِكَ.

قال أحْمَدُ : قال عَنبَسَةُ يَعْنِي عن يُونُسَ في هٰذَا الحديثِ : "لِذِكْرِيْ" ، قال أحمد : الْكَرَى النُّعَاسُ.﴾

أخرجه مسلم في "صحيحه" في المساجد، باب: قضاء الصلاة الفائتة واستحباب تعجيل قضائها (١٥٥٨) وأخرجه ابن ماجه في كتاب: الصلاة، باب: من نام عن الصلاة أو نسيها (٦٩٦). انظر "تحفة الأشراف" (١٣٣٢٦).

قال الخطابي: "الكرى": النوم، ومعنى عرّس: نزل للنوم والاستراحة. والتعريس: النزول لغير إقامة. انظر "معالم السنن" ١/١١٧.

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خیبر سے لوٹے تو رات بھر چلے، جب ہم کو نیند آنے لگی تو آپ ﷺ اتر پڑے اخیر رات میں اور بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم جاگتے رہنا اور رات کا خیال رکھنا بلال رضی اللہ عنہ کی بھی آنکھیں لگ گئیں، وہ اپنے اونٹ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے، لہٰذا نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاگے نہ بلال رضی اللہ عنہ اور نہ ہی اور کوئی صحابہ میں سے، یہاں تک کہ جب دھوپ پڑنے لگی تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے اٹھے گھبرا کر اور فرمایا: اے بلال! حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا

رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں، مجھ کو بھی اسی ذات نے پکڑ رکھا تھا جس نے آپ ﷺ کو پکڑ رکھا تھا، پھر سب لوگ تھوڑی دیر تک سواریوں کو لے کر چلے، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا اور بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا انہوں نے تکبیر کہی، پھر آپ ﷺ نے ان کو فجر کی نماز پڑھائی، جب نماز پڑھ چکے تو آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص نماز کو بھول جائے تو پڑھ لے اس کو جب یاد آئے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قائم کرو نماز کو جب یاد آئے، ابن شہاب اس لفظ کو اسی طرح پڑھتے تھے۔

احمدؒ نے کہا عنبسہ نے یونس سے اس حدیث میں "لِذِكْرِي" نقل کیا، یعنی نماز قائم کرو میرے یاد کے واسطے۔

احمد نے کہا کہ الکری کے معنی ہیں: نیند۔

تشریح مع تحقیق : قَفَلَ : (ض) قُفُوْلًا : لوٹنا، أَدْرَكَنَا : أَدْرَكَ واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے اور نا ضمیر منصوب متصل ہے، اور الکری ترکیب میں فاعل ہے، أَدْرَكَ کے معنی ہیں پانا، پکڑنا، اور الكَرٰی کے معنی ہیں: نیند، اونگھ۔

عَرَّسَ : تَعْرِيْسًا : آرام کے لئے آخر شب میں قیام کرنا۔

اِكْلَأْ : صیغہ امر ہے كَلَأَ يَكْلَأُ (ف) كَلْئًا : حفاظت کرنا، نگرانی کرنا۔

لِلذِكْرٰى : یہ مصدر ہے الف لام اس میں مضاف الیہ کے عوض میں ہے، اور لام بمعنی وقت ہے، لہٰذا لِلذِّكْرٰى کے معنی ہوئے: "وقت ذکر الصلاةِ" کہ جس وقت نماز یاد آئے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام ابوداودؒ کا مقصد اس ترجمہ کے قیام سے یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ اگر کوئی شخص نماز سے سو تا رہ جائے یا کسی مشغولی کی وجہ سے نماز پڑھنا بھول جائے تو ایسے شخص کو مزید غفلت نہیں کرنی چاہئے بلکہ یاد آتے ہی پڑھ لو بغیر عذر شرعی کے تاخیر کرنا اچھا نہیں ہے۔

مصنفؒ نے اپنے مدعی کے اثبات کے لئے واقعہ لیلۃ التعریس کو تقریباً تیرہ سندوں سے بیان فرمایا ہے۔

حضرات محدثین میں اختلاف ہے، کہ لیلۃ التعریس کا واقعہ ایک مرتبہ پیش آیا ہے یا متعدد بار؟ اکثر محدثین مثلاً قاضی عیاضؒ، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ سیوطیؒ اور صاحب بذل وغیرہ تعدد کے قائل ہیں، اور روایات سے بھی تعدد ہی معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ بعض میں غزوہ خیبر، بعض میں غزوہ حنین اور بعض میں غزوہ تبوک کا ذکر ہے بغیر تعدد تسلیم کئے ان تمام روایات میں تطبیق مشکل ہے، جیسا کہ باب میں ذکر کردہ روایات کی تشریح سے معلوم ہو جائے گا، مصنفؒ کے صنیع سے بھی تعدد ہی کا اشارہ ملتا ہے۔

مضمون حدیث

جب آپ ﷺ غزوہ خیبر کے بعد مدینہ منورہ واپس ہو رہے تھے تو رات کا اکثر حصہ سفر کرنے کے بعد کچھ لوگوں نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ اگر آرام کا موقع دیا جائے تو اچھا ہوگا، بخاری کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا کہ نماز کے قضاء ہونے کا احتمال ہے لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے یہ ذمہ داری لی کہ میں بیدار کروں گا، اور اس ذمہ داری کو ادا کرنے کے لئے انہوں نے نماز شروع کردی، جب تھک گئے تو قدرے آرام کے لئے انہوں نے یہ تدبیر اختیار کی کہ سواری سے کمر لگائی اور مشرق کی طرف رخ کرلیا کہ طلوع سحر پر اطلاع دے دوں گا، لیکن تقدیر خداوندی سے یہ صورت پیش آئی کہ ان کی بھی آنکھ لگ گئی، اس میں مصلحت یہ تھی کہ امت کو مسائل معلوم ہوجائیں کہ اس صورت میں بھی وقت مکروہ کی رعایت، اذان و جماعت وغیرہ کے احکام ہیں گویا اگر ایسا اتفاق ہوجائے کہ مکمل احتیاط اور تدبیر کے باوجود آنکھ نہ کھلے تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں نمونہ موجود ہے کہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ یہ صورت پیش آچکی ہے، اس طرح کے واقعات میں تکوینی مصالح ہوا کرتی ہیں۔

اس کے بعد سب سے پہلے خود حضور اکرم ﷺ بیدار ہوئے، چوں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جگا دینے کی ذمہ داری قبول کی تھی اس لئے آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آواز دی کہ اے بلال! بخاری کی روایت میں اضافہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: بلال تو نے جو وعدہ کیا تھا وہ کہاں گیا؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے صداقت بھری آواز میں معذرت پیش کی کہ حضرت: نیند کا اس طرح مسلط ہونا مجھے کبھی یاد نہیں میں نے تو پوری کوشش کی مگر ذات باری نے مجھے سلا دیا، اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا بلال! نماز کا اعلان کرو، چنانچہ آپ ﷺ اس جگہ سے آگے چلے اور جب آفتاب پوری طرح بلند ہوگیا تو اذان و اقامت کے بعد نماز ہوئی۔

فقہ الحدیث

لیلۃ التعریس کے اس واقعہ کے ذیل میں تین مسئلے زیر بحث آتے ہیں:

۱- عمداً نماز ترک کرنے پر قضاء واجب ہے یا نہیں؟

۲- قضاء الصلوات فی الاوقات المنہیہ کا حکم۔

۳- قضاء نماز کے لئے جماعت، اذان اور اقامت کا حکم۔

ہم ان تینوں مسئلوں کی ذیل میں تشریح کرتے ہیں، ان میں علماء و فقہاء کرام کے مابین جو اختلافات ہیں ان کی بھی

صحیح مآخذ سے نشان دہی کریں گے۔

عمداً نماز ترک کرنے پر قضاء واجب ہے یا نہیں؟

حدیث میں الفاظ آئے ہیں "مَنْ نَسِيَ صَلَاةً فَلْيُصَلِّهَا" کہ کوئی شخص نماز بھول جائے تو یاد آنے پر قضاء فرض ہے، لیکن اگر کسی شخص نے عمداً نماز کو ترک کر دیا تو اس پر بھی قضاء واجب ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں دو مذہب ہیں:

۱- ائمہ اربعہ و جمہور فقہاء و محدثین فرماتے ہیں کہ عمداً ترک کرنے کی صورت میں بھی قضاء کرنا لازم ہے، فرق یہ ہے کہ نسیان کی صورت میں گناہ نہیں ہے اور عمداً کی صورت میں گناہ کبیرہ ہے۔

۲- ابن حزم ظاہری، داؤد ظاہری اور ہمارے زمانے کے غیر مقلدین کہتے ہیں کہ عمداً نماز ترک کرنے کی صورت میں اس نماز کی قضاء واجب نہیں، قاضی شوکانی نے ابن تیمیہ کی طرف یہی بات منسوب کی ہے۔

اس فریقِ ثانی کی مستدل حدیثِ باب ہے اس لئے کہ اس میں نائم اور ناسی کے لئے قضاء کا حکم وارد ہوا ہے گویا نوم ونسیان وجوب قضاء کی شرط ہے اور شرط کا انتفاء مشروط کے انتفاء کو مستلزم ہے۔

جب کہ جمہور یہ کہتے ہیں کہ عمداً ترکِ صلاۃ پر قضاء کے ضروری ہونے کی سب سے مضبوط دلیل یہی حدیث باب ہے، اور یہ حکم اس حدیث کی دلالت النص سے ثابت ہے، دلالت النص کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز حکم منصوص سے درجۂ اولیٰ میں ثابت ہو، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ" کہ والدین کو اُف بھی نہ کہو، اب اُف کہنے کی ممانعت تو عبارۃ النص سے ثابت ہوئی لیکن والدین کو ضرب وشتم کی ممانعت دلالت النص سے ثابت ہوئی، اس لئے کہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ والدین کو اُف کہنا تو ممنوع ہے اور مارنا ٹھیک ہے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ جب اُف کہنا جائز نہیں تو مارنا بدرجۂ اولیٰ جائز نہیں، بالکل اسی طرح یہاں پر ہے کہ جب نائم وناسی پر یاد آنے کے بعد قضاء ضروری ہے حالانکہ ان کا عذر شرعاً قابل قبول تھا، تو عمداً ترک کرنے والے پر بدرجۂ اولیٰ قضاء واجب ہو جائے گی، کیونکہ ان کے پاس کوئی قابلِ قبول شرعی عذر نہیں ہے۔

پھر یہ کہ قضاء کا مطلب فقہاء نے "فعل الواجب بعد وقته" یعنی واجب کو بعد از وقت عمل میں لانا لکھا ہے اور وضاحت کی ہے کہ قضاء کا سببِ وجوب بھی وہی ہے جو اداء کا سبب ہے۔

نیز یہاں یہ سمجھنا چاہئے کہ دو باتیں الگ الگ ہیں: ایک ہے عمداً ترکِ صلاۃ کا گناہ، اور دوسری بات ہے واجبِ شرعی سے ذمہ کی فراغت، جہاں تک گناہ کی بات ہے تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے کیا بعید ہے کہ پروردگار توبہ واستغفار کی وجہ سے بروقت ادا نہ کرنے کے گناہ کو معاف فرما دے، لیکن جہاں تک واجبِ شرعی سے براءتِ ذمہ کی بات ہے تو اس کی صورت تو یہی تھی کہ بروقت عبادت کی ہوتی تو ادا کہلاتی اور بروقت ادا نہیں کی تو براءت ذمہ کے لئے بعد از وقت قضاء کرنا ضروری ہے،

اس کی مثال تو ایسے ہی ہے جیسا کہ کسی کے کسی کے اوپر ایک ہزار روپے قرض ہوں اور اس نے ادا کرنے کا وقت متعین کر دیا پھر وقت پر ادا، نہ کر سکا تو اگر بھول کی وجہ سے وقت پر ادا نہیں کیے تو گناہ گار نہیں ہوگا اور قصداً ادا نہ کیے تو گناہ گار ہوگا، اداء ہر حال میں کرنے ہیں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ قصداً وقت پر ادا نہ کرنے کی وجہ سے اس پر ادا کرنے ضروری ہیں ہی نہیں، یہ کیسے ممکن ہے کہ نہ بروقت ادا کرے اور نہ بعد از وقت ادا کرے اور بری الذمہ ہو جائے۔ (بذل المجہود ۱/۲۵۲)۔

اس لئے ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ بروقت ادا نہ کرنے کی صورت میں قضاء کا انکار کرنے والے غیر مقلدین نے مسئلہ کا پورا تجزیہ نہیں کیا اور حدیث کے مفہوم و مقصد کو سمجھنے میں ناکام رہے اور جمہور کی صحیح و مختار شاہراہ سے ہٹ کر تفرد کی خطرناک راہ کی طرف بڑھ گئے۔

قضاء الصلوات فی الاوقات المنہیہ

حدیث میں فرمایا گیا: "فليصلها إذا ذكرها" کہ جب نماز یاد آئے تو پڑھ لے، اب یاد آتے ہی پڑھنے کا کیا مطلب ہے؟

ائمہ ثلاثہ: امام مالکؒ، امام شافعیؒ، اور امام احمدؒ الفاظ کے عموم سے استدلال کر کے کہتے ہیں کہ قضاء نماز ٹھیک اسی وقت پڑھ لینی ضروری ہے جب آدمی نیند سے بیدار ہو یا اسے یاد آئے، یہاں تک کہ طلوع و غروب اور استواء کے اوقات مکروہہ میں بھی، یہ حضرات "أحاديث النهي عن الصلاة في الأوقات المكروهة" کو اس عموم سے مخصص مانتے ہیں۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قضاء کا وجوب موسّع ہے یعنی یاد آنے اور جاگنے کے بعد کسی بھی وقت نماز پڑھی جا سکتی ہے، لہٰذا اوقات مکروہہ میں اس کی ادائیگی درست نہیں، حنفیہ احادیث النہی عن الصلاۃ فی الاوقات المکروھہ سے استدلال کرتے ہوئے حدیث باب کو مخصص مانتے ہیں۔

حنفیہ کی وجوہ ترجیح

۱۔ حدیث باب کی عملی تشریح آں حضرت ﷺ نے لیلۃ التعریس کے واقعہ میں بیان فرمائی ہے، چنانچہ اس میں تصریح موجود ہے کہ آپ ﷺ بیدار ہوتے ہی وہاں نماز پڑھنے کے بجائے وہاں سے سفر کر کے کچھ آگے تشریف لے گئے اور وہاں اس وقت نماز ادا فرمائی جب کہ سورج کافی بلند ہو چکا تھا، جیسا کہ بخاری شریف کی روایت ہے: "فَلَمَّا ارْتَفَعَتِ الشَّمْسُ وابْيَاضَّتْ قَامَ فَصَلّٰى" معلوم ہوا کہ حنفیہ کی تخصیص پیغمبر علیہ السلام کے عمل کے مطابق ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب یہ دیا کہ حضور اکرم ﷺ نے نماز اس بناء پر مؤخر نہیں فرمائی تھی کہ

وقت مکروہ تھا بلکہ تاخیر کا سبب جگہ کی خرابی سے بچنا تھا، اس لئے کہ روایات میں وضاحت ہے: "فإنَّ هٰذَا وَادٍ بِهِ شَيْطَانٌ" کہ یہ ایسی وادی ہے جہاں شیطان ہے۔

لیکن حافظ صاحب کی طرف سے یہ جواب کمزور ہے، کیونکہ کسی جگہ پر شیطانی اثر کا ہونا نماز کو اپنے وقتِ واجب سے مؤخر کرنے کی کوئی شرعی وجہ نہیں، بلکہ نماز تو شیطانی اثرات کا علاج ہے، اور پھر یہ کہ شیطان کہاں نہیں جاتا، کتاب الاذان میں روایت آئے گی کہ وہ تو مسجد میں بھی آتا ہے انسان کے دل میں بھی آتا ہے، لہٰذا واقعہ یہ ہے کہ نماز کو مؤخر کرنا اس بنار پر تھا کہ وقت مکروہ گزر جائے لیکن وقت جائز کے انتظار میں جتنی دیر گزرتی ہے اس کو آپ ﷺ نے اس وادی میں گزارنا پسند نہیں کیا اور آگے بڑھ گئے۔

حنفیہ کی دلیل کا ایک جواب امام نوویؒ نے دیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا نماز میں تاخیر کرنا وقت کے مکروہ ہونے کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ وجہ یہ تھی کہ صحابۂ کرام حوائج میں مشغول تھے۔

لیکن یہ تاویل بھی بارد ہے کیونکہ حوائج سے فارغ ہونے کے بعد یہ مانع مرتفع ہو گیا تھا اس وقت نماز پڑھ لینی چاہئے تھی، علاوہ ازیں طحاوی کی ایک روایت کے مطابق قضار حوائج سے فراغت دوسرے مقام پر پہنچ کر حاصل کی گئی تھی۔

۲- أحاديث النهي عن الصلاة في الأوقات المكروهة معنیً متواتر ہیں، امام ترمذیؒ نے انیس صحابہ کرام سے اس روایت کو ذکر کیا ہے، اور ان اوقات میں ہر قسم کی نماز کو ناجائز قرار دیا گیا ہے، جس کے عدم جواز کے عموم میں قضار نمازیں بھی شامل ہیں۔

۳- خود یہ حضرات بھی حدیث باب کے الفاظ "فليصلها إذا ذكرها" کے عموم پر عمل نہیں کرتے کیونکہ ان کے نزدیک بھی بعض صورتوں میں نماز کو مؤخر کرنا ضروری ہوتا ہے، مثلاً نماز ایسی حالت میں یاد آئے کہ یہ شخص جنبی ہو یا عورت حائضہ ہو تو اسے غسلِ جنابت یا غسلِ حیض تک کے لئے نماز کو مؤخر کرنا ضروری ہے، گویا اس مقام پر یہ حضرات بھی اس حدیث کو مخصوص ماننے پر مجبور ہیں، اور جب ایک دو جگہ عموم ختم ہو گیا تو اقات مکروہہ کی وجہ سے بھی اس میں تخصیص مانی جاسکتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حدیث کا مطلب صرف اتنا ہے کہ یاد آنے کے بعد شرعی قواعد کے مطابق نماز ادا کی جائے اب اگر شرعی قاعدوں میں کوئی وجہ مؤخر کرنے کی ہو تو مؤخر کرنا واجب ہے۔

۴- حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا ہے کہ حدیث باب صلاۃ کے بیان میں نص ہے اور اوقات کے بیان میں ظاہر ہے، بخلاف أحاديث النهي عن الصلاة في الأوقات المكروهة" کے کہ وہ بیان وقت میں نص ہیں، اور نص ظاہر پر مقدم ہوتا ہے۔ (بذل ۱/۲۵۲، الكوكب الدری ۱/۱۰۰)۔

رہی یہ بات کہ نائم وناسی کو عام الفاظ "فليصلها إذا ذكرها" کے ذریعہ قضاء کی تاکید کی کیا مصلحت ہے؟ تو حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں کہ چوں کہ نماز کی قضاء کے بعد انسان کی طبیعت میں تساہل پیدا ہوجاتا ہے اور آدمی ٹال مٹول کرنے لگتا ہے اور یہ خیال آنے لگتا ہے کہ جب چاہے پڑھ لیں گے اس لئے یہ حکم دیا گیا کہ یاد آتے ہی پڑھ لو بغیر عذر شرعی تاخیر کرنا اچھا نہیں ہے۔ (ایضاح البخاری ۵۸/۴)۔

قضاء نماز کے لئے جماعت، اذان واقامت کا حکم

جماعت کی نماز قضاء ہوجائے تو تنہا تنہا نماز پڑھنا بہتر ہے یا باجماعت؟ ظاہر ہے کہ نماز صفت کمال کے ساتھ مطلوب ہے اور کمال کی صفت جماعت کے ساتھ ہی ہے کیوں کہ شریعت کی نظر میں نماز ہی وہ ہے جو باجماعت ادا ہو، انفرادی نماز تو حقیقت قاصرہ ہے، لہٰذا جماعت کی نماز قضاء ہوجائے تو باجماعت ہی ادا کرنی چاہئے، جمہور اسی کے قائل ہیں اور لیلۃ التعریس کا واقعہ اس کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

اب اختلاف فقہاء کرام کے درمیان اس میں ہے کہ جماعت سے پڑھی جانے والی قضاء نماز کے لئے اذان واقامت بھی ہوگی یا نہیں؟

حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ قول جدید کے اعتبار سے یہ فرماتے ہیں کہ جماعت سے پڑھی جانے والی قضاء نماز کے لیے صرف اقامت ہوگی اذان نہیں ہوگی، حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام احمدؒ کا مسلک اور امام شافعیؒ کا قول قدیم یہ ہے کہ فائتہ نماز کو جماعت سے ادا کرنا ہو تو اذان بھی ہوگی اور اقامت بھی ہوگی، ہدایہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ اگر جماعت کی متعدد نمازیں فوت ہوجائیں تو اگر چاہیں تو سب نمازوں کے لیے الگ الگ دونوں کا اہتمام کیا جائے تاکہ قضاء ادا کے مطابق ہوجائے اور اگر چاہیں تو صرف اقامت پر اکتفاء کرلیں، پھر یہ کہ حنفیہ کے نزدیک قضاء کے لئے اذان واقامت کا یہ اہتمام مسجد میں نہیں ہوگا۔ (کتاب الام ۸۳/۱، بدائع ۳۸۰/۱)۔

مالکیہ اور شوافع کا استدلال

۱- حضرت ابو سعید خدری ﷺ کی حدیث ہے: "أن النبي صلى الله عليه وسلم لَمَّا شُغِلَ عَنْ أَرْبَعِ صَلَوَاتٍ يَوْمَ الأَحْزَابِ قَضَاهُنَّ بِغَيْرِ أَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ". (بدائع الصنائع ۳۸۰/۱)۔

۲- حدیث باب ہے: "أَمَرَ بِلَالًا فَأَقَامَ لَهُمُ الصَّلَاةَ" اس میں بھی اذان کا ذکر نہیں ہے اور اگر کسی طریق میں ہے بھی تو اس سے مراد اذان اصطلاحی نہیں بلکہ نماز کی اطلاع دینا ہے۔ (المنہل ۲۴۳/۴)۔

۳- اذان کا مقصد دخولِ وقت صلاۃ کی اطلاع دینا اور لوگوں کو جماعت کے لئے بلانا ہے، اور قضاء کا وقت ایسا نہیں ہے کہ جس میں دخولِ وقت کی اطلاع دی جائے اور جماعت کے لئے لوگوں کو بلایا جائے بلکہ اس میں تو حاضرین ہی جماعت کر کے نماز پڑھ لیں گے۔

۴- قضاء نمازوں کے لئے اذان دینے میں لوگوں کو شبہ میں ڈالنا ہے، اذان قضاء کے لئے ہوگی تو محلّہ والے اور قرب وجوار کے لوگ وقتیہ نماز کی اذان سمجھیں گے، اس لئے صرف اقامت پر اکتفاء کرلیا جائے گا۔ (المنہل ۴/۲۳)۔

حنفیہ اور حنابلہ کے دلائل

لیلۃ التعریس کے واقعہ میں حضرت ابوقتادہ انصاری ﷛ کی حدیث ہے جس میں صراحت ہے: "أَمَرَ بِلَالًا بِأَنْ يُؤَذِّنَ فَأَذَّنَ وَصَلَّيْنَا رَكْعَتَيْنِ ثم أَقَامَ فَصَلَّيْنَا صَلَاةَ الفَجْرِ" (بخاری حدیث نمبر ۵۹۵، مسند احمد ۵/۳۰۷)۔

یہ روایت اور بھی دیگر صحابۂ کرام سے مروی ہے جیسا کہ اسی باب میں حضرت عمران بن حصین ﷛ کی حدیث آرہی ہے: "أَنَّهُ جَمَعَ بَيْنَ الأَذَانِ وَالإِقَامَةِ"۔

۲- غزوۂ خندق کے موقع پر جب آپ ﷺ کی چار نمازیں قضاء ہوگئیں تھیں تب بھی آپ ﷺ نے بلال کو اذان واقامت کا حکم فرمایا تھا چنانچہ مسند احمد (۱/۳۷۵) میں مرفوع روایت ہے فِيهِ: فَأَمَرَ بِلَالًا أَنْ يُؤَذِّنَ وَيُقِيمَ لِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ حتى قَالُوا: أَذَّنَ وَأَقَامَ وَصَلَّى....". (اعلاء السنن ۲/۱۱۹)۔

فریق اول کے دلائل کا جواب

غزوہ خندق اور لیلۃ التعریس کے واقعہ سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ صحیح روایات کے مطابق ان دونوں موقعوں پر اذان واقامت کہی گئی تھی جیسا کہ حوالے کے ساتھ گزر چکا ہے۔

جہاں تک ان حضرات کے اس دعوے کا تعلق ہے کہ اذان وقت کا حق ہے اور لوگوں کو جماعت کے لئے آنے کی دعوت دینا ہے تو یہ دعویٰ مسلّم نہیں، اس لئے کہ کتاب اللہ اس بات کی ناطق ہے کہ اذان نماز کے لئے ہے قرآن پاک میں ہے: "إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ" اور "وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ" اور یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے منفرد کو بھی اذان کہنے کا حکم فرمایا ہے جیسا کہ بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ابوسعید خدری ﷛ کو حکم فرمایا کہ اگر تم جنگل میں ہو تو اذان کہہ کر نماز پڑھنا۔

پھر امام شافعیؒ کا یہ کہنا کہ قضاء نماز کے لئے اذان کہنے سے لوگ اشتباہ میں پڑ جائیں گے کہ کہیں یہ اذان وقتیہ تو

نہیں ہو رہی ہے، ان کا یہ قول بھی قابلِ قبول نہیں کیوں کہ فائتہ نماز کے لئے جو اذان کہی جائے گی وہ اس طرح کہی جائے گی کہ لوگوں کو اشتباہ نہ ہو یعنی زیادہ بلند آواز سے نہ ہوگی۔

اسی طرح شوافع کا لیلۃ التعریس کے واقعہ میں اذان کہنے کو اعلان پر محمول کرنا بھی ٹھیک نہیں ہے کیوں کہ روایات میں صراحت ہے: انه جمع بين الأذان والإقامة. (المنہل ۲۴/۴)۔

۴۳۶ ﴿حَدَّثَنَا موسى بنُ إسماعيلَ ثَنَا ابَانُ نَا مَعْمَرٌ عن الزُّهْرِيِّ عن سعيد بنِ المُسَيَّبِ عن أبي هريرةَ في هٰذَا الْخَبَرِ قال : فقال رسولُ الله صلى الله عليه وسلم : تَحَوَّلُوا عن مَكَانِكُمْ الذي أصَابَتْكُمْ فيه الغفلَةُ قال : فَأَمَرَ بِلَالًا فَأذَّنَ وأقَامَ وصَلّٰى.

قال أبو داؤد : رَوَاهُ مَالِكٌ وسُفْيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ والأوْزَاعِيُّ وَعَبْدُالرَّزَّاقِ عن مَعْمَرٍ وابنِ إسْحَاقَ لَمْ يَذْكُرْ أَحَدٌ مِنْهُمْ الْأَذَانَ فِي حديثِ الزهريِّ هٰذَا، ولم يُسْنِدْهُ مِنْهُمْ أَحَدٌ إلّا الأوزاعِيُّ وأبَانُ العَطَّارُ عن مَعْمَرٍ.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (۱۳۳۰۲).

ترجمہ : سعید بن مسیب نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی حدیث میں نقل کیا ہے کہ: پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ سے چلنے کو فرمایا جہاں یہ غفلت ہوئی تھی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو انہوں نے اذان کہی اور اقامت کہی اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی۔

ابو داوٗدؒ نے کہا کہ اس حدیث کو امام مالک، سفیان بن عیینہ، اوزاعی (نے زہریؒ سے، اور) عبد الرزاق (نے) بواسطۂ معمر (زہری سے) اور ابن اسحاق نے (زہری سے) روایت کیا ہے، ان میں سے کسی نے بھی زہری کی حدیث میں اذان کو ذکر نہیں کیا اور مسنداً انہیں نقل کیا اس کو مگر اوزاعی اور ابان نے معمر سے۔

تشریح مع تحقیق : یہ پہلی روایت ہی کا طریق ثانی ہے، مصنفؒ کی غرض اس حدیث کو ذکر کر کے یہ بیان کرنا ہے کہ اس حدیث کو زہری سے نقل کرنے میں ان کے تلامذہ کا اختلاف ہے، زہری کے بعض تلامذہ نے یہ ذکر کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان و اقامت دونوں کا حکم فرمایا تھا اور بعض نے صرف اقامت کو ذکر کیا ہے۔

قوله : تَحَوَّلُوا عَنْ مَكَانِكم الذي أصَابتكُم فيه الغَفْلَةُ : آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وادی سے چلو جس وادی میں تم کو غفلت پہنچی ہے، مسلم شریف کی روایت میں ہے: فإنّ هذا منزل حضرنا فيه الشيطان" کہ اس منزل میں ہمارے پاس شیطان آ گیا ہے۔

جمہور علماء اس حدیث کے پیش نظر کہتے ہیں کہ اس وادی سے منتقل ہونے کی وجہ طلوع شمس کے وقت قضاء نماز پڑھنے کی ممانعت نہیں تھی بلکہ وہ تھی جو مذکور ہوئی، لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ ایک فعل کی کئی وجہیں بھی ہوسکتی ہیں، جب دیگر روایات سے ماقبل میں یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ اصل وجہ وقت کی کراہت تھی تو انکار کی گنجائش نہیں۔

قوله : "فَأَذَّنَ وأَقَامَ" یہ جملہ حنفیہ اور حنابلہ کا مستدل ہے کہ قضاء نماز کے لئے اذان واقامت دونوں ہوں گی، تفصیل گزرچکی ہے۔

قوله : "قال أبوداؤد : رواه مالك وسفيان الخ" : مصنفؒ نے یہاں سے چند تعلیقات کی طرف اشارہ کیا ہے، اور مقصد دو باتوں کو بیان کرنا ہے۔

اول تو یہ کہ حدیث باب میں اذان واقامت کے ذکر کرنے میں زہری کے تلامذہ کا اختلاف ہے، زہری کے تلامذہ میں سے امام مالکؒ، سفیان بن عیینہ، اوزاعی، معمر اور محمد بن اسحاق وغیرہ نے صرف اقامت کو ذکر کیا ہے اذان کو نہیں، اذان واقامت دونوں کا ذکر کرنے والے تو صرف معمر کے ایک شاگرد ابان ہیں، معمر کے دوسرے شاگرد عبدالرزاق نے بھی صرف اقامت ہی کو ذکر کیا ہے، لہٰذا راجح اس روایت میں صرف اقامت کا ذکر ہے۔

ثانیاً مصنفؒ نے بیان کیا کہ زہری کے تلامذہ میں اس حدیث کے مسند اور مرسل ہونے میں بھی اختلاف ہے، چنانچہ مالک، سفیان بن عیینہ اور عبدالرزاق نے اس کو مرسلاً نقل کیا ہے حضرت ابو ہریرہ ﷺ کا واسطہ ذکر نہیں کیا، اور اوزاعی، یونس، ابان نے مسنداً ذکر کیا ہے۔

دراصل مصنفؒ اس حدیث پر نقد کر رہے ہیں کہ اذان واقامت کا ذکر اس میں صحیح نہیں کیونکہ یہ حدیث مضطرب ہے، لیکن مصنفؒ کے نقد کا جواب علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح موطأ میں یہ دیا ہے کہ ارسال وصل کے لئے مضر نہیں ہے، بلکہ وصل بمنزلہ زیادتی کے ہے، اور قاعدہ ہے: "زيادة الثقة مقبولة" کہ ثقہ رواۃ کی زیادتی معتبر ہے، اور ہم دیکھتے ہیں کہ موصولاً نقل کرنے والے سب ثقہ راوی ہیں۔ (المنہل ۴/۲۸)۔

۴۳۷ ﴿حَدَّثَنَا موسٰى بنُ إسماعيلَ ثَنا حَمَّادٌ عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ عَنْ عَبدِاللّٰه بنِ رَبَاحٍ الأنْصَارِيِّ ثَنا أبو قَتَادَةَ أنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ في سَفَرٍ لَهُ فَمَالَ رسولُ اللّٰه صلى الله عليه وسلم ومِلْتُ مَعَهُ ، فَقَالَ : انْظُرْ ، فَقُلْتُ : هٰذَا رَاكِبٌ ، هٰذَانِ رَاكِبَانِ ، هٰؤُلَاءِ ثَلَاثَةٌ حَتّٰى صِرْنَا سَبْعَةً ، فقال : احْفَظُوْا عَلَيْنَا صَلَاتَنَا يَعْنِي صلاةَ الْفَجْرِ ، فَضُرِبَ عَلٰى آذَانِهِم فَمَا أَيْقَظَهُمْ إلّا حَرُّ الشَّمْسِ ، فَقَامُوْا فَسَارُوْا هُنَيَّةً ثُمَّ نَزَلُوْا فَتَوَضَّؤُوْا وَأَذَّنَ بلالٌ فَصَلُّوْا رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ ثُمَّ صَلَّوْا الفَجْرَ و رَكِبُوْا ، فَقَالَ

بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ قد فَرَّطْنَا فِي صَلَاتِنَا ، فقال النبيُّ صلى الله عليه وسلم : إنَّهُ لَا تَفْرِيْطَ فِي النَّوْمِ ، و إنَّمَا التَّفْرِيْطُ فِي الْيَقْظَةِ ، فإذَا سَهَا أَحَدُكُمْ عن صَلَاةٍ فَلْيُصَلِّهَا حِيْنَ ذَكَرَهَا وِمِنَ الغَدِ لِلْوَقْتِ.﴾

أخرجه مسلم في "صحيحه" مطولاً في المساجد، باب: قضاء الصلاة الفائتة واستحباب تعجيل قضائها (١٥٦٠) وأخرج النسائي في "المجتبى" جزاءً منه في كتاب المواقيت، باب: (٥٤) باب إعادة ما نام عنه من الصلاة لوقتها من الغد (٦١٦). انظر "تحفة الأشراف" (١٢٠٩٣).

قال الخطابي: "ضُرِبَ على آذانهم" : كلمة فصيحة من كلام العرب معناه: أنه حجب الصوت والحس عن أن يلجا آذانهم فيتنبهوا. ومن هذا قوله تعالى: (فَضَرَبْنَا عَلَىٰٓ ءَاذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا ﴿١١﴾) والهنية: أي قليلاً، ومال: أي عن الراحلة بسبب النعاس. انظر معالم السنن" ١١٩/١.

ترجمہ : حضرت ابو قتادہ ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سفر میں تھے آپ (راستے سے) ایک طرف کو ہٹے میں بھی (آپ کے پیچھے پیچھے) اسی طرف کو چلا، آپ ﷺ نے فرمایا: دیکھو (پیچھے قافلہ والوں میں سے کوئی آرہا ہے یا نہیں) میں نے (دیکھ کر) کہا کہ یہ ایک سوار ہے (پھر اور نظر آیا تو میں نے کہا) یہ دو سوار ہیں (پھر اور دیکھا تو کہا) یہ تین سوار ہیں، یہاں تک کہ ہم سات آدمی ہو گئے، آپ ﷺ نے فرمایا: فجر کی نماز کا خیال رکھنا، یہ سب سو گئے کسی چیز نے ان کو نہ جگایا مگر آفتاب کی تیزی نے، پھر اٹھے اور تھوڑی دیر چلے اس کے بعد اترے اور وضو کیا، بلال ﷛ نے اذان دی اور فجر کی سنتوں کو سب نے پڑھا، پھر فرض نماز پڑھی اور سوار ہوئے، اب ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ہم نے نماز میں قصور کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: سونے میں کچھ قصور نہیں، قصور تو جاگنے (کی حالت میں نماز نہ پڑھنے) میں ہے، جب تم میں سے کوئی نماز کو بھول جائے تو جس وقت یاد کرے اس کو پڑھ لے، اور دوسرے دن اپنے وقت پر پڑھے۔

تشریح مع تحقیق : مِلْتُ : واحد متکلم کا صیغہ ہے مَالَ عن الطريق مَيْلًا و مَيَلَانًا : راستہ سے ہٹنا۔

ضُرِبَ على آذَانِهِمْ : أي ضُرب النوم على آذانهم : یہ لفظ کنایہ ہے نیند سے، لفظی ترجمہ تو ہوگا: ان کے کانوں پر پردے ڈال دیئے گئے، اور محاوری ترجمہ ہوگا کہ وہ سب سوتے رہ گئے۔

هُنَيَّةً : هَنَةٌ کی تصغیر ہے، بمعنی تھوڑی دیر، تھوڑا وقت۔

فَرَّطْنَا : فَرَّطَ الشيئَ وفِيْهِ : کسی چیز میں کوتاہی کرنا اور ضائع کر دینا، غفلت برتنا۔

مطلب حدیث شریف کا یہ ہے کہ پہلے زمانے میں اونٹ سواروں کے جو قافلے چلتے تھے وہ قطار باندھ کر چلتے تھے، اگر ان میں سے کسی کو استنجے وغیرہ کی ضرورت پڑتی تو وہ اپنی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے قطار اور لائن سے باہر نکل آتا،

دوسرے قافلہ والے بدستور چلتے رہتے، پھر وہ شخص اپنی ضرورت سے فارغ ہو کر یا تو کوشش کر کے اسی قافلے میں شریک ہو جاتا یا اگر کچھ ساتھی پیچھے آ رہے ہوں تو ان کا انتظار کر کے ان میں مل جاتا، چنانچہ روایت میں جو مذکور ہے: "فقال: انظر فقلت: هذا راكب، هذان راكبان، هؤلاء ثلاثة" اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ حضور اکرم ﷺ جب ضرورت سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: دیکھو پیچھے سے کچھ ساتھی آ رہے ہیں یا نہیں؟ یہ غور سے دیکھنے لگے، ان کو دور سے آتا ہوا ایک سوار نظر آیا انہوں نے کہا: ہاں یا رسول اللہ ایک ساتھی آ رہا ہے، پھر ایک اور نظر آیا تو یہ کہنے لگے کہ اب آنے والے دو ہو گئے، اس طرح ہوتے ہوتے کل سات نفر ہو گئے، غرض یہ ہے کہ آپ ﷺ قافلہ والوں کے ساتھ مل گئے اور ایک جگہ پر پڑاؤ ڈالنے کا ارادہ فرمالیا، ساتھیوں کو یہ ہدایت کی کہ فجر کی نماز کا خیال رکھنا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ بیدار کرنے کے لئے مقرر ہو گئے لیکن ان کو بھی نیند آ گئی جیسا کہ تفصیلاً گزر چکا ہے، جب سورج نکلا تو بیدار ہوئے اور اس وادی سے نکل کر جب سورج بلند ہو گیا اور وقت مکروہ ختم ہو گیا تو آپ ﷺ نے نماز پڑھائی۔

آج کی نماز کی قضاء ہونے پر صحابہ کرام افسوس کرنے لگے تو آپ ﷺ نے ان حضرات کو تسلی دلائی اور فرمایا: "إنّه لا تفريط في النوم إنما التفريط في اليقظة" کہ حالتِ نوم میں نماز قضاء ہو جانے میں کوتاہی نہیں کوتاہی تو بیداری کی حالت میں نماز قضاء کر دینے میں ہے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اس وقت ہے جب آدمی نماز کے وقت میں جاگنے کا پورا اہتمام اور انتظام کر کے سوئے اور اس کے باوجود اس کی آنکھ نہ کھل سکے، اور اگر اس نے بیدار ہونے کے وسائل کو اختیار نہیں کیا پھر سوتا رہا تو حدیث کے تحت داخل نہ ہوگا، اس لئے کہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ ﷺ جگانے کا پورا انتظام کر کے سوئے تھے۔

قولہ: "وَمِنَ الْغَدِ لِلْوَقْتِ": اس جملے کے دو مطلب ہیں ایک صحیح اور دوسرا غلط:

صحیح مطلب یہ ہے کہ: اگر کسی دن آدمی کی نماز نسیان یا نوم کی وجہ سے قضاء ہو جائے تو جب یاد آئے وقت شروع میں فوراً پڑھ لے، ایسا نہ ہو کہ کل آئندہ بھی اسی طرح نماز قضا کر دے، بلکہ اگلے روز اس نماز کو وقت پر پڑھے، گویا مطلب یہ ہے کہ روز روز نماز قضاء نہیں ہونی چاہئے، کسی روز اتفاقاً ہو گئی تو کوئی حرج نہیں۔

دوسرا مطلب جو غلط ہے وہ یہ ہے کہ: آج جو نماز قضاء ہونے کی وجہ سے بے وقت پڑھی ہے آئندہ کل اس کو دوبارہ اس کے وقت میں پڑھے، اس مطلب کی تائید اگلی روایت سے ہوتی ہے جس میں ہے: "فَلْيَقْضِ مَعَهَا مِثْلَهَا" لیکن یہ روایت ثانیہ ضعیف ہے، اس کی سند میں ایک راوی خالد بن ہمیرہ ہیں جو ضعیف ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب قائم کیا ہے: "بَابُ مَنْ نَسِيَ صَلَاةً فَلْيُصَلِّ إِذَا ذَكَرَ وَلَا يُعِيدُ إِلَّا تِلْكَ الصَّلَاةَ" اور اس باب میں وہ حدیث ذکر کی ہے جو آگے مصنف رحمہ اللہ نے بھی ذکر کی ہے، "لَا كَفَّارَةَ لَهَا إِلَّا ذٰلِكَ" کہ قضاء نماز کا کفارہ

یہی ہے کہ اس کو پڑھ لے یہ نہیں کہ فوت شدہ نماز کو دوبارہ پڑھائے۔
علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری میں لکھا ہے کہ ترجمۃ الباب سے امام بخاریؒ نے ابوداؤد کی اس روایت کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں اعادۂ صلاۃ کا امر ہے۔

صحیح مطلب کی تائید نسائی شریف میں حضرت عمران بن حصین ﷺ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ: بعض صحابہ نے آپ ﷺ سے دریافت کیا: "أَلَا نَقْضِيهَا لِوَقْتِهَا مِنَ الْغَدِ" کہ کیا اس نماز کو دوبارہ آئندہ کل اسکے وقت میں نہ پڑھ لیں، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: "لَا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الرِّبٰوا وَيَأْخُذُ عَنْكُمْ" نہیں! اللہ تعالیٰ سود سے بندوں کو تو منع کرتے ہیں اور تم سے سود لیں گے۔

اسی طرح بخاری کی روایت سے بھی اس مطلب کی تائید ہوتی ہے، جس میں ہے: کہ قضاء نماز کو پڑھ لینا اس کا کفارہ ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔ (عمدۃ القاری ۴/۱۳۲)۔

امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے ظاہری الفاظ سے پریشان ہو کر یہ کہہ دیا کہ یہ حدیث استحباب پر محمول ہے، جب کہ صاحب منہل نے خطابی رحمۃ اللہ علیہ کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ سلف میں سے کوئی بھی استحبابِ اعادہ کا قائل نہیں ہے۔ (المنہل ۴/۳۱)۔

۴۳۸. ﴿حَدَّثَنَا عَلِيّ بنُ نَصْرٍ ثَنَا وَهْبُ بنُ جَرِيْرٍ ثَنَا الأَسْوَدُ بنُ شَيْبَانَ ثَنَا خَالِدُ بنُ سُمَيْرٍ قال : قَدِمَ عَلَيْنَا عَبْدُ اللّٰه بنُ رَبَاحٍ الأَنْصَارِيُّ مِنَ المَدِيْنَةِ – وكَانَتْ الأَنْصَارُ تُفَقِّهُهُ– فَحَدَّثَنَا قال : ثَنِي أَبُو قَتَادَةَ الأَنْصَارِيُّ فَارِسُ رَسُولِ اللّٰه صلى الله عليه وسلم قال : بَعَثَ رَسُولُ اللّٰه صلى الله عليه وسلم جَيْشَ الأُمَرَاءِ بِهٰذِهِ الْقِصَّةِ ، قال: فَلَم تُوْقِظْنَا إلّا الشَّمْسُ طَالِعَةً فَقُمْنَا وَهِلِيْنَ لِصَلَاتِنَا ، فَقَالَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم : رُوَيْدًا رُوَيْدًا حتّٰى إذَا تَعَالَتِ الشَّمْسُ قَال رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَنْ كَانَ مِنكُمْ يَرْكَعُ رَكْعَتَي الفَجْرِ فَلْيَرْكَعهُمَا ، فَقَامَ مَنْ كَانَ يَرْكَعُهُمَا و مَنْ لَمْ يَكُنْ يَرْكَعُهُمَا فَرَكَعَهُمَا ، ثُمَّ أَمَرَ رسولُ اللّٰه صلى الله عليه وسلم أَنْ يُنَادَى بالصَّلَاةِ فَنُودِيَ بِهَا ، فَقَامَ رسولُ اللّٰه صلى الله عليه وسلم فَصَلّٰى بِنَا فَلَمَّا انْصَرَفَ قال : أَلَا إنَّا نَحْمَدُ اللّٰهَ أنَّا لم نَكُنْ فِي شيئٍ مِنْ امورِ الدُّنْيَا يَشْغَلُنَا عَنْ صَلَاتِنَا ولٰكِنْ أَرْوَاحَنَا كَانَتْ بِيَدِ اللّٰه عَزَّ وَجَلَّ فَأَرْسَلَهَا أَنّٰى شَاءَ ، فَمَنْ أَدْرَكَ مِنكُمْ صلاةَ الْغَدِ مِنْ غَدِهِ صَالِحًا فَلْيَقْضِ مَعَهَا مِثْلَهَا.﴾

أخرجه ابن ماجه في الصلاة، باب: من نام عن الصلاة أو نسيها (٦٩٨). انظر "تحفة الأشراف" (١٢٠٨٩).

ترجمه : حضرت عبداللہ بن رباح انصاری (جنہیں انصار فقیہ سمجھتے تھے) ابوقتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لشکر بھیجا اور یہی قصہ بیان کیا، ابوقتادہ کہتے ہیں کہ ہم کو کسی چیز نے ہوشیار نہیں کیا، مگر جب آفتاب نکل آیا تو ہم گھبرائے ہوئے نماز کے لئے اٹھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ٹھہرو ٹھہرو یہاں تک کہ جب آفتاب بلند ہو گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص تم میں سے فجر کی سنتوں کو پڑھا کرتا تھا وہ اٹھے اور پڑھے، پس سب لوگ کھڑے ہو گئے جو پڑھا کرتے تھے وہ بھی اور جو نہیں پڑھا کرتے تھے وہ بھی، اور سب نے سنتیں پڑھیں اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اذان دینے کا حکم دیا، چنانچہ اذان دی گئی، پھر رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور نماز پڑھائی جب نماز سے فارغ ہوئے تو ارشاد فرمایا: سنو! ہم اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے ہیں کہ ہم کسی دنیا کے کام میں پھنسے ہوئے نہیں تھے، جس نے ہم کو نماز سے باز رکھا، لیکن ہماری روحیں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں تھیں، جب اس نے چاہا چھوڑا، جو شخص تم میں سے کل صبح کی نماز اچھے وقت پر پائے وہ کل کی نماز کے ساتھ ایک اور نماز ویسی ہی پڑھ لے۔

تشریح مع تحقیق : خالد بن سُمَيْر: یہ صدوق درجہ کے راوی ہیں، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی توثیق کی ہے، البتہ ابن جریر طبریؒ، ابن عبدالبر اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ انہوں نے ایک حدیث میں غلطی کی ہے اور اشارہ ابوداؤد کا اسی حدیث کی طرف ہے۔ (تہذیب التہذیب ۶۰/۲)۔

قوله : كَانَتِ الْأَنْصَارُ تُفَقِّهُه : اس جملے کے ذریعہ حضرت عبداللہ بن رباح انصاری ؓ کا تعارف کرانا مقصود ہے کہ انصاری حضرات ان کا شمار فقہاء میں کیا کرتے تھے۔

قوله : بَعَثَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم جَيْشَ الْأُمَرَاءِ : جیش الامراء سے مراد غزوۂ موتہ ہے، اس غزوہ میں یکے بعد دیگرے کئی امیر بنائے گئے تھے اس وجہ سے اس کے اوپر جیش الامراء کا اطلاق کر دیا جاتا ہے، لیکن اس روایت میں جیش الأمراء کا لفظ غلط ہے اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ اس میں شریک نہیں ہوئے، بلکہ آپ ﷺ تو مدینہ میں رہے، اور یہ وہم خالد بن سمیر راوی کی طرف سے ہے۔

یا یہ کہا جائے کہ یہاں جیش الامراء کا مصداق غزوہ موتہ نہیں ہے، بلکہ خلاف مشہور غزوۂ خیبر کو مراد لیا گیا ہے، کیوں کہ اس غزوہ میں بھی یکے بعد دیگرے کئی حضرات نے آپ ﷺ کی نیابت کی تھی، جیسا کہ بخاری کی روایت میں ہے کہ: آپ ﷺ کے سر میں تکلیف ہوئی تو آپ ﷺ بذات خود قتال کے لئے تشریف نہیں لائے بلکہ حضرت ابوبکر ؓ نے جھنڈا سنبھالا اور آپ ﷺ کی نیابت کی، اس کے بعد حضرت عمر ؓ نے جھنڈا سنبھالا اور خوب جوش وخروش کے ساتھ دشمنوں کا مقابلہ کیا، پھر حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کل کو یہ جھنڈا ایسے شخص کے ہاتھ میں دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے

محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتا ہے، چنانچہ اگلے دن حضور ﷺ نے جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیا، اور اللہ نے ان کے ہاتھ پر فتح نصیب فرمائی، پس اس مناسبت سے غزوہ خیبر کو جیش الامراء کہنا صحیح ہے اور حدیث کے سیاق کے مناسب ہے۔ (المنہل ۴/ ۳۴۳)۔

قولہ : رُوَیْدًا رُوَیْدًا: اسم فعل ہے بمعنی امْهِلُوا : تاکید کی غرض سے مکرر لایا گیا ہے، مراد آپ ﷺ کی یہ تھی کہ ابھی ٹھہر جاؤ نماز مت پڑھو بلکہ جب وقت مکروہ گزر جائے تب نماز پڑھنا، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب سورج بلند ہوگیا تو آگے چل کر نماز فجر ادا کی۔

قولہ : "مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَرْكَعُ الخ" : یعنی جو تم میں سے حالت سفر میں فجر کی دو سنتیں پڑھنے کا عادی ہو وہ پڑھ لے اور جو عادی نہ ہو وہ نہ پڑھے تو کوئی حرج نہیں، گویا آپ ﷺ نے سفر کی وجہ سے ان کو اختیار دے دیا، لیکن اس اختیار کے باوجود سب ہی نے ان سنتوں کو پڑھا۔

قولہ : "أَلَا إِنَّا نَحْمَدُ اللّٰهَ الخ" ألا بفتح الهمزه وتخفيف اللام ہے، حرف تنبیہ ہے جو مابعد کی تحقیق پر دلالت کرتا ہے، مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ہماری نماز دنیاوی امور میں مشغولی کی وجہ سے قضاء نہیں ہوئی، بلکہ اللہ نے ہم کو سلا دیا تھا اور ہماری روحوں کو قبض کرلیا تھا وہ جب چاہتا ہے روحوں کو قبض کرلیتا ہے اور جب چاہتا ہے ان کو چھوڑ دیتا ہے۔

قولہ : "فَلْيَقْضِ مَعَهَا مِثْلَهَا" : اس سے معلوم ہوا کہ قضاء نماز کو دو مرتبہ پڑھے گا ایک یاد آتے ہی اور دوسری مرتبہ جب کل کو وقت کی نماز پڑھے تو اس کو بھی دوبارہ پڑھ لے، لیکن امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے معرفۃ السنن والآثار میں اس کو خالد بن سمیر کا وہم قرار دیا ہے۔

صاحب منہل تحریر فرماتے ہیں کہ خالد بن سمیر سے اس روایت میں تین جگہ وہم ہوا ہے: (۱) جیش الأمراء کے ذکر میں، (۲) فجر کی سنتوں کے اختیار دینے کے ذکر میں، (۳) فليقض مَعَهَا مِثْلَهَا کے ذکر میں۔ (المنہل ۴/ ۳۴۴)۔

۴۳۹ ﴿حَدَّثَنَا عَمْرُو بنُ عَوْنٍ أَنَا خَالِدٌ عن حُصَيْنٍ عن ابنِ أبي قَتَادَةَ فِي هٰذَا الْخَبَرِ ، قال : فَقَالَ : إِنَّ اللّٰه قَبَضَ أَرْوَاحَكُمْ حَيْثُ شَاءَ و رَدَّهَا حَيْثُ شَآءَ ، قُمْ فَأَذِّنْ بِالصَّلاةِ ، فَقَامُوْا فَتَطَهَّرُوْا حَتّى إِذَا ارْتَفَعَتِ الشَّمْسُ قَامَ النَّبِيُّ ﷺ فَصَلّٰى بالنَّاسِ.﴾

أخرجه البخاري في "صحيحه" في مواقيت الصلاة، باب: الأذان بعد ذهاب الوقت (٥٩٥) والنسائي في "الكبرىٰ". انظر "تحفة الأشراف" (١٢٠٩٧).

ترجمه : ابن ابی قتادہ سے اسی حدیث میں مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری روحوں کو روک کے رکھا جس طرح

چاہا اور جب چاہا تو چھوڑ دیا، (اس کے بعد حضور ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ سے کہا) کھڑے ہوؤ اور نماز کے لئے اذان دو، (اذان کے بعد) سب کھڑے ہوئے اور وضوء کیا یہاں تک کہ جب آفتاب بلند ہوگیا تو آپ ﷺ نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔

تشریح مع تحقیق : مصنفؒ نے اس روایت کو یہ بیان کرنے کے لئے نقل کیا ہے کہ سابقہ روایت میں لفظ اذان مذکور نہیں تھا بلکہ لفظ "نداء" تھا جو دونوں: اذان واقامت پر صادق آتا ہے، اور اس روایت میں اذان کی صراحت ہے، نیز اس روایت میں طہارت کی بھی صراحت ہے جو کہ پہلی روایت میں نہیں تھی۔

۴۴۰ ﴿حَدَّثَنَا هَنَّادٌ ثَنَا عَبْثَرٌ عن حُصَيْنٍ عن عَبدِاللّٰه بنِ أبي قَتَادَةَ عن أبيه عن النبيِّ صلى اللّٰه عليه وسلم بِمَعْنَاهُ ، قال : فَتَوَضَّأَ حِيْنَ ارتَفَعَتِ الشَّمْسُ فَصَلّٰى بِهِمْ.﴾

تقدم في الحديث السابق.

ترجمہ : حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے سابقہ روایت کے ہم معنی روایت نقل کی ہے (اس میں ہے کہ ابوقتادہ نے کہا کہ لوگوں نے) وضوء کیا جب سورج بلند ہوگیا تھا، پھر آپ ﷺ نے نماز پڑھائی۔

تشریح مع تحقیق : عَبْثَر : بفتح العين المهمله یہ عبثر بن قاسم کوفی ہیں، نسائی، ابن معین اور ابن حبان وغیرہ حضرات نے ان کی توثیق کی ہے، ابوحاتم نے ان کو صدوق کہا ہے۔

مصنفؒ کا مقصود اس روایت سے حصین کے تلامذہ کے اختلاف کو بیان کرنا ہے وہ اس طرح کہ جب خالد نے ان سے اس روایت کو بیان کیا تو یہ ذکر کیا کہ صحابہ نے ارتفاع شمس سے پہلے وضوء کیا تھا اور اس روایت میں عبثر نے یہ نقل کیا کہ ارتفاع شمس کے بعد انہوں نے وضوء کیا اور پھر نماز پڑھی، لیکن دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے اس لئے کہ واقعہ میں تعدد ہے، یا یہ کہا جائے کہ بعض حضرات نے پہلے وضوء کرلیا ہوگا اور بعض نے بعد میں۔

۴۴۱ ﴿حَدَّثَنَا العَبَّاسُ العَنْبَرِيُّ ثَنَا سُلَيْمَانُ بنُ دَاوُدَ وَهُوَ الطَّيَالِسِيُّ ثَنَا سُلَيْمَانُ يَعْنِي ابنَ المغيرةِ عن ثابِتٍ عن عَبْدِ اللّٰه بنِ رَبَاحٍ عن أبي قَتادَةَ قال : "قال رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم : لَيْسَ فِي النَّوْمِ تَفْرِيْطٌ إنَّمَا التَّفْرِيْطُ فِي الْيَقْظَةِ أَنْ تُؤَخِّرَ صَلَاةً حَتّٰى يَدْخُلَ وَقْتُ أُخْرَى.﴾

أخرجه الترمذي في "جامعه" في الصلاة، باب: ما جاء في النوم عن الصلاة (۱۷۷) وأخرجه النسائي في "المجتبى" في المواقيت فيمن نام عن صلاة (٦١٤ و ٦١٥). انظر "تحفة الأشراف" (۱۲۰۸٥).

ترجمہ : حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: نیند میں کوتاہی نہیں ہے کوتاہی تو بیداری کی حالت میں ہے کہ نماز کو اتنا مؤخر کردیا جائے کہ دوسری نماز کا وقت داخل ہوجائے۔

تشریح مع تحقیق : یہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا پانچواں طریق ہے، ابوقتادہ کے پہلے طریق میں یہ الفاظ آئے تھے: إنّه لا تفريط في النوم وإنما التفريط في اليقظة : اور اس روایت میں اس ٹکڑے کے ساتھ ساتھ یہ زیادتی بھی ہے: "أن تؤخر صلاة حتى يدخل وقت أخرى" : کہ بیداری کی حالت میں کوتاہی یہ ہے کہ نماز کو اتنا مؤخر کردے کہ دوسری نماز کا وقت داخل ہو جائے، یعنی آدمی جاگ رہا ہے پھر بھی نماز کو قضا کر دے تو یہ کوتاہی اور گناہ ہے۔

۴۴۲ ﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ كَثِيرٍ أَنَا هَمَّامٌ عن قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قال : "مَنْ نَسِيَ صَلَاةً فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا لَا كَفَّارَةَ لَهَا إِلَّا ذٰلِكَ.﴾

أخرجه البخاري في "صحيحه" في كتاب، مواقيت الصلاة، باب: من نسي صلاة فليصل إذا ذكرها، ولا يعيد إلا تلك الصلاة (٥٩٧)، وأخرجه مسلم في "صحيحه" في المساجد، باب: قضاء الصلاة الفائتة واستحباب تعجيل قضائها (١٥٦٤). انظر "تحفة الأشراف" (١٣٩٩).

قال الخطابي: يريد أنه لا يلزمه في تركها غرم أو كفارة من صدقة أو نحوها، كما يلزمه في ترك الصوم في رمضان من غير عذر الكفارة وكما يلزم المحرم إذا ترك شيئًا من نسكه كفارة وجبران من دم وإطعام ونحوه، وفيه دليل على أن أحدًا لا يصلي عن أحد كما يحج عنه، ويؤدي عنه الديون ونحوها وفيه دليل: أن الصلاة لا تجبر بالمال كما يجبر الصوم ونحوه. انظر معالم السنن" ١/ ١٢٠.

ترجمه : حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص نماز کو بھول جائے تو جب یاد آئے اس وقت پڑھ لے اس لئے کہ اس کا کفارہ صرف یہی ہے۔

تشریح مع تحقیق : یہ روایت بخاری شریف میں بھی ہے اس میں یہ اضافہ بھی ہے: "أَقِمِ الصلاةَ لِذِكْرِيْ" کہ میری یاد کے وقت نماز کو قائم کرو، اس روایت سے اس روایت کا غلط ہونا ثابت ہوتا ہے، جس میں ہے: "فليقض معها مثلها" کہ فوت شدہ نماز کو دو مرتبہ پڑھا جائے ایک یاد آنے کے وقت اور دوبارہ اگلے دن اسی فوت شدہ نماز کے وقت، اور حدیث مذکور اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ نماز صرف ایک مرتبہ پڑھی جائے گی۔

ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں: اگر کسی شخص نے نماز کو بیس سال تک چھوڑے رکھا تب بھی صرف اسی نماز کو پڑھنا ہوگا، مطلب یہ ہے کہ بھولی ہوئی نماز فوراً یاد آجائے یا ماہ دو ماہ بعد یاد آئے اور یہ شخص اس کو قضا نہ کرے تو اگر ایک عرصہ کے بعد مثلاً بیس سال کے بعد ادا کرنا چاہتا ہے تو اس صورت میں اس کو صرف اسی ایک نماز کو پڑھنا ہوگا۔ (فتح الباری ۹۰/۲)۔

امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس طرح قصداً روزے کو چھوڑنے کی صورت میں کفارہ لازم ہوتا ہے اور جس طرح محرم پر افعالِ حج میں سے کسی چیز کے ترک پر کفارہ لازم ہوتا ہے اس طرح نماز کے ترک پر کوئی کفارہ نہیں ہے بلکہ

صرف اس کو پڑھنا ہی ہے۔

صاحب منہل لکھتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ اپنے فرائض کو دوسرے سے پڑھوائے یعنی نماز میں نیابت نہیں چلتی جیسا کہ حج میں چل جاتی ہے، نیز اسی حدیث سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوگیا کہ بعض لوگ تارکِ صلاۃ کی وفات کے بعد اس کی طرف سے کچھ مال دیتے ہیں تا کہ یہ مال اس کی نمازوں کے لئے کفارہ بن جائے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (المنہل ۴/۳۸)۔

۴۴۳ ﴿حَدَّثَنَا وَهْبُ بنُ بَقِيَّةَ عن خَالِدٍ عن يُوْنُسَ بنِ عُبَيْدٍ عن الْحَسَنِ عن عِمْرَانَ بنِ حُصَيْنٍ أَنَّ رسولَ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كَانَ فِي مَسِيْرٍ لَهُ فَنَامُوْا عن صَلَاةِ الفَجْرِ فاسْتَيْقَظُوْا بِحَرِّ الشَّمْسِ فارْتَفَعُوْا قَلِيْلًا حَتّٰى اسْتَقَلَّتِ الشَّمْسُ ثُمَّ أَمَرَ مُؤَذِّنًا فَأَذَّنَ فَصَلّٰي رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الفَجْرِ ثُمَّ أَقَامَ ثُمَّ صَلَّى الفَجْرَ.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (١٠٨١٥).

ترجمہ : حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ ایک سفر میں تھے، سب سوتے رہ گئے نماز فجر کے وقت اور سورج کی گرمی سے بیدار ہوئے پھر تھوڑی دور چلے یہاں تک کہ آفتاب بلند ہوگیا اس کے بعد آپ ﷺ نے مؤذن کو حکم دیا اس نے اذان دی پھر آپ ﷺ نے فجر (کی فرض نماز) سے پہلے دو رکعت سنت پڑھیں پھر مؤذن نے اقامت کہی اور آپ ﷺ نے فرض نماز پڑھائی۔

تشریح مع تحقیق : مَسِيْرٌ : مصدر میمی ہے خلاف قیاس، قیاس کے مطابق تو "مسار" آئے گا، اس کے معنی ہیں: سفر، کارواں، ریلی، ارْتَفَعُوا : یہاں، ارْتَفَعَ انْتَقَلَ کے معنی میں ہے، اسْتَقَلَّتْ : اسْتَقَلَّ (استفعال اصله: قَلَّ) استِقْلَالًا : بلند ہونا، جیسے اسْتَقَلَّ الطائر في طَيَرَانِه.

اس روایت سے فائتہ نماز کے لئے اذان واقامت دونوں کا ثبوت ہوا، اس کی تفصیلی بحث گزر چکی ہے۔

۴۴۴ ﴿حَدَّثَنَا عَبَّاسٌ العَنْبَرِيُّ ح وحدثنا أحمد بنُ صَالِحٍ —وهٰذَا لَفْظُ عَبَّاسٍ— أَنَّ عَبْدَاللّٰه بنَ يَزِيْدَ حَدَّثَهُمْ عن حَيْوَةَ بنِ شُرَيْحٍ عن عَيَّاشِ بنِ عَبَّاسٍ يَعْنِي الْقِتْبَانِيَّ أَنَّ كُلَيْبَ بنَ صُبْحٍ حَدَّثَهُمْ أَنَّ الزِّبْرِقَانَ حَدَّثَهُ عَنْ عَمِّهِ عَمْرِو بنِ أُمَيَّةَ الضَّمْرِيِّ قال : كُنَّا مَعَ رسولِ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ فَنَامَ عَنِ الصُّبْحِ حَتّٰى طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَاسْتَيْقَظَ رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فَقَالَ : تَنَحَّوا عن هٰذَا الْمَكَانِ، قال : ثُمَّ أَمَرَ بِلَالًا فَأَذَّنَ ثُمَّ تَوَضَّؤُا وصَلَّوْا رَكْعَتَيِ الفَجْرِ ثُمَّ أَمَرَ بِلَالًا فَأَقَامَ الصَّلَاةَ

فَصَلّٰى بِهِمْ صَلَاةَ الصُّبْحِ.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (۱۰۷۰۲).

ترجمه : عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم کسی سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے آپ ﷺ فجر کی نماز کے وقت سوتے رہ گئے یہاں تک کہ آفتاب نکل آیا پھر آپ ﷺ جاگے اور فرمایا: یہاں سے چلو اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا انہوں نے اذان کہی پھر سب نے وضو کیا اور فجر کی دو سنتیں پڑھیں، پھر آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو انہوں نے اقامت کہی اور آپ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی۔

تشریح مع تحقیق : تَنَحَّوْا : صیغۂ امر ہے تَنَحّی (تفعل ، اصله نَحی ، معتل اللام) تَنَحِّيًا : الگ ہونا۔

آپ ﷺ نے اس جگہ سے منتقل ہونے کا حکم اس لئے دیا کہ ابھی نماز کا وقت مکروہ چل رہا تھا، تو آپ ﷺ نے اس وادی میں ٹھہر کر انتظار کرنا بہتر نہ سمجھا کہ جتنی دیر یہاں انتظار کرتے اتنی دیر میں اچھی خاصی مسافت بھی طے ہو سکتی تھی۔

اس روایت میں بھی فائتہ نماز کے لئے اذان و اقامت دونوں کا ذکر ہے جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں۔

۴۴۵ ﴿حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بنُ الْحَسَنِ ثَنَا حَجَّاجٌ يعني ابنَ مُحَمَّدٍ ثَنَا حَرِيزٌ ح وحَدَّثَنَا عُبَيْدُ بنُ أبي الْوَزِيرِ ثَنَا مُبَشِّرٌ يعني الْحَلَبِيَّ ثَنَا حَرِيزٌ يعني ابنَ عُثْمَانَ حَدَّثَنِي يَزِيدُ بنُ صَالِحٍ عن ذِي مِخْبَرٍ الْحَبَشِيِّ و كَانَ يَخْدُمُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم في هذا الخبر قال: فَتَوَضَّأَ يعني النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم وُضُوءً لم يَلُتَّ مِنْهُ التُّرَابُ ، ثُمَّ أَمَرَ بِلَالًا فَأَذَّنَ ثُمَّ قَامَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ غَيْرَ عَجِلٍ ، ثُمَّ قال لِبِلَالٍ : أَقِمِ الصَّلَاةَ ثُمَّ صَلَّى الفَرْضَ وهُوَ غَيْرُ عَجِلٍ.

قال حَجَّاجٌ عن يزيد بن صُلَيْحٍ ، قال حدثني ذُو مِخْبَرٍ رَجُلٌ مِنَ الْحَبَشَةِ ، وقال عُبَيْدٌ: يَزِيدُ بنُ صُلْحٍ.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (۳۵۴۷).

قوله "لم يَلُتَّ": يعني لم يبتل منه التراب، يريد أن الماء قليل وهو كناية عن تخفيف وضوئه.

ترجمه : حضرت ذی مخبر خادم رسول اللہ ﷺ سے اسی قصہ میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا اس قدر پانی سے کہ زمین میں کیچڑ نہ ہوئی، پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم کیا انہوں نے اذان کہی، اس کے بعد حضور ﷺ اٹھے اور بغیر جلدی کئے ہوئے دو رکعتیں پڑھیں، پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اقامت کہو، اس کے بعد آپ ﷺ نے نماز پڑھائی

بغیر جلدی کئے ہوئے۔

حجاج نے اپنی سند میں "يَزِيْدُ بنُ صُلَيْحٍ قَالَ : حَدَّثَنِي ذُوْ مِخْبَرٍ رَجُلٌ مِنَ الْحَبَشَةِ" کہا، اور عبید نے یزید بن صُبَیح کہا۔

تشريح مع تحقيق : عبيد بن أبي الوزير : حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بارے میں: لَايُعْرَفُ حَالُه کہا ہے، سیوطیؒ نے کہا ہے کہ ابوداؤد کے علاوہ ان سے نقل کرنے والا کوئی نہیں ہے اور ان کے بارے میں کسی بھی امام کی تعدیل یا جرح منقول نہیں ہے۔

يزيد بن صالح : ان کے والد کے نام میں اختلاف ہے بعض حضرات نے یزید بن صبح، بعض نے يزيد بن صُلَيْحٍ اور بعض نے يزيد بن صبيح کہا ہے، ابن حبان اور ابوداؤد نے ان کا شمار ثقہ راویوں میں کیا ہے ابوداؤد نے کہا ہے کہ حریز کے تمام شیوخ ثقہ ہیں، البتہ امام دارقطنیؒ نے ان کو مجہول قرار دیا ہے، ابن حجرؒ نے تقریب التہذیب میں مقبول لکھا ہے۔

ذو مخبر : یہ نجاشی بادشاہ کے بھتیجے ہیں اور صحابی ہیں، امام اوزاعیؒ ان کے نام کا تلفظ "ذی مخمر" کیا کرتے تھے۔

قوله : "في هذا الخبر" : یہ متعلق ہے "حَدَّثَنِي" کے، تقدیری عبارت ہوگی: "قال حريز حدثني بهذا الخبر يزيد بن صالح" اور "و كان يخدم النبي صلى الله عليه وسلم "جملہ معترضہ ہے، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ متعلق مقدم ہو یعنی اس کے بعد جو قَالَ ہے اس سے متعلق ہے، اور تقدیری عبارت ہے: قال ذو مخبر في هذا الخبر فتوضأ النبيُّ صلى الله عليه وسلم الخ.

قوله : "لم يَلُتَّ مِنهُ التُّرَابُ" یہ ماخوذ ہے "لَتَّ السَّوِيْقَ بالمآءِ" سے، کہ ستو کو پانی میں ملایا، اس صورت میں ترجمہ ہوگا کہ آپ ﷺ نے ایسا وضو کیا کہ مٹی پانی سے نہیں ملی یعنی گارا نہیں ہوا، بعض نسخوں میں یہ لفظ "لم يَلْثَ" ہے، جو لَثِيَ يَلْثَى مثل خَشِيَ يَخْشَى سے ماخوذ ہے جس کے معنی تر ہونے کے ہیں، اس صورت میں ترجمہ ہوگا کہ جس جگہ آپ ﷺ نے وضو کیا وہاں کی مٹی تر نہیں ہوئی، مفہوم دونوں صورتوں کا قریب قریب ایک ہی ہے کہ آپ ﷺ نے ایسا مختصر وضو فرمایا جس میں پانی بہت کم استعمال کیا اس طور پر کہ جس جگہ بیٹھ کر وضو کیا گیا وہاں کی مٹی بھی اچھی طرح پانی میں نہیں ملی۔

قوله : "غَيْرَ عَجِلٍ" یہ رَكَعَ سے حال واقع ہو رہا ہے یعنی آپ ﷺ نے فجر کی دو سنتیں اطمینان کے ساتھ پڑھیں کوئی جلدی نہیں کی اسی طرح فجر کی دو رکعت فرض بھی اطمینان وسکون سے پڑھیں۔

قوله : "قَالَ حَجَّاجٌ الخ" مصنفؒ کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ یزید کے والد کے نام میں اختلاف ہے، مصنفؒ کہتے ہیں کہ میرے شیخ ابراہیم نے اپنے استاذ حجاج کے طریق سے يزيد بن صُلَيْحٍ نقل کیا اور عبید بن ابوالوزیر نے اپنی سند سے يزيد بن صالح یا ابن صلح یا ابن صبح نقل کیا۔

۴۴۶ ﴿حَدَّثَنَا مُؤَمَّلُ بنُ الْفَضْلِ ثَنَا الْوَلِيْدُ عن حَرِيْزٍ يَعْنِي ابنَ عُثْمَانَ عن يَزِيْدَ بنِ صُلَيْحٍ عن ذِي مِخْبَرِ بنِ أَخِي النَّجَاشِي فِي هٰذَا الخَبَرِ قال : فَأَذَّنَ وهُوَ غَيْرُ عَجِلٍ.﴾

أنظر الحديث السابق.

ترجمہ : يزيد بن صُلَيْح سے بطریق ذی مخبر بن اخی النجاشی اسی قصہ میں مروی ہے کہ بلال نے بغیر جلدی کیے ہوئے اذان دی۔

تشریح مع تحقیق : اس سند کو لانے کا مقصد تین باتوں کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے:

۱- حجاج کی روایت کو ترجیح دینا کہ یزید کے والد کا نام صلیح ہے جیسا کہ حجاج بن محمد کہتے ہیں۔

۲- ذو مخبر کا تعارف کرانا کہ ان سے مراد ابن اخی النجاشی ہیں۔

۳- یہ بیان کرنا کہ جس طرح حضور اکرم ﷺ نے فجر کی سنتیں اور فرض اطمینان سے ادا کیے اسی طرح حضرت بلال ؓ نے اذان بھی اطمینان وسکون سے کہی تھی۔

۴۴۷ ﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ الْمُثَنّٰى ثَنَا محمد بنُ جَعْفَرٍ ثَنَا شُعْبَةُ عن جَامِعِ بنِ شَدَّادٍ سَمِعْتُ عَبْدَ الرحمنِ بنَ أَبِي عَلْقَمَةَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بنَ مَسْعُوْدٍ قال : أَقْبَلْنَا مَعَ رسولِ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم زَمَنَ الْحُدَيْبِيَّةِ ، فقال رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم : مَنْ يَكْلَؤُنَا ؟ فقال بِلَالٌ : أنا ، فَنَامُوْا حَتّٰى طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَاسْتَيْقَظَ النبيُّ صلى اللّٰه عليه وسلم فَقَالَ : افْعَلُوْا كَمَا كُنْتُمْ تَفْعَلُوْنَ. قَالَ : فَفَعَلْنَا ، قال : فكذٰلِكَ فَافْعَلُوا لِمَنْ نَامَ أو نَسِيَ.﴾

أخرجه النسائي في "الكبرىٰ". انظر "تحفة الأشراف" (٩٣٧١).

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ ہم صلح حدیبیہ کے زمانے میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم کو کون جگائے گا؟ بلال ؓ نے عرض کیا کہ میں، پھر سب سوتے رہ گئے یہاں تک کہ سورج نکل آیا، اس وقت حضور اکرم ﷺ بیدار ہوئے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم ایسا ہی کرو جیسا کہ کیا کرتے تھے، (یعنی معمول کے مطابق نماز پڑھو) ہم نے ویسا ہی کیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی سو جایا کرے یا بھول جائے وہ ایسا ہی کرے۔

تشریح مع تحقیق : عبدالرحمن بن أبي علقمة : ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے، یعقوب بن سفیان، خلیفہ اور ابن مندہ نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے، جب کہ امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ: "لَا تَصِحُّ لَهُ رُؤْيَةٌ وَلَا نَعْرِفُهُ". (الاصابة في تمييز الصحابه ۲۸۳/۴)

قولہ: زَمَنَ الْحُدَيْبِيَةِ: یہ ۶ھ کا واقعہ ہے، اس سے پہلی ایک روایت میں آیا تھا کہ لیلۃ التعریس کا واقعہ غزوۂ خیبر کا ہے اور اس روایت میں صلح حدیبیہ کے موقع پر ہونا مذکور ہے، صاحب منہل فرماتے ہیں کہ دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیوں کہ صحیح قول کے مطابق اس واقعہ میں تعدد ہے۔

اس روایت میں لفظ آیا: "مَنْ يَكْلَؤُنَا" کہ ہماری نگرانی کون کرے گا کہ ہمیں نماز کے لئے بیدار کرے، اس پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "أَنَا" کہ میں بیدار کروں گا، بعض مشائخ نے اس جگہ ایک عبرت کی بات نقل کی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر لفظ "أَنَا" کہہ کر ذمہ داری قبول کی اور ان شاء اللہ نہیں کہا جس کے نتیجے میں وہ سوتے رہ گئے اور اپنی ذمہ داری کو پورا نہ کرسکے۔

قولہ: "فَكَذٰلِكَ فَافْعَلُوا لِمَنْ نَامَ أَوْ نَسِيَ": یعنی تم میں سے جو بھی سوتا رہ جائے یا بھول جائے تو وہ ایسا ہی کرے، اس صورت میں "لِمَنْ نَامَ أَوْ نَسِيَ" میں حرف لام زائد ہوگا، اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس جملے کے معنی یہ ہوں کہ حکم کرو ہر اس شخص کو جو سوتا رہ جائے یا بھول جائے کہ وہ ایسا کرے۔

فقہ الحدیث

صاحب منہل فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ فائتہ نماز کی ادائیگی کا طریقہ بھی وہی ہے جو وقت پر پڑھی جانے والی نماز کا ہے، نیز جہری نمازوں کی قضاء میں جہراً ہی قرأت کرنا چاہیے، اور سری نمازوں کی قضاء میں سراً۔ (المنہل ۴/۴۲)۔

﴿بَابٌ فِي بِنَاءِ الْمَسَاجِدِ﴾

مسجدوں کی تعمیر کا بیان

۴۴۸ ﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ الصَّبَّاحِ بنِ سُفْيَانَ أَنَا سُفْيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ عن سُفْيَانَ الثوريِّ عَنْ أبي فَزَارَةَ عن يَزِيْدَ بنِ الأَصَمِّ عن ابنِ عَبَّاسٍ قال: قال رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: "مَا أُمِرْتُ بِتَشْيِيْدِ الْمَسَاجِدِ".

قال ابنُ عَبَّاسٍ: لَتُزَخْرِفُنَّهَا كَمَا زَخْرَفَتِ الْيَهُوْدُ والنَّصَارَي.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (٦٥٥٤).

قال الخطابي: معناه: لتزينتها وأصل الزخرف الذهب. يريد: تمويه المساجد بالذهب ونحوه، ومنه قولهم: زخرف الرجل كلامه إذا موهه وزينه بالباطل، والمعنى أن اليهود والنصارى إنما زخرفوا المساجد عندما حرّفوا وبدلوا وتركوا العمل بما في كتبهم. يقول: فأنتم إلى المراءاة بالمساجد والمباهاة بتشييدها وتزيينها. انظر "معالم السنن" ۱۲۱/۱.

ترجمه : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھے مسجدوں کو بلند بنانے کا حکم نہیں دیا گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم مسجدوں کو ایسا آراستہ کرو گے جیسا کہ یہود ونصاریٰ نے کیا ہے۔

تشریح مع تحقیق : تَشْيِيد : شَيَّدَهُ (تفعيل) تشييدًا پختہ کرنا، بلند بنانا، چونے وغیرہ سے پلاسٹر کرنا، لَتُزَخْرِفُنَّهَا : اس میں لام قسمیہ ہے، زَخْرَفَ الْمَكَانَ وَغَيْرَهُ : مزین کرنا، سجانا۔

مقصد ترجمہ:

مصنفؒ نے باب کا عنوان قائم کیا ہے: مسجدوں کی تعمیر کا بیان، اور باب کے تحت پانچ روایتیں نقل کی ہیں:

۱- حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما

۲- حدیث انس ﷺ
۳- حدیث عثمان بن ابی العاص ﷺ
۴- حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما، یہ حدیث دو سندوں سے ہے
۵- حدیث انس بن مالک ﷺ، یہ بھی دو سندوں سے ہے

مقصد امام ابوداؤدؒ کا یہ بیان کرنا ہے کہ مسجد کیسی ہونی چاہئے، اس کی شان کیا ہو، اس کے بانی کی نیت کیسی ہو، اور مسجد کی تعمیر میں کن اصولوں کی رعایت کی جائے، باب کی پانچوں روایات میں ان تمام چیزوں کی طرف اشارات ہیں: مثلاً پہلی، چوتھی اور پانچویں روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مسجد کی تعمیر میں سادگی کا لحاظ رکھا جائے اور اس کو دنیوی تکلفات سے پاک رکھا جائے تاکہ نماز میں نمازی کی توجہ عبادت کی طرف مبذول رہے اگر نقش نگار، زیب وزینت اور بے جا تکلفات کا اہتمام کیا جائے گا تو عبادت کا خشوع وخضوع جاتا رہے گا، اسی طرح دوسری روایت میں یہ بیان کیا گیا کہ مسجد کی تعمیر میں بانی کی نیت نام ونمود اور شہرت وغیرہ کی نہ ہو بلکہ اخلاص کے ساتھ مسجد کی تعمیر کی جائے، تیسری روایت میں اس طرف اشارہ کیا گیا کہ جس زمین پر غیر اللہ کا ذکر کیا گیا ہو اور بتوں کی پوجا کی گئی ہو اس جگہ پر اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے ذکر کے لئے عبادت خانے بنائے جائیں۔

پھر مسجد نبوی ﷺ کی تعمیری ترمیم سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ ضروریات زمانے کے اعتبار سے مسجد کو سادگی

کے باوجود شاندار بنایا جاسکتا ہے۔

مضمون حدیث

حدیث شریف کے دو جزء ہیں ایک مرفوع اور دوسرا موقوف، مرفوع تو یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے مسجدوں کے بلند، آراستہ اور منقش کرنے کا حکم نہیں دیا گیا، بلکہ سادگی کے ساتھ مسجدیں بنانے کا حکم دیا گیا ہے، ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرے لئے تو ایسا سائبان بنادو جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کا تھا کہ جب آدمی اس میں کھڑا ہو تو چھت سے سر لگ جائے، اور حدیث کا موقوف ٹکڑا- جو حکما مرفوع ہے- یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم ضرور مسجدوں کو مزین کروگے جیسا کہ یہود و نصاریٰ مزین کرتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ عبادت گاہوں میں زیب و زینت کا اہتمام یہود و نصاریٰ کا طریقہ ہے، مسلمان کے لئے مناسب نہیں ہے، مسجد تو خانۂ خدا ہے اس میں دنیوی تکلفات اور ظاہری زیبائش کی کیا ضرورت ہے۔

مساجد کی تزئین کا حکم

یہاں دو مسئلے ہیں ایک ہے مسجد کے اندر استحکام اور مضبوطی پیدا کرنا اور دوسرا ہے مساجد کو مزین کرنا۔

جہاں تک مسجد کے اندر استحکام اور مضبوطی، نمازیوں کے آرام و سکون اور زینت کے بغیر اس کے شاندار اور پرشکوہ ہونے کا تعلق ہے تو وہ سب کے نزدیک مستحسن ہے، قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ. (سورہ حج آیت/۳۲) اور جو اللہ کے نام سے منسوب چیزوں کی تعظیم کرے تو وہ دل کی پرہیزگاری کی بات ہے۔

اس آیت پاک میں شعائر سے خاص طور پر قربانیاں مراد ہیں لیکن فقہاء نے لفظ کے عموم سے ان تمام چیزوں کی عظمت پر استدلال کیا ہے، جنھیں اللہ کے نام سے نسبت ہے، مسجدیں یقیناً اللہ کے نام سے منسوب ہونے کی بناء پر تعظیم و تکریم کی مستحق ہیں، اسی طرح دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے:

فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللّٰهُ أَنْ تُرْفَعَ. (سورہ نور آیت/۳۶) گھروں (مسجدوں) کے بارے میں اللہ نے اجازت دی ہے کہ انہیں بلند کیا جائے۔

بلندی جس طرح معنوی ہوتی ہے اور دراصل وہی یہاں مراد بھی ہے اسی طرح بلندی مادی اور حسی بھی ہوتی ہے اور آیت پاک ہی سے بہرحال اس کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔

دوسرا مسئلہ مساجد کی تزیین کا ہے اس میں فقہاء نے یہ وضاحت کی ہے کہ اگر تزیین ایسی ہو کہ اس سے نمازیوں کی توجہ نماز کے بجائے نقش ونگار میں الجھ کر رہ جائے تو اس کو مکروہ قرار دیا گیا ہے، اس انداز کی نہ ہو تو اس کی اباحت ہے بلکہ زین الدین بن منیر نے تو آگے بڑھ کر یہ فرمایا ہے کہ اس دور میں جب کہ لوگ اپنے گھروں میں استحکام اور تزئین وغیرہ کا اہتمام کرنے لگے ہیں، تو مسجدوں کے احترام کو باقی رکھنے کے لئے مسجدوں میں اس کا اہتمام ضروری ہے۔ (عمدۃ القاری ۴۶۹/۳)۔

۴۴۹ ﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ عَبْدِاللّٰه الْخُزَاعِيُّ ثَنَا حَمَّادُ بنُ سَلَمَةَ عن أَيُّوبَ عن أبي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ وقَتَادَةَ عن أَنَسٍ أنّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قال : لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّى يَتَبَاهَى النَّاسُ فِي الْمَسَاجِدِ.﴾

أخرجه النسائي في "المجتبى" في المساجد (١) الفضل في بناء المساجد (٦٨٨) وأخرجه ابن ماجه في المساجد والجماعات، باب: تشييد المساجد (٧٣٩). انظر "تحفة الأشراف" (٩٥١).

ترجمہ : ایوب نے ابوقلابہ اور قتادہ کے واسطے سے حضرت انس ؓ سے نقل کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ لوگ مسجدوں کے معاملہ میں ایک دوسرے پر فخر کریں گے۔

تشریح مع تحقیق : يَتَبَاهَي : تَبَاهَى (تفاعل اصله بَهَيَ) تَبَاهٍ : باہم فخر کرنا۔

حدیث میں اس اصول کی وضاحت کی گئی ہے کہ مسجدوں کی تعمیر میں نام ونمود وفخر ومباہات سے نیت کو پاک رکھا جائے اور صرف اخلاص کے ساتھ بناء کی جائے تا کہ اخلاص کی کشش لوگوں کو نماز کی طرف لائے اور مسجد جماعت، نماز، ذکر اور تلاوت وغیرہ کے ذریعہ خوب آباد ہو ایک دوسرے کے مقابلہ پر نمائش، برتری حاصل کرنے کے خیال سے تعمیر کی جائے گی تو اللہ کے یہاں اسے قبولیت نصیب نہ ہوگی، بلکہ یہ تو قیامت کی علامتوں میں سے ہے۔

بعض شارحین نے مسجدوں میں فخر ومباہات کے یہ معنی بھی مراد لئے ہیں کہ مسجدوں میں بیٹھ کر فخر ومباہات کی مجلسیں قائم کی جائیں۔ (عمدۃ القاری ۲۰۴/۴)۔

نوٹ: سند میں قتادہ کا عطف ابوقلابہ پر ہے، یعنی اس حدیث کو ایوب نے ابوقلابہ اور قتادہ دونوں سے روایت کیا ہے، پھر یہ دونوں روایت کرتے ہیں انس ؓ سے، بہتر یہ تھا کہ مصنف ؒ انس ؓ کو پہلی جگہ یعنی ابوقلابہ اور قتادہ کے درمیان ذکر نہ کرتے۔ (تحفۃ الاشراف)۔

۴۵۰ ﴿حَدَّثَنَا رَجَاء بنُ الْمُرَجَّى ثَنَا أبو هَمَّامِ الدَّلَّالُ ثَنَا سعيد بنُ الْمُسَيَّبُ عن محمد بنِ عَبْدِاللّٰه بنِ عَيَاضٍ عن عُثْمَانَ بنِ أبي الْعَاصِ أنّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم أَمَرَهُ أَنْ

يَجْعَلَ مَسْجِدَ الطَّائِفِ حَيْثُ كَانَ طَوَاغِيتُهُمْ.﴾

أخرجه ابن ماجه كتاب: المساجد والجماعات، باب: أين يجوز بناء المساجد (٧٤٣). انظر "تحفة الأشراف" (٩٧٧١).

طواغيتهم: جمع طاغية وهي ما كانوا يعبدون من الأصنام وغيرها.

ترجمه : حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ان کو حکم فرمایا کہ مسجد طائف کو اس جگہ بنائیں جہاں ان (طائف والوں) کے بت خانے تھے۔

تشریح مع تحقیق : طَوَاغِيتُ : طاغوت کی جمع ہے، بمعنی بت خانہ، صنم کدہ، واحد وغیرہ اور مذکر ومؤنث سب برابر ہیں۔

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو حضور اکرم ﷺ نے طائف کا حاکم بنادیا تھا، جب یہ طائف شہر روانہ ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کو یہ حکم فرمایا طائف میں خاص اس جگہ مسجد بنائیں جہاں پہلے کفار کے بت خانے تھے، تاکہ جس جگہ غیر اللہ کی عبادت ہوتی تھی وہاں اب معبود حقیقی کی عبادت ہو اور آثار کفر کا خاتمہ اور ان کی اہانت ہو جائے۔

معلوم ہوا کہ جس شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو تو وہاں کے صنم کدوں کو ختم کر کے مساجد بنانا مسلمانوں کی ذمے داری ہے۔ (المنہل ۴/۴۸)۔

۴۵۱ ﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ يحيٰى بنِ فَارِسٍ ومُجَاهِدُ بنُ مُوْسٰى -وَهُوَ اَتَمُّ- قالا : ثَنَا يَعْقُوْبُ بنُ إبْرَاهِيْمَ ثَنَا أبي عن صَالِحٍ قال : نَا نَافِعٌ أَنَّ عَبْدَ اللّٰه بنَ عُمَرَ أَخْبَرَهُ أَنَّ الْمَسْجِدَ كَانَ عَلٰى عَهْدِ رسولِ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم مَبْنِيًّا بِاللَّبِنِ وسَقْفُهُ بِالْجَرِيْدِ ، و عَمَدُهُ -قَالَ مُجَاهِدٌ : عُمُدُهُ- مِنْ خَشَبِ النَّخْلِ ، فَلَمْ يَزِدْ فيه أبُوبكرٍ شَيْئًا ، وزَادَ فِيْهِ عُمَرُ وبَنَاهُ عَلٰى بِنَائِهِ فِي عَهْدِ رسولِ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بِاللَّبِنِ والْجَرِيْدِ وأَعَادَ عَمَدَهُ – قَالَ مُجَاهِدٌ : عُمُدَهُ- خَشَبًا ، وغَيَّرَهُ عُثْمَانُ فَزَادَ فيه زِيَادَةً كثيرةً ، وبَنَى جِدَارَهُ بِالْحِجَارَةِ الْمَنْقُوْشَةِ وَالقَصَّةِ ، وَ جَعَلَ عَمَدَهُ مِنْ حِجَارَةٍ مَنْقُوْشَةٍ ، وَسَقَّفَهُ بالسَّاجِ ، -قال مُجَاهِدٌ : وسَقْفُهُ السَّاجُ- قال أبُودَاؤُدَ : القَصَّةُ الْجَصُّ.﴾

أخرجه البخاري في الصلاة، باب: بنيان المسجد (٤٤٦).

ترجمه : حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر کچی اینٹوں سے کی گئی تھی اس کی چھت میں کھجور کی بے پتوں کی شاخیں استعمال کی گئی تھیں، اور اس کے ستون کھجور کی لکڑی کے

تھے،-مجاہد نے عُمُد کو بضم العين والميم پڑھا-حضرت ابوبکر ﷛ نے اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا اور حضرت عمر ﷛ نے اس میں اضافہ کیا، اور رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک کی بنیادوں ہی پر (توسیع) کے ساتھ کچی اینٹوں اور کھجور کی شاخوں سے نئی تعمیر کی اور لکڑی کے ستونوں کی بھی تجدید کردی،-مجاہد نے یہاں بھی عُمُدَہٗ پڑھا- پھر حضرت عثمان غنی ﷛ نے اس کو بدل دیا اور اس میں بہت زیادہ اضافے فرمائے دیواروں کی تعمیر منقش پتھروں اور گچ سے کی، اور ستون بھی منقش پتھروں کے لگوائے، اور چھت سال کی لکڑی کی ڈلوائی، مجاہد نے کہا سَقْفُه السَّاج ، ابوداؤد نے کہا کہ قَصّه کے معنی ہیں گچ۔

تشریح مع تحقیق : مَبْنِیًّا : اسم مفعول کا صیغہ ہے: بَنَی (ض، معتل اللام) بَنْیًا وبِنَاءً وبُنْیَانًا : تعمیر کرنا۔

اللَّبِنُ : بفتح اللام و کسر الباء ، لَبِنَةٌ کی جمع ہے بمعنی کچی اینٹیں۔

سَقْفُه : بفتح السين وسكو القاف : بمعنی چھت جمع سُقُوْف .

الْجَرِيْدُ : کھجور کی ٹہنی جو پتوں سے صاف کرلی گئی ہو، واحد: جَرِيْدَةٌ ہے۔

عَمَده : یہ بفتح العين والميم وضمهما : دونوں طرح ہے چنانچہ راوی حدیث مجاہد اس کو بضمتین پڑھتے ہیں، اور محمد بن یحییٰ اس کو بفتحتین پڑھتے تھے، اور یہ العَمُوْدُ کی جمع ہے بمعنی ستون۔

خَشَبٌ موٹی لکڑی، ج خُشُبٌ وخُشْبَانٌ ہے۔

القَصَّةُ : گچ، چونہ جمع قِصَاصٌ آتی ہے۔

سَقَّفَهٗ : (تفعيل) چھت ڈالنا۔

قوله : وقال مُجَاهِدٌ : عُمُدُهٗ خَشَبًا : مصنفؒ کے یہاں دو استاذ ہیں: محمد بن یحییٰ اور مجاہد، مصنفؒ دونوں کے لفظوں میں فرق بیان کررہے ہیں اور فرق یہ ہے کہ محمد بن یحییٰ نے عمد کو بفتحتین اور مجاہد نے بضمتین ذکر کیا، اسی طرح حدیث کے آخر میں ہے کہ ایک استاذ نے بالساج کہا اور دوسرے نے السّاج کہا، اور ساج کے معنی ہیں ساگون یا سال کی لکڑی۔

مضمون حدیث

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمارہے ہیں کہ عہد رسالت میں مسجد نبوی کچی اینٹوں اور اس کی چھت کھجور کی شاخوں کی تھی، اور ستون بھی کھجور کی لکڑی کے تھے، عہد رسالت میں مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر دو بار ہوئی ہے، پہلی بار اس کی وسعت ۶۰×۶۰ ذراع تھی، اور فتح خیبر کے بعد توسیع ہوئی اور رقبہ ۱۰۰×۱۰۰ ذراع کردیا گیا، لیکن تعمیر کے لئے جو چیزیں

استعمال کی گئیں وہ دونوں مرتبہ وہی تھیں جن کا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے تذکرہ فرمایا، پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کوئی اضافہ عمل میں نہیں آیا صرف بوسیدہ ستون تبدیل کیے گئے، البتہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت آیا تو ۱۷ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اضافہ بھی کیا اور عہد رسالت کی بنیادوں کو بھی باقی رکھا، ان دونوں جملوں میں تعارض نہیں، کیوں کہ اضافہ کا مطلب یہ ہے کہ جگہ میں اضافہ کیا طول وعرض میں توسیع دی یا جانب قبلہ میں دو صفوں کا اضافہ کیا، اور بنیادوں کو باقی رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ وہی کچی اینٹ اور وہی کھجور کی لکڑی کے ستون اور کھجور کی شاخوں کی چھت بنائی۔

لیکن جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا تو انہوں نے کمیت اور کیفیت میں بہت اضافے فرمائے، طول وعرض دونوں ہی میں اضافہ کیا، اور سامانِ تعمیر میں بھی تبدیلیاں ہوئیں، کچی اینٹ کی جگہ پتھر استعمال ہوئے اور پتھر بھی وہ جو منقش تھے، الفاظ ہیں حجارة منقوشة اس کا ایک ترجمہ تو یہ ہے کہ پتھروں کو اس طرح کھڑا کیا گیا کہ وہ ایک دوسرے سے پیوست ہوجاتے تھے یعنی ان کی درزوں کو ملانے کے لئے انہیں توڑ کر اور نقش کر کے برابر کیا گیا، اور دوسرا ترجمہ یہ ہوسکتا ہے کہ پتھروں میں صناعی کا عمل کر کے انہیں نقشین بنایا گیا، روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ یہ نقش ونگار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نہیں بنوائے تھے، بلکہ اتفاقاً اس زمانہ میں ایسے منقش پتھر دستیاب ہوئے تھے۔

سامان میں دیگر تبدیلیاں یہ ہوئیں کہ پتھروں کی تعمیر مٹی سے نہیں بلکہ چونے سے کی گئی، ستون بھی نقشین پتھروں کے بنائے گئے، اور چھت میں کھجور کی شاخوں کے بجائے ساگون کی کڑیاں استعمال کی گئیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس مخلصانہ عمل پر اس زمانہ میں اعتراض بھی کیا گیا جس کا جواب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منبر پر آ کر دیا:

إنكم أكثرتم وإني سمعت النبي صلى الله عليه وسلم مَنْ بَنَى مَسْجِدًا يَبْتَغِي بِهِ وَجْهَ اللّٰهِ لَهُ مِثْلُه فِي الْجَنَّةِ. (فتح الباری ۱/۴۵۳).

تم لوگوں نے اس بارے میں بہت چہ میگوئیاں کی ہیں اور تحقیق کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ محض اللہ کی خوشنودی کے لئے کوئی مسجد بنائے تو اللہ اس کیلئے اسی کے مثل جنت میں ایک محل بنا دیتا ہے۔

ماہ ربیع الاول ۲۹ھ میں تعمیر شروع ہوئی اور محرم الحرام ۳۰ھ کو ختم ہوگئی، اس حساب سے زمانہ تعمیر کل دس ماہ ہوتے ہیں۔

حضرت امام مالکؒ سے منقول ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر شروع کرائی تو کعب احبار یہ دعا مانگتے تھے کہ اے اللہ! یہ تعمیر پوری نہ ہو لوگوں نے اس کا سبب دریافت کیا تو یہ فرمایا کہ بس یہ تعمیر ختم ہوئی اور آسمان سے فتنہ اترا۔ (فتح الباری ۱/۴۵۳، وفاء الوفاء ۱/۳۵۶)۔

بہرحال حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عمل سے اصل یہ نکل آئی کہ مسجد کے اندر بقدر ضرورت اضافہ بھی کیا جاسکتا ہے، اور استحکام کی خاطر اپنے دور کا مضبوط ساز وسامان بھی استعمال کیا جاسکتا ہے، نیز سادگی کی رعایت کے ساتھ مسجد کو پرشوکت

وشاندار بھی بنایا جاسکتا ہے۔ واللہ اعلم

۴۵۲ ﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ حَاتِمٍ ثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بنُ مُوسى عن شَيْبَانَ عن فِرَاسٍ عن عَطِيَّةَ عن ابن عُمَرَ قال : إنَّ مَسْجِدَ النبي صلى الله عليه وسلم كَانَتْ سَوَارِيْهِ على عَهْدِ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم من جُذُوْعِ النَّخْلِ أَعْلَاهُ مُظَلَّلٌ بِجَرِيْدِ النَّخْلِ ثُمَّ إِنَّهَا نَخِرَتْ فِي خِلَافَةِ أبي بَكْرٍ فَبنَاها بِجُذُوْعِ النَّخْلِ وبِجَرِيْدِ النَّخْلِ ثُمَّ إِنَّهَا نَخِرَتْ فِي خِلَافَةِ عُثْمَانَ فَبنَاهَا بالآجُرِّ فَلَمْ تَزَلْ ثَابِتَةً حَتّى الآنَ.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (۷۳۳۶).

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مسجد نبوی ﷺ کے ستون رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں کھجور کی لکڑی کے تھے اور چھت پر کھجور کی شاخوں سے سایہ کر دیا گیا تھا، پھر وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں گل گئیں، انہوں نے کھجور کی لکڑیاں اور شاخیں لگائیں، پھر وہ بھی گل گئیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں، انہوں نے مسجد کو پکی اینٹوں سے بنایا جو اب تک قائم ہے۔

تشریح مع تحقیق : عطية : یہ عطیہ بن سعد عوفی کوفی ہیں، امام احمدؒ، نسائی، سفیان ثوری اور ابن عدی وغیرہ سب حضرات نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے، البتہ امام ترمذیؒ نے ان کی احادیث کو حسن قرار دیا ہے اور تحسین کی وجہ غالباً یہ ہے کہ ابن سعد اور فضیل وغیرہ ائمۂ جرح وتعدیل نے ان کی توثیق کی ہے۔

سَوَارِيْهِ : سَارِيَةٌ کی جمع ہے بمعنی ستون۔

جُذُوْع : الجِذْعُ کی جمع ہے بمعنی درخت کا تنا۔

مُظَلَّلٌ : اسم مفعول کا صیغہ ہے، ظَلَّلَ بالجَرِيْدِ : شاخوں سے سایہ کرنا، سایہ ڈالنا۔

نَخِرَتْ : نَخِرَ العُودُ (س، صحیح سالم) نَخَرًا : لکڑی کا بوسیدہ ہونا۔

الآجُرّ : بمدّ الهمزه وضم الجيم وتشديد الراء : جمع ہے "الآجُرَّةُ" کی، بمعنی اینٹ۔

یہ روایت بظاہر سابقہ روایت کے منافی ہے اس لئے کہ سابقہ روایت میں تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ستون نقشین پتھروں کے لگوائے تھے اور اس میں ہے کہ پکی اینٹوں سے بنایا، صاحب منہل نے دونوں کے درمیان یہ تطبیق دی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ بعض ستون نقشین پتھروں کے لگوائے ہوں اور بعض اینٹوں کے، دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ثانی ضعیف ہے اس لئے کہ اس میں ایک راوی عطیہ بن سعد عوفی ہیں جو ضعیف ہیں۔

اس حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بناء کا ذکر نہیں ہے اس کی وجہ شارحین نے یہ لکھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی

سامان کو استعمال کیا تھا جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا، بس اضافہ کر کے وہی کچی اینٹ اور کھجور کی لکڑی کے ستون اور اس کی شاخیں چھت میں لگائیں، گویا ان کا فعل حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے فعل کے مشابہ تھا، اس لئے یہاں ذکر نہیں کیا گیا، دوسری بات وہی ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ (المنہل ۵۲/۴، بذل ۲۶۲/۱)۔

۴۵۳ ﴿حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ ثَنَا عَبْدُ الوَارِثِ عَنْ أبي التَّيَّاحِ عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ قال : قَدِمَ رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم المدينةَ فَنَزَلَ فِي عُلُوِ المدينةِ فِي حَيٍّ يُقَالُ لَهُمْ بنو عَمْرِو بنُ عَوْفٍ فَأَقَامَ فيهم أَرْبَعَ عَشْرَةَ لَيْلَةً ثُمَّ أَرْسَلَ إلى بَنِي النَّجّارِ ، فَجَاؤُا مُتَقَلِّدِيْنَ سُيُوْفَهُمْ قَالَ : فقال أَنَسٌ : فَكَأَنِّي أَنْظُرُ إلى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم على رَاحِلَتِهِ و ابُوبَكْرٍ رِدْفَهُ و مَلَأُ بَنِي النَّجَّارِ حَوْلَهُ حَتّٰى أَلْقَى بِفِنَاءِ أبِيْ أَيُّوبَ و كَانَ رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يُصَلِّي حَيْثُ أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ ويُصَلِّي فِي مَرَابِضِ الغَنَمِ ، وإنَّهُ أُمِرَ بِبِنَاءِ الْمَسَاجِدِ ، فَأَرْسَلَ إلى بَنِي النَّجَّارِ فقال : يا بني النَّجَّارِ ثَامِنُوْنِي بَحَائِطِكُمْ هٰذَا فَقَالُوا : واللّٰهِ لا نَطْلُبُ ثَمَنَهُ إلّا إلَى اللّٰه قال أَنَسٌ : و كَانَ فيه ما أَقُوْلُ لَكُمْ : كَانَتْ فِيهِ قُبُوْرُ الْمُشْرِكِيْنَ وكَانَ فيه خَرِبٌ ، وكَانَتْ فيه نَخْلٌ فَأَمَرَ رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بِقُبُوْرِ المشركِين فَنُبِشَتْ وبِالْخَرِبِ فَسُوِّيَتْ وبِالنَّخْلِ فَقُطِّعَ ، فَصَفُّوا النَّخْلَ قِبْلَةَ المسجدِ وجَعَلُوْا عِضَادَتَيْهِ حِجَارَةً ، وجَعَلُوا يَنْقُلُوْنَ الصَّخْرَةَ وهم يَرْتَجِزُوْنَ والنبيُّ صلى اللّٰه عليه وسلم مَعَهُمْ وَيَقُولُ :

اللّٰهُمَّ لَا خَيْرَ إلَّا خَيْرُ الآخِرَةْ
فَانْصُرِ الْأَنْصَارَ والْمُهَاجِرَهْ﴾

أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب: هل تنبش قبور المشركين الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد (٤٢٨) وفي كتاب: فضائل المدينة، باب: حرم المدينة (١٨٦٨) وفي كتاب: مناقب الأنصار، باب: مقدم النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه المدينة (٣٩٣٢) وفي كتاب البيوع، باب: صاحب السلعة أحق بالسوم (٢١٠٦) وفي كتاب: الوصايا، باب: للمسجد (٢٧٧٤) وفي الكتاب نفسه، باب: وقف الأرض للمسجد (٢٧٧٤) وفيه أيضًا، باب: إذا قال الواقف: لا نطلب ثمنه إلا إلى الله فهو جائز (٢٧٧٩) وأخرجه مسلم في "صحيحه" في المساجد، وباب: ابتناء مسجد النبي صلى الله عليه وسلم (١١٧٣). وأخرجه النسائي في "المجتبى" في كتاب: المساجد، باب: نبش القبور واتخاذ أرضها مسجدًا (٧٠١)، وأخرجه ابن ماجه في كتاب: المساجد والجماعات، باب: أين يجوز بناء المساجد (٧٤٢). انظر "تحفة الأشراف" (١٦٩١).

ترجمہ : حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے مدینہ کے بالائی علاقہ میں ایک قبیلہ میں جنھیں بنوعمرو بن عوف کہا جاتا تھا تشریف ارزانی کی وہاں آپ ﷺ نے چودہ یوم تک قیام فرمایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوالنجار کے پاس (بلوانے کے لئے) پیغام بھیجا تو وہ اپنی اپنی تلواریں حمائل کئے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے (آپ ﷺ ان کے ساتھ روانہ ہوئے) حضرت انس ﷛ کہتے ہیں: پس گویا کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی سواری پر دیکھ رہا ہوں، جب کہ حضرت ابوبکر ﷛ آپ ﷺ کے پیچھے سوار ہیں اور قبیلہ بنونجار چاروں طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیرے ہوئے ہے، حتی کہ آپ ﷺ نے اپنا سامان حضرت ابوایوب انصاری ﷛ کے صحن میں اتار دیا، اور آپ کا دستور یہ تھا کہ جہاں نماز کا وقت ہو جاتا وہیں نماز پڑھ لیتے، اور آپ ﷺ بکریوں کے بیٹھنے کی جگہ بھی نماز پڑھ لیتے تھے، اور یہ کہ آپ ﷺ کو مسجد کی تعمیر کا حکم دے دیا گیا، پس آپ ﷺ نے بنونجار کو بلوایا اور ان سے فرمایا کہ اے بنونجار! تم مجھ سے اپنے اس باغ کی قیمت لے لو، ان لوگوں نے کہا بخدا ہم اس کی قیمت اللہ کے علاوہ کسی سے طلب نہ کریں گے، حضرت انس ﷛ کہتے ہیں کہ میں بتلاتا ہوں کہ اس (زمین) میں مشرکین کی قبریں تھیں، کچھ کھنڈرات تھے، اور کچھ کھجور کے درخت تھے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی قبروں کے بارے میں یہ حکم دیا کہ انہیں اکھاڑ دیا جائے، اور ویران حصہ کے بارے میں فرمایا کہ اسے ہموار کر دیا جائے اور درختوں کے بارے میں حکم دیا کہ انہیں کاٹ دیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا پھر ان کھجوروں کو مسجد کے قبلہ کی سمت میں (ستونوں کی جگہ) برابر برابر کھڑا کر دیا گیا، ان کے دائیں بائیں کی جگہ (یعنی ستونوں کے درمیانی خلا میں) پتھر لگا دئے گئے، اور لوگ رجز پڑھتے ہوئے پتھر اٹھانے لگے، خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ رہے، اور آپ ﷺ اس وقت یہ رجز پڑھتے تھے:

اے اللہ! کوئی خیر آخرت کی خیر کے علاوہ نہیں ہے
اس لئے انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرمادے

تشریح مع تحقیق: عُلُو : بضم العین و کسرھا : دونوں لغتیں مشہور ہیں، عَلُوُ الشیئِ وعِلُوُّہٗ بمعنی بلندی، مدینہ منورہ کی جانب نجد کو عُلُو کہا جاتا ہے اور جو حصہ تہامہ کی طرف ہے اس کو سافلہ کہتے ہیں، یہاں علو مدینہ سے مراد قبا ہے جو تین میل کے فاصلہ پر ہے یہاں انصار کا مشہور خاندان بنوعمرو بن عوف آباد تھا، آپ ﷺ نے مدینہ میں آنے کے لئے بلندی کا راستہ اختیار کیا جو آپ ﷺ کے دین کی بلندی کی علامت تھی۔

مُتَقَلِّدِیْنَ: صیغۂ اسم فاعل ہے، تَقَلَّدَ الرَّجُلُ السَّیْفَ تَقَلُّدًا : گلے میں تلوار کا پرتلہ ڈالنا، حضور ﷺ کے استقبال میں انھوں نے تلواریں گلے میں ڈال رکھی تھیں۔

رِدْفَہ : الرِّدْف بمعنی پیچھے سوار ہونے والا آدمی جمع أَرْدَاف۔

مَلَأٌ: قوم کی جماعت، اشراف قوم جن سے دلوں میں ہیبت طاری ہو، جمع اَمْلَاءٌ آتی ہے۔

أُمِرَ: اس کو معروف اور مجہول دونوں طرح پڑھا گیا ہے، معروف پڑھنے کی صورت میں مطلب ہوگا کہ آپ ﷺ نے صحابہ کو مسجد بنانے کا حکم دیا، اور مجہول پڑھنے کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کو تعمیر مسجد کا حکم دے دیا گیا تھا۔

ثَامِنُوْنِي: صیغۂ امر ہے، ثَامَنَه في السِّلْعَةِ: بھاؤ تاؤ کرنا، کسی سامان کی قیمت بتانا اور لینا۔

الحائط: وہ باغ جس میں کھجور وغیرہ کے درخت ہوں اور اس کے چاروں طرف دیوار بھی ہو۔

خَرِبٌ: بفتح الخاء و کسرالراءِ اور بکسر الخاءِ وفتح الراء دونوں طرح صحیح ہے، معنی ہیں: ویران جگہ، کھنڈر، گھور۔

نُبِشَتْ: بصیغۂ مجہول نَبَشَ (ن) نَبْشًا: کھود کر نکالنا۔

فَصَفُّوا: ایک نسخہ میں فَصُفِّفَ النخلُ ہے، صَفَّ الشيئَ: ترتیب سے لگانا، لائن سے لگانا، مطلب یہ ہے کہ کھجور کے تنوں کو جانبِ قبلہ میں ترتیب اور لائن سے جما دیا گیا۔

عِضَادَتَيْهِ: العِضَادَةُ بکسر العین بازو، عِضَادَتَا الباب: چوکھٹ کے دونوں بازو۔

يَرْتَجِزُوْنَ: ارْتَجَزَ (افتعال) ارتجازًا: رجز پڑھنا، اور رجز اوزان شعر میں سے ایک وزن کا نام ہے۔

مضمون حدیث

مصنفؒ اس حدیث میں ہجرت کا واقعہ مختصر طور سے بیان فرما رہے ہیں، کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ہجرت فرمائی تو سیدھے شہر مدینہ میں تشریف نہیں لے گئے، بلکہ پہلے اعلا، مدینہ میں جہاں بنو عمرو بن عوف آباد تھے قیام پذیر رہے مراد قبار ہے، جہاں آپ ﷺ نے اسی قیام کے دوران مسجد قبار تعمیر فرمائی جس میں ہر ہفتہ آپ ﷺ کے تشریف لے جانے کا معمول تھا، اسی مسجد قبار کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اس میں دو رکعت نماز ایک عمرہ کا ثواب رکھتی ہے، اس جگہ آپ ﷺ نے ۱۴/دن قیام فرمایا، بخاری کی روایت کے مطابق چوبیس دن کا قیام فرمایا، جس دن قبار میں آپ ﷺ کا نزول ہوا وہ راجح قول کے مطابق پیر کا دن تھا اور ربیع الاول کی ۸/تاریخ تھی، قبار میں قیام کے دوران ۱۴/دن کے اندر دو جمعے اور ۲۴/روز کے قیام کی روایت کے مطابق تین جمعے آئے، لیکن حضور ﷺ نے جمعہ ادا نہیں فرمایا، حالانکہ مکہ میں جمعہ کی فرضیت ہو چکی تھی، پہلا جمعہ آپ ﷺ نے قبار سے روانہ ہونے کے بعد محلہ بنو سالم میں پڑھا، جہاں اس وقت مسجد الجمعہ کے نام سے ایک عالی شان مسجد بنی ہوئی ہے۔

مدینہ کے لئے روانگی

حدیث میں ہے: ثُمَّ أَرْسَلَ إِلَى بَنِي النَّجَّارِ الخ : کہ پھر آپ ﷺ نے بنونجار کے پاس جو آپ ﷺ کے ننہالی رشتہ دار تھے اطلاع بھیجی کہ ہم مدینہ طیبہ آرہے ہیں، بنونجار حضور ﷺ کے استقبال کے لئے اس شان سے حاضر ہوئے کہ تلواریں حمائل کئے ہوئے تھے، قبائل کے سرداروں اور بڑے لوگوں کی پذیرائی کی صورت یہی ہوتی تھی کہ تلواروں اور نیزوں کے ساتھ استقبال کیا جائے، آپ ﷺ نے حضرت صدیق اکبرؓ کو ان کی عزت افزائی کے لئے پیچھے بٹھا رکھا تھا، حالانکہ صدیق اکبرؓ کے پاس سواری الگ موجود تھی آپ ﷺ اس شان سے روانہ ہوئے کہ صدیق اکبرؓ ہم رکاب ہیں اور بنونجار کے سردار آپ ﷺ کے اردگرد چل رہے ہیں راستہ میں جتنے قبائل آتے رہے ان میں سے ہر ایک نے یہ خواہش ظاہر کی کہ آپ ﷺ ہمارے یہاں تشریف فرما ہوں اور خدمت کا موقع دیں مگر آپ ﷺ ان حضرات کو دعا دیتے اور فرماتے کہ ناقہ یعنی آپ کی سواری منجاب اللہ مامور ہے جہاں کا اس کو حکم ہوگا وہیں یہ بیٹھے گی، یہاں تک کہ ناقہ حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مکان کے سامنے بیٹھ گئی۔

ایک روایت میں ہے کہ ناقہ پھر کھڑی ہوئی اور مسجد کی تعمیر کے پاس گئی مگر پھر لوٹی اور وہاں آکر بیٹھ گئی، آپ ﷺ نے وہاں سامان اتروایا، اور حضرت ابوایوب انصاریؓ آپ ﷺ کو اپنے گھر لے گئے، سب نے خوب سمجھ لیا کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر کی تخصیص آپ ﷺ کی طرف سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھی۔ (زادالمعاد ۲/۵۵)۔

حضرت ابوایوبؓ کے گھر کی تاریخی اہمیت

تاریخ وسیر کی کتابوں میں یہ ہے کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ کا یہ مکان جس میں آپ ﷺ نے قیام فرمایا یمن کے بادشاہ تُبّع اول نے حضور ﷺ ہی کے نام سے تعمیر کرایا تھا جس کو ایک ہزار سال گزر چکے تھے، تُبّع اول نے ایک ہزار سال پہلے ادھر کا سفر کیا تھا مکہ معظمہ میں اس نے بیت اللہ پر غلاف چڑھایا، جب وہ مدینہ طیبہ پہنچا تو اس کے ساتھ ۴۰۰ علماء تھے، انہوں نے تبع سے کہا کہ انہیں یہیں قیام کی اجازت دے دیں، اس نے وجہ دریافت کی تو ان علماء نے بتایا کہ ہم انبیاء علیہم السلام کے صحیفوں میں لکھا ہوا پاتے ہیں کہ نبی آخر الزماں ﷺ جن کا نام محمد ہوگا یہ سرزمین ان کا دارالہجرہ ہوگی، یہاں قیام کرکے ہم ان کا انتظار کرنا چاہتے ہیں، اگر ہماری زندگی میں ایسا ہوگیا تو زہے قسمت ورنہ ہم آپ ﷺ کے بارے میں اپنی اولاد کو وصیت کردیں گے، کہا جاتا ہے کہ وہ علماء اوس اور خزرج کے آباء واجداد تھے، تبع نے نہ صرف یہ کہ ان علماء کو یہاں قیام کی اجازت دی بلکہ وہ خود بھی یہاں چند دنوں کے لئے قیام پذیر رہا اور اس نے ہر عالم کے لئے مستقل

ایک مکان تعمیر کرایا ان کے نکاح کا انتظام کیا اور ان کو بیش قیمت اموال عطا کیے، علماء کے مکانات کے علاوہ ایک مکان خاص رسول اللہ ﷺ کے لئے تیار کرایا کہ جب نبی آخر الزماں ﷺ مدینہ میں منتقل ہوں گے تو وہ اس مکان میں قیام فرمائیں، اور آپ کے نام اس نے ایک خط لکھا جس میں اپنے ایمان اور ملاقات کے اشتیاق کا اظہار تھا خط کا مضمون یہ تھا:

شَهِدْتُ عَلٰى أَحْمَدَ أَنَّهُ   رَسُوْلٌ مِنَ اللهِ بَارِي النَّسَمْ

میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول برحق ہیں

فَلَوْ مُدَّ عُمْرِي إِلٰى عُمْرِهِ   لَكُنْتُ وَزِيْرًا لَهُ وَابْنَ عَمْ

اگر میری عمر ان کی عمر تک پہنچی تو میں ضرور ان کا معین و مددگار ہوں گا

تبع نے اس خط پر مہر لگائی اور ایک عالم کے سپرد کیا کہ اگر تم اس نبی آخر الزماں کا زمانہ پاؤ تو میرا یہ عریضہ پیش کر دینا، ورنہ اپنی اولاد کو یہ خط سپرد کر کے یہی وصیت کر دینا جو میں تم کو کر رہا ہوں۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اسی عالم کی اولاد میں سے ہیں اور یہ مکان بھی وہی مکان تھا جس کو تبع یمن نے فقط اسی غرض سے تعمیر کرایا تھا کہ جب نبی آخر الزماں ہجرت کر کے آئیں تو اس مکان میں اتریں اور بقیہ انصار ان چار سو علماء کی اولاد سے ہیں، شیخ زین الدین مراغیؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر نہیں اترے بلکہ اپنے مکان پر اترے تو بیجا نہ ہوگا اس لئے کہ یہ مکان تو اصل میں آپ ﷺ ہی کے لئے تعمیر کرایا گیا تھا۔ (سیرۃ المصطفیٰ ا/۴۱۰)۔

مسجد نبوی کی تعمیر

بہر حال حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر پر ناقہ بیٹھ گئی، روایت میں آیا ہے کہ اس سفر میں جس جگہ بھی نماز کا وقت ہو جاتا تھا آپ ﷺ وہیں نماز پڑھ لیتے تھے، مدینہ طیبہ پہونچنے کے چھ مہینے بعد آپ ﷺ نے ا ھ میں مسجد کی تعمیر کا ارادہ فرمایا تو نظر انتخاب اس جگہ پر پڑی جہاں آپ ﷺ کی ناقہ آکر بیٹھ گئی تھی، اور جس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ تیموں کا مربد یعنی کھجور خشک کرنے کا میدان تھا، اس روایت میں آرہا ہے کہ وہ بنونجار کا ایک باغ تھا آپ نے بنونجار کے ذمہ داروں کو بلایا اور ان سے اس جگہ کو خریدنے کی بات کہی، یہ دونوں یتیم سہل اور سہیل چوں کہ قبیلۂ بنونجار کے تھے اور اسعد بن زرارہ یا معاذ بن عفراء کی زیر تربیت تھے، جن کو بلا کر بات کی گئی، ان حضرات نے قیمت لینے سے انکار کر دیا کہ ہم اس کی قیمت صرف اللہ تعالیٰ سے لیں گے، لیکن چوں کہ وہ تیموں کی جائداد تھی اس لئے قیمت ادا کی گئی، زہری کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو قیمت ادا کرنے کا حکم فرمایا، واقدی کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر

صدیق ﷺ نے اس کی قیمت دس دینار ادا کی، اور یہ بھی بعض روایات میں مروی ہے کہ اسعد بن زرارہ نے بھی ان دونوں یتیموں کو ایک کھجور کا باغ اس زمین کے بدلے میں دیا تھا۔ (المنہل ۵۶/۴)۔

مسجد نبوی کی جگہ پہلے کیا تھا؟

حضرت انس ﷺ فرمارہے ہیں کہ میں تمہیں بتلاتا ہو کہ اس باغ میں کیا کیا تھا، اس میں مشرکین کی قبریں تھیں، جگہ جگہ کھنڈر یا گڑھے تھے، کچھ کھجور کے درخت تھے، پھر آپ ﷺ کے حکم سے ان قبروں کو اکھاڑ دیا گیا، بعض روایات میں آتا ہے کہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے مشرکین کی قبروں کی کھدائی کرانے کے بعد ان کے اندر پانی چھڑکوایا تاکہ تطہیر کی ظاہری صورت کے ساتھ عذاب خداوندی کی گرمی کو ٹھنڈا کیا جائے، کھنڈرات کے حصوں کو ہموار کیا گیا اور درختوں کو کاٹ دیا گیا، پھر وہ درخت قبلہ کی سمت کے ستونوں میں کام آئے اور ان ستونوں کے درمیان کی جگہ کو پتھروں سے پُر کیا گیا۔

حضرت انس ﷺ نے "فَصَفُّوا النَّخلَ قِبلَةَ المَسجد وجَعَلُوا عِضادَتَيهِ الحِجارَةَ" فرمایا، جس کا مطلب بعض شارحین نے یہ سمجھا ہے کہ دیوارِ قبلہ صرف کھجوروں کے تنوں کی صف بندی کر کے تیار کی گئی، بعض نے سمجھا ہے کہ دیوار تو مٹی اور گارے ہی کی تیار کی گئی البتہ ستون کی جگہ کھجوروں کو استعمال کیا گیا، کسی نے یہ سمجھا کہ سمتِ قبلہ میں مسقف حصہ کے ستونوں کی جگہ کھجور کے تنے استعمال کئے گئے، اور ان تنوں کے درمیانی خلا کو پتھروں سے پُر کیا گیا، عِضادَتَيهِ کی ضمیر نخل کی طرف لوٹ رہی ہے اور عضادۃ کا ترجمہ جہاں بازو اور دروازے کی چوکھٹ وغیرہ آتا ہے وہاں اس کا ترجمہ "ما یسدّ جوانب الشیئ" یعنی جو کسی چیز کے جانبین کو پر یا مضبوط کرے، بھی آتا ہے، اور یہاں یہی مراد ہے کہ نخل کے تنوں کی دونوں جانب کو یعنی درمیانی خلا کو پتھروں سے پر کیا گیا۔ (عمدۃ القاری ۴۳۳/۳)۔

رجز شعر ہے یا نہیں؟

یہ پتھر چوں کہ دور سے لائے جارہے تھے اس لئے بوجھ میں تخفیف پیدا کرنے کے لئے زبانوں پر رجز جاری تھا، رجز کلامِ موزوں کی ایک قسم ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ یہ شعر ہے یا نہیں، عام علماء عروض اور اہل ادب کی رائے یہ ہے کہ یہ شعر نہیں ہے، اختلاف کی اصل وجہ یہ ہوئی کہ رجز حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے جب کہ شعر کہنے کی نص قرآنی میں حضور ﷺ سے نفی کی گئی ہے، "وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهٗ" کہ ہم نے نہ آپ ﷺ کو شعر کی تعلیم دی اور نہ یہ آپ ﷺ کی ذات کے شایانِ شان ہے اس لئے آپ ﷺ کی جانب سے رجز کا ثبوت اس بات کی دلیل ہے کہ یہ شعر کی اقسام میں سے نہیں ہے اور جن حضرات نے رجز کو شعر کی قسم قرار دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ شعر وہ کلام موزون ہے جس میں قصد وارادے کا

دخل ہو اور حضور اکرم ﷺ سے رجز کے طور پر جو ثابت ہے اس میں آپ ﷺ کے قصد وارادے کا دخل نہیں ہے، اس لئے وہ شعر کی تعریف میں نہیں آتا۔

بہر حال دور سے پتھر لانے کے سبب زبانوں پر رجزیہ بند جاری تھے، اور یہ انسان کی طبیعت ہے کہ وہ بھاری چیز اٹھاتے ہوئے یا تسلسل کے ساتھ محنت کا کام کرتے ہوئے سانس وغیرہ کو درست کرنے کے لئے اور ہمت بڑھانے ونشاط پیدا کرنے کے لئے ایسا کرتا ہے، چھپر چڑھاتے وقت ایسا کرتے ہوئے دیکھا گیا ہے، پس فرق یہ ہے کہ عام انسانوں کے رجزیہ کلمات چند فقروں کی تک بندی پر مشتمل ہوتے ہیں اور آپ ﷺ کے اور صحابہ ﷺ کے رجزیہ کلمات میں ذکر خداوندی، تذکرۂ آخرت اور دعاء مغفرت کے علاوہ کوئی مضمون نہیں ہے۔

فقہ الحدیث

مشرکین کا قبرستان ہو اور پھر کسی وقت وہاں مسجد تعمیر کرنے کا خیال پیدا ہو جائے تو مشرکین کی ہڈیاں وغیرہ وہاں سے نکل کر جگہ کو صاف کرلیں پھر مسجد تعمیر کرلیں، ایسا کرنا جائز ہے جیسا کہ حدیث باب سے معلوم ہوا۔

البتہ انبیاء کرام کی قبروں کو صاف کر کے مسجد میں تبدیل کرنا کسی حال میں جائز نہیں ہے، اسی طرح صالحین کی قبروں کا حکم ہے۔

رہا عام مسلمانوں کے قبرستان کا معاملہ تو اس سلسلے میں فقہاء نے تصریح کی ہے کہ پرانے قبرستان پر مسجد تعمیر کرنے کی اجازت ہے اور ان کی حد راجح قول کے مطابق چالیس سال مقرر کی گئی ہے، یعنی اگر قبرستان میں چالیس سال سے تدفین نہیں ہو رہی ہے اور وہاں مسجد بنانے کی ضرورت پیش آجائے تو چوں کہ وہاں کچھ باقی نہیں رہتا اس لئے مسجد تعمیر کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ (عمدۃ القاری ۴۳۲/۳)۔

۴۵۴ ﴿حَدَّثَنَا موسٰى بنُ إسماعيلَ ثَنَا حَمَّادُ بنُ سَلَمَةَ عن أبي التَّيَّاحِ عن أَنَسِ بنِ مالِكٍ قال: كَانَ مَوْضِعُ الْمَسْجِدِ حَائِطًا لِبَنِي النَّجَّارِ فيه حَرْثٌ ونَخْلٌ وقُبُوْرُ المشركين، فَقَالَ رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ثَامِنُوْنِي بِهِ فَقَالُوا: لَا نَبْغِي، فَقُطِعَ النَّخْلُ وسُوِّيَ الْحَرْثُ ونُبِشَ قُبُوْرُ المشركين وسَاقَ الحديثَ، وقال: فَاغْفِرْ مَكَانَ فَانْصُر. قال موسٰى: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بِنَحْوِهِ، وكَانَ عَبْدُالوَارِثِ يقولُ: خَرِبٌ، وزَعَمَ عَبْدُالْوَارِثِ أَنَّهُ أَفَادَ حَمَّادًا هٰذَا الحديثَ.﴾

أنظر الحديث السابق.

قال الخطابي: فيه من الفقه أن المقابر إذا نبشت ونقل ترابها ولم يبق هناك نجاسة تخالط أرضها فإن الصلاة فيها جائزة، وإنما نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الصلاة في المقبرة إذا كان قد خالط ترابها صديد الموتى ودماؤهم فإذا نقلت عنها، زال ذلك الاسم وعاد حكم الأرض إلى الطهارة. وفيه من العلم أنه أباح نبش قبور الكفار عند الحاجة إليه وقد روي عنه صلى الله عليه وسلم أنه أمر أصحابه بنبش قبر أبي رغال في طريقه إلى الطائف، وذكر لهم أنه دفن معه غصن من ذهب فابتدروه فاستخرجوه، انظر "معالم السنن" ۱۲۲/۱.

ترجمہ : حماد بن سلمہ نے بواسطہ ابوالتیاح حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی کہ مسجد نبوی کی جگہ بنو نجار کا ایک باغ تھا، اس میں زراعت (کھیتی) بھی تھی اور کھجور کے درخت بھی تھے، اور مشرکین کی قبریں تھیں، رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ مجھ سے ان کی قیمت لے لو، انہوں نے کہا کہ ہم قیمت نہیں چاہتے، پھر درخت کاٹے گئے، زراعت برابر کی گئی، اور قبریں کھود ڈالی گئیں، باقی قصہ ایسا ہی بیان کیا جیسا کہ اوپر گزرا مگر اس حدیث (حماد) میں "فَانْصُرْ" کی جگہ "فَاغْفِرْ" ہے، یعنی آپ ﷺ فرماتے تھے: اے اللہ بخش تو انصار اور مہاجرین کو۔

موسیٰ نے کہا: عبدالوارث نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے، بس اس میں "خرب" کا لفظ ہے، عبدالوارث نے کہا کہ یہ حدیث انہوں نے حماد کو سکھائی ہے۔

تشریح مع تحقیق : قولہ : "وسَاقَ الحديثَ" : سَاقَ کی ضمیر حماد بن سلمہ کی طرف راجع ہے جو ابوالتیاح کے شاگرد ہیں اس سے پہلی سند میں ان کے شاگرد عبدالوارث تھے، مصنف رحمہ اللہ نے حماد اور عبدالوارث کی روایت کے الفاظ میں فرق بیان کیا ہے کہ عبدالوارث کی روایت میں تو "خَرِبٌ" تھا اور حماد کی روایت میں "حَرْثٌ" ہے اسی طرح عبدالوارث کی روایت میں "فانصر الأنصار" تھا اور حماد کی روایت میں "فاغفر الأنصار" ہے۔

قولہ : وَزَعَمَ عَبْدُالوَارِثِ الخ : اس دوسری سند میں حماد براہ راست ابوالتیاح سے نقل کر رہے ہیں اور پہلی سند میں ابوالتیاح سے نقل کرنے والے عبدالوارث تھے، معلوم ہوا کہ عبدالوارث اور حماد دونوں رفیق ہیں اور ایک ہی استاذ کے شاگرد ہیں، لیکن عبدالوارث یہ کہہ رہے ہیں کہ شروع میں یہ حدیث حماد نے مجھ ہی سے حاصل کی تھی، پھر بعد میں یہ ہوا کہ حماد نے ترقی کر کے یہ حدیث اپنے استاذ الاستاذ یعنی ابوالتیاح سے براہ راست حاصل کر لی، اسی طرح کی ترقی کا نام اصطلاح میں علو سند ہے۔ (الدر المنضود ۶۲/۲)۔

❁ ❁ ❁

﴿بَابُ اتِّخَاذِ الْمَسَاجِدِ فِي الدُّوْرِ﴾

گھروں میں مسجدیں بنانے کا بیان

۴۵۵ ﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ العَلَاءِ ثَنَا حُسَيْنُ بنُ عَلِيٍّ عَنْ زَائِدَةَ عَنْ هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عن عَائِشَةَ قَالَتْ : أَمَرَ رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بِبِنَاءِ الْمَسَاجِدِ فِي الدُّوْرِ وأَنْ تُنَظَّفَ وتُطَيَّبَ.﴾

أخرجه ابن ماجه في "سننه" في الصلاة، باب: تطهير المساجد وتطييبها (۷۵۷). انظر "تحفة الأشراف" (۱۶۸۹۱).

ترجمہ : ام المومنین حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے محلوں (یا گھروں) میں مسجد بنانے اور مسجدوں کو پاک صاف اور خوشبودار رکھنے کا حکم دیا۔

تشریح مع تحقیق : دُوْرٌ : دار کی جمع ہے جس کے کئی معنی آتے ہیں، مثلاً: گھر، مکان، محلہ، شہر، قبیلہ، شراح حدیث نے یہاں دو احتمال لکھے ہیں: ایک یہ کہ یہاں یہ لفظ محلّہ اور قبیلہ کے معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہر محلّہ والے اپنے اپنے محلّہ میں مساجد بنائیں تاکہ نماز باجماعت آسانی سے پڑھی جاسکے، کیوں کہ اگر ایسا نہ ہوگا تو ایک محلّہ والے دوسرے محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھنے جائیں گے اور فاصلہ کی وجہ سے ترک جماعت کا اندیشہ ہے، اس لئے حسب ضرورت ہر ہر محلّہ میں مساجد ہونی چاہئیں۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہاں دار سے مراد گھر ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہر ہر گھر میں ایک مخصوص جگہ نماز کے لئے ہونی چاہئے، تاکہ سنن ونوافل یہاں پڑھے، لیکن یاد رہے کہ اس معنی کے اعتبار سے یہ مسجد شرعی مسجد کے حکم میں نہ ہوگی، خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے اس دوسرے معنی کی تائید کی ہے جب کہ ملا علی القاریؒ نے پہلے معنی کو راجح قرار دیا ہے۔

حدیث شریف میں مساجد کو پاک صاف رکھنے اور خوشبودار رکھنے کی بھی تاکید کی گئی، تاکہ خانۂ خدا کی تعظیم ہو اور فرشتے وسب اہل ایمان جو مسجد میں آئیں اس کی پاکی وصفائی سے خوش ہوں، اور اسکے نصیبہ میں نیکیوں کا انمول خزانہ آئے۔

۴۵۶ ﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ دَاوُدَ بنِ سُفْيَانَ ثَنَا يَحْيٰى يَعْنِي ابنَ حَسَّانَ ثَنَا سُلَيْمَانُ بنُ مُوْسٰى ثَنَا جَعْفَرُ بنُ سَعْدِ بنِ سَمُرَةَ ثَنِي خُبَيْبُ بنُ سليمانَ عن أبيه سُلَيْمَانَ بنِ سَمُرَةَ عن أبيه سَمُرَةَ قال : إِنَّه كَتَبَ إلى بَنِيهِ أَمَّا بَعْدُ ! فَإِنَّ رسولَ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كَانَ يَأْمُرُنَا بِالْمَسَاجِدِ أَنْ نَصْنَعَهَا فِي دُوْرِنَا وَنُصْلِحَ صَنْعَتَهَا وَنُطَهِّرَهَا.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (٤٦١٦).

أذن ببناء المساجد في الدور، والمراد بها المحلات والقبائل. وحكمة أمره لأهل كل محلة ببناء المسجد: أنه قد يتعذر أو يشق على أهل محلة الذهاب للأخرى فيحرمون أجر المسجد وفضل إقامة الجماعة فيه فأمروا بذلك ليتيسر لأهل كل محلة العبادة في مسجدهم من غير مشقة تلحقهم.

ترجمہ : حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے اپنے صاحبزادوں کے پاس یہ لکھ کر بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اپنے محلوں میں مساجد بنانے، اس کو درست رکھنے اور صاف رکھنے کا حکم کیا کرتے تھے۔

تشریح مع تحقیق : قوله : "إِنَّهُ كَتَبَ إِلَى بَنِيهِ أَمَّا بَعْدُ" : سنن ابی داؤد میں صحیفۂ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی کل چھ حدیثیں ہیں یہاں پر یہ پہلی حدیث آئی ہے، صحیفۂ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی اصل یہ ہے کہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے بہت سی حدیثیں جمع کر کے اپنے بیٹوں کے پاس بھیجی تھیں، اس کی تمام احادیث ایک ہی سند سے مروی ہیں، اس لئے وہ سند صحیفہ کے شروع میں لکھ دی گئی ہے، صحیفہ کے شروع میں سند کے ساتھ لفظ "أما بعد" بھی ہے، اب جو مصنفؒ اس صحیفہ سے کوئی حدیث لیتا ہے تو شروع میں جو سند ہے اس کو لے لیتا ہے، اس لئے ہر جگہ اس صحیفہ کی حدیث میں لفظ "أما بعد" ملتا ہے، حضرت سمرہ بن جندب کے صحیفہ کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ محمد بن سیرین فرماتے تھے کہ اس میں علمِ کثیر موجود ہے۔ (الدر المنضود ۲/۶۳، تہذیب ۲/۴۳۳)

اس حدیث کی سند میں چھ راوی ہیں لیکن اتفاق کی بات یہ ہے کہ اکثر رواۃ متکلم فیہ ہیں:

محمد بن داؤد	:	مقبول ہیں جو مراتب رواۃ کا چھٹا درجہ ہے۔
یحییٰ بن حسان	:	یہ ثقہ راوی ہیں۔
سلیمان بن موسیٰ	:	لیّن الحدیث ہیں، یعنی چھٹے درجہ کے راوی ہیں۔
جعفر بن سعد	:	ضعیف ہیں امام بخاریؒ نے ان کو منکر الحدیث قرار دیا ہے۔
خبیب بن سلیمان	:	مجہول راوی ہیں جو نواں مرتبہ ہے۔
سلیمان بن سمرہ	:	یہ بھی مجہول درجہ کے راوی ہیں۔

معلوم ہوا کہ یحییٰ بن حسان کے علاوہ تمام رواۃ غیر ثقہ ہیں اس لئے محدثین نے اس سند کے ضعف پر اتفاق کیا ہے۔

حدیث شریف کا مفہوم واضح ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مساجد کی تعمیر کی عمدگی اور ان کو صاف رکھنے کا حکم دیا ہے۔

❁ ❁ ❁

﴿بابٌ فِي السُّرُجِ فِي الْمَسَاجِدِ﴾

مساجد میں چراغ جلانے کا بیان

۴۵۷ ﴿حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ ثَنَا مِسْكِيْنٌ عن سَعِيد بنِ عَبْدِالعزِيزِ عن زِيَادِ بنِ أبي سَوْدَةَ عن مَيْمُونَةَ مولاةِ النبي صلى الله عليه وسلم أنَّهَا قَالَتْ : يا رسولَ اللّٰه ! افْتِنَا فِي بَيْتِ الْمَقْدِسِ ، فقال رسولُ الله صلى الله عليه وسلم : ائْتُوْهُ فَصَلُّوا فِيْهَا –وكَانَتْ البِلَادُ إِذْ ذَاكَ حَرْبًا– فإنْ لَمْ تَأتُوْهُ وتُصَلُّوا فيه فَابْعَثُوْا بِزَيْتٍ يُسْرَجُ فِي قَنَادِيلِهِ.﴾

أخرجه ابن ماجه في "سننه" في إقامة الصلاة، باب: ما جاء في الصلاة، في بيت المقدس (١٤٠٧). انظر "تحفة الأشراف" (١٨٠٨٧).

ترجمہ : خادمۂ رسول اللہ ﷺ حضرت میمونہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! بیت المقدس کے سلسلے میں آپ ﷺ کا کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہاں جاؤ اور اس میں نماز پڑھو- اس زمانے میں ملک میں لڑائی پھیلی ہوئی تھی- آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہاں نہ جاسکو اور نماز نہ پڑھ سکو تو تیل بھیج دو جو اسکے چراغوں میں جلایا جائے۔

تشریح مع تحقیق : قوله : "افتنا فِي بيت المقدس" مطلب سوال کا یہ تھا کہ بیت المقدس کا قبلہ ہونا تو اب منسوخ ہوگیا ہے لیکن اس میں جا کر نماز پڑھنے کا حکم کیا ہے جائز ہے یا نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں جائز ہے وہاں جاؤ اور نماز پڑھو، ابن ماجہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تو سرزمین محشر ہے اس میں نماز پڑھنا ایک ہزار نمازوں کا ثواب رکھتا ہے۔

قوله : 'وكانت البلاد إذا ذلك حربًا" یہ کسی راوی کا مقولہ ہے کہ جس وقت حضرت میمونہؓ نے حضور ﷺ سے بیت المقدس میں نماز پڑھنے کا حکم دریافت کیا تو اس وقت ملک شام جہاں بیت المقدس ہے مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان دارالحرب بنا ہوا تھا، ایسے جنگی حالات میں کسی مسلمان کا وہاں جا کر نماز پڑھنا انتہائی مشکل تھا، اس لئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ اگر تم وہاں جا کر بیت المقدس میں نماز نہیں پڑھ سکتے تو کم از کم وہاں چراغوں میں جلانے کے لئے تیل بھیج دیا کرو، ابن ماجہ کی روایت میں یہ اضافہ اور ہے: "فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَهُوَ كَمَنْ أَتَاهُ" یعنی جو شخص اس کے چراغوں کے لئے تیل بھیجے وہ بھی اس شخص کی طرح ثواب حاصل کرلے گا جو وہاں پہنچ جائے۔

فقہ الحدیث

اس حدیث سے مصنفؒ نے مساجد میں چراغ روشن کرنے کی مشروعیت پر استدلال کیا ہے۔

صاحب منہل تحریر فرماتے ہیں: حدیث باب سے بیت المقدس کی زیارت کے لئے سفر کرنے کی مشروعیت بھی ثابت ہوتی ہے۔

گاؤں کی عورتوں میں بطور خاص یہ اہتمام ہوتا ہے کہ جب ان کے گھروں میں سرسوں کا تیل نکل کر آتا ہے تو سب سے پہلے وہ تھوڑا سا تیل مسجد میں بھیجتی ہیں، ان کا یہ عمل بے اصل نہیں ہے بلکہ حدیث باب اس کے لئے مؤید ہے، بلکہ ہر اس چیز کا مسجد میں بھیجنا کار ثواب ہے جس میں مسجد کے لئے کوئی منفعت ہو۔ (المنہل ۴/۶۵)۔

﴿بابٌ في حصى المسجد﴾

مسجد کی کنکریوں کا بیان

۴۵۸ ﴿حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ تَمَّامِ بنِ بَزِيعٍ ثَنَا عُمَرُ بنُ سُلَيْمٍ الْبَاهِلِيُّ عَنْ أَبِي الْوَلِيْدِ قال : سَأَلْتُ ابنَ عُمَرَ عن الْحَصَى الذي فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ : مُطِرْنَا ذَاتَ لَيْلَةٍ فَأَصْبَحَتِ الْأَرْضُ مُبْتَلَّةً فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَأْتِي بِالْحَصَى فِي ثَوْبِهِ فَيَبْسُطُهُ تَحْتَهُ ، فَلَمَّا قَضَى رسولُ الله صلى الله عليه وسلم الصَّلَاةَ قَالَ : مَا أَحْسَنَ هٰذَا.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (۸۵۹٤).

ترجمہ : ابوالولید سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مسجد کی کنکریوں کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ ایک رات کو پانی برسا اور زمین گیلی ہوگئی، جس کی وجہ سے ایک شخص اپنے کپڑے میں کنکریاں لاکر زمین پر اپنے نیچے بچھاتا تھا جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا؛ اس نے کیا ہی اچھا کام کیا۔

تشریح مع تحقیق : سند میں سہل بن تمام، عمر بن سلیم اور ابوالولید تینوں راوی متکلم فیہ ہیں، لہٰذا روایت سند کے اعتبار سے ضعیف ہے اگرچہ متن کے اعتبار سے اس میں کوئی ضعف یا نکارت نہیں ہے۔

مضمون حدیث یہ ہے کہ مسجد نبوی کے صحن میں کچھ کنکریاں بچھی ہوئی تھیں، چٹائیوں اور صفوں کا تو اس وقت دستور نہ تھا، اس کے بارے میں ایک تابعی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے معلوم کیا کہ یہ مسجد نبوی میں کنکریاں بچھی ہوئی ہیں

کب سے بچھی ہیں اور ان کا منشار کیا ہے؟ اس پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ ایک مرتبہ کی بات ہے کہ بارش ہوئی اور مسجد کا سارا صحن پانی سے تر ہوگیا تو بعض لوگوں نے یہ کیا کہ اپنے پلو میں کنکریاں بھر کر مسجد میں ساتھ لے آئے اور اپنی نماز پڑھنے کی جگہ پر پھیلا کر ان پر نماز پڑھی تا کہ کپڑے نہ بھیگیں، حضور ﷺ نے نماز سے فراغت پر جب ان کنکریوں کو دیکھا تو فرمایا کہ تم نے یہ اچھا عمل کیا اس وقت سے اب تک یہ کنکریاں بچھی چلی آرہی ہیں، حضور ﷺ کے زمانے کی یہ کنکریاں ۱۳۹۳ھ تک بطور یادگار کے موجود رہیں لیکن جب سے غیر مقلدین کا زور ہوا ہے اس وقت سے ان کو یہاں سے اٹھا دیا گیا۔

فقہ الحدیث

مصنفؒ نے اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ مسجد میں کنکریاں بچھا کر ان پر نماز پڑھی جاسکتی ہے۔

حدیث سے ضمنی طور پر یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ معلم اپنے تلامذہ کے فعل حسن کی تعریف بھی کرسکتا ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے ما أحسن هذا فرمایا۔

۴۵۹ ﴿حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بنُ أبي شَيْبَةَ ثَنَا أبومُعَاوِيَةَ وَ وَكِيعٌ قَالَا : نَا الْأَعْمَشُ عَنْ أبِي صَالِحٍ قال : كَانَ يُقَالُ : إنَّ الرَّجُلَ إذَا أخْرَجَ الْحَصَى مِنَ الْمَسْجِدِ يُنَاشِدُهُ.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (١٨٦٢٣).

ترجمہ : ابوصالح کہتے ہیں کہ لوگ کہا کرتے تھے کہ جب کوئی کنکریوں کو مسجد سے نکالتا تو وہ کنکریاں اس کو قسم دیتی تھیں، (کہ ہم کو نہ نکالو)۔

تشریح مع تحقیق : يُنَاشِدُهُ : نَاشَدَهُ (مفاعلت) مُنَاشَدَةً قسم کھلانا، اپیل کرنا، سوال کرنا۔

ابوصالح سمان کہہ رہے ہیں کہ صحابہ کرام ؓ آپس میں یہ بیان کیا کرتے تھے کہ جب کوئی آدمی ان کنکریوں کو مسجد سے نکالنا چاہتا تو یہ کنکریاں اس کو قسم دے کر کہتی تھیں کہ خدا کے واسطے ہمیں مسجد سے نہ نکالو اس لئے کہ جب تک یہ مسجد میں پڑی ہیں تو ان پر نماز پڑھی جارہی ہے اور ان کو پاک صاف رکھا جارہا ہے لیکن مسجد سے باہر نکال دیے جانے سے ان کی پاکی کا وہ اہتمام باقی نہیں رہ سکتا، نیز مسجد نزول رحمت کی جگہ ہے یہاں سے جدائی ان کنکریوں کو گوارہ نہیں تھی، کیونکہ باہر جانے کے بعد وہ ان سب چیزوں سے محروم ہوجائیں گی۔

اب کنکریوں کا یہ سوال کرنا بلسانِ قال اور حقیقۃً بھی ہوسکتا ہے جس کی کیفیت اللہ تبارک وتعالیٰ ہی جانتا ہے، جمہور کی رائے یہی ہے، اور دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ کنکریوں کا یہ سوال بلسانِ حال ہو اور مطلب یہ ہے کہ کنکری کی موجودہ

حالت اس بات کا تقاضہ کرتی ہو کہ اس کو وہیں رہنے دیا جائے گو زبان سے وہ نہ کہہ سکے۔ (المنہل)۔

۴۶۰ ﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ إسْحاقَ أبوبَكْرٍ ثَنَا ابو بَدْرٍ شُجَاعُ بنُ الْوَلِيْدِ ثَنَا شَرِيْكٌ ثَنَا أبو حَصِيْنٍ عن أبي صَالِحٍ عن أبي هُرَيْرَةَ، قال ابو بَدْرٍ: أُرَاهُ قَدْ رَفَعَهُ إلى النبيّ صلى الله عليه وسلم قال: إنَّ الحَصَاةَ لَتُنَاشِدُ الذِّي يُخْرِجُهَا مِنَ الْمَسْجِدِ.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (١٢٨٣٧).

ترجمہ : ابوصالح حضرت ابوہریرہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں- ابوبدر کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ انہوں نے حدیث مرفوعاً بیان کی- کہ آں حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کنکری قسم دیتی ہے اس شخص کو جو اسے مسجد سے نکالتا ہے۔

تشریح مع تحقیق : قوله : "قال أبوبَدْرٍ : أُرَاهُ الخ" : ابوبدر یہ کہہ رہے ہیں کہ میرے استاذ شریک نے مجھ سے یہ حدیث مرفوعاً سند متصل کے ساتھ بیان کی ہے، ابوبدر حدیث کے مرفوع ہونے کو بصیغۂ جزم نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ ظن کے ساتھ بیان کررہے ہیں، لیکن چوں کہ حدیث میں جو امر مذکور ہے وہ غیر مدرک بالرائے ہے اس لئے وہ رفع حکمی کی قبیل سے ہوگا۔

مصنفؒ ابن ابی شیبہ میں سلیمان بن یسار سے یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے: "اَلْحَصَاةُ إِذَا اُخْرِجَتْ مِنَ الْمَسْجِدِ تَصِيْحُ حَتّٰى تُرَدَّ إِلٰى مَوْضِعِهَا" اسی طرح سعید بن جبیر سے مروی ہے: "اَلْحَصَاةُ تَسُبُّ وَتَلْعَنُ مَنْ يُخْرِجُهَا مِنَ الْمَسْجِدِ" ان دونوں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کنکریاں حقیقۃً اپنے نکالنے والے سے سوال کیا کرتی تھیں کہ ان کو مسجد سے نہ نکالا جائے۔

فقہ الحدیث

حدیث شریف سے یہ بات صراحتاً معلوم ہوئی کہ کنکریوں کو مسجد نبوی سے محبت تھی جس کی بنا پر جدائی کو پسند نہیں کرتی تھیں۔

آج ہمارے لئے لمحۂ فکریہ ہے کہ ہم مسجد میں بیٹھنا ایک بوجھ محسوس کرتے ہیں اگر کوئی امام سنت کے مطابق اطمینان وسکون کے ساتھ نماز پڑھا دے تو لوگ اس کو بری نظروں سے دیکھتے ہیں، اور استدلال میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد پیش کرتے ہیں: "مَنْ أَمَّ بِالنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ" ہم نقر الغراب کو تخفیف سمجھتے ہیں، فالی اللہ المشتکی۔

✿ ✿ ✿

﴿باب فِي كَنْسِ الْمَسْجِدِ﴾

مسجد میں جھاڑو دینے کا بیان

۴۶۱ ﴿حَدَّثَنَا عَبْدُ الوَهَّابِ بنُ عَبْدِ الحَكِيمِ الخَزَّازُ ثَنَا عَبْدُالْمَجِيْدِ بنُ عَبْدِالعَزِيْزِ بنِ أبي رَوَّادٍ عن ابنِ جُرَيْجٍ عَنْ الْمُطَّلِبِ بنِ عَبْدِاللهِ بنِ حَنْطَبٍ عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ قال : قال رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عُرِضَتْ عَلَيَّ أُجُوْرُ أُمَّتِي حَتّى الْقَضَاةُ يُخْرِجُهَا الرَّجُلُ مِنَ الْمَسْجِدِ ، وعُرِضَتْ عَلَيَّ ذُنُوْبُ أُمَّتِي فَلَمْ أَرَ ذَنْبًا أَعْظَمَ مِنْ سُوْرَةٍ مِنَ القُرآنِ أو آيَةٍ أُوْتِيَهَا رَجُلٌ ثُمَّ نَسِيَهَا .﴾

أخرجه الترمذي في "جامعه" في فضائل القرآن (۲۹۱۷). انظر "تحفة الأشراف" (۱۵۹۲).

ترجمه : حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (معراج کی رات میں) میری امت کے ثواب مجھ کو دکھلائے گئے یہاں تک کہ اس کوڑے اور گرد کا ثواب بھی جس کو کوئی شخص مسجد سے نکالے اور میری امت کے گناہ مجھ کو دکھلائے گئے تو میں نے اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں دیکھا کہ ایک شخص نے قرآن کی سورت یا آیت یاد کی پھر اس کو بھلا دیا۔

تشریح مع تحقیق : عبدالمجید بن عبدالعزیز: متکلم فیہ راوی ہیں یحییٰ بن معین، ابو حاتم، دارقطنی اور ابن حبان وغیرہ نے ان پر جرح کی ہے اور فرقۂ مرجئہ سے ان کا تعلق بتایا ہے، البتہ امام احمد اور امام ابو داوُدؒ نے ان کی توثیق کی ہے اور ساتھ ساتھ ان کے مرجی ہونے کو بھی لکھا ہے۔

المطلب بن عبداللّٰه : یہ بھی متکلم فیہ راوی ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "صدوق كثير التدليس و كثير الإرسال"، ابن سعد نے لکھا ہے کہ ان کی حدیثوں سے استدلال نہیں کیا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ ارسال بھی کرتے ہیں اور تدلیس بھی کرتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ۴۵۸/۵)۔

حَتّى القَضَاة : حَتّى عاطفہ ہے اور القضاة مبتدا ہے اور جملہ يخرجها الرجل من المسجد خبر ہے، القضاة اس کوڑے اور کرکٹ کو کہتے ہیں جو انسان کی آنکھ میں جمع ہو جاتا ہے اور یہ بہت معمولی سا ہوتا ہے۔

مضمون حدیث یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے سامنے میری امت کے اعمالِ صالحہ کے ثواب کو اور اعمالِ سیئہ کے گناہوں کو پیش کیا گیا اور غالباً یہ عرض شب معراج میں ہوا، ان پیش کئے جانے والے ثواب میں مسجد کی

صفائی کا ثواب بھی تھا، کہ اگر کوئی شخص مسجد کی معمولی سی صفائی بھی کرتا ہے تو اس پر ثواب کا ترتب ہوتا ہے، اور گناہوں میں نسیانِ قرآن کا گناہ بہت بڑا معلوم ہوا۔

صاحب منہل کہتے ہیں کہ حدیث میں عرض سے مراد احاطۂ علمی ہے کہ ان چیزوں کو آپ کے علم میں لایا گیا، اور یہ عرض اپنی حقیقت پر بھی محمول ہو سکتا ہے اس طور پر کہ اعمال حسنہ کو اچھی شکل وصورت میں پیش کیا گیا ہو اور اعمالِ سیئہ کو گھٹیا صورت میں پیش کیا گیا ہو، جیسا کہ قیامت کے دن اعمال کو تولے جانے کا مسئلہ ہے۔

قوله : فَلَمْ أَرَ ذَنْبًا أَعْظَمَ مِنْ سُوْرَةِ الْقرآن الخ : حدیث کے اس جملے کے تحت ایک سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ نسیان تو شریعت میں معاف ہے تو پھر اس پر مواخذہ کیوں؟ حدیث میں ہے: "عُفِيَ عن أُمَّتِي الْخَطَأُ والنسيانُ" اس کا جواب صاحبِ بذل نے یہ دیا ہے کہ یہاں پر نسیان سے مراد عمداً قرآن کے پڑھنے کو چھوڑ دینا ہے جو قرآن کے بھولنے کا ذریعہ ہے، گویا بھلا دینا مراد ہے اور اس میں انسان کے ارادے اور قصد کو دخل ہے، اسلئے اس پر مواخذہ کی بات کہی گئی ہے۔

دوسرا سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ دوسری احادیث میں اکبر کبائر شرک کو قرار دیا ہے اور یہاں نسیان قرآن کو، بظاہر دونوں روایتوں میں تعارض ہے؟

اس کا جواب ایک تو یہ ہے کہ شرک کو اکبر الکبائر کہنا ذات باری کے اعتبار سے ہے، اور نسیان قرآن کو اکبر کبائر کہنا احکام شرعیہ کے تعلق سے ہے۔

دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ نسیان علم پر مرتب ہونے والے گناہوں میں سب سے بڑا گناہ نسیان قرآن پر مرتب ہوتا ہے۔

اعظم الذنوب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس نے قرآن کی کوئی سورت یا آیت سیکھی تو اس کو بہت بڑی نعمت حاصل ہوگئی لیکن اس نے جب اس کو بھلا دیا تو گویا اس نے اس نعمت کی ناشکری کا ارتکاب کیا جس کی وجہ سے یہ بڑے گناہ کا مرتکب ہوا۔ (مرقاۃ، بذل، منہل، طیبی)۔

فقہ الحدیث

اس حدیث سے تنظیف مسجد کی بڑی فضیلت معلوم ہوئی کہ جب ایک معمولی سے کوڑے کے ثواب کو بھی آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو زیادہ کا کیا پوچھنا۔

❁ ❁ ❁

﴿بابُ اعتزالِ النّساءِ في المسَاجدِ عَنِ الرِّجَالِ﴾

مسجد میں عورتوں کا مردوں سے جدا رہنے کا بیان

۴۶۲ ﴿حدَّثَنا عَبْدُاللّٰه بنُ عَمْرٍو أبومَعْمَرٍ ثنا عَبْدُالوَارِثِ ثَنا أيُّوبُ عن نَافِعٍ عن ابنِ عُمَرَ قال : قال رسولُ اللّٰه ﷺ : "لَوْ تَرَكْنَا هٰذَا البَابَ لِلنِّسَاءِ".
قال نَافِعٌ : فَلَمْ يَدْخُلْ مِنْهُ ابنُ عُمَرَ حَتّٰى مَاتَ ، وقال غَيْرُ عَبْدِ الوَارِثِ : قال عُمَرُ ، وهُوَ أَصَحُّ.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (۷۵۸۸).

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کاش! اس دروازے کو ہم عورتوں کے لئے چھوڑ دیتے (تو بہتر ہوتا)
نافع کہتے ہیں کہ یہ سن کر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما پھر وفات تک اس دروازے سے کبھی نہ گئے، عبدالوارث کے سوا دوسرے حضرات نے یہ کہا کہ یہ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا اور یہی صحیح ہے۔

تشریح مع تحقیق : قوله : "لو تركنا هذا الباب للنساء" : تحویل قبلہ کے بعد بیت المقدس کی جانب یعنی جہتِ شمال میں ایک دروازہ کھولا گیا تھا، اس کی طرف اشارہ کرکے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کاش! اس دروازے کو ہم عورتوں کو آنے جانے کے لئے چھوڑ دیتے تو بہت بہتر ہوتا ہے، لو کا جواب یہاں محذوف ہے "أي لو تركنا هذا الباب للنساء لكان حَسَنًا" اور یہ ارشاد آپ ﷺ نے اس لئے فرمایا کہ اس زمانے میں عورتیں آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے آتی تھیں، اب ان کے آنے جانے کے لئے الگ دروازہ ہوگا تو مردوں سے اختلاط نہیں ہوگا، گویا مردوں سے اختلاط سے بچانے کے لئے آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا۔

مسئلہ: حضور ﷺ کے زمانے میں تو عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت تھی اگرچہ پسند آپ ﷺ کی یہی تھی کہ عورتیں مسجد میں نہ آیا کریں، چنانچہ آگے حدیث میں آئیگا کہ آپ ﷺ نے بند کوٹھری میں عورت کی نماز کو افضل قرار دیا ہے۔
خود حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ عورتوں میں جو فتنے اب پیدا ہو گئے ہیں اگر حضور ﷺ ان کو دیکھ لیتے تو ہرگز مسجد میں آنے کی اجازت نہ دیتے، اس مسئلہ پر تفصیلی کلام آگے آئے گا۔

قوله قال نَافِعٌ : فَلَمْ يَدْخُلْ منه ابن عمر حَتّٰى مَاتَ : حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بہت ہی شدید الاتباع تھے

انہوں نے حضور ﷺ کے اس ارشاد گرامی پر اس شدت کے ساتھ عمل کیا کہ زندگی بھر اس دروازے سے داخل ہی نہیں ہوئے، اگرچہ دوسرے صحابہ کرام ﷺ داخل ہوتے تھے کیونکہ آپ ﷺ نے صراحۃً اس سے داخل ہونے کو منع نہیں فرمایا تھا۔ (المنہل العذب المورود ۴/۷۲)۔

"وقال غیر عبدالراث : قال عمر" : اس حدیث کے مرفوع اور موقوف ہونے میں رواۃ کا اختلاف ہے مصنفؒ اس کو بیان فرمارہے ہیں، توضیح اس کی یہ ہے کہ سند میں ایوب کے دوشاگرد ہیں ایک عبدالوارث جو پہلی سند میں ہیں، دوسرے اسماعیل جو دوسری سند میں ہیں، عبدالوارث نے تو اس حدیث کو مرفوع قرار دیا ہے اور اسماعیل نے اس کو موقوف قرار دیا ہے۔

قولہ : "وَهُوَ أَصَحُّ" مصنفؒ فرمارہے ہیں کہ اس حدیث کا موقوف علیٰ عمر ہونا زیادہ صحیح ہے، پھر مصنفؒ نے اپنی اس رائے کو آنے والی دونوں روایتوں سے مؤید کیا ہے۔

لیکن یہاں پر دیکھنا یہ ہے کہ مصنفؒ کی یہ رائے صحیح ہے یا نہیں؟ صاحب منہلؒ تو فرماتے ہیں کہ مصنفؒ کا حدیث موقوف کو مرفوع کے مقابلہ میں راجح قرار دینا تسلیم نہیں ہے، اس لئے کہ رفع کی روایت کو نقل کرنے والے راوی ثقہ ہیں، پھر مصنفؒ جس طریق سے وقف کو ترجیح دے رہے ہیں وہ تو خود منقطع ہے، کیونکہ دوسری روایت میں نافع حضرت عمر ﷺ سے روایت کررہے ہیں اور نافع کا سماع حضرت عمر ﷺ سے نہیں ہے پھر اس کو راجح کیسے قرار دیا جاسکتا ہے۔

نیز ترجیح کا معاملہ وہاں پیش آتا ہے جہاں دونوں روایات میں کوئی تعارض ہو جب کہ یہاں دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے اس لئے کہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہو پھر حضرت عمر ﷺ نے بھی عورتوں کے سلسلے میں اسی طریقہ کو بیان فرمادیا ہو۔

۴۶۳ ﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ قُدَامَةَ بن أَعْيَنَ ثَنَا إِسْمَاعِيلُ عن أَيُّوبَ عن نَافِعٍ قال : قال عُمَرُ بنُ الخَطَّابِ ﷺ فَذَكَرَ بِمَعْنَاهُ، وهُوَ أَصَحُّ.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (١٠٦٥٠).

ترجمہ : نافع سے روایت ہے کہ حضرت عمر ﷺ نے فرمایا: پھر (اسماعیل نے ایوب سے) سابقہ روایت کے ہم معنی بیان کیا، مصنفؒ کہتے ہیں کہ یہی صحیح ہے۔

تشریح مع تحقیق : یہ پہلی روایت کا طریق ثانی ہے اس میں ایوب سے نقل کرنے والے اسماعیل ہیں، اور انہوں نے اس کو موقوفاً ذکر کیا ہے، اور مصنفؒ اس کو اصح قرار دے رہے ہیں کہ یہ تو منقطع روایت ہے اس لئے کہ نافع نے عمر ﷺ سے نہیں سنا ہے۔

۴۶۴ ﴿حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بنُ سعيدٍ ثَنا بَكْرُ بنُ مُضَرَ عن عَمرو بنِ الحارثِ عن بُكَيْرٍ عن نَافِعٍ أَنَّ عُمَرَ بنَ الخَطَّابِ كَانَ يَنْهٰى أَنْ يُدْخَلَ مِنْ بَابِ النِّسَاءِ.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (۱۰٦٥۰).

ترجمه : حضرت نافع ؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر ؓ عورتوں کے دروازے سے داخل ہونے کو منع فرماتے تھے۔

تشریح مع تحقیق : حضرت عمر ؓ کی اس موقوف روایت کوذکر کرکے بھی مصنفؒ حدیث کے وقف ہی کوترجیح دینا چاہتے ہیں لیکن اس کا جواب ہم لکھ چکے ہیں کہ حضرت عمر ؓ کے منع کرنے سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ حضور ﷺ نے اس سے منع نہ فرمایا ہو۔

﴿باب فِيما يقول الرجل عن دخول المسجد﴾

مسجد میں داخل ہوتے وقت کون سی دعاء پڑھی جائے

۴۶۵ ﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ عثمانَ الدِّمِشْقِيُّ ثَنا عَبْدُ العزيزِ يعني الدَّرَاوَرْدِيُّ عن رَبِيْعَةَ بنِ أبي عبدالرحمن عن عَبْدِ الْمَلِكِ بنِ سَعِيْدِ بنِ سُوَيْدٍ قال : سمعتُ أبا حُمَيْدٍ أَوْ أَبَاأُسَيْدٍ الأَنْصَارِيَّ يقولُ : قال رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم : إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُم الْمَسْجِدَ فَلْيُسَلِّمْ على النبيِّ صلى الله عليه وسلم ثُمَّ لِيَقُلْ : اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ ، فَإِذَا خَرَجَ فَلْيَقُلْ : اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ.﴾

أخرجه مسلم في "صحيحه" في صلاة المسافر، باب: ما يقول إذا دخل المسجد (۱٦٤۹) وأخرجه النسائي في كتاب المساجد، باب: القول عند دخول المسجد وعند الخروج منه (۷۲۸)، وأخرجه ابن ماجه في كتاب: المساجد والجماعات، باب: الدعاء عند دخول المسجد (۷۷۲). انظر "تحفة الأشراف" (۱۱۱۹٦) و (۱۱۸۹۳).

ترجمه : عبدالملک بن سعید کہتے ہیں کہ میں نے ابوحمید ؓ یا ابواُسید انصاری ؓ کوفرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہوتو نبی ﷺ پرسلام بھیجے اور کہے: "اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ" اے اللہ! میرے لئے اپنی رحمت کے دروازوں کوکھول دے، پھر جب مسجد سے نکلے تو کہے: "اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ" اے پروردگار میں تیرا فضل چاہتا ہوں۔

تشریح مع تحقیق : قوله : سمعتُ أبا حُمَيدٍ أو أبا أُسَيْدٍ : یہ شک خود عبدالملک کی طرف سے ہے، مسلم شریف میں بھی یہ روایت اسی شک کے ساتھ ہے، البتہ سنن ابن ماجہ میں بغیر شک کے دونوں سے ہے، اس طرح: "عن أبي حميد وأبي أسيد يقولان"۔

قوله : إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ المسجدَ الخ : جب مسجد میں داخل ہو تو پہلے حضور ﷺ پر سلام بھیجے اس کے بعد حدیث میں مذکور دعاء کو پڑھے، ابن سنی نے عمل الیوم واللیلہ میں نقل کیا ہے کہ حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تو یہ دعاء پڑھتے: "بسم الله اللّهم صلِّ على محمد" اسی طرح مسجد سے نکلتے وقت بھی یہی دعاء پڑھتے تھے۔

آپ نے مسجد میں داخل ہوتے وقت رحمت کے دروازے کھولنے کی دعاء کی کہ اس متبرک اور مقدس مکان کی برکت سے مجھ پر اپنی رحمتیں نازل فرما اور رحمت کا اطلاق دونوں جہاں کی نعمتیں ہیں، اب جو شخص مسجد میں داخل ہوگا تو اس کو قرب خداوندی نصیب ہوگا جس کے نتیجے میں دنیوی اور اخروی نعمتوں سے سرفراز ہوگا۔

اور فضل سے مراد حلال رزق ہے، نمازی اپنی نماز سے فارغ ہونے کے بعد چوں کہ عام طور پر اپنے معاشی مشغلہ میں لگتا ہے اور اپنی روزی کمانے میں لگتا ہے اس لئے مسجد سے نکلتے وقت فضل کی دعاء نہایت موزوں ہے، قرآن پاک میں بھی اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، ارشاد باری ہے: "فإذا قضيت الصلاة فانتشروا في الأرض وابتغوا من فضل الله"۔

احادیث میں مذکورہ دعاؤں کے علاوہ اور بھی دعائیں منقول ہیں: تفصیل کیلئے عمل الیوم واللیلہ کو دیکھا جاسکتا ہے۔

۴۶۶ ﴿حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بنُ بِشْرِ بنِ مَنْصُوْرٍ ثَنَا عَبْدُالرحمنِ بنُ مَهْدِيٍّ عن عَبْدِ اللّٰه بنِ المباركِ عن حَيْوَةَ بنِ شُرَيْحٍ قال : لَقِيْتُ عُقْبَةَ بنَ مُسْلِمٍ فَقُلْتُ لَهُ : بَلَغَنِي أَنَّكَ حُدِّثْتَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عمرو بنِ العَاصِ عن النبي صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ كَانَ إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ قال : "أَعُوْذُ بِاللّٰه الْعَظِيْمِ وبِوَجْهِهِ الكريمِ وسُلْطَانِهِ الْقَدِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ" قَالَ : أَقَطْ ؟ قُلْتُ : نعَمْ ، قال : فإذَا قَالَ ذلك ، قال الشَّيْطَانُ : حُفِظَ مِنِّي سَائِرَ اليَوْمِ.﴾

تفرد به أبو داد. انظر "تحفة الأشراف" (٨٨٩٠). أقط: معناه بحسب، والهمزة للاستفهام، يريد أَبَلَغَكَ عني هذا فقط؟

ترجمہ : حیوۃ بن شریح کہتے ہیں کہ میری ملاقات عقبہ بن مسلم سے ہوئی تو میں نے کہا: مجھے خبر پہنچی ہے کہ تم سے کسی نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کے واسطے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نقل کیا ہے کہ جب آپ صلی

اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوتے تو فرماتے: "أعوذ بالله العظيم وبوجهه الكريم" الخ کہ پناہ مانگتا ہوں میں اللہ کے واسطے سے جو بڑا ہے اور اسکے چہرے کے واسطے سے جو بڑی عزت والا ہے اور اس کی سلطنت کے ساتھ جو قدیم ہے مردود شیطان سے، عقبہ نے کہا بس اتنا ہی، میں نے کہا ہاں، عقبہ نے کہا: جب کوئی یہ کہتا ہے تو شیطان کہتا ہے اب مجھ سے تمام دن تک بچ گئے۔

تشریح مع تحقیق : قوله : "وبوجهه الكريم" یہ متشابہات میں سے ہے، متقدمین تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں لیکن کیفیت ہمیں معلوم نہیں ہے، متاخرین نے اس کی تاویل کی کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، قوله : أَقَطْ : ہمزہ برائے استفہام ہے اور "قَطْ" بمعنی حَسْبُ کے ہے۔

توضیح یہ ہے کہ حیوہ بن شریح کہتے ہیں کہ میں نے عقبہ بن مسلم سے کہا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ عبداللہ بن عمرو سے ایک حدیث مرفوع بیان کرتے ہیں وہ یہ کہ حضور اکرم ﷺ کا معمول تھا کہ جب مسجد میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے (جو حدیث میں مذکور ہے) تو انہوں نے اس کی تصدیق کی لیکن انہوں نے ساتھ میں یہ بھی فرمایا کہ کیا تمہیں بس اتنی ہی حدیث پہنچی ہے؟ میں نے کہا ہاں اتنی ہی پہنچی ہے، فرمایا کہ نہیں اس میں آگے کچھ اور بھی ہے وہ یہ کہ: جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہونے کے وقت دعاء مذکور پڑھتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ یہ شخص پورے دن کے لئے مجھ سے محفوظ ہو گیا۔

یاد رہے کہ قال: "فإذا قال ذلك قال الشيطان : حفظ مني سائر اليوم" بھی حضور ﷺ کا ہی ارشاد ہے، کلام میں حذف ہے، اصل عبارت ہے "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : فإذا".

ابن حجر مکیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اس دعاء کو پڑھتا ہے وہ دن بھر گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے محفوظ رہتا ہے۔ (المنہل ۴/۷۷)۔

﴿باب ما جاء في الصلاة عند دخول المسجد﴾

مسجد میں داخل ہوتے وقت نماز پڑھنے کا بیان

۴۶۷ ﴿حَدَّثَنَا القَعْنَبِيُّ ثَنَا مَالِكٌ عن عَامِرِ بنِ عَبْدِالله بنِ الزُّبَيْرِ عن عَمرو بنِ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيِّ عن أبي قَتَادَةَ أنَّ رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : إذَا جَآءَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيُصَلِّ سَجْدَتَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَجْلِسَ.﴾

أخرجه البخاري في "صحيحه" في كتاب: الصلاة، باب: إذادخل المسجد فليركع ركعتين (٤٤٤)، وأخرجه أيضاً في كتاب: التهجد، باب: ماجاء في التطوع مثنى مثنى (١١٦٣) وأخرجه مسلم في "صحيحه"، باب: استحباب تحية المسجد بركعتين، وكراهة

الجلوس قبل صلاتها، وأنها مشروعة في جميع الأوقات (١٦٥١و١٦٥٢) وأخرجه الترمذي في "جامعه" في كتاب الصلاة، باب: ماجاء إذادخل أحدكم المسجد فليركع ركعتين (٣١٦) وأخرجه النسائي في "المجتبى" في كتاب المساجد، باب: الأمر بالصلاة قبل الجلوس فيه (٧٢٩) وأخرجه ابن ماجاء في كتاب: إقامة الصلاة والسنة فيها، باب: من دخل المسجد فلا يجلس حتى يركع (١٠١٣). انظر "تحفة الأشراف" (١٢١٢٣).

ترجمہ : حضرت ابوقتادہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو اسے بیٹھنے سے پہلے دو رکعت پڑھ لینی چاہئے۔

تشریح مع تحقیق : مصنفؒ یہاں سے مسجد میں داخل ہوتے ہی دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم بیان کرنا چاہتے ہیں، یہ دو رکعتیں تحیۃ المسجد کے نام سے موسوم ہیں، جمہور اس کو مستحب کہتے ہیں، ابن بطال نے ظاہریہ سے اس کا وجوب نقل کیا ہے، نیز یہ کہ حنفیہ کے نزدیک اس استحباب پر عمل کرنے کی تفصیل یہ ہے کہ جن اوقات میں نوافل کی اجازت ہے ان اوقات میں مسجد میں داخل ہونے والے کو اس کی رعایت کرنی چاہئے، لیکن جن اوقات میں نوافل کی اجازت نہیں ہے اگر ان اوقات میں مسجد میں داخل ہونے کا اتفاق ہو تو آنے والا تحیۃ المسجد کا مکلف نہیں ہے، کیوں کہ حضرت عقبہ بن عامر ﷺ سے مسلم شریف اور دوسری کتابوں میں یہ روایت مروی ہے:

ثلاث أوقات نهانا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نصلي فيها وأن نقبر فيها موتانا عند طلوع الشمس حتى ترتفع وعند زوالها حتى تزول، وحين تضيف للغروب.	تین اوقات کے بارے میں ہمیں رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ ہم ان میں نماز پڑھیں، یا اپنے مُردوں کی نماز جنازہ پڑھیں، ایک طلوع آفتاب کے وقت یہاں تک کہ وہ بلند ہو جائے، دوسرے زوال کے وقت یہاں تک کہ زوال ختم ہو جائے اور ایک غروب کے وقت۔
	(مسلم و سنن اربعہ)

احناف حضرت عقبہ ﷺ کی روایت میں آنے والی نہی کو عموم پر محمول کرتے ہیں، کہ جب ان اوقات میں نماز سے ممانعت کردی گئی تو اس وقت تحیۃ المسجد کی بھی اجازت نہیں ہے، بلکہ اس شخص کے لئے تحیۃ المسجد کا بدل ذکر اللہ ہے، لیکن شوافع نے اس نہی کو عموم پر محمول نہیں کیا بلکہ وہ کہتے ہیں کہ جن نمازوں اور نوافل کے اسباب معلوم ہیں ان کے بارے میں یہ ممانعت نہیں ہے، تحیۃ المسجد کے سبب کا چونکہ علم ہے کہ مسجد میں داخل ہونا ہے اس لئے کسی وقت کی قید نہیں ہے۔

جہاں تک ظاہریہ کے اس روایت سے وجوب پر استدلال کا تعلق ہے تو جمہور کہتے ہیں کہ یہاں صیغۂ امر استحباب کے لئے ہے، اس لئے کہ اگر تحیۃ المسجد واجب ہوتی تو صحابہ کرام اس کے پڑھنے کا بے حد اہتمام فرماتے، حالانکہ ان کا عام معمول تحیۃ المسجد پڑھنے کا نہ تھا، چنانچہ مصنفؒ ابن ابی شیبہ (۱/۳۴۰) میں "باب من رخص أن يَمُرَّ في المسجد ولايصلي فيها" کے تحت مروی ہے: "حدثنا أبوبكر قال : ثنا عبدالعزيز بن محمد الدراوردي عن زيد بن

أسلم قال : كان أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم يدخلون في المسجد ثم يخرجون ولا يصلون و رأيت ابنَ عمرَ يفعله".

یہ روایت اس بات پر صراحۃً دلالت کر رہی ہے کہ اکثر صحابہ ﷺ کا معمول تحیۃ المسجد پڑھنے کا نہیں تھا۔

نیز حضرت امام طحاویؒ نے تحیۃ المسجد کے عدم وجوب پر یہ استدلال بھی قائم کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ مسجد میں لوگوں کی گردنوں کو پھلانگتا ہوا گزر رہا ہے تو آپ ﷺ نے اس سے یہ فرمایا: "اجْلِسْ فَقَدْ آذَيْتَ" بیٹھ جاؤ تم نے تکلیف پہنچائی ہے، لیکن آپ نے اس کو تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔ (عمدۃ القاری ۳/۴۶۷، معارف السنن ۳/۳۹۵)۔

قولہ : "قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ" یہ تحیۃ المسجد کے وقت مستحب کا بیان ہے، چنانچہ حنفیہ کا مسلک ہے کہ جلوس سے تحیۃ المسجد فوت نہیں ہوتی بلکہ بیٹھنے کے بعد بھی پڑھ سکتا ہے، جب کہ شوافع اسکے قائل ہیں کہ جلوس سے تحیۃ المسجد فوت ہو جاتی ہے۔

حنفیہ کا استدلال حضرت ابوذر غفاری ﷺ کی روایت سے ہے فرماتے ہیں: "دخلتُ على رسولِ الله صلى الله عليه وسلم وهو في المسجد فقال لي : يا أباذرٍّ ! صَلَّيْتَ ؟ قُلْتُ : لَا ، قال : قُمْ فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ". (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۴۰)۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ بیٹھنے کے بعد بھی تحیۃ المسجد کا وقت باقی رہتا ہے۔ (عمدۃ القاری ۳/۴۶۷)۔

۴۶۸ ﴿حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا عَبْدُالوَاحد بنُ زِيَادٍ نَا أبو عُمَيْسٍ عُتْبَةُ بنُ عَبْدِاللّٰه، عن عَامِرِ بنِ عَبْدِاللّٰه بنِ الزُّبَيْرِ عن رَجُلٍ مِن بَنِي زُرَيْقٍ عن أبي قَتَادَةَ عن النبي صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ ، زَادَ ثُمَّ لِيَقْعُدْ بَعْدُ إِنْ شَاءَ أو لِيَذْهَبْ لِحَاجَتِهِ.﴾

تقدم تخريجه بالحديث السابق.

ترجمه : حضرت ابوقتادہ ﷺ سے بھی اسی طرح کی روایت مروی ہے، اس میں یہ اضافہ ہے: کہ اس (تحیۃ المسجد پڑھنے) کے بعد اگر چاہے تو بیٹھ جائے یا اپنی ضرورت کے لئے چلا جائے۔

تشریح مع تحقیق : یہ حدیث بھی ابوقتادہ ﷺ کی ہی ہے لیکن دوسرے طریق سے ہے، پہلے طریق میں عامر بن عبداللہ کے شاگرد امام مالک تھے اور اس طریق میں عتبہ بن عبداللہ ہیں، اور زَادَ کی ضمیر ان کی طرف ہی راجع ہے، اس روایت میں یہ زیادتی آئی کہ تحیۃ المسجد پڑھنے کے بعد اگر جی چاہے تو بیٹھے اور اگر کسی کام کے لئے آیا ہے تو چلا جائے، اس سے ان حضرات کی تردید ہو جاتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ تحیۃ المسجد اس شخص کے لیے ہے جو بیٹھنے کے ارادے سے آیا ہو۔ واللہ اعلم

❁ ❁ ❁

﴿بابٌ فِي فَضْلِ الْقُعُوْدِ فِي الْمَسْجِدِ﴾

مسجد میں بیٹھنے کی فضیلت کا بیان

۴۶۹ ﴿حَدَّثَنَا القَعْنَبِيُّ عن مَالِكٍ عن أبي الزِّنَادِ عن الْأَعْرَجِ عن أبي هُرَيْرَةَ أنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم قال : الْمَلَائِكَةُ تُصَلِّي عَلٰى أَحَدِكُمْ ما دَامَ فِي مُصَلَّاهُ ، الَّذِي صَلّٰى فيه مَا لَمْ يُحْدِثْ أو يَقُمْ أَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ ، أَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ.﴾

أخرجه البخاري في "صحيحه" في الصلاة، باب: الحديث في المسجد (٤٤٥) وفي الأذن، باب: من جلس في المسجد ينتظر الصلاة وفضل المساجد (٦٥٩) ومسلم في "صحيحه" برقم (٦٤٩)، والترمذي برقم (٣٣٠)،وابن ماجه برقم (٧٩٩)، واخرجه النسائي في "المجتبى" في كتاب المساجد ٤٠ـ الترغيب في الجلوس في المسجد وانتظار الصلاة (٧٣٢). انظر " تحفة الأشراف" (١٣٨١٦).

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: فرشتے اس شخص کے لئے دعا کرتے ہیں جو تم میں اپنی نماز پڑھنے کی جگہ بیٹھا رہتا ہے، جب تک کہ حدث نہ ہو یا وہاں سے وہ اٹھ کھڑا نہ ہو، فرشتے یہ کہتے ہیں: اے پروردگار اس کو بخش دے، اے پروردگار اس پر رحم کر۔

تشریح مع تحقیق : یہ روایت کتب ستہ میں مختلف الفاظ کے ساتھ آئی ہے، اور مقصد قعود فی المسجد کی فضیلت کو بیان کرنا ہے، خواہ یہ قعود فی المسجد انتظارِ صلاۃ کی غرض سے ہو یا کسی اور عبادت کی غرض سے ہو۔

قوله : الملائكة تصلي على أحدكم ما دام في مصلاهُ : کہ فرشتے اس شخص کے لئے دعاء مغفرت ورحمت کرتے رہتے ہیں جو اپنی جائے نماز پر بیٹھا رہے، ترمذی کی ایک روایت میں مَادَامَ فِي الْمَسْجِدِ کے الفاظ ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد ہی میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جائے تو اس کو بھی یہ ثواب ملے گا نیز مسجد شرعی اور گھر کی مسجد میں بھی کوئی فرق نہیں ہے، چنانچہ آدمی اپنے گھر میں یا عورت اپنے گھر میں اپنی جائے نماز ہی پر بیٹھے بیٹھے انتظار کرے تو اس کو بھی یہ ثواب ملے گا، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ باوضو رہے چوں کہ جب اس کو حدث لاحق ہو جائے گا تو اب وہ نماز کے لئے تیار اور انتظار میں نہ سمجھا جائے گا۔

ابن المہلب کہتے ہیں کہ حدث فی المسجد گناہ ہے جس کی وجہ سے انسان فرشتوں کی دعاء واستغفار سے محروم ہو جاتا ہے۔ (المنہل ۸۳/۴)۔

فتح الباری میں اس حدیث کے ذیل میں ایک اشکال کیا ہے اور پھر اس کے جواب کی طرف بھی اشارہ کیا ہے وہ یہ کہ فرشتوں کے استغفار کرنے میں منتظر صلاۃ کی کیا تخصیص ہے فرشتے تو تمام مؤمنین کے لئے ہی استغفار کرتے ہیں، جیسا کہ قرآن میں ہے: "وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ آمَنُوا".

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ قرآن پاک جو تمام مؤمنین کیلئے فرشتوں کی دعاء ہے وہ صرف استغفار ہے جب کہ منتظر صلاۃ کیلئے دعاء مغفرت کے ساتھ ساتھ دعاء رحمت بھی ہے، جیسا کہ حدیث شریف کے الفاظ بھی ہیں: "اللّٰهم اغْفِرْلَهُ اَللّٰهم ارحمه" اور مغفرت ورحمت میں فرق ہے مغفرت تو گناہوں کی معافی کا نام ہے جب کہ رحمت مزید لطف واحسان ہے۔

۴۷۰ ﴿حَدَّثَنَا القَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عن أبي الزِّنَادِ عن الأَعْرَجِ عن أبي هريرة أنَّ رسولَ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا يَزَالُ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاةٍ مَا كَانَتِ الصَّلَاةُ تَحْبِسُهُ لَا يَمْنَعُهُ أن يَنْقَلِبَ إلى أهْلِه إلّا الصَّلَاةُ.﴾

أخرجه البخاري في "صحيحه" في كتاب: الأذن، باب: من جلس في المسجد ينتظر الصلاة، وفضل المساجد (٦٥٩) وأخرجه مسلم في "صحيحه" في المساجد، باب: فضل صلاة الجماعة وانتظار الصلاة (١٥٠٨). انظر "تحفة الأشراف" (٣٨٠٧).

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہمیشہ تم میں سے وہ شخص نماز ہی میں رہتا ہے جب نماز اس کو روکے رکھے، اس کو گھر جانے سے نماز کے سوا کوئی چیز نہ روکے۔

تشریح مع تحقیق: علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا ظاہر اس بات کا تقاضہ کر رہا ہے کہ اگر کسی شخص کی نیت مسجد میں ٹھہرنے سے نماز کی نہ ہو تو اس سے ثواب اور فضیلت کا انقطاع ہو جائے گا، لیکن دیگر محدثین نے کہا ہے کہ یہ ثواب تو صرف حدث کے لاحق نہ ہونے کے ساتھ مشروط ہے اب اگر کوئی شخص محض اس لئے گھر نہیں جاتا کہ اس کو آنے جانے میں مشقت ہوگی اور مسجد ہی میں بیٹھا رہے تب بھی فضیلت کا مستحق ہوگا۔

۴۷۱ ﴿حَدَّثَنَا موسى بنُ إسماعيلَ ثَنَا حَمَّادٌ عن ثابتٍ عن أبي رَافِعٍ عن أبي هريرةَ أنَّ رسولَ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا يَزَالُ العَبْدُ فِي صَلَاةٍ مَا كَانَ فِي مُصَلَّاهُ يَنْتَظِرُ الصلاةَ، تَقُولُ الملائكةُ: أَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ، أَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ حَتّى يَنْصَرِفَ أو يُحْدِثَ، فَقِيلَ: ومَا يُحْدِثُ؟ قال: يَفْسُو أو يَضْرُطُ.﴾

أخرجه مسلم في "صحيحه" في المساجد، باب: فضل صلاة الجماعة وانتظار الصلاة (١٥٠٧). انظر "تحفة الأشراف" (١٤٦٥١).

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بندہ ہمیشہ نماز (ہی کے حکم) میں رہتا ہے جب تک وہ اپنی جائے نماز پر نماز کا انتظار کرتا رہے، فرشتے اس کے لئے دعا رمغفرت کرتے ہیں: اے اللہ اس کی مغفرت فرما، اے اللہ اس پر رحم فرما، یہاں تک کہ یہ لوٹ آئے یا وضور ٹوٹ جائے، (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے) کہا گیا کہ حدث کیا ہے؟ فرمایا: پھسکی مارے یا گوز لگائے۔

تشریح مع تحقیق : قوله : "فَقِيلَ : ومَا يُحْدِثُ" : قائل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد ابو رافع ہیں، انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے معلوم کیا کہ: "يُحْدِثُ" سے کیا مراد ہے؟ آیا وضور کا ٹوٹ جانا مراد ہے یا احداث فی الدین یعنی بدعت مراد ہے؟ جواب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وضور کا ٹوٹ جانا ہی مراد ہے، "فُسَاء" کہتے ہیں کہ اس ریح کو جو بلا آواز نکلے اور ضراط کہتے ہیں اس ریح کو جو آواز کے ساتھ نکلے۔

فقہ الحدیث

حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ مسجد میں حدث کرنا بے ادبی ہے احترامِ مسجد کے خلاف ہے، فرشتوں کے لئے باعث اذی و تکلیف ہے، فرشتوں کی دعا رحمت و مغفرت سے محرومی کا ذریعہ ہے۔

فقہ حنفی کی کتب میں حدث فی المسجد کو مکروہ تنزیہی قرار دیا گیا ہے، شرح المہذب میں امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ مسجد میں ریح خارج کرنا حرام تو نہیں ہے لیکن سروجیؒ نے مکروہ قرار دیا ہے۔ (فتح الباری ۱/۷۰۸، المنہل ۴/۸۳)۔

مگر ان تفصیلات کے ساتھ یہ بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ معتکف اس حکم سے مستثنیٰ ہے کیونکہ وہ پابند ہے اور حوائج ضروریہ کے علاوہ مسجد سے باہر قدم نہیں نکال سکتا، اور روزہ کی بنیاد پر اس کے منہ کی بو بھی اللہ کے نزدیک مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے اس لئے حدث بھی قابل معافی ہونا چاہئے۔ (ایضاح البخاری ۳/۱۹۸)۔

۴۷۲ ﴿حَدَّثَنَا هِشَامُ بنُ عَمَّارٍ ثَنَا صَدَقَةُ بنُ خَالِدٍ نَا عُثْمَانُ بنُ أَبِي الْعَاتِكَةِ الْأَزْدِيُّ عن عُمَيْرِ بنِ هَانِئٍ الْعَنْسِيِّ عن أبي هريرةَ قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : مَنْ أَتَى الْمَسْجِدَ لِشَيْئٍ فَهُوَ حَظُّهُ.﴾

تفرد به أبوداود. انظر "تحفة الأشراف" (١٤٢٧٩).

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص مسجد میں کسی کام کے لئے آئے اس کو ایسا ہی بدلہ ملے گا۔

تشریح مع تحقیق : الحَظُّ : حصہ، نصیب، مطلب روایت کا واضح ہے کہ اچھے مقصد یعنی عبادت کی

نیت سے مسجد میں آئے گا تو ثواب پائے گا اور اگر دنیاوی مقاصد کے حصول کی غرض سے آئے گا تو وبال پاوے گا، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: "وإنما لكل امرئ ما نوى" کہ جیسی نیت ہوگی ویسا ہی ثواب ملے گا، اگر مسجد میں آنے کی نیت اعتکاف کرنے، نماز پڑھنے، علم حاصل کرنے اور ذکر خداوندی کرنے کی ہے تو ثواب ہی ثواب ہے اور اگر مسجد میں آرہا ہے اس مقصد سے کہ دوستوں کے ساتھ باتیں کرے گا یا مسجد میں سوئے گا وغیرہ تو کوئی ثواب نہیں ملے گا۔

﴿باب فِي كراهية إنشاد الضالة في المسجد﴾

مسجد میں گم شدہ چیز کے اعلان کرنے کی کراہت کا بیان

۴۷۳ ﴿حَدَّثَنَا عُبَيْدُاللّٰه بنُ عُمَرَ الْجَشَمِيُّ ثَنَا عَبْدُاللّٰه بنُ يزيدَ ثَنَا حَيْوَةُ يَعْنِي ابنَ شُرَيحٍ قال: سَمِعْتُ أبا الْأَسْوَدِ يعني محمد بنَ عبدِالرحمن بنِ نَوْفَلٍ يقولُ: أَخْبَرَنِي أَبُوعَبْدِاللّٰه مَوْلَى شَدَّادٍ أَنَّه سَمِعَ أَبَاهُرَيْرَةَ يقولُ: سمعتُ رسولَ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: "مَنْ سَمِعَ رَجُلًا يَنْشُدُ ضَالَّةً فِي المسجد فَلْيَقُلْ: لَا أَدَّاهَا اللّٰه إِلَيْكَ، فإنَّ المساجِدَ لم تُبْنَ لِهٰذَا.﴾

أخرجه مسلم في "صحيحه" فيالمساجد، باب: النهي عن نشد الضالة في المسجد وما يقوله من سمع الناشد (١٢٦٠و١٢٦١) واخرجه ابن ماجه في كتاب: المساجد والجماعات، باب: النهي عن إنشادالضوال في المسجد (٧٦٧). انظر "تحفة الأشراف" (١٥٤٤٦).

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص کسی کو مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرتے ہوئے سنے تو کہے: خدا کرے تیری چیز کبھی نہ ملے، مسجدیں اس واسطے نہیں بنی ہیں۔

تشریح مع تحقیق: 'إنشاد ء باب افعال کا مصدر ہے، کہا جاتا ہے: أَنْشَدَ فُلَانٌ الضَّالَّةَ إِنْشَادًا: گم شدہ چیز کے متعلق پوچھ تاچھ کرنا، گم شدہ چیز کی تشہیر کرنا، یعنی یہ اعلان کرنا کہ اگر کسی کی کوئی چیز گم ہوگئی ہو تو ہم سے آکر معلوم کرلے، اور مجرد میں نَشَدَ يَنْشُدُ نَشْدًا ونَشْدَانًا الضَّالَّةَ: گم شدہ چیز کا ڈھونڈنا، تلاش کرنا، صاحب مصباح اللغات نے لکھا ہے کہ ثلاثی مجرد سے گم شدہ چیز کی تشہیر کرنے کے معنی بھی آتے ہیں۔

الضالَّة: یہ ضالّ کا مؤنث ہے بمعنی وہ گم شدہ چیز جس کے پیچھے تم پھر رہے ہو (ج) ضَوَالّ آتی ہے۔

لم تُبْنَ: بصیغہ مجہول بَنَى (ض، معتل اللام، لفیف مفروق) بَنْيًا وبِناءً وبُنْيَانًا: تعمیر کرنا۔

لا أدَّاهَا اللّٰه إليك : ابوداوٗد کے تمام نسخوں میں یہ جملہ اسی طرح ہے، البتہ مسلم شریف میں ہے: "لَا رَدَّهَا اللّٰهُ عَلَيْكَ"۔ ابوداوٗد کی روایت کے مطابق اس جملے کے معنی میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ یہ بددعائیہ جملہ ہے پس کلمہ "لا" ماضی کی نفی کے لئے ہے اور دعائیہ کلام میں اس کا ماضی پر داخل ہونا جائز ہے، اس صورت میں مطلب جملہ کا یہ ہوگا: کہ خدا تجھ تک تیری چیز نہ پہنچائے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ "لا" ناہیہ ہے اور اس کا مدخول محذوف ہے أي : لَا تَنْشُدْ ، اور "أَدَّاهَا اللّٰه" یہ اس اعلان کرنے والے کے حق میں دعا ہے یعنی اولاً اس کو آپ ﷺ نے مسجد میں آواز بلند کرنے سے روکا پھر اس کے لئے دعا کردی کہ اللہ تعالیٰ اس کی چیز ملا دے۔

لیکن اس دوسرے احتمال پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اگر یہ "لا" نہی کے لئے ہے تو فصل ہونا چاہئے تھا یعنی: لا و أداها اللّٰه إليك" لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مقام مقام زجر ہے اور مقام زجر میں حذف ہی اولیٰ ہے۔

فإنَّ المساجد لم تُبنَ لهذا : یہ علت اور سبب ہے مسجد میں گم شدہ چیز کے اعلان نہ کرنے کا۔

مضمون حدیث واضح ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم مسجد میں کسی کو گم شدہ چیز کا اعلان کرتے ہوئے سنو تو اس کے حق میں بددعا کردو کہ اللہ تیری اس چیز کو واپس نہ کرے، کیونکہ تو نے مسجد کا احترام ملحوظ نہیں رکھا، مساجد کو اس لئے تعمیر نہیں کیا گیا کہ ان میں گم شدہ چیزوں کو تلاش کیا جائے اور ان کے بارے میں اعلان کیا جائے بلکہ مساجد کی تعمیر کا مقصد یہ ہے کہ یہاں اللہ کا ذکر کیا جائے، اعتکاف کیا جائے اور نماز پڑھی جائیں وغیرہ۔

فقہ الحدیث

یہ مسئلہ حدیث سے واضح ہوگیا کہ مساجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرنا ممنوع ہے اگر مسجد ہی میں کوئی چیز گم ہوئی ہو اور مسجد میں اسے تلاش کرنے کی ضرورت ہو تو مسجد کے آداب واحترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ شور وغل نہ ہو، نمازیوں اور معتکفین کو خلل نہ ہو، تلاش کرنے والا اور کسی سے اس کے متعلق تحقیق کرنے کی گنجائش ہے۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں حدیث باب کے ذیل میں لکھا ہے: "ينشد ضالةً في المسجد أي يطلبها برفع الصوت" ويدخل في هذا كل أمر لم يبن له المسجد من البيع والشراء ونحو ذلك .

فتح الملہم شرح مسلم میں لکھا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے علمی بحث ومباحثہ کو مسجد میں جائز قرار دیا ہے کیونکہ وہ بھی ذکر میں داخل ہے، اسی طرح سے ابن حجرؒ نے عقد نکاح کو بھی مسجد میں جائز قرار دیا ہے کیونکہ اس کا تو حدیث میں امر ہے۔

(مرقاۃ ۲/۱۹۹، فتح الملہم ۲/۱۵۵)۔

موجودہ زمانے میں خصوصیت سے اس حدیث پر عمل کرنا چاہئے اور اس حدیث کا مفہوم عام مسلمانوں کے ذہن نشین ہونا چاہئے، البتہ مجمع الانہر میں مسجد کے دروازے پر کھڑے ہوکر اعلان کرنے کی اجازت منقول ہے۔ (مجمع الانہر ۱/۱۲۷)۔

﴿بابٌ في كراهية البزاق في المسجد﴾

مسجد میں تھوکنے کے مکروہ ہونے کا بیان

۴۷۴ ﴿حَدَّثَنَا مُسْلِم بنُ إبرَاهيمَ ثنا هِشَامٌ وشُعْبَةُ وأبَانٌ عن قتادَةَ عن أَنَسِ بنِ مالِكٍ أنَّ النبي صلى الله عليه وسلم قال: التَّفْلُ فِي المسجد خَطِيئَةٌ و كَفَّارَتُهُ أنْ يُوَارِيَهُ.﴾

أخرجه البخاري في "صحيحه" في كتاب الصلاة، باب: كفارة البزاق في المسجد (٤١٥)، وأخرجه مسلم في "صحيحه" في "المساجد" باب: النهي عن البصاق في المسجد، في الصلاة وغيرها (١٢٣٢). انظر "تحفة الأشراف" (١٢٥١).

ترجمہ : حضرت انس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسجد میں تھوکنا خطا ہے، اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کو چھپادے۔

تشریح مع تحقیق : التفل : تَفَلَ (ن ، ض ، صحیح سالم) تَفْلًا : تھوکنا، خطیئة : گناہ بقولِ بعض ارادی گناہ (ج) خطایا و خطیئات آتی ہے، يُوَارِيَهُ : وَارَى الشئَ (مفاعلت ، اصله وَرَيَ ، لفیف مفروق) مُوَارَاةً : چھپانا۔

مطلب حدیث شریف کا یہ ہے کہ مسجد میں تھوکنا جائز نہیں، اگر اتفاقاً نادانستہ طور پر یا شدید ضرورت کے تحت ایسی حرکت سرزد ہوجائے تو پھر اس گناہ کا دفعیہ یہ ہے کہ اس تھوک یا بلغم کو زمین کی کنکریوں یا مٹی میں چھپادے تاکہ مسجد کی بے حرمتی کا بھی اظہار نہ ہو اور دوسرے نمازیوں کو کلفت بھی نہ ہو، اور جیسا کہ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ یہ اس وقت کا حکم ہے جب مسجدوں کے صحن کچے اور اس میں ریت و کنکر بچھے رہتے تھے لیکن ہمارے زمانے میں جب کہ مسجدوں کے فرش پتھر کے ہوتے ہیں اور فرش پر چٹائی وغیرہ بچھی ہوئی ہوتی ہے، وہاں تھوکنے سے بہر صورت اجتناب کرنا چاہئے، اگر تھوک کا غلبہ ہو تو اپنے کپڑوں میں تھوک لے۔

ایضاح البخاری میں لکھا ہے کہ باب کی تمام روایات کو جمع کیا جائے تو تھوکنے کے سلسلے میں یہ ترتیب معلوم ہوتی ہے کہ نمازی کو تھوک آئے تو پہلے تو روکنے کی کوشش کرے اگر یہ ممکن نہ ہو تو اگر بائیں جانب کوئی نہیں ہے تو ادھر تھوکنا چاہئے اور اگر یہ سمت خالی نہ ہو تو بائیں پیر کے نیچے بشرطیکہ نیچے فرش وغیرہ نہ ہو اگر فرش ہو تو پھر کپڑے ہی میں تھوکنے کی صورت

متعین ہو جاتی ہے اور اگر کپڑا بھی موجود نہیں ہے تو علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں تو ایسی صورت میں نگل لینا ہی امر ممنوع کے ارتکاب سے اولی معلوم ہوتا ہے۔ (ایضاح البخاری ۳ر۱۲۷)۔

فقہ الحدیث

حدیث باب کے ذیل میں امام نوویؒ اور قاضی عیاض مالکیؒ کے درمیان مشہور اختلاف ہے، قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ تفل فی المسجد اس وقت خطا ہے جب اس کو دفن نہ کرے اگر دفن کرنے کے ارادے سے مسجد میں تھوکے تو جائز ہے، جب کہ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ مسجد میں تھوکنا ہر حال میں گناہ ہے، دفن کی نیت ہو یا نہ ہو اور اگر تھوک ہی دیا اور بہ مجبوری یہ گناہ ہو گیا تو اس کا کفارہ دفن کر دینا ہے۔

اختلاف کی اصل وجہ یہ ہے کہ اس موضوع سے متعلق حضور اکرم ﷺ کے دو ایسے عام ارشادات ہیں جن میں بظاہر تعارض ہے، ایک ارشاد ہے: "التفل في المسجد خطيئة" کہ مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور دوسرا ارشاد ہے: "ليبصق عن يساره أو تحت قدمه" کہ اگر ضرورت ہو تو بائیں جانب یا پیر کے نیچے تھوکے۔

ان دونوں عام ارشادوں میں امام نوویؒ نے پہلے ارشاد کو عام قرار دیتے ہوئے دوسرے میں یہ تخصیص کی کہ بائیں جانب یا پاؤں کے نیچے تھوکنے کی اجازت مسجد میں نہ ہونے کی صورت میں ہے، جب کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے ارشاد کو عام رکھا اور پہلے ارشاد میں یہ تخصیص کی کہ اگر تھوکنے کے بعد زمین میں دفن کرنے کا ارادہ نہ ہو تو مسجد میں تھوکنا منع اور گناہ ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی عیاضؒ کی رائے کی تائید کی ہے اور کئی روایات ایسی نقل کی ہیں جن سے قاضی عیاضؒ کے خیال کی تائید ہوتی ہے۔

اس کے برخلاف علامہ عینیؒ کی رائے امام نوویؒ کی تائید میں ہے، علامہ عینیؒ نے "باب لا يبصق عن يمينه في الصلاة" کے تحت فرمایا ہے کہ حدیث باب: "لا يتنخم قبل وجهه ولا عن يمينه" میں کوئی قید نہیں ہے اور اس لئے امام نوویؒ نے ہر حال میں سامنے اور داہنی سمت میں تھوکنے کی ممانعت کی ہے، نماز میں ہو یا خارج صلاۃ، مسجد میں ہو یا مسجد سے باہر، پھر انہوں نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ حضرت معاذ بن جبلؓ اور عمر بن عبد العزیزؒ کے اقوال سے اس کی تائید کی ہے۔

حدیث باب سے امام نوویؒ کے مسلک ہی کی تائید ہوتی ہے کیونکہ حدیث میں صاف آ گیا کہ مسجد میں تھوک ڈالنا گناہ ہے اگرچہ اس گناہ کا کفارہ ہو جاتا ہے، لیکن گناہ ہونا تو ثابت ہو گیا، گویا دفن کر دینا گناہ کے بعد توبہ کے درجہ کی چیز

ہے، جب کہ قاضی عیاضؒ کے مسلک کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ توبہ کی نیت سے گناہ کیا جائے تو گناہ نہیں، معلوم ہوا کہ قاضی عیاض کی بات بہت کمزور ہے۔(عمدۃ القاری ۳۹۸/۳)۔

۴۷۵ ﴿حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ ثنا أبو عوانَةَ عن قَتَادَةَ عن أَنَسٍ قال : قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم البُزَاقُ فِي الْمَسْجِدِ خَطِيئَةٌ و كَفَّارَتُهَا دَفْنُهَا.﴾

أخرجه مسلم في "صحيحه" في المساجد، باب: النهي عن البصاق في المسجد، في الصلاة وغيرها (١٢٣١) وأخرجه الترمذي في "جامعه" في كتاب: الصلاة، باب: ماجاء كراهية البزاق في المسجد (٥٧٢)، وأخرجه النسائي في "المجتبیٰ" في كتاب: المساجد، باب: البصاق في المسجد (٧٢٢). انظر "تحفة الأشراف" (١٤٢٨).

ترجمہ : حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ اس کو دفن کر دینا ہے۔

تشریح مع تحقیق : البُزاقُ : تھوک، اسی طرح سے لفظ بُصَاق اور بُسَاق بھی ہے، نیز التفل بھی اسی معنی میں ہے۔

صاحب منہل تحریر فرماتے ہیں کہ بزاق فی المسجد پر خطیئہ کا اطلاق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مسلمان کی شان سے یہ بعید ہے کہ ایسا فعل اس سے صادر ہو ہاں خطأً ہی صدور ہو سکتا ہے، ابن العاد نے تو یہاں تک کہا ہے کہ استہانت کی غرض سے مسجد میں تھوکنا موجب کفر ہے۔

۴۷۶ ﴿حَدَّثَنَا أبو كَامِلٍ ثَنَا يَزِيْدُ يعنِي ابن زُرَيْعٍ عن سَعيدٍ عن قتادَةَ عن أَنَسِ بنِ مالكٍ قال: قال رسول اللّٰه عليه وسلم : النُّخَاعَةُ في المسجد ، فَذَكَرَ مِثْلَهُ.﴾

تفرد به ابوداود. انظر "تحفة الأشراف" (١٢١١).

ترجمہ : حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بلغم حلق سے نکالنا اور مسجد میں (ڈالنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ دفن کر دینا ہے) پھر سابقہ روایت کے مثل ذکر کیا۔

تشریح مع تحقیق : النخاعة : کھنکھار، بلغم۔

یہ حدیث بھی پہلی حدیث ہی کی طرح ہے فرق صرف اتنا ہے کہ پہلی حدیث میں البزاق" کا لفظ تھا اور اس میں النخاعة کا لفظ ہے، دونوں میں فرق واضح ہے۔(المنہل ۹۲/۴)۔

۴۷۷ ﴿حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ ثَنَا أبو مَوْدُوْدٍ عن عَبْدِالرحمن بن أبي حَدْرَدٍ الأَسْلَمِيِّ سمعتُ أَبَاهُرَيْرَةَ يقولُ : قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم من دَخَلَ هٰذَا الْمَسْجِدَ فَبَزَقَ

فيه أو تَنَخَّمَ فَلْيَحْفِرْ ولْيَدْفِنْهُ فإنْ لم يَفْعَلْ فَلْيَبْزُقْ فِي ثوبِه ثُمَّ لِيَخْرُجْ بِه.﴾

تفرد به ابو داود. انظر "تحفة الأشراف" (١٣٥٩٥).

ترجمه : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اس مسجد میں داخل ہو پھر تھوکے یا حلق سے بلغم نکالے تو اس کو چاہئے کہ مٹی کرید کر اس کو دبا دے اگر ایسا نہ کرے تو اپنے کپڑے میں تھوک کر اس کو لے کر نکل جائے۔

تشریح مع تحقیق : أبو مَوْدُودٍ : یہ عبدالعزیز بن ابی سلیمان الہذلی ہیں، ثقہ راوی ہیں۔
تَنَخَّمَ : باب تفعل سے ہے بمعنی سینہ سے بلغم نکالنا۔
فَلْيَحْفِرْ : باب ضرب سے بمعنی کھودنا، کریدنا۔
حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص مسجد میں تھوک دے تو اس کو چاہئے کہ زمین کرید کر اس تھوک اور بلغم کو اس میں دبا دے، لیکن اگر مسجد پکی ہو تو اس کو اپنے کپڑے میں تھوک لینا چاہئے اور مسجد کو ملوث نہیں کرنا چاہئے، بلکہ نماز کے بعد باہر جا کر اس کپڑے کو صاف کر دے۔

۴۷۸ ﴿حَدَّثَنَا هَنَّادُ بنُ السريّ عن أبي الأَحْوَصِ عن مَنْصُوْرٍ عن رِبْعِيٍّ عن طَارِقِ بنِ عَبْدِاللّٰه الْمُحَارِبِي قال : قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم : إذَا قَامَ الرَّجُلُ إلى الصَّلاةِ أو إذَا صلى أَحَدُكُمْ فَلا يَبْزُقَنَّ أَمَامَهُ ولَا عَنْ يَمِيْنِه ولكن عن تِلْقَاءِ يَسَارِهِ إنْ كَانَ فَارِغًا أو تَحْتَ قَدَمِه اليُسْرَى ثُمَّ لِيَقُلْ به.﴾

أخرجه الترمذي في "جامعه" في كتاب الصلاة، باب: ماجاء في كراهية البزاق في المساجد (٥٧١) وأخرجه النسائي في "المجتبى" في كتاب المساجد (٣٣) الرخصة للمصلي أن يبصق خلفه أوتلقاء شماله (٧٢٥) وأخرجه ابن ماجه في "سننه" في إقامة الصلاة والسنة فيها، باب: المصلي يتنخم (١٠٢١). انظر "تحفة الأشراف" (٤٩٨٧).

ترجمه : حضرت طارق بن عبداللہ المحاربی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب آدمی نماز کے لئے کھڑا ہو یا جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو نہ اپنے سامنے تھوکے اور نہ اپنی دائیں جانب تھوکے، لیکن اگر بائیں جانب خالی ہو تو اس طرف تھوکے یا اپنے بائیں قدم کے نیچے تھوکے پھر اس کو مل دے۔

تشریح مع تحقیق : لِيَقُلْ بِه : یہاں پر لیقل لیفعل کے معنی میں ہے، یعنی آپ ﷺ نے اشارہ کر کے فرمایا کہ ایسے کر لے یعنی اس کو مل دے، عرب قول کو متعدد معانی میں استعمال کرتے ہیں۔
حدیث شریف میں یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ نماز کی حالت میں اگر مجبوراً تھوکنے کی ضرورت ہو تو داہنی جانب میں

تھوکنے کی اجازت نہیں ہے، اس لئے کہ اس طرف تھوکنے میں حسنات لکھنے والے فرشتے کی توہین ہے جو امیر بھی ہے، ہاں بائیں طرف اور قدم کے نیچے تھوکنے کی اجازت ہے۔

یہ تو مسئلہ نماز کی حالت میں تھوکنے کا ہے، لیکن خارج صلاۃ اور خارج مسجد دائیں طرف تھوکنا کیسا ہے؟

اسلاف کی ایک بڑی جماعت اس بات کی قائل ہے کہ خارج صلاۃ بھی دائیں طرف تھوکنا ممنوع ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے کہ انہوں نے نماز کی حالت کے علاوہ بھی داہنی طرف تھوکنے کو مکروہ قرار دیا ہے، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اسلام قبول کرنے کے بعد کبھی داہنی جانب نہیں تھوکا، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے صاحبزادے کو داہنی طرف تھوکنے سے مطلقاً منع فرمایا، اسی طرح بخاری شریف کی روایت: "إذا تَنَخَّمَ أَحَدُكُم فلا يَتَنَخَّمَنَّ قِبَلَ وجهه ولا عن يمينه" سے بھی مطلقاً ممانعت ثابت ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ مسجد سے باہر ہو یا مسجد میں، نماز میں ہو یا خارج صلاۃ ہو داہنی طرف تھوکنا بالکل ممنوع ہے، نیز حدیث فإنّ عن يمينه مَلَكًا" سے بھی ان حضرات کی تائید ہوتی ہے۔

اس کے برخلاف امام مالکؒ اور امام بخاریؒ کی رائے یہ ہے کہ نماز سے باہر داہنی طرف تھوکنے میں مضائقہ نہیں، غالباً ان حضرات نے حدیث کے الفاظ: إذا قام أحدكم يصلي" سے فائدہ اٹھایا ہے۔

۴۷۹ ﴿حَدَّثَنَا سليمان بنُ داوُدَ ثنا حَمَّادٌ ثنا أَيُّوبُ عن نَافِعٍ عن ابنِ عُمَرَ قال: بَيْنَمَا رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يَخْطُبُ يومًا إِذْ رَأَى نُخَامَةً فِي قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ فَتَغَيَّظَ عَلَى الناسِ ثُمَّ حَكَّهَا، قال: وأَحْسِبُهُ قال: فَدَعَا بِزَعْفَرَانٍ فَلَطَخَهُ بِه، وقال: إِنَّ اللّٰه تعالىٰ قِبَلَ وَجْهِ أَحَدِكُمْ إِذَا صَلَّي فَلَا يَبْزُقْ بَيْنَ يَدَيْهِ.﴾

أخرجه البخاري في "صحيحه" في كتاب العمل في الصلاة، باب: مايجوز في الصلاة والنفخ في الصلاة (١٢١٣)، وأخرجه مسلم في "صحيحه" في المساجد، باب: النهي عن البصاق في المساجد وفي الصلاة وغيرها (٥١/١٢٢٤). انظر "تحفة الأشراف" (٧٥١٨).

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ خطبہ پڑھ رہے تھے، اچانک آپ نے مسجد کی قبلہ کی دیوار میں بلغم لگا ہوا دیکھا تو آپ ﷺ لوگوں پر غصہ ہوئے پھر اس کو کھرچ دیا، (نافع نے) کہا میرا خیال یہ ہے کہ (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ بھی) کہا کہ آپ ﷺ نے زعفران منگا کر اس جگہ لتھیڑ دیا، اور فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ منہ کے سامنے ہوتا ہے جب کوئی تم میں سے نماز پڑھے تو اپنے سامنے نہ تھوکے۔

تشریح مع تحقیق: نُخَامة: کھنکار، اس کو نخاعة بھی کہتے ہیں، بعض روایات میں مُخَاط ہے

بعض میں بزاق اور بصاق ہے، یعنی ناک کی رطوبت ہو یا منہ کا تھوک یا سینہ کا بلغم تینوں چیزیں گھناؤنی ہیں، سب کا حکم یکساں ہے کہ یہ چیزیں مسجد کے فرش پر نظر آئیں یا دیوار قبلہ پر تر ہوں یا خشک احترام مسجد کی رعایت کے پیش نظر ضروری ہوگا کہ فوراً کھرچ دیا جائے اور یہ ہر دیکھنے والے کی ذمہ داری ہے، یہ درست نہ ہوگا کہ خادم یا مؤذن کا انتظار کرے بلکہ خود صاف کرے۔

روایت میں آیا کہ نبی اکرم ﷺ نے دیکھا کہ قبلہ کی دیوار پر کھنکار پڑی ہوئی ہے آپ ﷺ کو یہ دیکھ کر اس قدر ناگواری ہوئی کہ چہرۂ مبارک سے اثر ظاہر ہونے لگا اور فوراً کھڑے ہوئے اور اس کو اپنے دستِ مبارک ہی سے کھرچ ڈالا، ایک روایت میں تصریح ہے کہ آپ ﷺ نے اس کو کسی نوکدار چیز سے کھرچا اور پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یاد رکھو جب تم میں سے کوئی نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو اس کی حیثیت مناجات کرنے والے کی ہوتی ہے گویا وہ نماز میں باری تعالیٰ سے سرگوشی کر رہا ہے اس وقت اس کے پروردگار کی توجہ اس کے اور قبلہ کے درمیان ہے کیونکہ نمازی نے خداوند قدوس کی عبادت کے لئے اس وقت اس سمت میں رخ کیا ہے ورنہ ذاتِ خداوندی کسی مخصوص قید سے منزہ اور پاک ہے، ایسی صورت میں قبلہ کی سمت تھوکنا انتہائی ناپسندیدہ عمل ہے۔

سمت قبلہ میں تھوکنے کی ممانعت کی وجہ اس روایت میں تو یہی احترام قبلہ اور اللہ تعالیٰ کی اس سمت میں خاص تجلی ہے، مگر دوسری روایات میں مسجد کا احترام، نماز کا احترام، کاتب حسنات کا احترام، داہنی سمت کا احترام اور نمازیوں کو ایذا سے بچانا بھی مذکور ہے۔ (ایضاح البخاری ۳/۱۳۲)۔

۴۸۰ ﴿حَدَّثَنَا يحيى بنُ حَبِيبِ بنِ عَرَبِي ثَنَا خَالِدٌ يعني ابنَ الحارثِ عن محمد بنِ عَجْلَانَ عن عياض بنِ عَبْدِاللّٰه عن أبي سعيد الخُدْرِيِّ أنّ النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كان يُحِبُّ العَرَاجِيْنَ ولا يَزَالُ فِي يَدِهِ مِنهَا فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ فَرَأَىٰ نُخَامَةً فِي قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ فَحَكَّهَا ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى الناسِ مُغْضَبًا فقال : أَيَسُرُّ أَحَدَكُمْ أَنْ يُبْصَقَ فِي وَجْهِهِ ، إنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا اسْتَقْبَلَ القِبْلَةَ فَإِنَّمَا يَسْتَقْبِلُ رَبَّهُ عَزَّ وجَلَّ ، وَالْمَلَكُ عَنْ يَمِيْنِه فَلَا يَتْفُلْ عن يَمِيْنِه ولا فِي قِبْلَتِهِ ولْيَبْصُقْ عن يَسَارِه أو تحت قَدَمِه فإنْ عَجِلَ بِهِ أَمْرٌ فَلْيَقُلْ هٰكَذَا ، و وَصَفَ لَنَا ابنُ عَجْلَانَ ذلك أَنْ يَتْفُلَ فِي ثَوْبِهِ ثُمَّ يَرُدَّ بَعْضَهُ على بَعْضٍ.﴾

تفرد به أبوداود. انظر "تحفة الأشراف" (٤٢٧٥).

ترجمہ : حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کھجور کی شاخوں کو پسند کیا کرتے تھے اور

ہمیشہ آپ کے ہاتھ میں ایک شاخ رہتی تھی، ایک روز آپ ﷺ مسجد میں آئے تو قبلہ کی طرف بلغم لگا دیکھا آپ ﷺ نے اس کو کھرچ ڈالا، پھر لوگوں کے پاس آئے غصہ کی حالت میں، اور فرمایا کیا تم کو اچھا معلوم ہوتا ہے اپنے منھ پر تھوکنا؟ جب تم میں سے کوئی قبلہ کی طرف منھ کرتا ہے تو اپنے رب عزوجل کی طرف منھ کرتا ہے، اور فرشتے اس کی دائیں طرف رہتے ہیں، پس اس کو چاہئے کہ داہنی طرف اور قبلہ کی طرف نہ تھوکے، بلکہ اپنی بائیں طرف یا اپنے قدم کے نیچے تھوکے، اگر جلدی ہو تو اس طرح کرے، ابن عجلان نے اس کو یوں بیان کیا کہ اپنے کپڑے میں تھوک کر اس کو الٹ پلٹ کر ڈالے۔

تشریح مع تحقیق : العَرَاجِین : عُرجُون کی جمع ہے اس کے معنی ہیں کھجور کے گچھے کی جڑ جو ٹیڑھی ہوتی ہے اور گچھے کو کاٹنے پر درخت پر خشک ہو کر باقی رہتی ہے، مطلب یہ ہے کہ کھجور کی خشک شاخ کو آپ ﷺ اپنے ہاتھ میں رکھنا پسند کرتے تھے تا کہ کسی بھی ضرورت میں اس کو استعمال کیا جا سکے۔

حَکَّھَا : حَكَّ الشيُ (ن) حَكًّا : رگڑنا، گھسنا، کھرچنا۔

مُغْضَبًا : اسم مفعول کا صیغہ ہے أَغْضَبَهُ اغْضَابًا : غضب پر برانگیختہ کرنا، مُغْضَب : غضب پر برانگیختہ کئے ہوئے۔

يُبْصَقَ : بصیغۂ مجہول بَصَقَ (ن) بَصقًا : تھوکنا۔

عَجِلَ : عَجِلَ به (س) عجلًا : ایک کام سے دوسرے کام کی طرف جلدی کرنا۔

مضمون حدیث یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنے ہاتھ میں درخت کی شاخ رکھا کرتے تھے، جب کہیں تشریف لے جاتے تو یہ چھڑی آپ ﷺ کے دست مبارک میں ہوتی تھی ایک دن ایسا ہوا کہ آپ ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ قبلہ کی دیوار پر بلغم لگا ہوا ہے آپ کو یہ دیکھ کر بہت غصہ آیا پھر آپ ﷺ نے اس کو اپنی چھڑی سے کھرچ دیا، اور فرمایا: کہ جس طرح تم میں سے کوئی یہ بات پسند نہیں کرتا کہ اس کے چہرے پر تھوکا جائے اسی طرح اس کو یہ بھی ناپسند ہونا چاہئے کہ وہ مسجد میں بلغم، تھوک جیسی گھناؤنی چیز کو ڈالے، اور اگر کسی کو اچانک تھوکنے کی شدید ضرورت پیش آجائے تو اس کو اپنے کپڑے میں لے لیکن مسجد میں نہ تھوکے۔

قوله : و وَصَفَ لَنَا ابنُ عجلانَ الخ : خالد بن حارث کہہ رہے ہیں کہ محمد بن عجلان نے "فليقل هكذا" کی کیفیت ہم سے بیان کی کہ تھوک کو کپڑے میں لے اور پھر کپڑے مل دے تا کہ یہ کپڑے میں جذب ہو جائے۔

۴۸۱ ﴿حَدَّثَنَا يحيى بنُ الفضلِ السجستانيُّ وهشام بنُ عَمَّارٍ وسليمان بنُ عبدِالرحمن قالوا : حَدَّثَنَا حَاتِمُ يَعْنِي ابن إسماعيلَ ثنا يَعْقُوبُ بنُ مُجَاهِدٍ أَبُو حَزْرَةَ عن عُبَادَةَ بنِ الوليد بنِ عُبَادَةَ بنِ الصَّامِتِ قال : أَتَيْنَا جَابِرًا يعني ابنَ عَبْدِاللّٰه وهو في مَسْجِدِه فقال : أَتَانَا رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم في مَسْجِدِنَا هٰذَا ، وفي يَدِهٖ عُرجُونُ

ابنِ طَاب ، فَنَظَرَ فرأي فِي قِبْلَةِ المسجد نُخَامَةً فَأَقْبَلَ عَلَيْهَا فَحَتَّهَا بالعُرْجُون ثُمَّ قَالَ: أَيُّكُمْ يُحِبُّ أَنْ يُعْرِضَ اللّٰهُ عَنْهُ بِوَجْهِهِ ثُمَّ قال : إنَّ أَحَدَكُمْ إذَا قَامَ يُصَلِّي فَإِنَّ اللّٰهَ قِبَلَ وَجْهِهِ فَلا يَبْصُقَنَّ قِبَلَ وَجْهِهِ ولا عَنْ يَمِينِه ولْيَبْصُقْ عن يَسَارِهِ تَحْتَ رِجْلِه الْيُسْرَى ، فإنْ عَجِلتْ به بَادِرَةٌ فَلْيَقُل بثوبه هٰكذا ، و وَضَعَهُ عَلٰى فِيْهِ ثُمَّ دَلَكَهُ ، ثُمَّ قال : أَرُونِي عَبِيرًا ، فَقَامَ فَتًى مِنَ الْحَيِّ يَشْتَدُّ إلى أَهْلِهِ فَجَاءَ بِخَلُوقٍ فِي رَاحَتِهِ فَأَخَذَهُ رسول اللّٰه ﷺ فَجَعَلَهُ على رأسِ العُرْجُوْن ثُمَّ لَطَخَ بِهِ عَلٰى أَثَرِ النُّخَامَةِ. قال جَابِرٌ : فَمِنْ هُنَاكَ جَعَلْتُم الخلوقَ فِي مَسَاجِدِكُمْ.

انفرد به ابوداود. انظر "تحفة الأشراف" (٣٧٨٩). العراجين: مفردها عرجون. وهو عود كباسة النّخل، وسمي عرجوناً لانعراجه وهو انعطافه. قوله: " فإن الله قبل وجهه" : تأويله أن القبلة التي أمره الله عز وجلّ بالترجه إليها للصلاة قبل وجهه فليصنها عن النخامة. وفيه إضمار وحذف واختصار كقوله تعالى: ﴿وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ﴾ يريد أهل القرية ومثله في الكلام كثير وإنما أضيفت تلك الجهة إلى الله سبحانه وتعالى على سبيل التكرمة كما قيل: بيت الله وكعبة الله في نحوذلك من الكلام. وفيه من الفقه أن النخامة طاهرة ولو لم تكن طاهرة لم يكن يأمر المصلي بأن يدلكها بثوبه. انظر "معالم السنن" ١/١٢٤.

ترجمه : حضرت عبادہ بن ولید سے روایت ہے کہ ہم حضرت جابر بن عبداللہ بن انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور وہ اپنی مسجد میں تھے، انہوں نے کہا کہ (ایک مرتبہ) حضور اکرم ﷺ ہماری اس مسجد میں آئے اور آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک ٹہنی تھی ابن طاب کی (جو ایک قسم کی کھجور ہے) آپ ﷺ نے دیکھا تو مسجد کے قبلہ میں بلغم لگا ہوا تھا آپ ﷺ نے اس کو چھڑا دیا، پھر فرمایا: تم میں سے کون یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے منہ پھیر لے، پھر فرمایا: تم میں سے جب کوئی نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے سامنے ہوتا ہے، اس کو چاہئے کہ سامنے نہ تھوکے اور نہ ہی دائیں طرف تھوکے، بلکہ بائیں طرف اپنے بائیں پیر کے نیچے تھوکے، پس اگر جلدی ہو تو اپنے کپڑوں میں اس طرح کرے، پھر آپ ﷺ نے کپڑے کو منہ پر رکھا اور اس کو مل دیا، اس کے بعد فرمایا: عبیر (خوشبو) لاؤ، محلہ کا ایک نوجوان کھڑا ہوا اور دوڑتا ہوا اپنے گھر گیا، اور اپنی ہتھیلی میں خوشبو لے کر آیا، رسول اللہ ﷺ نے اس کو لے کر لکڑی کی نوک میں لگایا اور بلغم کے نشان پر اس کو تھیڑ دیا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اسی (حدیث کی) وجہ سے تم اپنی مساجد میں خوشبو لگاتے ہو۔

تشریح مع تحقیق : عَبِيْرٌ : ایک مرکب خوشبو کا نام ہے: عرجون ابن طاب : ابن طاب ایک خاص قسم کی کھجور کا نام ہے، دراصل مدینہ میں ایک شخص تھا جس کی طرف یہ کھجور منسوب ہے۔

خلوق : بفتح الخاء وضم اللام : ایک مشہور اور معروف خوشبو کا نام ہے جو زعفران وغیرہ سے بنائی جاتی ہے اور

یہ سرخ بہ مائل زرد ہوتی ہے۔

لَطَخَ: لَطَخَ الشيئ بالخلوق (ف) لَطْخا : آلودہ کرنا۔

مضمون حدیث واضح ہے مزید تفصیل کی حاجت نہیں، البتہ فقہ الحدیث کے طور پر اتنا جان لینا ضروری ہے کہ مساجد کو خوشبو سے معطر رکھا جائے اور گھناؤنی چیزوں سے اجتناب کیا جائے۔

۴۸۲ ﴿حَدَّثَنَا أحمد بنُ صَالِحٍ ثَنَا عَبْدُ اللّٰه بنُ وَهْبٍ أخبرنِي عَمْرٌو عن بَكر بنِ سَوَادَةَ الجُذَامِيِّ عن صَالِحِ بنِ حَيْوَانَ عن أبي سَهْلَةَ السائب بنِ خَلَّادٍ -قال أحمد : مِنْ أصحاب النبي صلى اللّٰه عليه وسلم- أنَّ رجلًا أَمَّ قَوْمًا فَبَصَقَ فِي الْقِبْلَةِ ورسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يَنْظُرُ ، فقالَ رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم حِيْنَ فَرَغَ لَا يُصَلِّي لكم ، فَأَرَادَ بعد ذلك أَنْ يُصَلِّي لَهُم فَمَنَعُوْهُ وأَخْبَرُوْهُ بِقَوْلِ رسولِ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ، فَذَكَرَ ذلك لرسولِ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فقال : نَعَمْ ، وحَسِبْتُ أَنَّهُ قال : إنَّكَ آذَيْتَ اللّٰهَ و رسولَه صلى اللّٰه عليه وسلم.﴾

أخرجه مسلم في "صحيحه" في المساجد، باب: النهي عن البصاق في المساجدفي الصلاة وغيرها (١٢٣٤)، انظر "تحفة الأشراف" (٥٣٤٨).

ترجمہ : حضرت ابوسہلہ سائب بن خلاد (امام احمد نے کہا کہ یہ صحابی ہیں) سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک قوم کی امامت کی، اور قبلہ کی طرف تھوک دیا، رسول اللہ ﷺ دیکھ رہے تھے، جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو آپ ﷺ نے قوم سے کہا کہ اب وہ تمہاری امامت نہ کرے، اس کے بعد اس شخص نے دوبارہ نماز پڑھانے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے منع کیا اور بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہارے بارے میں ایسا فرمایا ہے، اس شخص نے رسول اللہ ﷺ سے (لوگوں کی اس بات کا) ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ ہاں میں نے منع کیا ہے، راوی نے کہا کہ مجھ کو گمان ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ تم نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دی۔

تشریح مع تحقیق : آپ ﷺ کے پاس ایک وفد آیا وفد والوں نے جماعت سے نماز پڑھی اور انہیں میں سے ایک شخص نے امامت کی، لیکن اس امام سے غلطی ہوئی کہ اس نے قبلہ کی جانب تھوک دیا اس پر آپ ﷺ نے تنبیہ فرمائی کہ یہ شخص امامت کا اہل نہیں ہے کیونکہ یہ شخص احترام مسجد ہی سے واقف نہیں۔

اور پھر اخیر میں آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ اس شخص نے اپنے فعل کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کو اذیت دی، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ اس امر کو پسند نہیں کرتے ہیں۔

آپ ﷺ کا یہ ارشاد زجر و توبیخ پر محمول ہے، اور ایذار سے مراد ایذار بالقصد مراد نہیں ہے بلکہ ایذار خطأً مراد ہے، کیونکہ ایذار بالقصد تو موجب کفر ہے، اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو بالقصد ایذار پہونچانے والا ملعون ہے، قرآن پاک میں ہے: "إِنَّ الذينَ يُؤْذُوْنَ الله ورسولَه لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا والآخِرَةِ"۔

صاحب منہل تحریر فرماتے ہیں کہ حدیث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جو شخص آداب شرعیہ سے ناواقف ہو تو اس کو امامت نہیں کرنی چاہئے، نیز اگر امام کسی امر شرعی کی مخالفت کرے تو اس کو امامت سے الگ کر دینا چاہئے، اور حدیث سے یہ مسئلہ بھی مستنبط ہوا کہ مخالفت شرعیہ سے بچنا چاہئے، کیونکہ یہ غضب الٰہی اور غضب رسول اللہ ﷺ کا سبب ہے۔

۴۸۳ ﴿حَدَّثَنَا موسى بنُ إِسْمَاعِيلَ نا حَمَّادٌ أَنَا سَعيد الْجُرَيْرِيُّ عن أبي الْعَلَاءِ عن مُطَرِّفٍ عن أبيه قال : أَتَيْتُ رسول الله ﷺ وهُوَ يُصَلِّي فَبَزَقَ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرَى.﴾

تقدم تخريجه في الحديث السابق.

ترجمہ : مطرف اپنے والد (عبداللہ بن شخیر ؓ) سے روایت کرتے ہیں، کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، (آپ ﷺ کو تھوکنے کی ضرورت پیش آئی تو) آپ نے اپنے بائیں قدم کے نیچے تھوکا۔

تشریح مع تحقیق : أبيه : مطرف کے والد کا نام عبداللہ بن شخیر ؓ ہے، علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں مذکور واقعہ خارج مسجد کا ہے، اس لئے کہ بزاق فی المسجد سے تو آپ ﷺ نے مطلقاً منع فرمایا ہے، لیکن عینیؒ کے بیان کردہ معنی متعین نہیں ہیں، اس لئے کہ یہ احتمال ہے کہ آپ ﷺ کو مسجد میں تھوکنے کی ضرورت پیش آئی ہو اور آپ ﷺ حالت نماز میں ہوں تو آپ نے بائیں پیر کے نیچے تھوک کر اس کو دفن کر دیا ہو، جیسا کہ اگلی روایت میں آرہا ہے۔

۴۸۴ ﴿حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ ثَنَا يَزِيْدُ بنُ زُرَيْعٍ عن سعيد الْجُرَيْرِيُّ عن أبي الْعَلَاءِ عن أبيه بِمَعْنَاهُ ، زَادَ ثُمَّ دَلَكَهُ بِنَعْلِه.﴾

انفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (١١٧٥٤).

ترجمہ : ابوالعلاء نے اپنے والد سے سابقہ روایت کے ہم معنی روایت بیان کی ہے، البتہ یہ اضافہ کیا کہ آپ ﷺ نے اس کو اپنے جوتے سے رگڑ دیا۔

تشریح مع تحقیق : الجُرَيْرِيُّ : یہ جریر کی طرف نسب ہے حالت تصغیر میں۔

مصنفؒ نے اس روایت کو یہ بیان کرنے کے لئے نقل کیا ہے کہ سعید جریری کے تلامذہ میں اختلاف ہے، چنانچہ پہلی روایت میں سعید سے نقل کرنے والے حماد بن سلمہ تھے، انہوں نے جب اس کو نقل کیا تو اپنے اور اپنے والد کے درمیان اپنے بھائی مطرف کا واسطہ ذکر کیا، اور دوسرے شاگرد ہیں یزید بن زریع، انہوں نے ابوالعلاء اور ان کے والد عبداللہ کے

درمیان اپنے بھائی مطرف کا واسطہ ذکر نہیں کیا، یہ روایت مسلم شریف میں بھی ہے اور اس میں سند کے اس اختلاف کو ذکر کیا گیا ہے۔

۴۸۵ ﴿حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بنُ سعيد ثَنَا الفَرَجُ بنُ فَضَالَةَ عن أبي سعيد قال : رَأَيْتُ وَاثِلَةَ بنَ الأَسْقَعِ فِي مسجد دِمَشْقَ بَصَقَ على البُوْرِيِّ ثُمَّ مَسَحَه بِرِجْلِهِ فَقِيْلَ له : لِمَ فَعَلْتَ هٰذَا ؟ قال : إني رَأَيتُ رسولَ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يَفْعَلُهُ.﴾

تفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (۲۳۵۹). البوري: الحصير المعمول من القصب.

ترجمہ : حضرت ابو سعید سے روایت ہے کہ میں نے واثلہ بن اسقع کو مسجدِ دمشق میں دیکھا کہ انہوں نے بوریے پر تھوک دیا ہے، اور پھر پاؤں سے مل ڈالا، لوگوں نے ان سے کہا کہ تم نے ایسا کیوں کیا، انہوں نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

تشریح مع تحقیق : الفرج بنُ فَضَالة : امام نسائی، علی بن المدینی، یحییٰ بن معین، دار قطنی اور شیخین نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے، البتہ ابو حاتم نے "صدوق يكتب حديثه ولا يحتج به" لکھا ہے۔ (تہذیب التہذیب)

أبو سعيد: یہ راوی مجہول ہیں، لہٰذا حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہے۔

البوري : بضم الباء وكسر الراء وتشديد الياء اس کے معنی ہیں بوریہ، وہ چٹائی جس کو کھجور وغیرہ کی پتیوں سے بن لیا جاتا ہے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ مسجد میں آپ ﷺ نے چٹائی (بوریہ) پر تھوکا، اور بوریہ پر تھوک دفن کرنا ممکن نہیں ہے جب کہ ماقبل میں یہ حدیث گزر چکی ہے: التفل في المسجد خطيئة وكفارتها دفنها" لہٰذا دونوں حدیثوں میں تعارض ہو گیا، لیکن یہ حدیث ضعیف ہے فرج بن فضالہ اور ابو سعید کی وجہ سے، جیسا کہ ان دونوں راویوں کا تذکرہ آ گیا ہے۔

خلاصة الباب: مصنفؒ نے اس باب میں کل آٹھ صحابہ ﷺ کی روایات کو بارہ سندوں سے ذکر کیا ہے، اور بیان یہ کرنا مقصود ہے کہ مساجد گھناؤنی چیزوں سے بالکل صاف رکھی جائیں تاکہ نہ تو مصلیان کو تکلیف ہو اور نہ ہی فرشتوں کو تکلیف ہو۔

❁ ❁ ❁

﴿بَابٌ فِي المشركِ يَدْخُلُ الْمَسْجِدَ﴾

مشرک کے مسجد میں داخل ہونے کا بیان

۴۸۶ ﴿حَدَّثَنَا عِيسٰى بنُ حَمَّادٍ أَنَا اللَّيْثُ عن سَعِيد الْمَقْبُرِيِّ عن شريك بنِ عَبْدِاللّٰه بنِ أبي نَمِرٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بنَ مالك يقولُ : دخلَ رَجُلٌ على جَمَلٍ فَأَنَاخَهُ فِي المسجِدِ ثُمَّ عَقَلَهُ ثم قال : أَيُّكُم مُحَمَّدٌ ، ورسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مُتَّكِئٌ بَيْنَ ظَهْرَانَيْهِمْ ، فَقُلْنَا لَهُ : هٰذَا الأَبيَضُ الْمُتَّكِئُ ، فقال لَهُ الرجُلُ : يا ابنَ عَبْدِالمطلبِ ، فقال له النبيُّ صلى اللّٰه عليه وسلم قد أَجَبْتُكَ ، فقال له الرَّجُلُ : يا مُحَمَّدُ إنِّي سَائِلُكَ وساق الحديث.﴾

أخرجه البخاري في "صحيحه" في كتاب العلم، باب: ماجاء في العلم (٦٣) وأخرجه النسائي في "المجتبى" في كتاب الصيام، باب: وجوب الصيام (٢٠٩١و٢٠٩٢) أخرجه ابن ماجه في "سننه" في إقامة الصلاة والسنة فيها، باب: ماجاء في فرض الصلوات الخمس والمحافظة عليها (١٤٠٢). انظر "تحفة الأشراف"(٩٠٧). قال الخطابي: كل من استوى قاعداً على وطاء فهومتكيء والعامة لا تعرف المتكيء إلامن مال في قعوده معتمداً على أحدشقيه. انظر "معالم السنن" ١٢٥/١.

ترجمہ : حضرت انس بن مالک ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک شخص اونٹ پر سوار ہو کر آیا اور اس نے اونٹ مسجد میں بٹھایا پھر اس کو باندھ دیا، اس کے بعد معلوم کیا کہ محمد ﷺ کون ہیں؟ جب کہ آپ ﷺ صحابہ کرام کے درمیان تکیہ لگائے بیٹھے تھے، ہم نے کہا کہ یہ سفید رنگ کے ہیں، تکیہ لگائے بیٹھے ہیں، (محمد ﷺ ہیں) پھر اس شخص نے کہا اے عبدالمطلب کے بیٹے، آپ ﷺ نے فرمایا میں تجھے جواب دے چکا ہوں، پھر وہ شخص بولا: محمد ﷺ میں تم سے پوچھتا ہوں......... آخر حدیث تک۔

تشریح مع تحقیق : أَنَاخَهُ : أَنَاخَ البعيرَ إنَاخَةً : اونٹ کو بٹھانا، مُتَّكِئٌ : بصیغہ اسم فاعل ہے، اتكأ الرَّجُلُ اتكاءً : ٹیک لگانا، تکیہ لگانا، ظَهْرَانَيْهِمْ : یہ لفظ علی خلاف القیاس تثنیۃ التثنیہ ہے، ظهر کا تثنیہ ظَهْرَان ہے، پھر ظهران کو مفرد کے حکم میں قرار دے کر علامت تثنیہ اس کے ساتھ ملحق کر دی، ظهرانيهم ہو گیا، یہ لفظ اس وقت بولتے ہیں جب مجمع کثیر ہو اور لوگ اس طرح بیٹھے ہوں کہ ایک کی پشت دوسرے کی طرف ہوتی ہو۔

حدیث میں رجل کا مصداق ضمام بن ثعلبہ ہیں، یہ ۹ھ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے ہیں،

آ کر انہوں نے اپنی اونٹنی کو مسجد کے قریب بٹھایا اور باندھ دیا، پھر مسجد میں داخل ہوئے اور پوچھا کہ بھائیو! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں؟ اور ضمام بن ثعلبہ نے انداز تخاطب اس طرح کا یوں اپنایا کہ یہ ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، اور بعض نے کہا کہ مسلمان تو ہو گئے تھے لیکن تہذیب الفاظ سے بے خبر تھے، صحابہ کرام نے ان کے سوال کے جواب میں فرمایا: کہ یہ جو تکیہ لگائے گورے گورے بیٹھے ہیں یہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ایک روایت میں ابیض کی جگہ اصفر کے الفاظ آئے ہیں اس لئے ابیض کے معنی سرخ سفید لئے جائیں گے، مطلب یہ کہ خالص سفید ہی نہیں بلکہ مشرب بحمرۃ تھی، مگر بیاض حمرہ پر غالب تھی۔

اب اس شخص نے حضور اکرم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے کہا: اے عبدالمطلب کے بیٹے! آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں سن رہا ہوں، حضرت ضمام ؓ کا یہ خطاب تحقیرانہ تھا بلکہ غایت تعظیم کی وجہ سے تھا، کیونکہ عبدالمطلب عرب کے مشہور سردار تھے، اسی شہرت کی بنا پر حنین کے موقعہ پر آپ ﷺ نے خود یہ رجز پڑھا تھا۔

أنَا النبيُّ لَا كَذِبْ أنَا ابنُ عَبْدِ المُطَّلِبْ

یعنی اگر دینی کمال کی حیثیت سے دیکھا جائے تو میں سچا نبی ہوں، اور اگر دنیاوی مفاخر دیکھنا چاہو تو عبدالمطلب جیسے سردار کا بیٹا ہوں، "قد اجبتك" کا مطلب یہ ہے کہ میں بیٹھا ہی جواب دینے کے لئے ہوں، بے تکلف سوال کر سکتے ہو، یہ کمالِ بلاغت ہے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہاں آپ ﷺ نے ضمام ؓ سے "نعم" اس لئے نہیں فرمایا کہ ان کا خطاب آپ ﷺ کی شان اور منزلت کے مطابق نہ تھا، خاص طور سے جب اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "لا تَجعَلُوا دُعَاءَ الرسوْلِ بينكم كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا" اب اگر ضمام ؓ نے یہ خطاب مسلمان ہونے کی حیثیت سے کیا ہے تو ان کی طرف سے عذر یہ ہو سکتا ہے کہ ان کو اس ممانعت کی اطلاع نہ پہنچی ہو اور اگر مسلمان نہیں تھے تو کوئی اشکال ہی نہیں۔

حضرت ضمام ؓ کی عقلمندی کا ثبوت یہاں سے بھی ہو رہا ہے کہ انہوں نے سوال کرنے سے پہلے معذرت کر دی تھی کہ میں سوال کرنے میں سختی کروں گا، چنانچہ انہوں نے چار سوالات کئے اور ہر سوال میں شدید قسم دی، آپ ﷺ انتہائی خندہ پیشانی کے ساتھ ہر سوال کا جواب ارشاد فرماتے رہے، ان چاروں سوالوں کی تفصیل بخاری شریف کتاب العلم میں ہے۔

ترجمۃ الباب سے مناسبت

مصنف ؒ کی رائے کے مطابق ضمام بن ثعلبہ ؓ جس وقت مسجد میں داخل ہوئے تھے مسلمان نہیں تھے، لہٰذا ان کا مشرک ہونے کی حالت میں مسجد میں داخل ہونا ثابت ہو گیا۔

فقہ الحدیث

امام ابوداوُدؒ کا ترجمۃ الباب احناف کے مسلک کے عین مطابق ہے، کیونکہ مصنفؒ یہی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مسجد میں مشرکین کا داخل ہونا جائز اور درست ہے۔

مشرکین کے مسجدوں میں داخل ہونے کا مسئلہ ائمہ کرام کے درمیان اختلافی ہے۔

حضرت امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ مشرکین کا کسی مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مسجد حرام کے علاوہ دیگر مساجد میں داخل ہونا جائز ہے۔

حضرت امام احمدؒ بھی مسجد حرام میں داخل ہونے کو ناجائز کہتے ہیں بقیہ مسجدوں کے بارے میں ان سے دو روایتیں ہیں، ایک روایت عدم جواز کی اور دوسری روایت میں امیر اور امام کی اجازت کے بعد داخل ہونا جائز ہے۔

حضرات احناف نے تمام مساجد میں داخل ہونے کو جائز قرار دیا ہے، البتہ امام محمد کی رائے سیر کبیر میں اس کے مطابق نہیں ہے۔

مالکیہ کا استدلال آیت: إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا المسجدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِم هٰذَا" سے ہے، کہ مشرکین قطعاً ناپاک ہیں تو ان آلودۂ نجاست انسانوں کو داخلہ کی اجازت دے کر مسجد کے تقدس کو پامال کرنا جائز نہیں۔

شوافع نے بھی اسی آیت سے استدلال کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ مسجد حرام میں داخل ہونا نص قرآنی سے حرام ہے بقیہ مسجدوں میں اجازت ہے، اس لئے کہ آیت کریمہ میں فرمایا گیا کہ سال رواں ۹ھ کے بعد مشرکین مسجد حرام کے قریب بھی نہ آئیں۔

لیکن حنفیہ نے مطلقاً ہر مسجد میں داخل ہونے کی اجازت دی ہے، وہ کہتے ہیں کہ: إِنَّمَا المشركونَ نَجَسٌ" میں نجاست سے مراد ظاہری نجاست نہیں بلکہ اعتقادی خرابیاں اور خبث باطن مراد ہے، اور آیت میں جو سالِ رواں کے بعد مسجد کے قریب آنے کی ممانعت ہے اس میں سال رواں سے مراد ۹ھ ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر ؓ کو امیر الحج بنا کر روانہ فرمایا تھا اور یہ اعلان کرایا تھا کہ اگلے سال ۱۰ھ سے مشرکین کے مسجد حرام میں داخلہ پر پابندی لگا دی گئی ہے گیا ۹ھ کے ایام حج سے ۱۰ھ کے ایام حج کے درمیان ان کے داخلہ کی اجازت ہے، یہیں سے فقہاء احناف نے یہ سمجھا ہے کہ مطلقاً حدود حرم میں داخلہ پر پابندی نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ اب مشرکین بیت اللہ کا طواف یا حج وغیرہ کے ارادے سے نہیں آسکیں گے، اسی لئے حضرت ابوبکر ؓ نے جو اعلان فرمایا وہ بھی یہی تھا کہ: أن لا يَحُجَّ بَعْدَ العَامِ مُشْرِكٌ" یعنی سال رواں کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حجۃ

الوداع فرمایا تو کوئی مشرک شریک نہیں تھا، گویا آیت کی مراد حج اور طواف سے روکنا ہے مسجد میں داخلہ کی ممانعت نہیں ہے۔

حنفیہ کے مسلک پر استدلال کرتے ہوئے ابوبکر جصاصؒ نے احکام القرآن (۸۸/۲) میں حضرت عثمان کی روایت بھی پیش کی ہے کہ بنو ثقیف کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے ان کے لئے مسجد میں قبہ لگوادیا، صحابہ کرام ؓ نے عرض کیا "قَوْمٌ أَنْجَاسٌ" یہ ناپاک لوگ ہیں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّه لَيْسَ عَلَى الْأَرْضِ مِنْ أَنْجَاسِ النَّاسِ شَيْئٌ إِنَّمَا أَنْجَاسُ النَّاسِ على أَنْفُسِهِمْ. بے شک انسانوں کی باطنی نجاست کا زمین پر خارج میں کوئی اثر نہیں ہوتا ان کی نجاست سے تو ان کے نفوس متاثر ہوتے ہیں۔

(احکام القرآن ۸۸/۳):

مراد یہی تھی کہ انسانوں کے نجس قرار دینے کے معنی یہی ہیں کہ ان کی نجاست معنوی ہے، حسی نہیں اور یہی بات حضرات احناف نے بھی سمجھی ہے۔

امام بخاریؒ نے احناف کے مسلک پر حضرت ثمامہ بن اثال ؓ کے واقعہ سے استدلال کیا ہے اس لئے کہ حضرت ثمامہ بن اثال ؓ کو بحالتِ شرک مسجد میں ستون سے باندھ دیا گیا اور تین دن تک یہ مسجد ہی میں بندھے رہے اس کے بعد اسلام لائے، جب تین دن تک مشرک مسجد میں محبوس رہا تو اس کا وہاں قیام ثابت ہوا جس سے دخول کا جواز بدرجۂ اولیٰ ثابت ہوگیا۔ (عمدۃ القاری ۵۱۶/۳)

۴۸۷ ﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ عَمْرٍو ثَنَا سَلَمَةُ حدثني محمد بنُ إسْحَاقَ ثَنِي سَلَمَةُ بنُ كُهَيْلٍ ومحمد بنُ الوَلِيْدِ بنِ نُوَيْفِعٍ عن كُرَيْبٍ عن ابنِ عَبَّاسٍ قال: بَعَثَتْ بَنُو سَعْدِ بنُ بَكْرٍ ضِمَامَ بنَ ثَعْلَبَةَ إلى رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقَدِمَ عليه فَأَنَاخَ بَعِيْرَهُ عِنْدَ بَابِ المسجد ثُمَّ عَقَلَهُ ثُمَّ دَخَلَ المسجدَ فَذَكَرَ نَحْوَهُ قال: فَقَال: أَيُّكُمْ ابنُ عَبْدِالمُطَّلِبِ، فقال رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: أَنَا ابنُ عَبْدِالمُطَّلِبِ، قال: يا ابنَ عَبْدِالمطَّلِبِ! وسَاقَ الحديثَ.﴾

تفرد به أبوداود. انظر "تحفة الأشراف" (٦٣٦١).

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بنو سعد نے اپنی طرف سے ضمام بن ثعلبہ کو رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا وہ آئے اور انہوں نے اپنا اونٹ مسجد کے دروازے پر بٹھایا اور اس کو باندھ دیا پھر مسجد میں گئے، اس کے بعد ایسا ہی بیان کیا (جیسا کہ اوپر روایت میں گزرا) راوی نے کہا کہ ضمام بن ثعلبہ نے کہا: عبد المطلب کے بیٹے تم سے کون ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں، ضمام نے کہا کہ اے ابن عبد المطلب! (میں تم سے چند

سوالات کروں گا الخ) اور حدیث کو اخیر تک بیان کیا۔

تشریح مع تحقیق : اس روایت کو لانے سے مصنفؒ کی غرض حضرت انس ﷺ کی روایت سابقہ اور ابن عباس ﷺ کی اس حدیث کے الفاظ کے فرق کو بیان کرنا ہے، حضرت انس ﷺ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں تین فرق ہیں:

۱- حضرت انس ﷺ کی روایت میں سائل کا نام مذکور نہیں ہے، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں سائل کا نام مذکور ہے یعنی ضمام بن ثعلبہ ﷺ۔

۲- حضرت انس ﷺ کی روایت میں "فَأَنَاخَ فِي المسجد" ہے جب کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں "فَأَنَاخَ بَعِيرَهُ عِنْدَ بَابِ المسجد" ہے۔

۳- حضرت انس ﷺ کی روایت میں حضور ﷺ کا نام لے کر سوال کیا گیا ہے یعنی سائل نے "أيكم محمد" کہا، جب کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں "أيكم ابن عبدالمطلب" ہے۔

قوله : بعثت بنو سعد الخ : یہ واقعہ ۹ھ کا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں نقل کیا ہے، البتہ واقدی کہتے ہیں کہ ۵ھ کا قصہ ہے۔

قوله : عند باب المسجد : یہ جملہ اس سلسلے میں واضح ہے کہ انہوں نے اپنی سواری کو خارج مسجد بٹھایا تھا۔

قوله : أيكم ابن عبدالمطلب: اس میں اور "أيكم محمد" میں کوئی تعارض نہیں ہے، اس لئے یہ احتمال ہے کہ سائل نے "أيكم محمد بن عبدالمطلب" کہا ہو پس حضرت انس ﷺ نے "أيكم محمد" پر اکتفار کرلیا، اور ابن عباس ﷺ نے "ابن عبدالمطلب" پر۔

اسی طرح پہلی روایت میں تھا کہ سائل کے اس سوال کے جواب میں صحابہ نے کہا تھا: "هذا الأبيض المتكئ" اور اس روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے خود جواب دیا "أنا ابن عبدالمطلب" یہ تعارض اس طرح ختم کیا جا سکتا ہے کہ پہلے تو صحابہ ہی نے جواب دیا ہو بعد میں آپ ﷺ نے بذات خود بھی جواب دے دیا ہو۔

۴۸۸ ﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ يَحْيٰى بنِ فَارِسٍ ثَنَا عَبْدُالرَّزَّاقِ أَنَا مَعْمَرٌ عن الزُّهْرِيِّ ثَنَا رجل مِنْ مُزَيْنَةَ ونَحْنُ عِنْدَ سَعِيدِ بنِ الْمُسَيَّبِ عن أبي هُرَيْرَةَ قال : الْيَهُوْدُ أَتَوا النبيَّ صلى الله عليه وسلم وهو جَالِسٌ فِي المسجِدِ فِي أصحابِه فقالوا! يا أبا القاسم في رَجُلٍ وامْرَأَةٍ زَنَيا مِنْهُم.﴾

أخرجه أبو داود في القضاء، باب: وكيف يحلف الذمي (٣٦٢٤). انظر "تحفة الأشراف" (١٥٤٩٢).

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ یہود آپ ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اور کہا اے ابو القاسم! آپ ﷺ ایک مرد اور عورت کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جنہوں نے ان میں (ہم میں) سے زنا کر لیا ہے۔

تشریح مع تحقیق : حضرت ضمام بن ثعلبہ کی حدیث دو طریق سے نقل کرنے کے بعد اب مصنفؒ اس باب میں دوسری حدیث لا رہے ہیں، یہ حدیث کتاب الحدود میں مفصلاً آ رہی ہے، جس میں ایک یہودی اور یہودیہ کا قصہ مذکور ہے یہ لوگ زنا کا حکم شریعت محمدیہ میں معلوم کرنے کے لئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے جب کہ آپ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے اس سے معلوم ہوا کہ غیر مسلم کا دخول مسجد میں جائز ہے۔ (الدر المنضود ۲/۷۹)

﴿باب المواضع التي لا تجوز فيها الصلاة﴾

ان جگہوں کا بیان جن میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے

۴۸۹ ﴿حَدَّثَنَا عثمانُ بنُ أبي شَيْبَةَ ثنا جَرِيْرٌ عن الأعمشِ عن مجاهدٍ عن عُبَيْدِ بنِ عُمَيْرٍ عن أبي ذَرٍّ قال : قال رسول الله ﷺ جُعِلَتْ لِيَ الأَرْضُ طَهُوْرًا ومَسْجِدًا.﴾

تفرد به أبوداود ' انظر "تحفة الأشراف" (۱۱۹۶۹). قال الخطابي:قوله: "جُعِلَت لي الأرضُ طَهُوراً ومَسجِدًا" فيه إجمال وإبهام. وتفصيله في حديث مسلم (۵۲۳) عن حذيفة بن اليمان عن النبيﷺ قال: "جعلت لنا الارض مسجدا وجعلت تربتها لنا طهورا" ولم يذكره أبوداودفي هذا الباب وإسناده جيد.انظر "معالم السنن" ۱/۱۲۶۔

ترجمہ : حضرت ابو ذر غفاری ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا زمین کو میرے لئے پاک کرنے والی اور مسجد بنا دیا گیا ہے۔

تشریح مع تحقیق : یہ ترجمۃ الباب میں بھی اختصار ہے اور حدیث میں بھی اختصار ہے، ترجمۃ الباب کا اختصار تو یہ ہے کہ اصل ترجمہ یہ ہے: باب في المواضع التي تجوز والتي لا تجوز فيها الصلاة" اس لئے کہ باب میں دونوں قسم کی روایات ہیں جن میں ممنوعہ اور غیر ممنوعہ جگہوں کا بیان ہے۔

حدیث کی تفصیل بخاری شریف میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اُعطِيتُ خَمسًا لم يُعطَهُنَّ أحد قَبلي : نُصِرتُ بالرُّعبِ مسيرةَ شَهرٍ وجُعِلَتْ لِي الأَرْضُ مسجدًا وطَهُورًا ، فأيُّما رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي أَدرَكَتْهُ الصلاةُ فَلْيُصَلِّ ، وأُحِلَّتْ لِي المغانِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبلِي ، وَأُعطِيتُ الشَّفَاعَةَ وَكَانَ النبي يُبْعَثُ إلى قومه خاصةً

وبُعثتُ إلی الناس عامةً".

مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی دیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں:

۱- نُصِرتُ بالرعب مسیرةَ شَهرٍ: دشمنوں کے مقابلہ پر ایک ماہ کی مسافت تک میرا رعب ڈال کر میری مدد کی جاتی ہے اس مسافت کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ حضور ﷺ کے دشمن عموماً ایک ماہ کی مسافت پر تھے ورنہ دشمنوں پر آپ ﷺ کا رعب تو اس سے بہت زیادہ تھا۔

۲- جعلت لي الأرض طهورًا ومسجدًا: ساری زمین میرے لیے پاکی حاصل کرنے کے لائق اور نماز کی جگہ بنادی گئی، حدیث کے اسی جملے سے ترجمۃ الباب ثابت ہوتا ہے، اور یہ خصوصیت آپ ﷺ کی بھی ہے آپ ﷺ کی امت کی بھی ہے سابقہ امتوں کی طرح جگہوں کی قید نہیں صرف اوقات کی قید ہے یہ کہیں بھی نماز پڑھ سکتے ہیں۔

۳- أحلت لي المغانم: یہ تیسری خصوصیت ہے، پہلی امتوں میں سے بعض پر تو مطلقاً جہاد تھا ہی نہیں پھر غنیمت کیسے ہوتی، اور بعض پر جہاد فرض تھا لیکن غنیمت حلال نہ تھی، گزشتہ امتوں پر تو یہ پابندی تھی کہ مال غنیمت جمع کریں اور آسمان سے آگ کے آنے کا انتظار کریں آسمان سے آنے والی سپید رنگ کی آگ اسے خاکستر کردیتی تو یہ مال غنیمت کے مقبول ہوجانے کی علامت ہوتی تھی اور آگ کا نہ آنا اس بات کی علامت ہوتی کہ مالِ غنیمت میں خیانت ہوئی ہے، جب کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی امت کے لئے مالِ غنیمت کو حلال کردیا گیا۔

۴- أعطیت الشفاعة: مجھ کو شفاعت عطا کی گئی، یعنی شفاعت عظمیٰ، حضور ﷺ کے اس منصب میں کوئی دوسرا شریک نہیں، جب قیامت کے دن سب لوگ پریشان ہوں گے حتی کہ دوسرے پیغمبر بھی گھبرا جائیں گے اس وقت آپ ﷺ شفاعت فرمائیں گے حضور ﷺ کی یہ شفاعت دوسری امتوں کے لئے بھی ہوگی۔

۵- بعثت إلی الناس کافةً: یہ پانچویں خصوصیت ہے کہ آپ ﷺ تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے ہیں، قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے بھی اسی میں کامیابی ہے۔

اشکال: یہاں جُعِلَتْ لِيَ الأَرْضُ مَسْجِدًا: کے ذیل میں یہ بتایا گیا کہ امم سابقہ کے لئے صرف عبادت خانوں ہی میں عبادت کی اجازت تھی اور ساری زمین کو جائے نماز قرار دینا صرف اس امت کی خصوصیت ہے؟ جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے: "کان یسیح في الأرض ویصلي حیث أدرکته الصلاة" کہ وہ زمین کی سیاحت کرتے تھے اور جہاں نماز کا وقت آجاتا تھا وہیں نماز پڑھ لیتے تھے، پھر یہ خصوصیت کہاں باقی رہی؟

اس کا جواب حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیا ہے کہ یہ خصوصیت تیمم کے اعتبار سے ہے کہ مٹی مطہر کردی گئی ہے صلاۃ کے اعتبار سے نہیں یا یہ کہا جائے کہ خصوصیت من حیث المجموع ہے لا من حیث کل فرد، یا یہ کہا جائے کہ

خصوصیت تو ہر ایک ہی کی ہے لیکن امم کے لحاظ سے ہے نہ کہ انبیاء کے اعتبار سے۔ (فتح الباری،عمدۃ القاری)۔

۴۹۰ ﴿حَدَّثَنَا سليمانُ بنُ دَاوُدَ أَنَا ابنُ وَهْبٍ قال : حدثني ابنُ لَهِيْعَةَ ويَحيٰى بنُ أَزْهَرَ عن عَمَّارِ بنِ سَعْدٍ المراديِّ عن أبي صَالِحٍ الغِفَارِيِّ أنَّ عَلِيًّا مَرَّ بِبَابِلَ وهُوَ يَسِيرُ فَجاءَهُ المُؤَذِّنُ يُؤْذِنُهُ لِصَلاةِ العَصْرِ فَلَمَّا بَرزَ مِنهَا أَمَرَ المؤَذِّنَ فَأَقَامَ الصلاةَ فَلَمَّا فَرَغَ قال : إنَّ حِبِّي صلى الله عليه وسلم نَهَانِي أَنْ اُصَلِي فِي الْمَقْبَرَةِ ونَهَانِي أَنْ أُصَلِّيَ فِي أَرْضِ بَابِلَ ، فإنَّهَا مَلْعُونَةٌ.﴾

انفرد به أبوداود. انظر "تحفة الأشراف" (١٣٠٢٨). قال الخطابي: قلت: في إسناد هذا الحديث مقال ولا أعلم أحداًمن العلماء حرم الصلاة في أرض بابل، وقد عارضه ماهو أصح منه وهو قوله ﷺ: "جعلت لي الارض مسجداًو طهوراً" ويشبه أن يكون معناه لوثبت أنه نهاه أن يتخذأرض بابل وطناً وداراً للإقامة فتكون صلاته فيها إذاكانت إقامته بها ومخرج النهي فيه على الخصوص ألاتراه يقول: نهاني ولعل ذلك منه إنذارله بما أصابه من المحنةبالكوفة وهي أرض بابل ولم ينتقل أحد من الخلفاء الراشدين قبله من المدينة. انظر "معالم السنن" ١٢٧/١.

ترجمہ : حضرت ابو صالح غفاری ﷛ سے روایت ہے کہ حضرت علی ﷛ کا گزر شہر بابل سے ہوا، آپ چلتے رہے، اتنے میں موذن عصر کی نماز کی اطلاع دینے کے لئے آیا، جب حضرت علی ﷛ بابل کی زمین سے پار ہو گئے تو موذن کو حکم فرمایا اس نے اقامت کہی، جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ میرے محبوب رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو اس بات سے منع فرمایا کہ میں قبرستان میں نماز پڑھوں، اور منع کیا مجھ کو بابل کی زمین میں نماز پڑھنے سے اس لئے کہ وہ زمین ملعون ہے۔

تشریح مع تحقیق : ابنُ لَهِيْعَةَ : یہ عبداللہ بن لہیعہ ہیں، صدوق درجہ کے راوی ہیں، آخری عمر میں ان کے گھر آگ لگ گئی تھی اور ان کی کتابیں جل گئی تھیں جس سے ان کے حافظہ میں کمزوری آ گئی تھی۔

یحیٰی بن ازھر: یہ بھی صدوق درجہ کے راوی ہیں۔

بابل : یہ عراق کا مشہور و معروف شہر تھا اس وقت کے بادشاہ و سرمایہ دار لوگ اسی جگہ آباد تھے، یہاں کے لوگوں کا جادو بھی مشہور تھا قرآن میں بھی اس کا ذکر ہے، کہا گیا ہے کہ سب سے پہلے نوح علیہ السلام نے اس شہر کو آباد کیا ہے، ابن منذر کہتے ہیں کہ بابل بغداد سے بارہ فرسخ کے فاصلہ پر تھا۔

اس جگہ کو ملعون اس لئے کہا گیا کہ یہاں کے آباد لوگوں نے بہت زیادہ سرکشی کی تھی، مفسرین نے آیت "قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِم فَأَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ" کے ذیل میں لکھا ہے کہ نمرود بن کنعان نے اسی جگہ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے متعلق مناظرہ کیا تھا اور آسمان کی طرف چڑھنے کے لئے بابل ہی میں ایک اونچی عمارت بنوائی تھی اس عمارت

کی بلندی پندرہ ہزار ہاتھ تھی، اور مقاتل کا قول ہے کہ اس کی بلندی دو فرسخ یعنی چھ میل تھی، لیکن تیز آندھی کی وجہ سے وہ عمارت گر کر سمندر میں جا پڑی اور اس کا کچھ حصہ ان لوگوں پر بھی گرا جس کی وجہ سے لوگ ہلاک ہو گئے۔ (تفسیر مظہری ۲۵۶/۶)۔

فقہ الحدیث

اس حدیث میں دو جگہوں پر نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے ایک مقبرے میں اور دوسرے بابل کی زمین میں۔

جہاں تک قبرستان میں نماز پڑھنے کا تعلق ہے تو اس کی وضاحت یہ ہے کہ قبرستان میں نماز پڑھنا مکروہ ہے اگر چہ اصل کے اعتبار سے زمین کا ہر حصہ نماز کے قابل ہے، جیسا کہ: "جلعت لي الأرض مسجدًا وطهورًا" سے ثابت ہو چکا ہے، لیکن عوارض کی وجہ سے خاص خاص حصوں میں نماز پڑھنے سے روک دیا گیا ہے، یہ عوارض کبھی زمین میں ہوتے ہیں اور کبھی ماحول میں، اب قبرستان میں نماز کا عمل بت پرستوں یا قبر پرستوں سے تشبہ پیدا کرتا ہے اس لئے فقہاء اربعہ اس پر متفق ہیں کہ قبرستان میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

رہا مسئلہ ارض بابل میں نماز پڑھنے کا تو چونکہ یہاں عذاب خداوندی کا ظہور ہوا ہے اور محل عذاب میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا یعنی رحمت کی طلب کرنا ایک طرح کی جسارت اور لاپرواہی کا نتیجہ ہے، اس لئے ایسے مقامات میں نماز نہ پڑھنا زیادہ بہتر ہے، اگر چہ عدم جواز کا کوئی بھی قائل نہیں ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ آپ ﷺ غزوۂ تبوک کے لیے جاتے وقت قوم ثمود کی بستیوں سے گزرے تو فرمایا کہ یہ بستیاں ان لوگوں کی ہیں جن پر عذاب خداوندی اترا ہے اس لئے یہاں سے خدا کے خوف سے روتے ہوئے اور ذکر کرتے ہوئے گزرو، معلوم ہوا کہ جب گزرنے کے لئے گریہ کی شرط ہے تو نماز پڑھنے کی صورت میں ٹھہراؤ ہوگا اور گریہ وبکاء کی وجہ سے نماز نہ پڑھ سکے گا۔ (ایضاح البخاری ۱۸۲/۳)۔

۴۹۱ ﴿حَدَّثَنَا أحمد بنُ صَالِحٍ ثَنَا ابنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يَحْيٰى بنُ أَزْهَرَ وابنُ لَهِيْعَةَ عن الْحَجَّاجِ بنِ شَدَّادٍ عن أبي صَالِحِ الغِفَارِيِّ عن عَلِيٍّ بمعنى سُلَيْمَانَ بنِ داوُدَ قال: فَلَمَّا خَرَجَ مِنهَا مَكَانَ فَلَمَّا بَرَزَ.﴾

تقدم تخريجه في الحديث السابق.

ترجمہ: ابوصالح غفاری بھی حضرت علی سے اسی طرح روایت کرتے ہیں مگر اس میں خَرَجَ کی جگہ بَرَزَ ہے۔

تشریح مع تحقیق: اس روایت کو مصنفؒ یہ بیان کرنے کے لئے لائے ہیں کہ ابن لہیعہ اور یحیٰی بن ازہر کے شیخ مختلف ہیں، سلیمان بن داوٗد کی روایت میں ان دونوں کے شیخ عمار بن سعد تھے، اور احمد بن صالح کی حدیث میں حجاج بن شداد ہیں، اور دونوں روایتوں میں کوئی منافات نہیں ہے، اس لئے کہ دونوں: ابن لہیعہ، یحیٰی بن ازہر نے

دونوں: عمار بن سعد اور حجاج بن شداد سے اس روایت کو سنا ہے۔

البتہ حجاج اور عمار کی روایت میں ایک لفظی فرق ہے وہ یہ کہ عمار کی روایت میں تھا: "فَلَمَّا بَرَزَ مِنهَا" اور حجاج کی روایت میں ہے: "فَلَمَّا خَرَجَ مِنهَا" معنیٰ کے اعتبار سے دونوں کی روایت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

۴۹۲ ﴿حَدَّثَنَا مُوسٰى بنُ إسماعيلَ ثَنَا حَمَّادٌ ح وحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ ثنا عَبْدُالوَاحِدِ عن عمرو بنِ يَحْيٰى عن أبيه عن أبي سَعِيْدٍ قال : قال رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم -وقال موسٰى في حديثه فِيْمَا يَحْسِبُ عَمْرٌو أَنَّ النبيَّ صلى اللّٰه عليه وسلم قال- الْأَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدٌ إلَّا الْحَمَّامَ والْمَقْبُرَةَ.﴾

رواه ابن ماجه في "سننه" (٧٤٥) والترمذي في "جامعه" في الصلاة (٣١٧) وابن ماجه في "سننه" كتاب الصلاة، باب: المواضع التي تكره فيها الصلاة (٧٤٥). انظر "تحفة الأشراف" (٤٤٠٦) قال الترمذي: "وهذا حديث فيه اضطراب، روى سفيان الثوري عن عمروبن يحيٰى عن أبيه عن النبيﷺ مرسل، وروى حماد بن سلمة عن عمرو بن يحيٰى،عن أبيه، عن ابي سعيد، عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم ،ورواه محمد بن إسحاق عن عمرو بن يحيٰى عن أبيه قال: وكان عامة روايته عن أبي سعيد عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم ولم يذكر فيه عن أبي سعيد عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم، وكأن رواية الثوري عن عمر بن يحيٰى عن أبيه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أثبت واصح مرسلاً.

ترجمہ : حضرت ابو سعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ساری زمین مسجد ہے سوائے حمام (غسل خانہ) اور قبرستان کے۔

تشریح مع تحقیق : قوله : "وقال موسٰى في حديثه" : حدیث کے مرفوع ہونے میں اختلاف کی طرف اشارہ ہے، چنانچہ مسدد نے عمرو بن یحیٰی کے واسطے سے جزم اور یقین کے ساتھ اس کو مرفوعاً بیان کیا ہے اور موسیٰ بن اسماعیل نے ظن اور شک کے ساتھ رفع حدیث کو بیان کیا ہے، فیما یحسب عمرو سے اسی شک کی طرف اشارہ ہے۔

قبرستان میں نماز پڑھنے کا حکم تو گزر چکا ہے، البتہ غسل خانہ میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اس سلسلے میں تفصیل یہ ہے:

حنابلہ کے نزدیک غسل خانہ میں نماز پڑھنا مطلقاً جائز نہیں ہے، دلیل حدیث باب ہے، ابوثور اور ظاہریہ بھی اس کے قائل ہیں۔

جمہور علماء کے نزدیک جائز مع الکراہت ہے لیکن جب جب کہ نجاست نہ پڑی ہو اور اگر نجاست ہو تو جائز نہیں اور حدیث باب اسی صورت پر محمول ہے۔

حجۃ اللہ البالغہ میں صلاۃ فی الحمام سے ممانعت کی حکمت یہ لکھی ہے کہ یہ کشف عورت او مظنہ ازدحام کی جگہ ہے یہاں

نماز پڑھنے میں حضور قلب نہ ہو سکے گا۔

حدیث میں مذکور تین مقامات کے علاوہ اور بھی مقامات ہیں جہاں پر نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے تفصیل کے لئے منہل کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔

﴿باب النهي عن الصلاة في مبارك الإبل﴾

اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ میں نماز پڑھنے سے ممانعت کا بیان

۴۹۳ ﴿حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بنُ أبي شَيْبَةَ ثَنَا أبو معاوية ثَنَا الأَعْمَشُ عن عَبْدِاللّٰه بنِ عَبْدِاللّٰه الرازِيِّ عن عَبْدِالرحمن بنِ أبي لَيْلٰى عن البراء بنِ عَازِبٍ قال: سُئِلَ رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن الصلاة في مبارِكِ الإبلِ؟ فقال: لا تُصَلُّوا فِي مَبَارِكِ الإِبِلِ فإنَّهَا مِن الشَّيَاطِيْنِ، وسُئِلَ عن الصَّلَاةِ فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ؟ فقال: صَلُّوْا فِيْهَا فإنَّهَا بَرَكَةٌ.﴾

تقدم تخريجه (١٨٤).

ترجمہ: حضرت براء بن عازب ﷺ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ سے اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ میں نماز پڑھنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: مبارک ابل میں نماز نہ پڑھو، اس لئے کہ وہ شیطان کی جگہ ہے، اور مرابض غنم میں نماز پڑھنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس میں نماز پڑھو اس لئے کہ وہ برکت کی جگہ ہے۔

تشریح مع تحقیق: مَبَارِك: مَبْرَك کی جمع ہے، بمعنی اونٹ کے بیٹھنے کی جگہ، الْمَرَابِضِ: مَرْبِضٌ کی جمع ہے بمعنی بکریوں کا باڑا، ان کے رات گزارنے کی جگہ۔

مبارک ابل اور مرابض غنم میں نماز پڑھنے اور نہ پڑھنے کی تفصیلی بحث "باب الوضوء من لحوم الإبل" کے تحت گزر چکی ہے، لہٰذا السمح المحمود کی جلد اول کی طرف رجوع کر لیا جائے۔

❁ ❁ ❁

﴿باب مَتَى يُؤمَرُ الغُلَامُ بالصَّلَاةِ﴾

بچے کونماز کا حکم کب کیا جائے؟ اس کا بیان

۴۹۴ ﴿حَدَّثَنَا محمد بنُ عِيسَى بنَ الطَّبَّاعِ ثَنَا إبراهيمُ بنُ سَعْدٍ عن عَبْدِالملِكِ بنِ الربيعِ بنِ سَبْرَةَ عن أبيه عن جَدِّهِ قال : قَالَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم : مُرُوْا الصَّبِيَّ بالصَّلَاةِ إذَا بَلَغَ سَبْعَ سِنِيْنَ وإذَا بَلَغَ عَشْرَ فَاضْرِبُوْهُ عَلَيْهَا.﴾

أخرجه الترمذي في "جامعه" في أبواب الصلاة، باب: ماجاء متى يؤمر الصبي بالصلاة (٤٠٧) وقال الترمذي: حسن صحيح.
قال النوري في "المجموع" ١٠/٣ حديث سبرة صحيح ويقال: سبرة بن عوسجة أبوثرية، بضم الثاء وفتح الراء، والاستدلال به واضح لأنه يتناول بمنطوقه الصبي والصبية في الأمربالصلاة والضرب عليها، وفيه زيادة أخرى، وهي التفريق في المضاجع. قال في "المجموع" ١٠/٣ قوله: "مُروا": وهو أمر للولي فاوجب على الولي أن يأمر الصبي، وهي قاعدة معروفة في الاصول أن الأمر بالأمر بالشيء، ليس أمرًا بالشيء مالم يدل عليه دليل، كقوله تعالى: ﴿خُذ مِن اَموَالِهِم صَدَقَةً﴾ وهذا الامر والضرب واجب على الولي سواء أكان أباًأو جدًا، أو وصياً أوقيماًمن جهة القاضي.

ترجمه : حضرت سبرہ بن معبد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب بچہ سات برس کا ہوجائے تو اس کونماز پڑھنے کا حکم کرو، اور جب دس برس کا ہوجائے تو نماز (نہ پڑھنے) پر مارو۔

تشریح مع تحقیق : قوله : "مُرُوْا الصَّبِيَّ بالصَّلَاةِ" یہ خطاب اولیاء کو ہے کو وہ بچوں کو سات برس کا ہوتے ہی نماز کا حکم کریں، خواہ لڑکی ہو یا لڑکا، کیونکہ عموماً سات سال کی عمر سن تمیز کہلاتی ہیں اس وقت بچے کو نماز کا عادی بنانا زیادہ آسان ہے، صاحب منہل کہتے ہیں کہ حدیث باب میں خطاب اولیاء کو اس لئے ہے کہ صغیر غیر مکلّف ہوتا ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے: "رُفِعَ القَلَمُ عن ثَلَاثَةٍ عن المَجْنُوْنِ المغلوبُ على عَقْلِهِ حَتّى يَبْرأ وعن النائِمِ حتى يَسْتَيقِظَ ، وعن الصَّبِيِّ حَتّى يَحْتَلِمُ"۔

قوله : "فاضربوه عليها" دس سال کا ہونے کے بعد بھی اگر بچہ نماز نہ پڑھے تو اس کی پٹائی کرو لیکن یہ ضرب غیر مبرح ہونی چاہئے، دس سال کا بچہ چوں کہ قریب البلوغ ہوتا ہے ضرب کا متحمل ہوتا ہے اس لئے ضرب کا حکم دیا گیا ہے۔

ولی کے لئے بچہ کونماز کا حکم کرنا یا اس پر ضرب تادیبی کرنا واجب ہے، خواہ ولی والد ہو یا دادا ہو یا وصی ہو یا قاضی کی طرف سے مقرر کردہ نگراں ہو۔ (المنہل العذب المورود ۴/۱۲۰)۔

حدیث باب کے ذیل میں امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے شوافع کی حمایت میں عجیب استدلال کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر صبی بعد البلوغ نماز ترک کرے تو اس کو ضرب سے بڑھ کر سزا دی جائے گی اور ضرب سے بڑھ کر سزا قتل ہے، لہٰذا تارکِ صلاۃ کا حکم قتل کرنا ہے، جب کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ تارک صلاۃ کی سزا حبس اور ضرب ہے قتل جائز نہیں، حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دلیل مسلم شریف کی مشہور حدیث ہے: لا یحل دم امرئ مسلم إلا باحدی ثلاث" اس حدیث میں جوازِ قتل مسلم کا انحصار صرف تین چیزوں میں بیان کیا گیا ہے: ۱۔ قصاص، ۲۔ زنا المحصن، ۳۔ ارتداد۔

عینیؒ خطابی پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ کہنا کہ ضرب کے بعد قتل ہی کا درجہ ہے صحیح نہیں ہے، کیوں کہ خود ضرب کے بہت سے درجات ہیں، ضرب ممبرّح وغیر مبرح، ضرب مع الحبس اور ضرب بدون الحبس وغیرہ نیز ضرب قبل البلوغ بطریق تادیب ہوتی ہے اور بعد البلوغ بطریق زجر اور تعزیر ہوتی ہے، لہٰذا امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ کا شوافع کے مسلک پر حدیث باب سے استدلال کرنا ٹھیک نہیں ہے۔

۴۹۵ ﴿حَدَّثَنَا مُؤَمَّلُ بنُ هِشَامٍ يعني اليَشْكُرِيَّ ثَنَا إسْمَاعِيلُ عن سَوَّارٍ أبي حَمْزَةَ -قال أبوداوُدَ: وهُوَ سَوَّارُ بنُ داوُدَ أبو حَمْزَةَ الْمُزَنِيُّ الصَّيْرَفِيُّ- عن عَمرو بنِ شُعَيْبٍ عن أبيه عن جَدِّه قال: قال رسولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم: "مُرُوْا أَوْلَادَكُمْ بالصَّلَاةِ وهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِيْنَ، واضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرٍ، وفَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ".﴾

انفرد به أبوداود. انظر "تحفة الأشراف" (٨٧١٧).

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ﷜ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنی اولاد کو نماز کا حکم کرو جب وہ سات سال کی ہو جائے، اور اس کو نماز (نہ) پڑھنے پر مارو جب وہ دس سال کی ہو جائے اور ان کے بستر الگ کر دو۔

تشریح مع تحقیق: قوله: "سَوَّار أبو حمزةَ الصَّيْرَفِي" ان کے نام کے بارے میں اختلاف ہے جس کی وضاحت آگے آئے گی یہ سونے چاندی کی تجارت کرتے تھے، یحییٰ بن معین نے ان کو ثقہ لکھا ہے جب کہ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں: "شيخ لا بأس به" یعنی توثیق تو کی ہے لیکن ادنیٰ درجہ کی، البتہ ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کا نام ذکر کیا ہے اور لکھا ہے: يُخْطِئ۔

قوله: فَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ في المَضَاجِعِ: مَضَاجِعُ جمع ہے مَضْجِعٌ کی بمعنی لیٹنے کی جگہ، بستر، جب بچے دس سال کے ہو جاتے ہیں تو وہ بلوغ کے قریب ہوتے ہیں اور شہوت کا مظنہ ہوتا ہے اس لئے ان کو ایک بستر پر نہ لٹایا جائے تاکہ ہر

قسم کی بری عادت سے محفوظ رہیں، یہ مطلب تو اس صورت میں ہے جب کہ فَرِّقُوا کا عطف "اضْرِبُوا" پر ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا عطف "مُرُوْهُم" پر ہو تو ایسی صورت میں سات سال کی عمر ہی میں تفریق واجب ہو جائے گی اس کی تائید مسند بزار کی ایک روایت سے ہوتی ہے، جس میں ہے: "فرقوا بين الغلمان والجواري والإخوة والأخوات لسبع سنين واضربوا أبنائكم على الصلاة إذا بلغوا أظنه تِسع سنين". (المنہل ۱۲۲/۴)۔

لیکن حنفیہ کی کتب فقہ میں دس سال کی عمر میں ہی تفریق پر فتویٰ ہے۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ آج کل ہمارے مدارس اسلامیہ میں طلبہ کے بستروں میں بالکل تفریق نہیں ہوتی، بعض مدارس میں تو یہاں تک دیکھا گیا ہے کہ ایک لحاف میں دو دو طالب علم سوتے ہیں اور ارباب انتظام اس کی طرف بالکل توجہ نہیں دیتے، جس کی نحوست یہ ہوتی ہے کہ طلبہ اخلاقی کردار کھو بیٹھتے ہیں۔ فإلى الله المشتكى.

۴۹۶ ﴿حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بنُ حَرْبٍ ثَنَا وَكِيعٌ حدثني دَاوُدُ بنُ سَوَّارٍ الْمُزَنِيُّ بإسنادِهِ ومَعْنَاهُ، وزَادَ فيه: وإذَا زَوَّجَ أَحَدُكُم خَادِمَهُ: عَبْدَهُ أو أجِيرَهُ، فَلَا يَنْظُر إلى مَا دُوْنَ السُّرَّةِ و فَوْقَ الرُّكْبَةِ.

قال أبو داوُدَ: وَهِمَ وَكِيعٌ في اسمِهِ، و رَوَى عَنْهُ أبوداوُدَ الطَّيَالِسِيُّ هذا الحديثَ فقال: أبو حَمْزَةَ سَوَّارُ الصَّيْرَفِيُّ.﴾

تقدم تخرجه في الحديث السابق.

ترجمہ: وکیع کہتے ہیں کہ مجھ سے داؤد بن سوار مزنی نے سابقہ روایت کی سند اور اس کے معنی کو بیان کیا اور اس میں یہ زیادتی نقل کی کہ: جب کوئی اپنی لونڈی کا نکاح اپنے غلام یا نوکر سے کردے تو پھر اس کی ناف کے نیچے اور گھٹنوں کے اوپر نہ دیکھے۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ وکیع کو داؤد بن سوار کے نام میں غلطی واقع ہوئی ہے، ابوداؤد طیالسی نے اس سے اس حدیث کو روایت کیا ہے تو کہا ابوحمزہ سوار صیرفی۔

تشریح مع تحقیق: قوله: "بإسناده ومعناه" پہلی سند میں مصنفؒ کے شیخ الشیخ اسماعیل تھے اور اس سند میں وکیع ہیں، دونوں کی آگے کی سند یکساں ہے اور متن بھی ہم معنی ہے البتہ وکیع کی روایت میں اسماعیل کی روایت کے مقابلہ میں کچھ اضافہ ہے، وہ یہ کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی آدمی اپنی باندی کا نکاح اپنے غلام سے یا اپنے نوکر سے کردے تو وہ اب اس باندی کے ستر کو نہ دیکھے، البتہ ستر کے علاوہ باقی حصہ کو اس وقت دیکھ سکتا ہے جب کہ شہوت کا خوف نہ ہو، شہوت کے ساتھ تو غیر ستر کو دیکھنا بھی جائز نہیں ہے۔

یہاں سے یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ جب اپنے غلام سے اپنی باندی کا نکاح کر دینے کے بعد حکم یہ ہے تو اگر اجنبی کے ساتھ نکاح کیا ہو تو بدرجۂ اولیٰ مولیٰ کا باندی کے ستر کو دیکھنا جائز نہ ہوگا۔

قولہ : "وَهِمَ وَكِيعٌ" مصنف فرمارہے ہیں کہ داؤد بن سوار کے نام کے بارے میں اختلاف ہورہا ہے کہ ان کا نام داؤد بن سوار ہے یا سوار بن داؤد ہے؟ مصنف کے پہلے شیخ الشیخ اسماعیل نے تو داؤد بن سوار کہا اور یہی صحیح بھی ہے اور وکیع نے سوار بن داؤد کہا اور یہ قلب ہے، مصنف اسماعیل کی تائید کررہے ہیں ابوداؤد طیالسی کے ذریعہ کہ انہوں نے بھی داؤد بن سوار ہی کہا ہے، تو گویا داؤد بن سوار نقل کرنے والے دو ہوگئے ایک اسماعیل اور دوسرے ابوداؤد طیالسی، صاحب منہل کہتے ہیں کہ نضر بن شمیل اور عبداللہ بن بکیر نے بھی داؤد بن سوار ہی کہا ہے جیسا کہ سنن دار قطنی میں ہے۔ (المنہل ۱۲۳/۴)۔

۴۹۷ ﴿حَدَّثَنَا سليمان بنُ داوُدَ الْمَهْرِيُّ ثَنَا ابنُ وَهْبٍ أَخْبَرنِي هِشَامُ بنُ سَعْدٍ ثَنِي مُعَاذُ بنُ عَبْدِالله بنِ خُبَيْبٍ الْجُهَنِيُّ قال : دَخَلْنَا عليه ، فقال لِامْرَأَتِهِ : مَتى يُصَلِّي الصَّبِيُّ ؟ فقالت كَانَ رَجُلٌ مِنَّا يَذْكُرُ عن رسولِ الله صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ سُئِلَ عن ذلك ؟ فقال : إِذَا عَرَفَ يَمِينَهُ مِنْ شِمَالِهِ فَمُرُوْهُ بالصَّلَاةِ.﴾

انفرد به أبو داود. انظر "تحفة الأشراف" (۱۵۷۱۰).

ترجمہ : ہشام بن سعد سے روایت ہے کہتے ہیں کہ ہم معاذ بن عبداللہ بن خبیب کے پاس گئے، انہوں نے اپنی عورت سے کہا: لڑکا کب نماز پڑھے؟ وہ بولی کہ ہم سے کوئی شخص بیان کرتا تھا کہ حضور ﷺ سے اس کا سوال ہوا آپ ﷺ نے فرمایا: جب وہ دائیں ہاتھ کا بائیں ہاتھ سے امتیاز کرنے لگے تو اس کو نماز کا حکم کرو۔

تشریح مع تحقیق : معاذ بن عبدالله : یحییٰ بن معین نے تو ان کو ثقہ کہا ہے اور امام دار قطنی وابن حزم نے ضعیف قرار دیا ہے۔

لإمرأته : معاذ کی بیوی بھی مجہولہ ہیں، اسی طرح سے جن سے یہ عورت نقل کررہی ہیں وہ بھی رجل مجہول ہیں لیکن یہ رجل مجہول غالباً صحابی ہیں جن کی جہالت مضر نہیں۔

مضمون حدیث یہ ہے کہ ہشام بن سعد غالباً اپنے رفقاء کے ساتھ معاذ بن عبداللہ کے یہاں پہنچے، اسی دوران معاذ نے اپنی بیوی سے یہ مسئلہ پوچھا کہ بچہ کس عمر میں نماز پڑھنا شروع کردے؟ اس پر ان کی بیوی نے یہ بیان کیا ہمارے خاندان کا ایک شخص (غالباً صحابی ہیں) بیان کرتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح کا سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا تھا کہ جب وہ اس عمر کو پہنچ جائے کہ دائیں بائیں کی تمیز کرنے لگے تو اس کو نماز کا حکم کرو، چوں کہ عموماً بچہ سات سال کی عمر میں ممیز ہوجاتا ہے، اس لئے حدیث سابق میں سات سال کی قید تھی،

ہاں اگر کہیں سات سال سے کم کی عمر میں بچہ ممیز ہو جائے تو اس کو اسی وقت نماز کا حکم شروع کر دینا چاہئے۔ واللہ اعلم
(المنہل العذب المورود ۴/۱۲۴)۔

هذا آخر ما أردنا إيراده من شرح أبواب الصلاة وعليه ينتهي الجزء الثاني من "السمح المحمود فى حل سنن أبي داؤد"، فالحمد لله على ذلك، والصلاة والسلام على سيدنا محمد خاتم النبيين وعلى آله وأصحابه أجمعين صلاةً وسلامًا دائمين بدوام السموات والأرضين.

وقد وقع الفراغ في الليلة المتخللة بين السبت والأحد: ۳-٤ ربيع الثاني ١٤٢٨هـ وذلك في رحاب الجامعة الإسلامية العربية بالمسجد الجامع أمروهه، يوبى الهند، وأنا الفقير خادم الحديث النبوي الشريف عبدالرزاق القاسمي غفرالله له ولوالديه ولجميع أساتذته ولجميع المؤمنين والمؤمنات.

آمين يارب العالمين

عبدالرزاق بن عبداللہ
خادم حدیث جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ
۱۴۲۸/۴/۴ھ مطابق ۲۰۰۷/۴/۲۱ء

مؤلف کی دیگر کاوشیں

(۱) السمح المحمود في حل سنن أبي داؤد جلد اول

(۲) السمح المحمود في حل سنن أبي داؤد جلد تاسع

(۳) الحديث الحسن في جامع الترمذي

(٤) صور من حياة المحدثين والفقهاء

(٥) تقريب المتعلم حاشيه تعليم المتعلم

(٦) تفهيم المتعلم شرح اردو تعليم المتعلم

(۷) تخریج احادیث اختلاف الائمہ (یعنی ائمہ کرام کے درمیان اختلاف کی وجوہات)

(۸) مجموعه فضائل اعمال عربی

(۹) فقہ وحدیث کے روشن ستارے